مقالاتِ عثمانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

بین الاقوامی کانفرنسوں میں
پیش کئے گئے علمی، فکری
وتحقیقی مقالات کا مجموعہ

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مکتبہ دائرۃ المعارف کراچی

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقالاتِ عثمانی

(جلدِ اوّل)

عربی مقالات

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

اردو ترجمہ

یوسف حسین گجراتی

متخرّج جامعہ دار العلوم کراچی

مکتبہ دائرۃ المعارف کراچی

toobaa-elibrary.blogspot.com

حقوقِ طبع بحقِ ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب: مقالاتِ عثمانی (جلد اوّل)

عربی مقالات: شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

اردو ترجمہ: یوسف حسین گجراتی (متخرج دارالعلوم کراچی)

سنِ اشاعت: رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ بمطابق جون ۲۰۱۷ء

ناشر: مکتبہ دائرۃ المعارف کراچی

برائے رابطہ: +92 301 3482560, +92 313 1096481, +92 324 2191944

انتساب

بندہ اپنی اس ادنیٰ سی کاوش کو اپنے وقت کے دو اکابر بزرگان دین و اولیاء اللہ

مجدد العصر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

اور

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

کی صحبتوں کا ثمرہ سمجھتا ہے اور ان مشائخ کی طرف منسوب کر کے بارگاہ الٰہی میں شرفِ قبولیت اور ذریعۂ ہدایت ہونے کے لئے دست بدعا ہے۔ (یوسف حسین)

toobaa-elibrary.blogspot.com

فہرست

عرض مترجم ۱۵

عقائد

حجۃ الوداع اور عقیدۂ وحدانیت کے تین روشن پہلو ۲۴
۱۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحدانیت کا عقیدہ رکھنا ۲۹
۲۔ مناسک حج اور دین حق کی وحدانیت ۳۴
۳۔ مسلمانوں کی وحدانیت (اتحاد) ۳۸
تفسیرِ عثمانی پر ہونے والے اعتراضات کا تحقیقی جائزہ ۴۳
امین رابطۃ العالم الاسلامی کو ارسال کردہ خط ۴۶
تفسیر عثمانی پر اعتراضات اور دو بنیادی نکات ۴۶
مجتہد دیانتدارانہ رائے میں قابلِ ملامت نہیں ۴۷
اجتہادی اختلاف اور عوام کے لئے قابلِ عمل پہلو ۴۷
اجتہادی اختلاف اور علامہ ابن تیمیہؒ کا تحقیقی رسالہ ۴۸
اجتہادی اختلاف اور مسالک اربعہ ۵۰
ہر چہار مسالک کی طرف دائرۂ عمل وسیع کرنے کی ضرورت ۵۰
مسائل مختلف فیہامیں جملہ مسالک اربعہ کی رعایت کی ضرورت ۵۰
کتبِ تفسیر کے معتمد ہونے کے لئے بنیادی شرائط کالحاظ کافی ہے ۵۱
تفسیر عثمانی پر اعتراضات کی اصل حقیقت ۵۲
علامہ عثمانی بحیثیت مجتہد و محقق عالم ربانی ۵۲
تفسیر عثمانی پر ہونے والے اعتراضات کا تحقیقی جائزہ ۵۴
پہلا اعتراض ،استعانت بالغیر اور اکثر پایاجانے والاشبہ ۵۴
حضرت شیخ الہندؒ کاعام فہم جواب ۵۴
توسّل کامفہوم ۵۵
حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل اور اجماعِ صحابہ ۵۵
خصوصیت سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کی وجہ ۵۶
استعانتِ ظاہری کے بارے میں حضرت شیخ الہندؒ کاموقف ۵۷
توسل کے دو متفق علیہ قابلِ عمل معانی ۵۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

کسی کو مؤثر بالذات و متصرف بالامور سمجھنا جائز نہیں ۵۸
علامہ عثمانیؒ کی شخصیت اور تفسیرِ عثمانی کی افادیت ۵۹
دوسرا اعتراض ۵۹
مور اور سانپ کا قصہ (قصة الطاؤس والحية) ۵۹
علامہ عثمانی کا مور اور سانپ کے قصہ کے بارے میں مؤقف ۶۰
مور اور سانپ کا ذکر دیگر کتبِ تفسیر میں ۶۰
ضعیف روایات اور مولانا عثمانی کی احتیاط ۶۰
دسواں اعتراض ۶۱
قصۂ شعیب علیہ السلام کے ذیل میں ذکر کردہ ضعیف روایت ۶۱
تیسرا اعتراض ۶۲
آدم علیہ السلام کے خلیفۃ اللہ ہونے پر اعتراض ۶۲
آدم علیہ السلام کے خلیفۃ اللہ ہونے کی تین تفسیریں ۶۳
تیسری تفسیر راجح ہونے پر دلائل ۶۳
چوتھا اعتراض ۶۴
یہودیوں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے فتحیابی کی دعا ۶۴
دیگر مراجع و مصادر میں توسل کا بیان ۶۴
مذکورہ توسل پر اعتراض بے وجہ ہے ۶۵
پانچواں، چھٹا اور ساتواں اعتراض ۶۶
مسئلۂ صفات اللہ تعالیٰ کے بارے میں چند اعتراضات ۶۶
صفات اللہ سے متعلق مختلف اقوال ۶۷
۱۔ تشبیہ و تجسیم ۶۷
۲۔ تعطیل ۶۷
۳۔ توقف و تفویض ۶۷
۴۔ حقیقی معنیٰ مراد لینا اور کیفیت کی تفویض کرنا ۶۸
تیسرے اور چوتھے معانی میں فرق ۶۸
۵۔ مجازی معنیٰ کا مراد لینا ۶۸
۶۔ تاویل (اگر محاورات عرب میں رائج ہو) ۶۹
تشبیہ و تعطیل سے بالاتر ہو کر ہر چہار مذاہب کا احتمال ہے ۶۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

اجتہادی اختلاف میں افراط و تفریط بہر صورت روا نہیں ۶۹
پہلے مذہب کے قائلین اور ان کے دلائل ۷۰
دوسرے مذہب کے قائلین ۷۲
مذکورہ دونوں مذاہب میں باریک فرق ۷۳
تیسرے مذہب کے قائلین اور ان کے دلائل ۷۳
چوتھے مذہب کے قائلین اور ان کے دلائل ۷۸
مذاہبِ اربعہ اور حدود سے تجاوز ۸۰
صفاتِ باری تعالیٰ کا مسئلہ اور اعتراضات کا اجمالی جائزہ ۸۱
۱۔(مطلق)مسلکِ تاویل کی طرف نسبت اور اس کارد ۸۱
۲۔تشبیہ و تجسیم کی طرف نسبت اور معترض کی تین تعلیقات ۸۳
پہلی تعلیق اور اس کارد ۸۶
دوسری تعلیق اور اس کارد ۸۶
تیسری تعلیق اور اس کارد ۸۷
۳۔(مطلق) مجازی معنی مراد لینے کی طرف نسبت اور اس کارد ۸۸
صفاتِ باری تعالیٰ او رصاحبِ تفسیر عثمانیؒ کا (جمہور کے موافق) مذہب ۹۰
مقدمہ "القول التمام فی اثبات التفویض ذھبًا للسلف الکرام" ۹۴
اصول التکفیر ۱۱۵
پہلاسوال ۱۱۸
دوسراسوال ۱۲۲
تیسرا سوال ۱۲۳
گستاخانِ رسول کو نکیل ڈالنے کے لئے امین رابطۃ العالم الاسلامی
کے نام ارسال کیا گیا مراسلہ ۱۲۶
قرار داد تکفیرِ قادیانیت ۱۲۹
استفتاء ۱۳۲
۱۔قادیانی فرقہ ۱۳۳
۲۔لاہوری فرقہ ۱۳۳
ضمیمہ الف ۱۳۵
دعوائے نبوت ۱۳۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

قادیانیوں کے بارے میں استفتاء سے متعلق مجوزہ جواب کا مسودہ ۱۳۹
پہلی وجہ ۱۴۲
دوسری وجہ ۱۴۳
قادیانیوں کے بارے میں مجمع الفقہ الاسلامی العالمی کی منسلکہ قرارداد ۱۵۱

حدیث وسنتِ رسول علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات

چودھویں صدی ہجری میں ہندوپاک میں لکھی گئی شروح حدیث کا جامع تعارف ۱۵۷
۱۔فیض الباری ۱۶۴
۲۔فتح الملہم بشرح صحیح مسلم ۱۶۵
۳۔بذل المجہود فی حل ابی داؤد ۱۶۹
اوجز المسالک ۱۷۲
اعلاء السنن ۱۷۵
معارف السنن ۱۷۷
لامع الدراری ۱۷۸
الکوکب الدری ۱۷۸
قلائد الازہار ۱۷۹
اتباعِ سنت، کامیابی کی کسوٹی ۱۸۰
ماحولیاتی آلودگی اور اس کے اسباب ۱۸۴

فقہ اور قانونِ اسلامی

عہد حاضر میں اجتہاد کا طریقۂ کار ۱۹۲
۱۔عہد حاضر میں کس قسم کا اجتہاد مطلوب ہے؟ ۱۹۴
نری عقل کے گمراہ کن نظریات ۱۹۶
عقل کا دائرۂ کار ۱۹۹
نری عقل کے لائقِ تقلید نہ ہونے کی بنیادی وجہ اور ڈاکٹر پیٹن کا حقیقت پسندانہ تبصرہ ۲۰۱
نری عقل کی ثالثی اور ابن خلدون کا قول فیصل ۲۰۳
معتبر اجتہاد کا دائرہ کار ۲۰۵
اجتہاد کا عملی طریقۂ کار ۲۰۷
فقہ کی تدوین کا پہلا پہلو ۲۰۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

تدوین فقہ کے دو اساسی اصول ۲۰۸
فقہ کی تدوین کا دوسرا پہلو ۲۱۰
احکام کا مدار علتوں پر ہے حکمتوں پر نہیں ۲۱۰
تدوین فقہ کا ایک اور اہم پہلو ۲۱۲
۳۔اجتہاد کا اہل کون ہے؟ ۲۱۲
کیا ہر مسلمان اجتہاد کا اہل ہے؟ ۲۱۳
اجتہاد کا منصفانہ اسلامی قانون اور ادیانِ باطلہ کی اجارہ داری ۲۱۴
علماءِ اسلام اور نصاری رہنماؤں میں فرق ۲۱۵
دینی وعصری علوم میں پیدا کردہ خلیج کے منفی اثرات ۲۱۸
اجتہاد اور پارلیمنٹ ۲۲۰
اجتہادی مسائل میں امت مسلمہ کے اجتماعی ضمیر کی اہمیت ۲۲۱
خلاصۂ کلام ۲۲۳
جمود و ترقی کی شرعی حدود اور عصر حاضر کے قوانین سے ایک موازنہ ۲۲۶
تغیر پذیری کا قانون اور ممکنہ تین صورتیں ۲۲۷
حدود و تعزیرات سے متعلقہ سوڈان کے قوانین پر ایک سرسری نظر ۲۴۰
عمومی نوعیت کے قابل غور پہلو ۲۴۰
سوڈان کے سزاؤں سے متعلق قوانین پر ایک سرسری نظر ۲۴۳
قوانین برائے حدود تعزیرات بابت ۱۹۸۳ء ۲۴۳
(ا) حدود سے متعلق سزائیں ۲۴۳
چوری کی حد ۲۴۳
چوری کا نصاب ۲۴۸
قطع ید کی شرائط کی تفصیل ۲۵۰
پاکستانی قانون کے آرٹیکل ۲ (د) کی شرح ۲۵۰
۲۔ڈاکہ زنی کی سزا ۲۵۳
۳۔زنا کی حد ۲۵۵
جیل اور جلا وطنی کی سزا ۲۵۷
جنسی جرائم کے اڈوں کا حکم ۲۵۷
غیر مسلم کا دھوکا دے کر زنا کرنا ۲۵۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴۔ تہمت کی حد ۲۵۹
تشریح ۲۶۱
قذف (زنا کی تہمت) کا دعویٰ ۲۶۲
لعان ۲۶۲
۵۔ قتل ۲۶۳
قتل شبہ عمد ۲۶۳
قتل کی سزائیں ۲۶۴
ٹارگٹ کلنگ کی سزا ۲۶۵
قتل شبہ عمد کی سزا ۲۶۶
بچے کا قتل ۲۶۸
پیٹ کے بچے پر جرم اور اس کی سزا ۲۶۹
تعزیری (صوابدیدی) سزائیں ۲۶۹
مفتیان کرام کے لئے مجوّزہ عہد نامہ ۲۷۲
مقاصدِ شرعیہ اور عصر حاضر کے تقاضے ۲۹۳
تاخیر سے شفق غائب ہونے والے علاقوں میں مغرب عشاء ایک ساتھ پڑھنے کے مسئلہ میں مجمع الفقہی کی قرارداد ۲۹۸
تجویز نامہ ۲۹۸
قرار داد کا ثمرہ ۲۹۹
زیر بحث مسئلہ میں مزید غور وفکر کی تجویز ۳۰۲

تعلیم وتربیت اور تعمیرِ فکر

پاکستان میں رائج دینی تعلیم پر ایک طائرانہ نظر ۳۰۹
درس نظامی ۳۰۹
قیام پاکستان کے بعد ۳۱۹
پاکستان میں دینی مدارس ۳۲۰
۱۔ مقصدیت کو سامنے رکھنا ۳۲۸
۲۔ علوم عصریہ میں اصلاحات کی ضرورت ۳۲۸
طریقۂ تعلیم ۳۲۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

مدارسِ دینیہ کا تعلیمی نظام، تنقیدی نقطۂ نظر سے ۳۳۰
ایک جامع نظام تعلیم کی تشکیل کے لیے تجاویز و معروضات ۳۳۳
دینی ذہنیت اور اسلامی طرز فکر ۳۳۶
۳۔ دینی تعلیم ۳۳۷
۴۔ اسکولز و کالجز کا دینی ماحول ۳۳۸
(الف) اساتذہ کرام ۳۳۸
(ب) جداگانہ تعلیم ۳۳۸
(ج) غیر نصابی سرگرمیاں ۳۳۹
(د) یونیفارم ۳۳۹
(ہ) شعائر اسلام کا احترام ۳۴۰
۵۔ تعلیم نسواں ۳۴۰
دینی مدارس کو سرکاری تحویل میں دینے کا مسئلہ ۳۴۱
(ا) مدرسہ ایجوکیشن بورڈ ۳۴۳
نظامِ تعلیم و تربیت کی رو سے درپیش ثقافتی جنگ ۳۴۶
علم و دین ۳۴۷
دینی ماحول کی تشکیل ۳۵۶
درسگاہوں کا ماحول ۳۵۸
پاکستان میں نفاذِ اسلام کی جدوجہد اور اس کی اثرات ۳۶۲
۱۔ زکوٰۃ ادا کرنے کا ریاستی سطح پر نظم اور اس کی تنفیذ ۳۶۴
۲۔ شراب نوشی و فحاشی کے سدباب کے لئے کیے گئے اقدامات ۳۶۴
شرعی حدود کا نفاذ ۳۶۵
شرعی عدالت عظمیٰ کا قیام ۳۶۶
۵۔ تعلیم کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے سے متعلق کاوشیں ۳۶۶
۶۔ میڈیا و نشریاتی اداروں میں اصلاحات کا نفاذ ۳۶۷
۷۔ سود سے پاک بینکاری نظام ۳۶۷
۸۔ ریاستی سطح پر نماز کے قیام کے لئے اقدامات ۳۶۸
برصغیر ہند و پاک کا فیضان علم ۳۷۲
حضرت علامہ عبد الفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے تأثرات ۳۷۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

حساب ابجدیہ کی حقیقت ۳۸۰
عالم اسلام اور رفاہ عامہ کے میادین عمل ۳۸۸
شعبہ برائے مالی معاونت(Funding Department) ۳۸۹
عملی ڈھانچہ ۳۸۹
مستقل بنیادوں پر تین شعبوں کا قیام ۳۸۹
تینوں شعبوں کے اراکین مجلس شوری ۳۹۰
ا۔شعبہ مسلم اقلیتی کمیونٹی ۳۹۳
۲۔شعبہ دعوت و تبلیغ اور دینی تعلیم ۳۹۷
۳۔شعبہ ہلال احمر ۴۰۱

اقتصادیات ومعاشیات

موجودہ عالمی معاشی بحران اور اسلامی تعلیمات ۴۱۲
ا۔بازار کی معیشت اور منصفانہ تقسیم دولت ۴۱۴
۲۔نفع کا محرک اور حرص ۴۱۷
۳۔حقیقتِ زر ۴۲۰
۴۔سٹہ (Speculation) ۴۳۴
۵۔تجارت کے ضروری اجزائے ترکیبی ۴۳۵
۵۔شارٹ سیل (بغیر ملکیت حاصل کیے فروخت کرنا) ۴۳۶
۶۔دیون (Debts) کی فروخت ۴۳۷
۷۔شفافیت ۴۳۸
۸۔موجودہ بحران کیسے ابھرا؟ ۴۴۰
۹۔اسباب اور علاج ۴۴۲
۱۰۔کچھ اسلامی مالیاتی اداروں کے بارے میں ۴۴۵
رپورٹ ۴۵۱
تعلیقات ۴۵۲
شرعیہ بورڈ فرائض و اہداف ۴۵۸
نگران شرعیہ بورڈ اور اس کے وظائف ۴۶۸
احکام شرعیہ کی تنفیذ میں نگران شرعیہ بورڈز کا کردار ۴۷۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدمہ "المعاییرالشرعیہ" ۴۸۰

شخصیات و تاثرات

مولانا مفتی محمد شفیعؒ ۴۸۸
راہ سلوک میں آپ رحمہ اللہ کے مشائخ طریقت ۴۹۲
فتویٰ نویسی ۴۹۳
تعمیر پاکستان اور آپ کا ناقابل فراموش کردار ۴۹۴
پاکستان کی طرف ہجرت ۴۹۷
پاکستان میں اقامتِ دین کے لیے آپ رحمہ اللہ کی جدوجہد ۴۹۷
دارالعلوم کراچی کی تاسیس ۴۹۹
تصنیفی و تالیفات خدمات ۵۰۰
(۱) معارف القرآن ۵۰۰
(۲) احکام القرآن ۵۰۰
(۳) ختم نبوت ۵۰۱
(۴) سیرت خاتم الانبیاء ۵۰۲
(۵) آلات جدیدہ ۵۰۲
(۶) احکام اراضی ۵۰۳
(۷) امداد المفتیین ۵۰۳
(۸) التصریح بما تواتر فی نزول المسیح ۵۰۳
(۹) ہدیۃ المہدیین فی آیات خاتم النبیین ۵۰۴
(۱۰) ثمرات الاوراق ۵۰۴
شعری وادبی ذوق ۵۰۵
مناجات دربار گاہ رب ذوالجلال ۵۰۶
شانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ۵۰۸
وعظ ونصیحت ۵۰۸
درمدح شیخ انور شاہ کشمیری قدس سرہ ۵۰۹
مرثیہ ۵۰۹
غم فراقِ شیخ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ۵۱۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

مولانا شیخ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی رحلت کے موقع پر آہ وفغاں کے الفاظ ۵۱۰
غزل ۵۱۱
مختصر سوانح حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ۵۱۴
تدریس کا مشغلہ ۵۱۷
وطن اصلی کی طرف سفر ۵۱۸
ا۔ تالیفی خدمات ۵۱۹
مواعظ و بیانات ۵۲۴
ملفوظات ۵۲۷
راہ سلوک میں حضرت رحمہ اللہ کا اصلاحی تعلق اور بیعت ۵۲۷
تصوف و سلوک کا نکھار، حضرت تھانویؒ کا تجدیدی کارنامہ ۵۲۹
مختصر سوانح صاحبِ "اعلاء السنن" ۵۳۷
"اعلاء السنن" تذکرہ و تبصرہ ۵۴۲
طبع ثانی کے وقت حضرت تھانوی کے تحریر کردہ "احیاء السنن" کا خطبہ ۵۴۵
اعلاء السنن کی تخریج میں میرا طریقۂ کار ۵۴۸
عالم اسلام کی معروف و مقبول شخصیت محترم ڈاکٹر یوسف القرضاوی ۵۵۲
عراقی وفد کی دارالعلوم آمد پر پیش کیا گیا سپاس نامہ ۵۵۸

مختلف کتب پر تحریر کئے گئے مقدمات

مقدمہ "احکام القرآن" ۵۶۴
مقدمہ "الکنز المتواری فی معادن لامع الدراری و صحیح البخاری" ۵۷۳
مقدمہ "تکملہ معارف السنن" ۵۷۵
مقدمہ "الکاشف عن حقائق السنن"
المعروف بہ ۔ شرح الطیبی علی مشکوۃ المصابیح ۵۷۸
مقدمہ "المحیط البرہانی" ۵۸۲
مقدمہ "شرح الزیادات" ۵۸۷
مقدمہ "ردّ المحتار"
مطبوعہ "فیض القرآن" ۵۹۰
فقہی انسائیکلوپیڈیا (کویت) کے ترجمہ کے لیے دی گئی تجاویز ۵۹۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

تجاویز برائے ترجمہ "فقہی انسائیکلوپیڈیا (کویت)" ۵۹۳
مقدمہ، الانتباهات المفيدة لحل الشبهات الجديدة ۵۹۷
مقدمہ دارالعلوم دیوبند، ایک فکری، تحریکی، اصلاحی، تعلیمی و تربیتی و ہمہ جہتی مؤقر ادارہ ۵۹۹
مقدمة المقالات المكية في دراسة القاديانية ۶۰۱
مقدمہ "البلاغة الصافية" ۶۰۳
افتتاحی مقالہ برائے "مجلة البلاغ (عربی)" ۶۰۵
عورت کا مقام و مرتبہ قرآن کریم و احادیث صحیحہ کی روشنی میں ۶۰۸
"عورت" شریعت اسلامیہ اور مغربی معاشرہ کی نظر میں ۶۱۰
مقدمہ امام مولانا محمد قاسم نانوتوی ۶۱۱
ترکی کے ہر دلعزیز صدر جناب رجب طیب اردگان کے نام
شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کا تہنیتی مراسلہ ۶۱۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت اقدس شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم

کی طرف سے ''**مقالات العثمانی**'' کے ترجمہ کی اجازت سے متعلقہ تحریر کا عکس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیز گرامی سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مکتوب نامہ باعث مسرت ہوا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیرا

"مقالات" کے ترجمے کی بندہ کی طرف سے اجازت ہے۔

والسلام

۱۰-۱-۳۷ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

عرض مترجم

اسلامی تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہر دور میں کچھ ایسی ہستیوں کا انتخاب فرمایا، جنہوں نے احیاء دین متین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے دعوت وتبلیغ، اصلاح وارشاد، جہاد وقتال، تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف کے مختلف میادین عمل میں اپنی گرانقدر خدمات پیش کیں، جس کے نتیجے میں بفضلہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا دین بعینہ ہم تک پہنچا، چنانچہ دین اسلام نہ صرف یہ کہ لفظاً ومعناً، بلکہ اپنی عملی شکل کے ساتھ بالکل اسی طرح محفوظ ہے، جس طرح کہ وہ نازل ہوا۔

تاریخ اسلامی کے یہ تو وہ صفحات ہیں جن کو رقم کرنے کے لئے ملتِ اسلامیہ کی ایک بڑی تعداد ہمیشہ سے ہی سرگرم رہی، لیکن اس عظیم المرتبت طبقہ میں بھی کچھ شخصیات وہ تھیں جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر سو سال بعد بطور خاص اپنے دین کی تجدید کے لئے منتخب فرما کر ملت اسلامیہ پر نہ صرف یہ کہ احسان فرمایا بلکہ ان مقبول بندوں کی گرانقدر کاوشوں کو اپنی قدرت کاملہ وحکمت بالغہ سے اس قدر ہمہ گیریت عطا فرمائی کہ اول الذکر طبقہ کی دینی خدمات کے نتائج پر ان کا اثر واضح طور پر محسوس کیا گیا، یہ وہ چنیدہ شخصیات ہیں، جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بعث اللہ تعالیٰ رأس کلِّ مأۃ من یجدد لھا دینھا (رواہ ابوداؤد)

خیر القرون کے بعد ہر زمانہ میں مجتہدین اکابرین امت اور گذشتہ صدی میں اکابر علماء دیوبند کی تجدیدی خدمات کا عہد زریں جس پر اسلامی تاریخ ہمیشہ فخر کرتی رہے گی، گذر جانے کے بعد رواں صدی میں جبکہ جدید ٹیکنالوجی اپنے بام عروج اور صنعتی انقلاب اپنے منتہیٰ کو چھو رہا ہے، ہر طرف مادّیت کا دور دورہ ہے، اور عالم اسلام پر کفریہ طاقتوں نے نہ صرف یہ کہ پنجے گاڑ دیے ہیں بلکہ انہیں سیاسی، سماجی، اقتصادی، تعلیمی اور رفاہی میدانوں میں جس حکمتِ عملی ومنصوبہ بندی سے مفلوج کر کے رکھ دیا ہے، اس کا اندازہ ہر ذی شعور وحقیقت پسندی کا حامل شخص بخوبی کر سکتا ہے، جس سے نبرد آزما ہونے کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں کہ اس عہد پر فتن میں دین کے ہمہ جہت میدانوں میں ابھرتی ہوئی صلاحیت کے حاملین محققین اہل علم باصدق وصفا اور رجال کار افراد کی ایک معتد بہ تعداد موجود ہو، لیکن بقول ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ أَنَّ الْعِلْمَ کُلَّ سَنَۃٍ فِي التَّنَزُّلِ، کَمَا أَنَّ الْجَھْلَ کُلَّ عَامٍ فِي التَّرَقِّيْ (کہ علم سال بسال روبہ زوال اور جہل سال بسال معرض عروج میں ہے) کی رو سے جہاں امتِ مسلمہ کو ہر ہر میدان میں شدید قحط الرجال

toobaa-elibrary.blogspot.com

کا سامنا ہے، وہیں ایسی شخصیات کی اشد ضرورت ہے، جن کو جملہ علومِ دینیہ سمیت ضروری علوم عصریہ میں بھی کامل درجہ دسترس ہو، جو مسلمانوں کے من حیث الملۃ جملہ متعلقہ امور سے واقف کار ہونے کی حیثیت سے طویل المدتی حکمت عملی کے تحت اس کی من حیث القوم دینی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے پوری بصیرت وعاقبت اندیشی سے بہرہ مند ہونے کے ساتھ ساتھ مؤید من اللہ ہوں، جنہیں دیکھ کر یہ محسوس ہو کہ یہ قرآن وسنت کی روشنی میں صراط مستقیم کے راہ رو، متصلب فی الدین اور کسی قسم کی مداہنت سے قطعی بیزار ہیں، صبر واستقامت کے بلند ترین مرتبہ پر براجمان اور دقتِ نظری و وسعتِ ظرفی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی حیثیت سے دین پر عمل اور اسلامی افکار میں لا یخافون لومۃ لائم کی عملی تصویر بن کر خالصۃً لوجہ اللہ احیاء دین کے لئے شب وروز مصروف عمل ہیں، جن کا ایک ایک قدم اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے اٹھتا اور ایک ایک منٹ غلبہ دین کے لئے جہد مسلسل وسعی پیہم صرف کرنے میں گزرتا ہے، جو خلوت وجلوت ہر حال میں ذاکرین میں لکھے جاتے ہیں، جن کے قدموں تلے فرشتے پر بچھاتے ہیں اور سمندر کی مچھلیاں تک ان کے لئے دعائیں کرتی ہیں، اور جب کبھی نماز میں وعلیٰ عباد اللہ الصالحین کہا جاتا ہے تو یہ روئے زمین پر اس کے اوّلین مصداق ہوتے ہیں، مجاہدات کی بھٹیوں سے گذرنے اور عبادات وطاعات کی بجاآوری میں تن من دھن کی قربانی پیش کرنے کے نتیجے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد عالیشان انہی کے حق میں وارد ہوتا ہے کہ میں ان کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتے ہیں، اور ان کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتے ہیں، اور پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتے ہیں، اور جبریل امین کو حکم ہوتا ہے کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں، جاؤ! تم سب اہل زمین سے کہہ دو کہ وہ بھی ان سے محبت کریں۔ بالآخر اللہ تبارک وتعالیٰ چہار دانگ عالم میں ان پر فتوحات کے دروازے کھول دیتے ہیں، اور عامۃ المسلمین کے قلوب بالعموم اور ملت کے دردمند، باشعور اور غیور مسلمانوں کے قلوب کو بالخصوص ان کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں، اور اس طرح امت کا اجتماعی ضمیر ایک خاموش انقلاب کی صورت میں ان کے ساتھ ہو جاتا ہے، اور پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ دنیا بھر کے چپہ چپہ میں ان سے دین کا وہ کام لیتا ہے، جنہیں دیکھ کر امتِ مسلمہ کے دلوں سے یاس وبیم کے بادل چھٹ کر ہر چہار مطالع سے امید کے آفتاب ومہتاب طلوع ہوتے ہیں، جس کے بعد انہیں حق الیقین ہو جاتا ہے کہ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کا وعدہ سچ اور برحق ہے، اور وہ بزبان حال کہہ اٹھتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ، اور وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ پر ان کا یقین اور پختہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

دین اسلام کے ان محسنین ومجدّدین کے عظیم المرتبت قافلہ میں سے مجدد العصر، شیخ الاسلام حضرت

toobaa-elibrary.blogspot.com

اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ادام اللہ بقائھم فی عافیۃ تامۃ ورفاھیۃ سابغۃ و متعنا اللہ بطول حیاتھم بھی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قحط الرجال کے اس عہدِ پُرفتن میں دین کے ہمہ جہت میدانوں میں حضرت زید مجدہم سے جو تجدیدی خدمات لی ہیں، وہ فی زمانہ اپنے تنوع کے لحاظ سے فقید المثال اور عدیم النظیر ہے، بقول شاعر۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

چنانچہ حضرت زید مجدہم امتِ مسلمہ کی جن تجدیدی سطح کی اجتماعی ضروریات کو بدرجہ اتم اور بحسن وخوبی انجام دینے سے موفّق ومؤیّد ہوئے ان میں بیک وقت تفسیر وحدیث، فقہ واصول، افتاء وارشاد، دعوت وتبلیغ، تصوف وسلوک، اقتصادیات ومعاشیات، قضاء وتحکیم، درس وتدریس، سیاسیات ومعاشرت، مواعظ وخطبات، اصلاحی وتبلیغی اسفار، تصنیف وتالیف، جماعت وتنظیم، مراسلت ومکاتبت، تحقیق وتدقیق، عالمی اسلامی تنظیموں کی رکنیت وسرپرستی سمیت اسلامی دنیا کی پرشکوہ، قابلِ فخر اور مردم ساز تعلیمی درسگاہ دارالعلوم کراچی کے نائب رئیس وشیخ الحدیث ہونے کے ساتھ مختلف ومتنوع تجدیدی خدمات کی انجام دہی حضرت زید مجدہم کے مؤید من اللہ اور من جانب اللہ موفّق ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

دین کے مذکورہ ہمہ جہت شعبوں میں حضرت والا زید مجدہم کی اخلاص اور للّٰہیت سے بھرپور اور انتھک جدوجہد سے معمور خالص دینی خدمات کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بالعموم ملکی وبالخصوص بین الاقوامی سطح پر تلقی بالقبول عطا فرمائی اور عالم اسلام کے درد مند مسلمانوں اور عالمی اسلامی تنظیموں کے متفکر وسنجیدہ عہدے داران نے مسلم امہ کے بین الاقوامی نوعیت کے علمی، فکری، تحقیقی، اجتہادی اور تجدیدی مسائل کے حل کے لیے حضرت زید مجدہم کو اپنے ممالک میں مدعو کیا اور حضرت زید مجدہم نے وہاں منعقد کردہ عالمی کانفرنسوں میں جس دردآمیز اور فکر انگیز انداز میں اپنے مقالات پیش کیے اور وہاں کے مسلمانوں کی دینی وفکری تربیت فرمائی اس کے اثرات ریاستی وبین الاقوامی سطح پر بتدریج ایک خاموش اسلامی انقلاب کی صورت میں واضح طور پر محسوس کئے گئے، جیسے کہ محدث عظیم ملا علی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

لو مرّ ولی ببلدۃ لنال برکۃ مرورہ اھل تلک البلدۃ

(کسی ولی اللہ کا شہر میں ٹھہرنا تو کجا) اگر وہ کسی شہر سے گذر بھی جائے تو (سمجھ لو کہ) اس شہر کے باسی اس کی برکت سے بہرہ مند ہو گئے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اوران رجال اللہ سے مصاحبت و مجالست کے برکات وثمرات تواذہان سے قلوب اور قلوب سے عملی زندگیوں میں انقلاب کی صورت میں ہمیشہ سے ہی مسلّم ومشاہد رہے ہیں، جیسا کہ رسول اکرم شفیعِ اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے ھم الجلساء لایشقی جلیسھم (کہ یہ وہ ہم نشین ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا کبھی شقی وبدبخت نہیں ہوتا۔)

اور اس سے بھی بڑھ کر اگر ان اللہ والوں کی محض کسی پر نظر بھی پڑ جائے اور وہ رشد وہدایت کا طالب ہو تو اللہ تعالیٰ اسے بھی محروم نہیں فرماتے، جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ النظر حق کی رو سے جب بُری نظر لگتی ہے تو ان اللہ والوں کی خوش نظری بھی زندگیوں میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

فانہ من حیث التاثیر الاکسیر یجعل الکافر مؤمنا والفاسق صالحا والجاھل عالما والکلب انسانا

کہ ان عارفین واہل اللہ کی نظریں اپنی تاثیر میں اس قدر اکسیر و مؤثر ہوتی ہیں کہ وہ (بشرط طلب) کافر کو مؤمن، فاسق کو صالح، جاہل کو عالم اور کتے کو انسان بنا دیتی ہے۔

چنانچہ ان حضرات کی پر خلوص دعوت پر حضرت زید مجدہم نے عالمی کانفرنسوں میں مسلم امت کے اجتماعی مسائل کے حوالے سے علمی وتحقیقی اور فکری لحاظ سے شعور اجاگر کیا اور عالمِ اسلام کے خوابیدہ دلوں کو جس حکمت وبصیرت سے جھنجھوڑا، وہ بلاشبہ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی الحسنی الندوی رحمہ اللہ کے بعد فی زمانہ حضرت زید مجدہم ہی کا خاصہ ہے اور زیر نظر کتاب میں شامل یہ گرانقدر مقالات حضرت زید مجدہم کے قلبِ اطہر کی وہ درد انگیز اور اثر آفریں تحریریں ہیں، جس کا ایک ایک حرف "از دل خیزد بر دل ریزد" کا مصداق، قرآن وحدیث کی روشنی سے مقتبس اور تحقیق وتدقیق، اصلاح وارشاد اور تعمیرِ فکر کا عظیم شاہکار ہے، اور درحقیقت یہ امتِ مسلمہ کے لئے ایک دعوتِ فکر اور عالم اسلام پر مسلط کردہ فکری جنگ کے خلاف ایک زبردست تحریک ہے، خاص طور پر ان مقالات کے حرف حرف سے مترشح حضرت زید مجدہم کے خلوص وللّٰہیت نے ان میں جو درد بھر دیا ہے، اس کا اندازہ قاری دورانِ مطالعہ بخوبی کر سکتا ہے، جو بلاشبہ اس کے علم وعمل میں ترقی کا موجب ہے اور اس کے طرزِ فکر کو جِلا اور روح کو تازگی بخشتا ہے۔

اس ادنیٰ طالب علم نے جب حضرت مولانا مفتی شاکر جکھورا مدظلہ کے انتہائی محنت اور خوش اسلوبی

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے مرتب کردہ حضرت زید مجدہم کے ان مقالات کے عربی مجموعہ "مقالات العثمانی" سے استفادہ کیا تو دل میں بار بار جاگزیں ہونے کی حد تک یہ خیال آیا کہ اردو داں طبقہ کے لئے اس کے اردو ترجمہ کی کوئی شکل بن جائے، چنانچہ بندہ نے اپنی نااہلی وناکارگی کے اعتراف واستحضار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دعاؤں کے سہارے بے ہنگم عبارات، سقم تعبیرات اور یقیناً کما حقہ اس کے حق ادا کرنے میں کوتاہ واقع ہونے کے ساتھ ایک تفصیلی مقالہ کا ترجمہ کر کے حضرت زید مجدہم کی خدمت میں ارسال کیا، جس سے منشا یہی تھا کہ ان گرانقدر تحریروں کے اردو ترجمہ کی ضرورت وافادیت کی طرف حضرت زید مجدہم کی توجہ مبذول ہوجائے، اور اس کا کوئی انتظام ہوجائے، لیکن حضرت زید مجدہم نے غایت درجہ وسیع النظری اور وسعت ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ بہت سی لغزشوں سے صرف نظر فرمایا، بلکہ اس کے مثبت پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے حوصلہ افزائی فرمائی اور خصوصی توجہات سے نوازتے ہوئے مکمل کتاب کے ترجمہ کی اجازت مرحمت فرمائی، جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مجددین کی علامات میں سے ایک یہ علامت بھی ذکر کی ہے کہ **یکثر العلم ویعز اھلہ** کہ وہ علم میں تبحر حاصل کرتے ہیں اور وابستگان علم کی عزت افزائی کرتے ہیں۔

انہی توجہات وبرکات کے سہارے بفضل اللہ وعونہ اس ترجمہ کی تکمیل ہوئی، اور ہر دو جلدوں کا مسودہ حضرت والا زید مجدہم کی خدمت میں نظر ثانی کے لئے ارسال کیا، حضرت والا نے اپنے غایت درجہ قیمتی اوقات میں سے وقت عنایت فرما کر مسودہ پر سرسری طور پر نظرِ ثانی فرمائی، اور ارسال کردہ جوابی دفتری مکتوب میں فرمایا گیا کہ کتاب کو بالاستیعاب دیکھنا اگرچہ ممکن نہ ہوسکا تاہم مجموعی طور پر سرسری نظر میں حضرت نے ترجمہ بنظر استحسان دیکھا، جس پر بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور جس قدر سجدۂ شکر بجالائے اور حضرت والا کا جس درجہ بھی ممنون رہے، کم ہے۔

امید ہے کہ اردو داں طبقہ کے لئے یہ کتاب ان شاء اللہ تعالیٰ فائدہ سے خالی نہیں ہوگی، تاہم ترجمہ سے متعلق چند امور کی صراحت ضروری معلوم ہوتی ہے:

۱۔ فقہی اور اجتہادی نوعیت کے مسائل میں جہاں کہیں حوالہ دینے کی ضرورت پیش آئے تو اصل متن کی طرف مراجعت علمی دیانت کا تقاضا اور احوط ہے، جس کی رعایت کرنا بہر حال ضروری ہے۔

۲۔ متن میں مذکورہ "مذکرۃ فی طبقات المفسرین واصول التفسیر" اور "مذکرۃ فی مبادی علم الحدیث" ہر دو مقالات بالترتیب حضرت زید مجدہم کی گراں مایہ اردو کتب

toobaa-elibrary.blogspot.com

"علوم القرآن" اور "درس ترمذی" میں اکثر موافقتِ مضامین کے ساتھ طبع ہو چکے ہیں، نیز الجدول باوصاف عیسیٰ علیہ السلام بنام "مسیح موعود کی پہچان" اور التجدید فی الشریعۃ الاسلامیۃ بنام "اسلام اور جدت پسندی" بھی شائع ہو چکے ہیں، چنانچہ بوجہ تکرار ان مقالات کو اس اردو مجموعہ کا حصہ نہیں بنایا گیا ہے۔

۳۔ اس ترجمہ میں جہاں کہیں تحسین کا پہلو ہو اسے حضرت زید مجدہم ہی کی توجہات کا ثمرہ سمجھا جائے اور جہاں کہیں کوئی غلطی یا کوتاہی ہو، اسے مترجم کی طرف منسوب کیا جائے، کیوں کہ کہاں حضرت زید مجدہم کے علوم و معارف کا بہتا ہوا سمندر اور کہاں یہ ذرّۂ بے مقدار، خصوصاً حضرت شیخ ملا علی قاریؒ کی ذکر کردہ اس صراحت کے بعد، جو انہوں نے متقدمین و متاخرین کے حوالے سے کی کہ:

فَلَا مُنَاسَبَةَ بَيْنَ الْمُتَقَدِّمِينَ وَالْمُتَأَخِّرِينَ عِلْمًا وَعَمَلًا وَحِلْمًا وَفَضْلًا وَتَحْقِيقًا وَتَدْقِيقًا

متقدمین و متاخرین میں علم و عمل، حلم و فضل اور تحقیق و تدقیق کے لحاظ سے بھلا کیا مناسبت؟۔

چہ جائے کہ دوسری طرف ایک ادنیٰ درجہ کا طالبِ علم ہو، لہٰذا بالخصوص علمی، تحقیقی و اجتہادی مسائل میں جہاں کہیں حوالہ دینے کی ضرورت ہو، اصل متن ہی کی طرف مراجعت کی جائے، جو یقیناً دیانت سے قریب تر اور زیادہ باعثِ برکت ہے۔

اخیراً بندہ حضرت والا زید مجدہم کا ایک بار پھر ممنون ہے کہ اس مجموعہ کی تکمیل کے لئے اپنی توجہات اور دعاؤں سے نوازا اور سرسری طور پر نظر ثانی کے لئے وقت مرحمت فرما کر شرف بخشا، فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء فی الدارین

دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بندہ کی اس "ادنیٰ سی کاوش" کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائے، اور قحط الرجال کے اس دورِ پُرفتن میں حضرت والا زید مجدہم کا سایہ ہم پر تادیر قائم و دائم فرمائے اور اپنی رضائے کاملہ کے مطابق صحت و عافیت اور خدمات دینیہ مقبولہ کے ساتھ حیات طیبہ سے بہرہ مند فرمائے، مستفیدین کو صحیح معنوں میں قدردانی کی توفیق عطا فرمائے اور فیض سے محروم نہ فرمائے۔

آمین یارب العالمین

یوسف حسین غربا

toobaa-elibrary.blogspot.com

عقائد

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

حجۃ الوداع

اور عقیدۂ وحدانیت کے

تین روشن پہلو

بتاریخ ۲ تا ۵ ذوالحجہ ۱۴۲۸ھ بمطابق ۱۲-۱۵ دسمبر ۲۰۰۷ء کو مکہ مکرمہ میں
وزارتِ حج کی طرف سے منعقدہ "ندوۃ الحج الکبریٰ" کے بتیسویں
اجلاس کے لئے پیش کیا گیا مقالہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

حجۃ الوداع اور عقیدۂ وحدانیت کے تین روشن پہلو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

حجۃ الوَداع وہ حج ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ کے آخری سال ۱۰ھ میں کیا اور یہی وہ آخری حج ہے جسے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد آپ نے فرمایا اور اسے "حجۃ الاسلام" "حجۃ التمام" "حجۃ الکمال" اور "حجۃ البلاغ" بھی کہتے ہیں[1] اور وہ اس لیے کہ یہ سفر محض مناسک حج پر مشتمل نہیں تھا اور نہ کوئی عمومی سفر تھا، بلکہ یہ اسلامی قواعد وضوابط کی اساس، انسانی نفوس میں گہرائیوں تک اتر جانے والے دین حق کے اثبات، شعائر دین اور اسلامی تعلیمات کے امتیاز سمیت احکام دین اور شرائع اسلام کے راسخ کرنے اور قیامت تک کے لیے پوری انسانیت کی طرف مبعوث ہونے والی نبوت ورسالت کا ایک عام پیغام تھا، اور یہ وہ سفر حج ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے خصوصیت سے اس غرض سے فرمایا تاکہ اس میں عبادت بھی ہو اور ریاضت بھی، رجوع الی اللہ بھی ہو اور اللہ کے حضور آہ وزاری بھی، امت کے لیے تعلیم وتعلم بھی ہو اور عملی تربیت بھی، دعوت بھی ہو اور تبلیغ بھی اور شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے ان مختلف پہلوؤں کی قولی تفسیر کے ساتھ ساتھ عملی تفسیر اس قدر پر اثر انداز میں ہو جو انسانیت کی انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام تر شعبہائے زندگی پر محیط ہو۔ چنانچہ عظیم مبلغ ومفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> اس روشنی میں دیکھیں تو خاتم النبیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حج اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور آپ کے معجزات میں سے ایک زندہ معجزہ ہے، انبیاء کرام کی عبادات ومناسک میں اس کو ایک بلند ومنفرد مرتبہ حاصل ہے، وہ بہت سے پہلوؤں میں منفرد ہے، اصلاحی وتربیتی شعبہ میں بھی منفرد ہے اور باطنی وروحانی شعبہ میں اس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ اس حج میں ایک مجمع کثیر کو آپ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا، اور آپ کی پیروی، آپ کی باتوں پر عمل، آپ کے حرکات وسکنات کا

---

[1] جزء حجۃ الوداع للشیخ زکریا الکاندھلوی: ۴-۵/ مجمع الزوائد للھیثمی: ۳/۵۴۴ (۵۴۵۹) باب فی حجۃ الوداع

toobaa-elibrary.blogspot.com

مطالعہ، آپ کے صبح وشام کے معمولات ضبط کرنے اور انہیں محفوظ کرنے کا موقع ملا، اس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ سلف سے خلف تک امت کے تمام طبقات نے اس کا پورا اہتمام رکھا کہ اس سفر میں آپ کے ہر قول یا عمل، عادات یا عبادات، نفی یا اثبات سے احکام کا استنباط اور جزئیات کا استخراج کیا جائے۔

اس لحاظ سے یہ حج ہزار تقریروں اور نصیحتوں اور درس و تعلیم کے قائم مقام تھا، یہ ایک چلتا پھرتا مدرسہ، متحرک مسجد اور گشتی کیمپ یا چھاؤنی تھی، جاہل اس میں علم حاصل کرتا، غافل بیدار ہوتا، کاہل چست وچالاک ہوجاتا، کمزور وپست ہمت حوصلہ مند وطاقتور ہوجاتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ومحبت، آپ کی شفقت اور دلداری اور تربیت وسرپرستی ابرِ رحمت کی طرح سفر وحضر ہر حال میں اور ہر جگہ ان پر سایہ فگن تھی۔[۲]

چونکہ یہ عظیم المرتبت حج اپنے اندر دین اسلام کی واضح اور روشن تعلیمات سمیت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لائی ہوئی دائمی رشد وہدایت کو جامع ہے، اس لیے ضروری تھا کہ اس کے مختلف متنوع پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے، اور ان سے انفرادی واجتماعی زندگی میں رہنمائی لی جائے۔ چنانچہ عالمی طور پر محبوبیت پانے والی مملکت عربیہ سعودیہ کی وزارت حج کے ماتحت قائم شدہ ”ندوۃ الحج الکبریٰ“ کی جنرل سیکریٹریٹ لائق صد تحسین ہے کہ اس نے امسال حجۃ الوداع کو ”ندوۃ الحج الکبریٰ“ کا موضوع بنایا، امید ہے کہ اس مجلس میں پیش کیے جانے والے جملہ مقالات اور باہمی تبادلۂ خیال ”حجۃ الوداع“ کی گرانقدر تعلیمات کو اجاگر کرنے اور اکنافِ عالم میں اس حوالے سے شعور وآگہی اور بیداری کی فضا پیدا کرنے میں اہم کردار کریں گے، اور میں اپنی اس مختصر گفتگو میں حجۃ الوداع کے ”وحدانیت“ سے متعلق مختلف پہلوؤں پر، جن کی نہایت اہمیت کے ساتھ تعلیم دی گئی ہے روشنی ڈالوں گا اور یہی وہ موضوع ہے جو میرے سپرد کیا گیا ہے۔

اپنے وسیع تر مفہوم میں ”وحدانیت“ جس کی تعلیم حجۃ الوداع کے موقع پر دی گئی، کو تین قسموں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحدانیت کا عقیدہ رکھنا۔

---

۲ مقدمۃ جزء حجۃ الوداع:۹-12

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۔ دورانِ مناسکِ حج اسلامی طریقہ کی وحدانیت (حج کے ایک طریقہ کار پر مسلمانوں کو جمع کرنا۔)

۳۔ مسلم امہ کی وحدانیت (اتحاد واتفاق) کا درس۔

میں حجۃ الوداع کے مختلف واقعات کی روشنی میں مذکورتینوں نکات کو بالترتیب قدرے تفصیل سے ذکر کرنا چاہوں گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ ھو الموفق

ا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحدانیت کا عقیدہ رکھنا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ذات وحدہٗ لاشریک کا عقیدہ اتنی بڑی اور مسلمہ حقیقت ہے کہ جس سے بڑھ کر کوئی واضح اور بڑی حقیقت ہے ہی نہیں اور یہی وہ حقیقت ہے جس پر ایمان لانا انسانیت کی ابتدائی تخلیق سے لے کر حضور ﷺ تک تمام ہی انبیاء کی شریعتوں میں دین کے ارکان میں سے سب سے بڑا رکن رہا ہے، اور یہی وہ دعوت ہے جس کی طرف تمام انبیاء نے اپنی امتوں کو اولین درجہ میں بلایا اور اہمیت کے ساتھ اس کی تاکید فرمائی، اور اپنی آل واولاد اور تمام امتیوں کو وصیت فرمائی کہ وہ اس عقیدہ کو مضبوطی سے تھامے رہیں اور ہر اس چیز سے جو عقیدۂ توحید میں ادنیٰ درجہ میں بھی مخل ہو، غایت درجہ احتیاط برتیں اور اس سے مکمل دور رہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ [۳]

کیا اس وقت تم خود موجود تھے جب یعقوب کی موت کا وقت آیا تھا۔ جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟ ان سب نے کہا تھا کہ: ہم اسی ایک خدا کی عبادت کریں گے جو آپ کا معبود ہے اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کا معبود ہے۔ اور ہم صرف اسی کے فرمانبردار ہیں۔

اور یہی وہ عقیدہ ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو سب سے پہلے دعوت دی اور اس کے لیے حد درجہ مصائب ومشکلات جھیلیں، بلکہ یہ کہنے میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری حیات طیبہ اسی عقیدہ کی دعوت وتبلیغ اور نشرواشاعت کے لیے وقف فرمادی، اور "حجۃ الوداع" درحقیقت

۳ البقرۃ: ۱۳۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسی کی تعلیم، عملی تنفید اور زمانۂ جاہلیت میں مشرکین مکہ نے بیت اللہ جیسے مقدس مقام کو کفر وشرک کی جن غلاظتوں سے آلودہ کردیا تھا، ان سے اسے پاک کرنے کا روشن ترین مظہر ہے۔

اسی طرح حج بیت اللہ ان حد درجہ قدرومنزلت اور فضیلت کی حامل عبادات میں سے ہے، جنہیں انبیاء کرام علیہم السلام نے ادا کیا، خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوری انسانیت کے سامنے اعلان عام کرکے ان مقدس مقامات کے احترام اور تقدس کی رعایت کرتے ہوئے حج بیت اللہ کی ادائیگی کا حکم فرمایا۔

اس وقت مشرکین کا اپنی جانوں پر ظلم کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اس قدر جلیل القدر عبادت کو بتوں سے آلودہ کردیا تھا، جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی واضح دلیل سرے سے تھی ہی نہیں؟ نتیجۃً تمام ہی مناسک حج انواع واقسام کی شرکیہ خرافات سے خلط ملط ہوگئے تھے، چنانچہ ان کے حج کرنے کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ اپنے حج کی ابتداء کعبۃ اللہ میں رکھے گئے مختلف بتوں میں سے کسی ایک بت سے کرتے، اس کے قریب جاتے اور تلبیہ پڑھتے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے انصار (جن سے مراد وہ اسلام لانے سے قبل اہلِ مدینہ کو لیتی تھیں) کے بارے میں مروی ہے:

كَانُوا قَبْلَ أَنْ يُسْلِمُوا يُهِلُّونَ الْمَنَاةَ الطَّاغِيَةَ
الَّتِي كَانُوا يَعْبُدُونَهَا عِنْدَ الْمُشَلَّلِ[۴]

اسلام لانے سے قبل یہ لوگ اس سرکش "منات" بت کے لیے تلبیہ پڑھتے تھے،
جس کی وہ (جحفہ کے قریب ایک جگہ) مُشَلَّل کے پاس عبادت کرتے تھے۔

نیز احمد یعقوبی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

فَكَانَتِ الْعَرَبُ إِذَا أَرَادَتْ حَجَّ الْبَيْتِ الْحَرَامِ وَقَفَتْ كُلُّ قَبِيلَةٍ عِنْدَ صَنَمِهَا
وَصَلُّوا عِنْدَهُ ثُمَّ تَلَبَّوْا حَتَّى تَقَدَّمُوا مَكَّةَ[۵]

---

۴ صحیح البخاری: ۲۲۲/۱ (۱۶۴۵) کتاب المناسک، باب وجوب الصفا والمروۃ وجعل من شعائر اللہ، کتب خانہ مظہری

۵ تاریخ الیعقوبی: ۲۵۵/۱، بیروت

toobaa-elibrary.blogspot.com

اہل عرب جب حج بیت الحرم کا ارادہ کرتے تو ان میں موجود ہر قبیلہ اپنے اپنے بت کے سامنے کھڑا ہوتا اور اس کے پاس نماز پڑھتا، پھر تلبیہ پڑھتا، یہاں تک کہ واپس مکہ آجاتے۔

گویا انہوں نے ان بتوں کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا تھا، جس میں یہ لوگ ان کے حضور باادب کھڑے ہوتے اور تلبیہ پڑھتے، پھر ان بتوں کے گرد طواف کرتے، جس کو وہ اپنی اصطلاح میں "دَوَار" کا نام دیتے تھے، اور یہ وہی لفظ ہے جسے امرءالقیس اور عنترہ بن شداد نے اپنے اپنے اشعار میں ذکر کیا ہے۔

جبکہ "دَوَار" کے بارے میں علماء لغت کا یہ کہنا ہے کہ اہل عرب نے پوجا پاٹ کے لیے ایک جگہ مخصوص کر رکھی تھی، جس کے عین درمیان ایک بت اس طرح نصب کر رکھا تھا کہ اس کے گرد وہ بسہولت چکر لگا سکیں، اس جگہ کا نام "دَوَار"[۶] تھا، اور یہی وہ مفہوم ہے جسے امرؤالقیس نے اپنے شعر میں مراد لیا ہے۔

فَعَنَّ لَنَا سِرْبٌ كَأَنَّ نِعَاجَهُ

عَذَارىٰ دَوَارٍ فِي مُلَاءٍ مُذَيَّلِ

امام بخاری رحمہ اللہ ابو رجاء العطاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

كُنَّا نَعْبُدُ الْحَجَرَ فَإِذَا وَجَدْنَا حَجَرًا هُوَ أَخْيَرُ مِنْهُ أَلْقَيْنَاهُ وَأَخَذْنَا الْآخَرَ فَإِذَا لَمْ نَجِدْ حَجَرًا جَمَعْنَا جُثْوَةً مِنْ تُرَابٍ، ثُمَّ جِئْنَا بِالشَّاةِ فَحَلَبْنَاهُ عَلَيْهِ، ثُمَّ طُفْنَا بِهِ[۷]

ہم پتھر کو پوجتے تھے اور جب اس سے بہتر کوئی پتھر ملتا تو اس کو پھینک دیتے اور اسے لے لیتے، اور جب کوئی پتھر نہیں ملتا تھا تو مٹی کا ڈھیر جمع کرتے، پھر اسے بکری کے پاس لاکر اس کا دودھ اس پر دوہتے اور پھر اس کا طواف شروع کر دیتے تھے۔

اس کے علاوہ کچھ اور قبائل بھی تھے جن کا نام "حلتہ" تھا اور وہ خمس کے علاوہ تھے، جو بالکل بے لباس ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتے تھے اور ان کی ہیئت یہ ہوتی تھی کہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال لیتے اور سیٹیاں بجاتے اور کبھی تالیاں بجاتے[۸] حتیٰ کہ دوران طواف شرکیہ کلمات کہتے جاتے تھے،

---

۶ لسان العرب لابن المنظور: ۴/۲۹۷، دور

۷ صحیح البخاری: ۲/۶۲۴ کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفۃ، قدیمی کتب خانہ

۸ تفسیر الطبری: ۹/۱۵۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان کے تلبیہ کے الفاظ یہ تھے:

لبيك اللهم لبيك لبيك لا شريك لك الا شريكا هو لك تملكه وما ملك

حاضر ہوں، اے اللہ میں تیرے دربار میں حاضر ہوں، تیری جناب میں حاضر ہوں، اُس کے سوا تیرا کوئی شریک نہیں، جو تیرا ایسا شریک ہے جسے تو نے مالک بنادیا ہے اور وہ (پہلے از خود کسی چیز کا) مالک نہیں تھا۔

نیز امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

كَانَ الْمُشْرِكُونَ يَقُولُونَ لَبَّيكَ لَا شَرِيكَ لَكَ قَالَ: فَيَقُولُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَيلَكُمْ قَدْ قَدْ فَيَقُولُونَ: إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُه وَمَا مَلَكَ يَقُولُونَ هٰذَا وَهُمْ يَطُوفُونَ بِالْبَيتِ[۹]

مشرکین (دورانِ طواف) بتوں کے روبرو یہ کہا کرتے تھے کہ حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔ جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ باز آجاؤ، باز آجاؤ، تمھاری بربادی ہو، تو وہ یوں کہتے کہ "سوائے اس کے جو تیرا شریک ہے، جسے تو نے مالک بنایا ہے اور وہ (اس سے پہلے) مالک نہیں تھا، وہ یہ الفاظ کہتے جاتے تھے اور بیت اللہ کا طواف کرتے جاتے تھے۔

اسی طرح صفا مروہ کے درمیان سعی کو بھی انہوں نے بتوں کی پوجا پاٹ سے آلودہ کررکھا تھا، چنانچہ انہوں نے صفا پر ایک بت بنایا ہوا تھا، جس کا نام "اساف" تھا، جبکہ دوسرا بت مروہ پر بنا رکھا تھا، جس کا نام "نائلہ" تھا، قبائل قریش اساف کے پاس آکر تلبیہ پڑھتے تھے اور دونوں بتوں کو برکت کی غرض سے چھوتے اور استلام کرتے، ایک روایت میں ہے کہ اساف اور نائلہ دونوں کا تعلق قبیلہ جرہم سے تھا، کعبہ میں اساف نے نائلہ سے بدکاری کی، تو دونوں کے دونوں پتھر بنادیے گئے، جس کے بعد انہیں صفا و مروہ پر ایک علامت کے طور پر رکھ دیا گیا، جن کی بعد میں عبادت ہونے لگی۔[۱۰]

اسی طرح منیٰ جانا اور ایام قربانی میں وہاں رات گذارنا بھی مناسک حج میں سے ہے، مشرکین مکہ نے شرکیہ حرکات سے اس مبارک جگہ کو بھی نہیں بخشا تھا، علامہ ازرقی محمد بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں

۹ صحیح مسلم: ۱/۳۷۵، کتاب الحج باب التلبیۃ وصفتہا ووقتہا، ایچ ایم سعید

۱۰ کتاب المحبر لابن الحبیب: ۳۱۱، دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن / اخبار مکۃ للازرقی: ۱/۱۲۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہ عمرو بن لحی (یہ وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے بت پرستی شروع کی اور بتوں کے نام پر سوائب[۱۱] چھوڑے اور اسی نے منیٰ میں سات بت نصب کئے، ایک بت مسجد منیٰ اور جمرۂ اولیٰ کے درمیان واقع ایک گزرگاہ "قرین" پر، ایک بت "جمرۂ اولیٰ" پر، ایک بت "مدعاء" پر، ایک بت "جمرۂ وسطیٰ" پر اور ایک بت "جمرۂ عظمیٰ" پر نصب کیا تھا، جن پر جمرات کی اکیس کنکریاں تقسیم کی ہوئیں تھیں، جن میں سے تین کنکریوں پر بت کی رمی کرتا اور بوقتِ رمی اس بت سے کہتا:

انت اکبر من فلان، للصنم الذی یرمی قبلہ[۱۲]

"تو اس فلاں بت سے بہت بڑا ہے"، جس کی پہلے رمی کی گئی۔

اور ایام نحر میں وقوف منیٰ، ذبح اور سر کا حلق وغیرہ جیسے وہ مناسک، جو محض تقرب الی اللہ کے لیے ادا کیے جاتے ہیں، انہیں بھی مشرکین نے اپنے شرکیہ شعائر میں رنگ دیا تھا، چنانچہ وہ اپنے مجسموں کے نام پر اور بتوں سے تقرب کی غرض سے قربانی کیا کرتے تھے،[۱۳] اسی طرح وہ لوگ بتوں کے قریب اپنے سر کے حلق کراتے تھے،[۱۴] اور جب اپنے اس حج سے فارغ ہوجاتے تو دوبارہ ان بڑے بتوں کے پاس جاتے جن کے روبرو انہوں نے تلبیہ پڑھا تھا، امام ازرقی نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ جب وہ اپنے حج اور طواف کعبہ سے فارغ ہوجاتے تو اس وقت تک حلال نہیں ہوتے تھے جب تک عزیٰ کے پاس آکر اس کا طواف نہ کرلیتے تھے، بعد ازاں اس کے روبرو حلال ہوتے اور پورا ایک دن اس کے پاس ٹھہرتے بھی تھے۔[۱۵]

غرض یہ کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کا حج فی الجملہ ہر مرحلے میں شرک وبت پرستی کے شعار سے ملوّث تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان تمام شعائر کا قلع قمع کیا، اور شرک وبت پرستی کے ادنیٰ شائبہ سے بالاتر ہو کر لوگوں کو خالص توحید کی دعوت دی، یہاں تک کہ مکہ فتح ہوا اور لوگ جوق در جوق اسلام کے زیرِ نگیں

[۱۱] سائبہ کی جمع، اور یہ وہ جانور تھا جو بتوں کے نام کر کے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا، اور اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا حرام سمجھا جاتا تھا، آسان ترجمہ قرآن: ۱/۳۷۱، المائدۃ (۱۰۳)، مکتبہ معارف القرآن

[۱۲] اخبار مکۃ للازرقی: ۲/۵۷۰

[۱۳] سیرۃ ابن ہشام مع الروض الانف: ۱/۳۵۵-۳۵۶، دار الکتب الاسلامیۃ

[۱۴] کتاب الاصنام للکلبی: ۱۴۰/ اخبار مکۃ للازرقی: ۱/۱۲۶

[۱۵] اخبار مکۃ للازرقی: ۱/۱۲۶

toobaa-elibrary.blogspot.com

آئے، لیکن اس کے باوجود مشرکین کا ایک بڑا طبقہ بدستور اپنے مذہب پر قائم رہا، اور فتح مکہ کے دو سال بعد تک بھی انہیں حج کرنے سے نہیں روکا گیا تھا، یہی وجہ تھی کہ فتح مکہ کے فوراً بعد جو حج ہوا، اس میں مؤمنین ومشرکین باہم ایک ساتھ شریک تھے، ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وحج الناس تلك السنة على ما كانت العرب تحج عليه وحج بالمسلمين تلك السنة عتاب بن اسيد رضي الله عنه وهي سنة ثمان[۱۶]

لوگوں نے اس سال اسی طریقہ پر حج ادا کیا جس پر اہل عرب حج کیا کرتے تھے، اور اس سال مسلمانوں کے ساتھ حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حج کیا، یہ ۸ھ کی بات ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس سال کا حج زمانۂ جاہلیت کی بت پرستی وشرکیہ رسومات سے خالی نہیں تھا۔

پھر جب ۹ھ آیا، جیسا کہ روایت سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابتداءً یہ ارادہ فرمایا تھا کہ رواں سال لوگوں کے ساتھ بنفسِ نفیس فریضۂ حج ادا فرمائیں گے چنانچہ اس غرض سے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی ہدی کے قلادہ کی رسی بھی بٹ دی تھی، اور ان کے الفاظ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں نقل کیے ہیں:

فَتَلْتُ قَلَائِدَ هَدْيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَشْعَرَهَا وَقَلَّدَهَا أَوْ قَلَّدْتُهَا ثُمَّ بَعَثَ بِهَا إِلَى الْبَيْتِ وَأَقَامَ بِالْمَدِينَةِ فَمَا حَرُمَ عَلَيْهِ شَيْءٌ كَانَ لَهُ حِلٌّ[۱۷]

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدی کے قلادہ کی رسی کو بٹا، پھر اس (ہدی) کو زخم لگایا، پھر اسے قلادہ باندھا، اور پھر اسے بیت اللہ کی طرف بھیج دیا، اور آپ مدینہ ہی میں ٹھہرے رہے اس طرح آپ پر وہ کوئی بھی چیز حرام نہیں ہوئی، جو حلال تھی۔

لیکن رسول اللہ ﷺ نے اخیراً خود تشریف لے جانے کا ارادہ ملتوی فرمادیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیرِ حج بنا کر بھیجا، شاید کہ آپ ﷺ کے رواں سال تشریف نہ لے جانے میں یہی راز پنہاں تھا کہ ہر سال کی طرح اس سال بھی مسلمان اور مشرکین ایک ساتھ مل کر اسی طرح مناسکِ حج بجالا رہے تھے،

---

۱۶ السیرۃ النبویۃ لمحمد بن اسحاق: ۱/۵۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت
۱۷ صحیح البخاری: ۱/۲۳۰، باب اشعار البُدْن، قدیمی کتب خانہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

جیسے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک دستور چلا آرہا تھا، چنانچہ محمد بن اسحٰق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثم بعث ابا بکر امیراً علی الحج من سنة تسع، لیقیم المسلمین حجهم والناس من اهل الشرك علی منازلهم من حجهم[۱۸]

پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ۹ھ میں امیر حج بنا کر بھیجا کہ وہ مسلمانوں کو حج کرائیں، جبکہ مشرکین اپنے حج میں اسی روش پر تھے۔

الغرض اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک حج نہ فرمائیں، جب تک کہ جملہ مشاعر وارکانِ حج شرک وبت پرستی کی غلاظتوں وگندگیوں سے پاک نہ ہوجائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حج مبارک خالص وحدانیتِ خداوندی کا عملی مظہر ہو، اور اس میں کوئی ایسا شخص شریک نہ ہو جس کے عمل میں بت پرستی اور جاہلیت کی رسومات کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی ہو، یہی مضمون سورہ براءت میں ان الفاظ کے ساتھ نازل ہوا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا[۱۹]

اے ایمان والو! مشرک لوگ تو سراپا ناپاکی ہیں، لہٰذا وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ آنے پائیں۔

اس آیت پر عمل کرتے ہوئے رواں سال حج کے موقع پر اعلان عام کیا گیا ہے کہ کسی مشرک کو امسال حج کرنے کی اجازت نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي تِلْكَ الْحَجَّةِ فِي الْمُؤَذِّنِينَ بَعَثَهُمْ يَوْمَ النَّحْرِ يُؤَذِّنُونَ بِمِنًى أَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ قَالَ حُمَيْدٌ: ثُمَّ أَرْدَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فَأَمَرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ بِبَرَاءَةَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَأَذَّنَ مَعَنَا عَلِيٌّ فِي أَهْلِ مِنًى يَوْمَ النَّحْرِ بِبَرَاءَةَ وَأَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ بالبیت عریان[۲۰]

۱۸؎ السیرۃ النبویۃ لمحمد بن اسحاق: ۲۶۱/۱

۱۹؎ التوبۃ: ۲۸

۲۰؎ صحیح البخاری: ۶۷۱/۲ کتاب التفسیر سورۃ البراءۃ، قدیمی کتب خانہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس قربانی کے دن حج کے دوران اعلان کرنے والوں کو منیٰ بھیجا کہ وہ یہ اعلان کریں کہ رواں سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے، اور بے لباس ہو کر بیت اللہ کا طواف نہ کرے،

حمید بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (سواری پر) اپنے پیچھے بٹھایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ (زمانہ جاہلیت کی ان بیہودہ رسموں سے) براءت سمیت یہ اعلان کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرے اور نہ ہی بے لباس ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔

اور اسی وجہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے اس حج کے لیے صاف ستھرا اور پاکیزہ ماحول مہیا فرمایا، تاکہ آپ کا یہ حج شرک وبت پرستی کے ادنیٰ شائبہ سے بھی پاک ہو کر خالصۃً وحدانیت کا تصور اجاگر کرے۔

غرضیکہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے لیے اس وقت سفر فرمایا، جب کہ جملہ مناسک حج کفر وشرک کی گمراہیوں اور تاریکیوں سے مکمل طور پر پاک وصاف ہو گئے، پھر آپ علیہ السلام نے انہیں نورِ توحید سے منور فرمایا اور واپس اسی طرح اپنی حالت پر لے آئے، جیسا کہ دینِ فطرت کا تقاضا تھا، اور یہ اعلان فرمایا:

كُونُوا عَلَى مَشَاعِرِكُمْ هٰذِهِ فَإِنَّكُمْ عَلَى إِرْثٍ مِنْ إِرْثِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ[21]

اپنے مناسک پر کاربند رہو کیوں کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طور طریقے پر ہو۔

مزید برآں اپنے خطبہ میں یہ اعلان فرمایا:

أَمَّا بَعْدُ ايها الناس! فان الشيطان ايس من ان يعبد بارضكم هذه ابدا[22]

امابعد! اے لوگو! بلاشبہ شیطان مایوس ہو چکا ہے کہ تمھاری اس سرزمین پر اب کبھی اس کی عبادت کی جائے گی۔

خلاصہ یہ کہ حجۃ الوداع اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحدانیت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، بالخصوص اس لحاظ سے کہ اوّل سے اخیر تک، مناسک حج کے ہر ہر قدم پر یہ عقیدہ ایک روشن دلیل کے طور پر سامنے آتا ہے۔

افسوس ہے کہ عقیدۂ توحید جو دین اسلام کا طرۂ امتیاز ہے، بلکہ اسلام کا تصور اس کے بغیر محال ہے، اس اساسی عقیدہ میں بھی افراط وتفریط کا یہ عالم ہے کہ ایسے لوگ جو اسلام کے دعویدار بنے بیٹھے ہیں اور قریب قریب اسی تاویل سے کام لیتے ہیں جو زمانۂ جاہلیت کے لوگوں نے اپنے شرک کے جواز کے لیے گھڑ

[21] جامع الترمذی: ۱/۱۷۷، باب ماجاء فی الوقوف بعرفۃ والدعاء فیھا، ایچ ایم سعید

[22] السیرۃ النبویۃ لمحمد بن اسحٰق: ۱/۶۷۰۔ مسند احمد: ۳/۳۵۴ وذکرہ الھیثمی وسکتب علیہ فی مجمع الزوائد: ۳/۲۱۹ (۵۷۰۵)

toobaa-elibrary.blogspot.com

رکھی تھی۔ جن میں بعض (معاذ اللہ) ایسے لوگ بھی ہیں جو مختلف بزرگوں کی قبروں پر ماتھا ٹیکتے ہیں کہ وہ اللہ کے حضور ان کے سفارشی ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کا قرب دلانے والے ہیں۔ (والعیاذ باللہ العظیم)

اور جب ہم حجۃ الوداع کے باب میں اللہ وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت کی بات کرتے ہیں تو یہ اپنے لیے لازمی سمجھتے ہیں کہ توحید کے مبارک پیغام کو صحیح اور حقیقی صورت میں ان لوگوں کے روبرو پہنچادیں جو اس سیدھے راستے میں ان جیسی گمراہ دگمراہ کن بدعات و خرافات میں پڑکر صراطِ مستقیم سے ہٹ گئے ہیں۔

۲۔ مناسکِ حج اور دینِ حق کی وحدانیت

ایک اور عنصر جس کی حجۃ الوداع کے موقع پر بطورِ خاص تعلیم دی گئی۔ وہ "مناسکِ حج کی ادائیگی کے طریقۂ کار کا ایک ہونا ہے، اور اس کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ زمانۂ جاہلیت میں مناسک کی ادائیگی کے مختلف طریقے رائج تھے، قبائل عرب میں سے ہر ایک قبیلہ انہیں بجالانے کے لیے اپنی من پسند رسومات کا قائل تھا اور طریقۂ کار کے اختلاف کا نقطۂ آغاز ان کی اختراع کردہ وہ خاص خاص جگہیں تھیں، جہاں وہ تلبیہ پڑھتے، اور یہ سلسلہ وقوف عرفہ ودیگر مناسک تک برابر چلتا رہتا تھا، یہاں تک کہ وہاں کچھ ایسے قبائل بھی تھے جو حرم شریف اور مناسک حج سے متعلق مقدس مقامات کے احترام کے قائل تھے، نہ ان کے نزدیک اشہر حرم کا کوئی مطلب تھا جیسے قبیلۂ خثعم، طی، احیاء (جو قبیلۂ قضاعہ کی ایک شاخ تھی) یشکر، اور حارث بن کعب، [۲۳] اور انہوں نے اپنے لیے کچھ زیارات بھی خاص کر رکھی تھیں، جن کی وہ اسی طرح تعظیم کرتے تھے، جیسے کہ دیگر لوگ کعبہ کی تعظیم کرتے تھے، جیسے کہ قبیلہ خثعم جو "ذوالخلصۃ" کے قریب اپنا حج کرتے تھے، جسے انہوں نے "الکعبۃ الیمانیۃ" کا نام دیا تھا، جسے بعد میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے منہدم کردیا تھا [۲۴] اس کے علاوہ وہ قبائل تھے جو مکہ کے مناسکِ حج سے متعلق مقامات کو بدستور مقدس سمجھتے تھے، جن میں سے ہر بڑے قبیلے کا ایک بت ہوتا تھا، جس کے قریب دورانِ حج وہ تلبیہ پڑھتے تھے، جیسے کہ ہم نے پہلے ذکر کیا، اور قبیلۂ قریش کے اس شرکیہ تلبیہ اور "اساف" بت کی عبادت کا ذکر پہلے کرچکے ہیں اور ابن حبیب نے عرب کے قبائل کے دیگر

[۲۳] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام لجواد علی: ۳۵۱/۶

[۲۴] صحیح البخاری: ۶۲۴/۲، کتاب المغازی، باب غزوۃ ذی الخلصۃ، قدیمی کتب خانہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

تلبیات بھی ذکر کیے ہیں، جو وہ مختلف بتوں کے سامنے پڑھتے تھے جن کی مقدار اساف، عزیٰ، لات، جہار، سواع، شمس، محرق، ودّ، ذوالخلصۃ، منطبق، وعک، منات، سعیدہ، یعوق، یغوث، نسر، ذواللبا، مرحب، ذریح، ذوالکفین، ہبل نام کے مختلف بتوں کے اعتبار سے اکیس کے قریب جا پہنچتی ہے، یہ سب ہی بت عرب کی سرزمین پر تھے اور ان میں سے جس کی بھی عبادت کی جاتی تھی، اس کے روبرو پڑھا جانے والا تلبیہ دوسرے سے مختلف ہوتا تھا، جنہیں ابن حبیب نے قریب چار صفحات میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔[۲۵] اسی طرح یعقوبی نے بھی قبیلۂ قریش، کنانہ، بنی اسد، بنی تمیم، قیس، عیلان، ثقیف، ہذیل، ربیعہ، حمیر، ہمدان، ارد، مذحج، کندہ، حضرموت، غسان، بجیلہ، قضاعہ، جزام وعک وغیرہ کا استیعاب کیا ہے۔ ان میں سے بھی اکثر تلبیات وہ ہیں جو یعقوبی نے ذکر کیے ہیں، جو ابن حبیب کے ذکر کردہ تلبیات سے بھی زیادہ ہیں۔[۲۶]

پھر ان کے درمیان احرام کے احکام بھی مختلف تھے، مثلاً ازد کے قبائل دوران حج شکار کو حرام نہیں سمجھتے تھے، اور جو مرضی کپڑے پہن لیتے تھے، کسی چار دیواری کمرے یا گھر میں داخل نہ ہوتے تھے، حالت احرام میں انہیں پناہ نہیں دیتے تھے، گوشت کھالیتے اور چربی پگھلادیتے، تیل اور خوشبو بھی لگاتے تھے، جبکہ قریش، خزاعہ وثقیف، حارث بن کعب اور عامر بن صعصعہ پر مشتمل "قبیلۂ حمس" کا طریقہ حج کچھ اس طرح تھا کہ وہ چربی نہیں پگھلاتے تھے، دودھ کو بچائے نہیں رکھتے تھے، گوشت نہیں کھاتے تھے، تیل نہیں لگاتے تھے، اونی اور سوتی کپڑے زیب تن نہیں کرتے تھے، نہ عورتوں کو چھوتے اور نہ خوشبو لگاتے اور مسجد کی سرزمین پر عظمت واحترام کو مدنظر نہیں رکھتے تھے۔[۲۷]

قبیلۂ قریش سمیت وہ قبائل جو جوارِ حرم میں رہتے تھے، جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، جو اپنے آپ کو حمس کہتے تھے اور اکثر امور میں عرب کے دیگر قبائل کے مقابلے میں اپنی فضیلت وبرتری کا گمان رکھتے تھے اور یہ اعتقاد بھی رکھتے تھے کہ قبیلہ حمس اپنے انہی کپڑوں میں طواف کعبہ کرسکتے ہیں، اور ان کے علاوہ لوگوں

---

۲۵ المحبر لابن الحبیب: ۳۱۱-۳۱۵

۲۶ تاریخ الیعقوبی: ۱/۲۵۶، ادیان العرب

۲۷ تاریخ الیعقوبی: ۱/۲۵۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے بارے میں جنہیں یہ "حلۃ" کہہ کر پکارتے تھے، یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کے لیے اپنے کپڑوں میں طواف جائز نہیں۔ کیونکہ ان کے گناہوں سے وہ کپڑے آلودہ ہو چکے ہیں، لہٰذا وہ اس سے بچنے کے لیے قبیلہ حمس سے عاریتاً یا کرایہ پر کپڑے لیتے تھے، گویا کہ ان کے نزدیک قبیلہ حمس گناہوں سے معصوم تھا، حتی کہ اگر قبیلۂ حمس میں سے کوئی انہیں عاریتاً یا کرایہ پر کپڑے نہ دیتا تو برہنہ ہو کر طواف کرتے تھے، [۲۸] اسی کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَبَنِىٓ ءَادَمَ خُذُوا۟ زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ [۲۹]

اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! جب کبھی مسجد میں آؤ تو اپنی خوشنمائی کا سامان (یعنی لباس جسم پر) لے کر آؤ۔

اسی طرح قبیلۂ حمس منیٰ میں چمڑے کے سرخ رنگ کے خیمے نصب کرتے تھے، کسی اور کے لیے اس طرح کے خیمے باندھنا ان کے ہاں جائز نہیں تھا، [۳۰] "حلۃ" و دیگر قبائل کے خیمے اون اور سوت ہوتے تھے، یہی وجہ تھی کہ جہاں تک وقوف عرفہ کا تعلق ہے، تو قبیلۂ "حلۃ" میدانِ عرفات جا کر وقوف کرتا تھا، جبکہ قبیلۂ "حمس" کا یہ گمان تھا کہ وہ مستقل بنیادوں پر حرم کے خدمت گزار ہیں، اب چونکہ میدان عرفات حرم سے خارج تھا اس لیے وہاں نہیں جاتے تھے اور نہ دیگر قبائل کے ساتھ وقوف کرتے تھے، بلکہ وہ حرم ہی میں رہتے ہوئے مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے، یہی طریقہ عرب میں سالہا سال تک جاری رہا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اس رواج کو یکسر باطل قرار دیا اور نہ صرف عرب کے قبائل کے لیے بلکہ دنیا بھر کے تمام حجاج کے لیے وقوف عرفہ کو مشروع فرمایا، چنانچہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَضْلَلْتُ بَعِيرًا لِي، فَذَهَبْتُ أَطْلُبُهُ يَوْمَ عَرَفَةَ، فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقِفًا بِعَرَفَةَ، فَقُلْتُ هٰذَا وَاللهِ مِنَ الْحُمْسِ فَمَا شَأْنُهُ هٰهُنَا [۳۱]

ایک دفعہ میرا اونٹ گم ہو گیا تھا تو میں عرفہ کے دن اسے ڈھونڈنے نکلا، دریں اثناء میں نے نبی کریم صلی اللہ

---

۲۸ صحیح البخاری: ۱/۲۲۶، باب الوقوف بعرفۃ، قدیمی کتب خانہ

۲۹ الاعراف: ۳۱

۳۰ طبقات ابن سعد: ۱/۴۱

۳۱ صحیح البخاری: ۱/۲۲۶، باب الوقوف بعرفۃ، قدیمی کتب خانہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

علیہ وسلم کو وقوفِ عرفہ کرتے ہوئے دیکھا، تو میری زبان سے نکلا، خدایا! یہ تو حمس (قریش) میں ہیں، بھلا ان کے وقوفِ عرفہ کا کیا مطلب؟

گویا حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو یہ اجنبی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش سے ہوتے ہوئے بھی وقوف فرمارہے ہیں، کیوں کہ وہ اس وقت تک نہیں جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ جاہلیت کے رائج کردہ طور طریقوں کو یکسر مٹا چکے ہیں۔

غرض یہ کہ زمانۂ جاہلیت میں مناسکِ حج ایک طریقے پر نہیں تھے، جب کہ مختلف قبائل نے طرح طرح کی ایسی رسمیں گھڑ رکھی تھیں، جن سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صحیح اور درست طریقۂ کار پر واپس لوٹایا اور پوری دنیا کے مسلمانوں کو ایک طریقۂ حج پر جمع کیا۔ چنانچہ ان تحریفات کے مٹائے جانے کے بعد حجۃ الوداع وہ سب سے پہلا حج تھا، جس میں تمام لوگوں کے مناسک اور حج کی ادائیگی کا طریقۂ کار یکساں تھا، اس طرح حجۃ الوداع دین اسلام کی وحدانیت کا عظیم مظہر ثابت ہوا، جیسا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی ایک امتیازی علامت تھا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک ایسی آیت نازل فرمائی، جس نے اس حج کو دین حنیف کے نقطۂ کمال تک پہنچادیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[۳۲]

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا، تم پر اپنی نعمت پوری کردی، اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کرلیا (۷) (لہٰذا اس دین کے احکام کی پوری پابندی کرو) ہاں جو شخص شدید بھوک کے عالم میں بالکل مجبور ہوجائے (اور اس مجبوری میں ان حرام چیزوں میں سے کچھ کھالے) بشرطیکہ گناہ کی رغبت کی بنا پر ایسا نہ کیا ہو، تو بیشک اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔

اس آیت سے متعلق طارق بن شہاب سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

أَنَّ أُنَاسًا مِنَ الْيَهُودِ قَالُوا: لَوْ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِينَا لَاتَّخَذْنَا ذٰلِكَ الْيَوْمَ

---

۳۲ المائدۃ: ۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

عِيدًا فقال عمر أية آية؟ فقالوا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا [المائدة:۳] فقال عمر إني لأعلم أي مكان أنزلت أنزلت، ورسول الله صلى الله عليه وسلم واقف بعرفة ۳۳

یہودیوں میں سے کچھ لوگوں نے کہا "اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کے طور پر مناتے" تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا "کونسی آیت" تو انہوں نے کہا "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا" مجھے معلوم ہے کہ یہ آیت کس جگہ نازل ہوئی، یہ آیت حضور ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ عرفات میں وقوف کیے ہوئے تھے۔

۳۔ مسلمانوں کی وحدانیت (اتحاد)

وحدانیت کا تیسرا عنصر جو حجۃ الوداع کے واقعہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے، وہ امت مسلمہ کے درمیان اتحاد و اتفاق ہے، رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ قولی طور پر اس وحدانیت کا برملا اظہار فرمایا، بلکہ عملی طور پر اس کی تعلیم دی اور حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

كُلُّ مُسْلِمٍ اَخٌ لِلْمُسْلِمِ وَاَنَّ الْمُسْلِمِيْنَ اِخْوَةٌ ۳۴ فقال: يا أيها الناس ألا إن ربكم واحد وإن أباكم واحد ألا لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا أحمر على أسود ولا أسود على أحمر إلا بالتقوى ۳۵

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور فرمایا: اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے، تمہارے باوا (آدم) ایک ہیں، خبردار کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر، نہ کالے کو گورے پر فضیلت ہے نہ گورے کو کالے پر، الّا یہ کہ تقویٰ کی وجہ سے۔

---

۳۳ صحیح البخاری: ۶۳۱/۱، باب حجۃ الوداع، قدیمی کتب خانہ

۳۴ ایضاً

۳۵ مسند احمد: ۴۱۱/۵، وقال الھیثمی: رواہ احمد ورجالہ الصحیح (مجمع الزوائد ۳/۵۸۶)

toobaa-elibrary.blogspot.com

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ[۶۳]

بے شک تمھاری جانیں، تمھارے اموال اور تمھاری عزت وآبرو ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے، جس طرح کہ تمھارے اس دن کی، تمھارے اس مہینے کی، اور تمھارے اس دن کی حرمت ہے، ہر حاضر شخص کو چاہیے کہ (یہ تعلیمات) غائب تک پہنچادے۔

اسی طرح حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر عربوں میں رائج باہمی فخر ومباہات کو بھی باطل قرار دیا، جس کے نتیجے میں پوری امت مسلمہ کو مناسک حج کی ادائیگی میں یکساں درجہ ملا اور کسی ایک شخص کی دوسرے شخص پر بجز تقویٰ کے کوئی فضیلت نہ رہی۔

دراصل قبیلۂ حمس اپنے آبائی حسب ونسب اور حرم کی مجاورت پر بڑا فخر کرتے تھے، چنانچہ اپنے آپ کو دوسروں پر فضیلت دیتے اور منیٰ میں خیموں کی تنصیب سمیت وقوف عرفہ اس مخصوص انداز میں کرتے تھے، جس سے ان کی امتیازی شان ظاہر ہوتی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اسے بھی باطل قرار دیا جیسا کہ گذرا، اور تمام حجاج کرام کو جملہ مناسکِ حج کی ادائیگی اور زیارات میں برابری کا درجہ دیا، جس کی رو سے کسی بھی شخص کی دوسرے پر فضیلت نہ رہی۔

یہی وہ مبارک دن ہے جس کے بعد سے تمام مسلمان حج کے موقع پر ایک لباس، ایک تلبیہ اور ایک عبادت کے ساتھ جمع ہوتے ہیں، مالدار وفقیر کے درمیان کوئی فرق ہے نہ حاکم ومحکوم کے درمیان، سب ہی لوگ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایک دعوت، ایک تکبیر، ایک تلبیہ اور ایک ہی طرح کی حمد وثناء کے ساتھ اس طرح جمع ہوتے ہیں کہ یہ سب ہی عبادات ایک واحد وقہار ذات کے لیے خالص ہوجاتی ہیں جس کے علاوہ کوئی عبادت کے سزاوار نہیں۔

اس سے بڑھ کر کیا مساوات ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ نے مناسک حج کی ادائیگی میں دیگر حجاج کے

---

[۶۳] صحیح البخاری: (۶۷)، کتاب العلم

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقابلے میں کوئی امتیازی شان گوارا نہیں فرمائی، باوجودیکہ آپ اس کے سب سے زیادہ حق دار تھے، کیوں کہ آپ ﷺ کی قدر و منزلت محض حسب و نسب کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ اس وجہ سے بھی تھی کہ آپ تمام رسولوں میں سب سے زیادہ افضل، خاتم النبیین اور محبوب رب العالمین ہیں اور اس لیے بھی کہ آپ علیہ السلام تمام انسانوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ اعلم، اتقی اور نیکی و پرہیزگاری کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہیں، ان سب کے باوجود آپ ﷺ سفر و حضر، اور عبادات کی ادائیگی میں دیگر مسلمانوں کے مقابلے میں امتیازی شان روا نہیں فرماتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس سفر کے جملہ امور میں تمام ہی مناسک بلا کسی کی خدمت لیے بنفس نفیس ادا فرمائے اور تریسٹھ ۶۳ اونٹ اپنے دست مبارک سے نحر فرمائے۔

اور جملہ مناسکِ حج اسی طرح ادا فرمائے جیسے کہ عام لوگوں نے انجام دیے، حتیٰ کہ منیٰ میں اسی طرح قیام فرمایا جس طرح کہ دیگر لوگوں نے قیام کیا اور میدانِ عرفات میں بھی اسی طرح وقوف فرمایا جیسے کہ اور لوگوں نے وقوف کیا، اور جب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے لیے منیٰ میں ایک امتیازی نوعیت کا خیمہ لگانے کا ارادہ فرمایا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے قبول نہ کیا اور دیگر حجاج کے ساتھ مساوات کو برقرار رکھنے پر زور دیا، چنانچہ محدثین نے اس حدیث کو مختلف طرق سے روایت کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ أَلَا نَبْنِی لَکَ بِمِنًی بَیْتًا أَوْ بِنَاءً یُظِلُّکَ مِنَ الشَّمْسِ فَقَالَ لَا إِنَّمَا هُوَ مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ إِلَيْهِ[۳۷]

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کے لیے منیٰ میں کوئی چہار دیواری کمرہ نہ بنالیں یا کوئی ایسی تعمیر جو دھوپ سے آپ کو سایہ فراہم کرے؟ تو آپ نے فرمایا "نہیں" وہ تو گزرے ہوئے لوگوں کا طریقہ تھا۔

حتیٰ کہ آپ اس بات پر بھی راضی نہ ہوئے کہ آپ کے لیے آبِ زم زم کے پینے میں بھی کسی قسم کی کوئی خصوصیت ہو، اور وہ ان کے پاس اس طرح لایا جائے، جیسے کہ عام لوگ آب زم زم پیتے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے،

---

۳۷ جامع الترمذی: ۱/۱۷۷، کتاب الحج، باب ماجاء ان منی مناخ من سبق، ایچ ایم سعید۔ سنن ابی داؤد: ۱/۲۷۶، کتاب المناسک، باب تحریم مکۃ، ایچ ایم سعید

toobaa-elibrary.blogspot.com

جس میں انہوں نے فرمایا:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ إِلَى السِّقَايَةِ فَاسْتَسْقَى فَقَالَ الْعَبَّاسُ: يَا فَضْلُ اذْهَبْ إِلَى أُمِّكَ فَأْتِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرَابٍ مِنْ عِنْدِهَا فَقَالَ: اسْقِنِي قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهُمْ يَجْعَلُونَ أَيْدِيَهُمْ فِيهِ قَالَ اسْقِنِي فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ أَتَى زَمْزَمَ وَهُمْ يَسْقُونَ وَيَعْمَلُونَ فِيهَا فَقَالَ: اعْمَلُوا فَإِنَّكُمْ عَلَى عَمَلٍ صَالِحٍ ثُمَّ قَالَ: لَوْلَا أَنْ تُغْلَبُوا لَنَزَلْتُ حَتَّى أَضَعَ الْحَبْلَ عَلَى هٰذِهٖ يَعْنِي: عَاتِقَهُ وَأَشَارَ إِلَى عَاتِقِهِ [۳۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "سقایہ" (یعنی آب زم زم) کے پاس تشریف لائے اور پانی طلب کیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ سے فرمایا" اے فضل! اپنی والدہ کے پاس جاؤ اور ان کے پاس موجود پانی کا پیالہ لے کر آؤ، الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانی پلاؤ، تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! لوگ اس میں اپنے ہاتھ ڈالتے ہیں، تو آپ نے فرمایا، (اسی سے) مجھے پلادو، پھر اسی سے پانی نوش فرمایا، پھر زمزم کے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ لوگ پانی پی رہے تھے اور مصروف عمل تھے، تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، عمل کرو کیوں کہ تم نیک عمل پر ہو، پھر فرمایا: اگر مجھے تمھارے غلبۂ حال کا خوف نہ ہوتا تو میں (اپنی سواری پر سے) اترتا، حتی کہ رسی کو اس پر رکھ دیتا، یعنی کندھے پر اور اپنے کندھے کی طرف اشارہ فرمایا۔

غور فرمایئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح ہر اس چیز کو مسترد فرمادیا، جس سے دیگر مسلمانوں پر امتیازی شان کا وہم ہوتا ہے، باوجودیکہ آپ کا مرتبہ اور قدر و منزلت اس قدر بلند ہے کہ آپ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کے مصداق ہیں، جس کے ہم پلّہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا، دنیا میں، نہ آخرت میں، اور اس موقع پر آپ علیہ السلام کا ایک ایک انداز اور طریقہ ایسی عملی تفسیر تھی جس نے در حقیقت اسلامی وحدانیت کی مستقل بنیادوں پر راہ ہموار کی، جس کی بعد میں پیروی کی گئی۔

عین اسی طرح حجۃ الوداع بھی وحدانیت کی نشانیوں میں سے اہم ترین نشانی ہے، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال وافعال، نشست و برخاست، رفتار و گفتار اور عبادات و معاشرت سے مشروع فرمایا، تاکہ ہمارے دلوں میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ ہمارا خدا ایک ہے، دین ایک ہے، قبلہ ایک ہے، کتاب ایک

۳۸ صحیح البخاری: ۲۲۱/۱، باب سقایۃ الحاج، قدیمی کتب خانہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے اور ہم ایک امتِ مسلمہ ہیں۔ بلاشبہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ قول حجۃ الوداع کے زرین پیغام کا آئینہ دار اور پورے حجۃ الوداع کا جامع خلاصہ ہے:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [۳۹]

اور (اے پیغمبر! ان سے) یہ بھی کہو کہ یہ میرا سیدھا سیدھا راستہ ہے، لہٰذا اس کے پیچھے چلو،
اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ پڑو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے۔
لوگو! یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تم متقی بنو۔ [۴۰]

یہی ہے وحدانیت کا وہ درس، جو حجۃ الوداع کے موقع پر ہمیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملتا ہے، ان پر اس کثرت سے درود وسلام ہو جتنا کہ لوگ تاقیامت فریضۂ حج وعمرہ ادا کرتے رہیں اور صوم وصلوٰۃ کا اہتمام کریں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

۳۹۔ الانعام: ۱۵۳

۴۰۔ آسان ترجمہ قرآن: ۱/۴۴۳، الانعام (۱۵۳)، مکتبۂ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیرِ عثمانی

پر ہونے والے اعتراضات کا

تحقیقی جائزہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”تفسیر عثمانی“ ایک ایسی عام فہم اردو تفسیر ہے، جس کی ابتداء شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمائی، لیکن سورۂ آل عمران کے بعد وہ اس مایۂ ناز تفسیر کی تکمیل نہ فرما سکے، لیکن اس کی کمال درجہ افادیت کے پیش نظر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ (مصنف ”فتح الملهم“ شرح صحیح مسلم) نے اس کی تکمیل فرمائی۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار برصغیر پاک و ہند کے اکابر علماء میں ہوتا ہے، نہ صرف علمی میدان میں ان کی مختلف جلیل القدر تالیفات ہیں بلکہ برصغیر پاک و ہند کے سیاسی میدان میں بھی ان کا نمایاں کردار رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی یہ تفسیر پاک و ہند، بنگلہ دیش اور برما کے علماء و عامۃ الناس میں بے انتہا مقبول ہوئی اور ایک خلق کثیر اس سے مستفید ہوئی۔

چوں کہ یہ تفسیر عام فہم اردو زبان میں تھی اور اس کا نفع عام و تام تھا، اس لئے ”مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف“ (انجمن شاہ فہد برائے طباعتِ قرآن مجید) نے اس کی طباعت کے لئے موثر اقدامات کئے اور عالمی اسلامی تنظیم ”رابطة العالم الاسلامي“ نے اردو زبان بولنے والے مسلمانوں کے لیے اس کی تقسیم میں نمایاں کردار ادا کیا۔

اس تفسیر کی وسیع پیمانے پر نشر و اشاعت کے بعد کچھ حضرات نے (واللہ اعلم) کن اغراض و مقاصد کے تحت اس پر اعتراضات کرنے شروع کر دیے اور سعودی حکومت سے اس کی تقسیم و اشاعت پر پابندی کا مطالبہ کر دیا اور ان اعتراضات کو تحریری طور پر مرتب شکل دے کر مختلف مقتدر حلقوں میں بھیج دیا، اب چونکہ یہ تفسیر اردو زبان میں تھی اس لئے ان اعتراضات کی صحیح تحقیق کرنا ان کے بس میں نہیں تھا اور نہ وہ اس کی صحت و سقم کا صحیح اندازہ کر سکتے تھے۔

انہی حالات کے پیش نظر ”رابطة العالم الاسلامي“ کے امین عام ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں ان اعتراضات پر غور و فکر کر کے اپنی رائے کا اظہار کروں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

پیشِ نظر خط ۱۴۱۲ھ میں انہی کی خدمت میں تحریر کیا گیا تھا، جس میں علماء وفقہاء کے اختلافات کے حوالے سے میں نے تمہید اً کچھ بنیادی نکات ذکر کیے اور پھر قدرے تفصیل سے ان اعتراضات کا جواب دیا، جو اس تفسیر پر کیے گئے تھے۔

چونکہ یہ خط مختلف علمی وفقہی مسائل پر مشتمل تھا، اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ یہ نشر ہو جائے تاکہ اس کا نفع عام ہو۔

وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

محمد تقی عثمانی

۲۸ ربیع الاوّل ۱۴۳۱ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

امین رابطۃ العالم الاسلامی کو ارسال کردہ خط

بخدمت جناب عبداللہ عمر نصیف صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ ورعاہ

امین عام رابطۃ العالم الاسلامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

انی احمد اللہ تبارک وتعالیٰ واصلی واسلم علی رسولہ الکریم

صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین، امابعد!

آنجناب کا والانامہ نمبر ۱۱۴۸۵ بمطابق ۲۵۔۷۔۱۴۱۴ھ کو موصول ہوا، جس میں مع دیگر احوال، بالخصوص ”تفسیر عثمانی“ پر ہونے والے مختلف اعتراضات کے حوالے سے ذکر کیا گیا، چونکہ مجھے اس تفسیر پر ہونے والے اعتراضات کی تفصیل دیر سے موصول ہوئی، اس لئے اس وقت اجمالی جواب ارسال کر دیا، تاہم اب میں کوشش کروں گا کہ آنے والے صفحات میں ان اعتراضات کا جواب بالتفصیل ذکر کروں۔ بفضل اللہ وعونہٖ

تفسیر عثمانی پر اعتراضات اور دو بنیادی نکات

قبل اس کے کہ میں ان اعتراضات کی تفصیل میں جاؤں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اولاً دو ایسے نکات ذکر کر دیے جائیں جو ان جیسے امور میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

ا) پہلا نقطہ یہ ہے کہ دینی اوامر واحکام کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ پہلی قسم: ان احکام پر مشتمل ہیں، جو نصوص قطعیہ یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول سے ثابت ہیں، یا جن پر امت کا اجماع ہو چکا ہے، یا مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) جن پر متفق ہیں یا وہ احکام ومسائل جن پر معتبر علماء میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں، الا ماشاء اللہ۔

احکام ومسائل کی یہ قسم وہ ہے جس سے ادنیٰ انحراف سراسر ضلالت وگمراہی ہے اور کسی بھی مسلمان کو یہ زیبا نہیں کہ اس میں ذرہ برابر چوں وچرا کرے۔

۲۔ دوسری قسم: ان احکام پر مشتمل ہے جو مجتہد فیہ ہیں، چونکہ یہ احکام ومسائل اپنی ذات میں مختلف

toobaa-elibrary.blogspot.com

جہات کا احتمال رکھتے ہیں اس لیے محقق علماء وفقہاء قرآن وسنت کی روشنی میں ان پر تحقیق کرتے ہیں اور ہر وہ عالم وفقیہ جس میں اجتہاد کی شرائط پائی جاتی ہیں، پورے اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ حق تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے اور ایک ہی مسئلے میں مختلف آراء سامنے آتی ہیں۔ آراء کا یہ اختلاف یا تو اس وجہ سے ہوتا ہے کہ نصوص میں ایک سے زائد احتمالات ہوتے ہیں یا اس وجہ سے کہ ہر ایک کا استنباط واستخراج کا طریقۂ کار مختلف ہوتا ہے، جبکہ اس کے دیگر ایسے اسباب بھی ہوسکتے ہیں جو عند الشّرع معتبر ہیں۔

مجتہد دیانتدارانہ رائے میں قابلِ ملامت نہیں

قرآن مجید چونکہ ایک محکم کتاب ہے لہٰذا نص قرآنی میں کوئی اجتہادی رائے قائم نہیں ہوسکتی ہے، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ اس کی تفسیر میں کبھی مختلف وجوہ ہوتی ہیں، جن کو مفسرین ذکر کردیتے ہیں، اور پھر اپنی فقہ وبصیرت کی روشنی میں کسی ایک رائے کو راجح قرار دیتے ہیں یا اخیراً اپنی ذاتی رائے بھی ذکر کردیتے ہیں۔ جو بعض اہل فکرونظر کے لیے قابل قبول ہوتی ہے اور بعض کی نظر میں ناقابل قبول، چونکہ اس کا حقیقی علم اس وقت کسی کو نہیں، لہٰذا اگر اس کی رائے غلط ہے تو وہ محض ایک "اجتہادی غلطی" ہوتی ہے، جس کے بارے میں حدیث صحیح میں وارد ہے کہ اگر مجتہد نے کسی مجتہد فیہ مسئلے میں اجتہاد کیا اور وہ مُصیب ہوا تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے اور اگر اس سے غلطی ہوگئی تو اس کے لیے بھی اجر ہے۔ لہٰذا کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ ان محقق مجتہدین پر ضلالت وگمراہی کا حکم لگائے یا ان کو فسق وفجور کی طرف منسوب کرے، یا یہ کہے کہ وہ صراطِ مستقیم سے ہٹ گئے۔

اجتہادی اختلاف اور عوام کے لئے قابلِ عمل پہلو

جب بھی کسی مسئلے میں دو مختلف آراء سامنے آئیں تو ایک مسلمان پر لازم ہے کہ جس کے اجتہاد پر اسے اطمینان ہو، عمل کرے لیکن اس کے بالمقابل دوسرے مجتہد کو برا بھلا کہنا اس کی شان کے خلاف ہے، کیوں کہ مجتہد فیہ مسائل میں ایک سے زائد آراء کا سامنے آنا کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ عہد صحابہ سے چلا آرہا ہے، آپ علیہ السلام کے وصال فرمانے کے بعد خیر القرون ہی میں بہت سے ایسے اجتہادی مسائل تھے، جن میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اختلاف ہوا، لیکن ان میں کوئی ایک بھی ایسے صحابی نہ تھے جس نے دوسرے صحابی کو معاذ اللہ گمراہ قرار دیا ہو یا اس پر فسق وفجور کا حکم لگایا ہو یا بے جا ملامت کی ہو۔

جیسے کہ امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے یحیٰ بن سعید تابعی کا یہ قول نقل کیا ہے، جس میں انہوں نے فرمایا:

مابرح اهل الفتوى يفتون فيحل هذا ويحرم هذا فلا يرى المحرم ان المحل هلك لتحليله ولا يرى المحلل ان المحرم هلك لتحريمه [۱]

شروع زمانے سے ہی مفتیان کرام فتوی دیتے آئے ہیں، ایک ہی مسئلے میں ایک کی جانب سے حلت، تو دوسرے کی جانب سے حرمت کا فتویٰ آتا ہے لیکن آج تک حرمت کا قول اختیار کرنے والے پر حلال کو حرام قرار دینے کے نتیجے میں کبھی وبال آیا اور نہ حلت کا قول اختیار کرنے والے پر حرام کو حلال قرار دیے جانے پر کوئی آسمانی عذاب اترا۔

اجتہادی اختلاف اور علامہ ابن تیمیہؒ کا تحقیقی رسالہ

اسی قضیہ کو حل کرنے کے لیے امام ابن تیمیہؒ نے مستقل کتاب بنام "دفع الملام عن الائمة الاعلام" تحریر فرمائی، جس کے مقدمے میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

وليعلم أنه ليس أحد من الأئمة المقبولين عند الأمة قبولا عاما يتعمد مخالفة رسول الله صلى الله عليه وسلم في شيء من سنته، دقيق ولا جليل، فإنهم متفقون اتفاقا يقينيا على وجوب اتباع الرسول وعلى أن كل أحد من الناس يؤخذ من قوله ويترك إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم ولكن إذا وجد لواحد منهم قول قد جاء حديث صحيح بخلافه فلا بد له من عذر في تركه

وہ ائمہ مجتہدین جنہیں امتِ مسلمہ میں مقبولیت عامہ حاصل ہو چکی، ان میں سے ایک امام بھی ایسا نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ادنیٰ درجے کی سنت کا بھی عمداً مخالفت کا مرتکب ہوا ہو،

---

[۱] جامع بیان العلم: ۲/۸۰، باب جامع بیان مایلزم الناظر فی اختلاف العلماء

toobaa-elibrary.blogspot.com

چنانچہ اگر کسی امام سے اس قسم کا کوئی قول پایا جائے جو حدیث صحیح کے خلاف ہو تو اس کے قول کو بغیر کسی معقول وجہ کے رد نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے بعد امام ابن تیمیہؒ نے ان اسباب پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، جن کی وجہ سے ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف واقع ہوتا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

وإذا كان الترك يكون لبعض هذه الأسباب فإذا جاء حديث صحيح فيه تحليل أو تحريم أو حكم فلا يجوز أن يعتقد أن التارك له من العلماء الذين وصفنا أسباب تركهم يعاقب لكونه حلل الحرام أو حرم الحلال، أو حكم بغير ما أنزل الله وكذلك إن كان في الحديث وعيد على فعل من لعنة أو غضب أو عذاب ونحو ذلك فلا يجوز أن يقال إن ذلك العالم الذي أباح هذا أو فعله داخل في هذا الوعيد وهذا مما لا نعلم بين الأمة فيه خلافا إلا شيئا يحكى عن بعض معتزلة بغداد[42]

کسی مسئلے میں اگر کوئی امام ایک قول اختیار کرے اور اس قول کے خلاف کوئی حدیث صحیح موجود ہو جس میں حلت یا حرمت یا کوئی اور (جواز، عدم جواز یا کراہت وغیرہ کا) حکم بیان ہوا ہو، تو یہ ہرگز جائز نہیں کہ اس حدیث کو ترک کرنے پر اس مجتہد امام کو موردِ الزام ٹھہرایا جائے، اور کہا جائے کہ اس نے حرام کو حلال یا حلال کو حرام کردیا یا قرآنی احکام کی خلاف ورزی کی، کیوں کہ اس امام کے پیش نظر کچھ ایسے عند الشرع مستقل و معتبر اسباب موجود تھے جن کے باعث اس حدیث کو ترک کیا گیا۔ اسی طرح اگر کسی حدیث میں کسی کام کے کرنے پر وعید ہو یا لعنت و غضب اور عذاب وغیرہ کے الفاظ آئے ہوں اور کوئی مجتہد اس کے جواز کا قائل ہو تو اس کے متعلق یہ کہنا جائز نہیں کہ اس نے ناجائز کام کو مباح کردیا یا اس کا یہ فعل اس وعید کے تحت داخل ہے۔ کیوں کہ اس طرح کا (موجب ملامت) اختلاف بغداد میں واقع معتزلی فرقے کے علاوہ کہیں نہیں پایا جاتا۔

چونکہ اس اصول پر تمام ائمہ متفق ہیں، لہٰذا اسلاف و اکابر کے مزید اقوال بیان کرکے اس بحث کو طول دینے کے بجائے اسی پر اکتفا کرتا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ ذکر کردہ تفصیل اس مسئلے سے متعلق تشنگی دور کرنے کے لیے کافی ووافی ثابت ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

---

۴۲ رفع الملام عن الائمۃ الاعلام: ۱/۸-۹، وجوب موالاۃ المسلمین، مطبوعہ ریاض

toobaa-elibrary.blogspot.com

اجتہادی اختلاف اور مسالک اربعہ

تاہم ایک نکتہ جس کا ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے، یہ ہے کہ علماء وائمہ کے درمیان اختلاف کا ہونا کوئی نئی بات نہیں، یہ تو عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی سے چلا آرہا ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے مختلف خطوں کے مسلمان مسالک اربعہ میں سے جس پر چاہتے ہیں، عمل کرتے ہیں، لہٰذا مجتہد فیہ مسئلے میں کسی پر نکیر یا ملامت کرنا مسالک سے اعتماد اٹھا دینے کے مترادف ہے، جس کی فقہ اسلامی میں کوئی گنجائش نہیں۔

ہر چہار مسالک کی طرف دائرۂ عمل وسیع کرنے کی ضرورت

جابجا اختلاف کے اس عہد پرفتن میں اس عالمی تنظیم کے لیے ضروری ہے کہ متفق علیہ احکام پر مضبوطی سے عمل اور مجتہد فیہ مسائل میں پائے جانے والی کوتاہیوں پر تحقیقی خدمات کو روبکار لائے، جہاں اس عالمی پلیٹ فارم کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی کے لیے ایسی رائے زنی کا موقع ہی نہ آنے دے جو اجماعِ امت کے خلاف ہو یا ایسی نادر الوجود گمراہ کن آراء جو جمہور علماء امت کے خلاف ہو، وہیں دوسری جانب یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے دائرۂ عمل کو تلقی بالقبول پانے والے چاروں مذاہب اربعہ تک وسیع کرے نیز ان تمام اجتہادی آراء تک رسائی حاصل کرے جو کسی بھی فروعی و مجتہد فیہ مسئلہ میں فقہاء کی طرف سے سامنے آئے اور ان پر اپنے تحقیقی و عملی میادین کو وسیع کرے۔

مسائل مختلف فیہا میں جملہ مسالک اربعہ کی رعایت کی ضرورت

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس عالمی تنظیم کے لیے کسی طور یہ ممکن نہیں کہ دنیا کے مختلف خطوں میں بسنے والے تمام مسلمانوں کو مجتہد فیہ و مختلف فیہ مسائل میں ایک رائے پر جمع کر دے اور نہ یہ ممکن ہے کہ ان مسائل میں دیگر مذاہب کی طرف سے سامنے آنے والی آراء کو مسترد کر دے کیوں کہ عالمی حیثیت ہونے کے ناطے اس تنظیم کے لئے ہر چہار مسالک کی رعایت رکھنا بہر حال ضروری ہے، جس کی ایک آسان وسہل صورت یہ ہے کہ جب بھی اس عالمی ادارے سے کوئی کتاب کسی خاص اسلامی ملک کے لیے نشر کی جائے تو اس میں اس بات کا خیال رکھ لیا جائے کہ اس کتاب کے جملہ مسائل اس مذہب کے مطابق ہو جو وہاں پر رائج ہے، اور مذہب سے مراد صرف وہی مذاہب ہیں، جو جمہور امہ کے نزدیک تلقی بالقبول پانے والے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں اور معتبر ہیں۔ جیسے مذہب مالکی، شافعی، حنفی اور حنبلی اور یہ ہرگز مناسب نہیں کہ رابطۃ العالم الاسلامی کسی کتاب کی نشر واشاعت صرف اس لیے بند کردے کہ وہ مثلاً حنفی یا شافعی مسلک کے مسائل پر مشتمل ہے۔

ہاں! یہ ضرور ہے کہ کوئی بھی کتاب ایسے مسائل وآراء پر مشتمل ہو جو چاروں مسالک کے ائمہ کے خلاف ہوں یا ایسے شاذ مسلک پر مشتمل ہو جسے جمہور علماء امت رد کرچکے ہیں، تو ایسی صورت میں اس کی طباعت و تقسیم سے احتراز لازم ہے۔

کتبِ تفسیر کے معتمد ہونے کے لئے بنیادی شرائط کا لحاظ کافی ہے

دوسرا اور اہم نکتہ جس کے لیے مذکورہ تفصیل ذکر کی گئی ہے، یہ ہے کہ جملہ کتب تفسیر جن کو آج بھی مراجع و مصادر کا درجہ حاصل ہیں، ہر قسم کے رطب و یابس سے پُر ہیں، البتہ متاخرین کی تفاسیر کے حوالے سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی تفاسیر کو اس قسم کی روایات سے پاک کرنے میں جہد مسلسل صرف کی اور صرف معتبر روایات کا التزام کیا، لیکن اس کے باوجود ہر آیت کی تفسیر ایسی ہو، جس میں ذکر کردہ جملہ روایات سند کی تمام حدود و قیود پر پوری اترتی ہوں اور کوئی ایک روایت بھی ایسی نہ ہو جس میں سند کے اعتبار سے کلام نہ ہو، بظاہر مشکل ہے، کیوں کہ یا تو مؤلف اسے اپنے زعم میں ان ہی احادیث کی طرح سنداً صحیح سمجھتا ہے جن کا اس نے اپنی کتاب میں التزام کیا اور یہ موجبِ ملامت اس لیے نہیں کہ روایات کے صحیح و حسن یا ضعیف ہونے میں متعدد آراء ہوسکتی ہیں۔ جیسا کہ یہ بات معروف ہے، یا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مؤلف سے اس قسم کی روایت لانے میں تسامح ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ بڑی سے بڑی تفسیر بھی ایسی روایات سے خالی نہیں، جن پر علماء نے تنقید نہ کی ہو، کیونکہ اصولی طور پر تفسیر کی صحت و قبولیت کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ معتبر اقوال پر مشتمل ہو، یہ نہ ہو کہ من حیث المجموع ہی موضوع، ضعیف یا منکر روایات سے بھرپور ہو، اگر مؤلف غالب طور پر معتبر اقوال و روایات اپنی تفسیر کی زینت بناتا ہے اور کہیں ایک آدھ روایت ایسی بھی ذکر کردیتا ہے جو اگرچہ ضعیف یا قابل اعتراض ہو مگر اس کے ذکر کرنے سے واضح طور پر عقیدہ یا عمل کا فساد لازم نہ آتا ہو تو ایسی تفسیر کی نشر واشاعت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اگر اس قدر باریک بینی سے تفاسیر پر نقد و قدح شروع کردیا جائے تو نہ صرف یہ کہ کوئی ایک تفسیر بھی معتبر نہ رہے گی بلکہ کتب تفسیر کی نشر واشاعت کا دروازہ ہی بند ہوجائے گا۔ بقول شاعر۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اذا انت لم تشرب مرارا علی القذی
ظمئت وای الناس تصفو مشاربہ

جب تک تو بار بار گدلے پانی کو نہیں آزمائے گا، پیاسا ہی رہے گا اور کون ہے وہ لوگ جنہوں نے تمام ہی چشموں سے صاف اور نتھرا ہوا پانی پیا ہو۔

تفسیر عثمانی پر اعتراضات کی اصل حقیقت

مذکورہ دو اہم نکات کے مفصل ذکر کے بعد اب میں ان اعتراضات کی طرف آتا ہوں جو "تفسیر عثمانی" پر کیے گئے، کتاب کے اصل نسخے کی طرف مراجعت اور دقتِ نظری کے ساتھ ذکر کردہ اعتراضات کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ اعتراضات یا تو مجتہد فیہ مسائل سے متعلق ہیں، (اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑرہا ہے کہ دورانِ اعتراض اس کی متعدّد عبارات کو سیاق و سباق حذف کر کے پیش کیا گیا ہے، جس سے مفہوم بالکل بدل جاتا ہے، جیسا کہ آنے والی سطور سے واضح ہو جائے گا) یا ایک دو ایسی روایات سے متعلق ہیں، جن میں معترض کی نظر میں کچھ کلام ہے۔

جملہ اعتراضات پر غور کرنے کے بعد اتنی بات واضح ہے کہ ان میں کوئی ایک بھی اعتراض ایسا نہیں جس سے (اشارتاً بھی) یہ پتہ چلتا ہو کہ مصنف کے عقیدے میں کوئی فساد ہے یا قرآن و حدیث کی تفسیر میں کوئی جھول یا کجی ہے۔ بلکہ ان اعتراضات کا منشاء در حقیقت ان میں ذکر کردہ وہ اجتہادی امور ہیں جن کے بارے میں معترض ایک مستقل رائے رکھتا ہے، لہٰذا جب اس نے کتاب میں کوئی ایسی بات دیکھ لی جو اس کے اپنے اجتہاد یا مذہب کے خلاف ہے تو اس کو تنقید کا نشانہ بنا دیا، حالانکہ یہ بات پہلے ذکر کر دی گئی کہ ان جیسے مسائل میں اجتہاد اور غور و خوض کا دروازہ اوّل دن سے کھلا ہوا ہے، لہٰذا مجتہد فیہ مسائل میں جہاں دیگر آراء کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، وہیں مصنف کی رائے کو بھی مسترد نہیں کیا جا سکتا، خصوصاً جبکہ یہ معمہ ایک ایسی عالمی تنظیم کے پیش نظر ہو جو ساری دنیا کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ تنظیم ہے۔

علامہ عثمانی بحیثیت مجتہد و محقق عالمِ ربانی

لہٰذا میں واشگاف الفاظ میں عرض گزار ہوں کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی قابلِ قدر اور تلقی بالقبول پانے

toobaa-elibrary.blogspot.com

والی عام فہم تفسیر المسمی بہ "تفسیر عثمانی" کے حوالے سے ذکر کردہ اعتراضات کسی قسم کی ضلالت وگمراہی یا ایسی نادر رائے پر قطعاً مبنی نہیں، جس سے جمہور علماء امت کی رائے کی خلاف ورزی لازم آتی ہو، خصوصاً اس کا جواز اس لئے بھی نہیں کہ صاحب تفسیر عثمانی اپنی ذات میں اہل سنت والجماعت کے مذہب پر تاحیات مضبوطی سے عمل پیرا وکاربند رہے، یہی وجہ تھی کہ ان کا شمار برصغیر پاک وہند میں ان قدآور اکابر علماء وفقہاء میں ہوتا ہے جنہوں نے بدعات ومنکرات کے سدّباب میں بنیادی کردار ادا کیا اور اس کے لیے انہوں نے بڑے مصائب وانتہائی مشکلات کا سامنا کیا، بالآخر ان کی لازوال قربانیاں یہاں تک پہنچیں کہ اس خطے میں جہاں کہیں اسلامی تعلیمات کو عام کرنے اور سلفِ صالحین کے مسلک کو اجاگر کرنے کا تذکرہ آتا ہے، ذہن خود بخود ان کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، گویا اس کا سہرا ہی ان کے سر جاتا ہے۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے جو رائے میرے دل میں القاء فرمائی، یہی ہے کہ "مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف" (انجمن شاہ فہد برائے طباعتِ قرآن مجید) کی جنرل سیکریٹریٹ لائق تحسین وقابلِ صد مبارک باد ہیں کہ جنہوں نے اردو زبان بولنے والے مسلمانوں کے لیے اس تفسیر کی نشر واشاعت اور بلامعاوضہ تقسیم کو ریاستی سطح پر ممکن بنایا اور میں امید کرتا ہوں مملکتِ سعودیہ برصغیر پاک وہند میں خصوصیت سے بڑے پیمانے پر اس کی نشر واشاعت وتقسیم کو ممکن بنائے گی، جس سے نہ صرف مسلمانوں کی ایک خلقِ کثیر فیضیاب ہوگی بلکہ قرآن کریم کی تعلیم اور اس کی اشاعت کے لیے بھی یہ ایک مثبت پیش رفت ثابت ہوگی۔ اس خط کے آنے والے صفحات میں آپ حضرات "تفسیر عثمانی" پر ذکر کردہ اعتراضات پر میری تعلیقات بالتفصیل ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

اخیراً! دین متین کے احیاء اور مسلمانوں میں شعور وآگہی کو بیدار کرنے میں آپ حضرات کی قابل قدر خدمات کا تہ دل سے ممنون ہوں اور ریاستی سطح پر شائع ہونے والی کتب کی تصحیح کے غایت درجہ اہتمام اور انہیں ہر قسم کی ضلالت وگمراہی سے پاک کرنے کے لیے آپ حضرات کی انتھک جدوجہد لائق صد تحسین ہے، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو ہر خیر کے عام کرنے کے لیے موفّق فرمائے اور دائمی طور پر بیش بہا نعمتیں مقدر فرمائے، اور اکنافِ عالم کے تمام مسلمانوں کو آپ حضرات کی خدمات سے مکمل فیضیاب فرمائے۔ آمین، والسلام

محمد تقی عثمانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیرِ عثمانی پر ہونے والے اعتراضات کا تحقیقی جائزہ

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ

اے اللہ: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

پہلا اعتراض، استعانت بالغیر اور اکثر پایا جانے والا شبہ

اس آیت کی تفسیر میں اکثر شبہ واقع ہوتا ہے، جس کا جواب شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے اور وہ یہ کہ آیت کا مفہوم و مدلول یہی ہے کہ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مدد طلب نہ کرے، لیکن ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ مسلمان اپنے مختلف دنیاوی اغراض و مقاصد میں غیر اللہ سے مدد مانگتے ہیں۔ جیسے مریض کا طبیب سے علاج معالجہ کے لیے مدد لینا، نابینا کا دوسرے سے مدد لینا، شاگرد کا استاذ سے مدد لینا، وغیرہ، اسی طرح ہم بہت سے لوگ علماء وصلحاء سے اپنے دنیاوی واخروی اغراض و مقاصد کے لیے دعا کی درخواست کرتے ہیں اور مدد مانگتے ہیں نتیجتاً جن سے مدد مانگی جاتی ہے، وہ کسی کو محروم نہیں کرتے بلکہ اس کی مدد اور دستگیری کرتے ہیں، تو پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہوا کہ ایک مسلمان صرف اللہ ہی سے مدد مانگتا ہے؟

حضرت شیخ الہند کا عام فہم جواب

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اس شبہ کا نہایت عمدہ جواب دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیاوی واخروی مقاصد حسنہ کے لیے اسباب کا اختیار کرنا اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کے منافی نہیں ہے، مؤمن کا ان اسباب کی طرف رجوع کرنا غیر اللہ سے استعانت نہیں ہے، بلکہ یہ بھی در حقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے استعانت ہے، اس لیے کہ اس کا یہ کامل ایمان ہے کہ کوئی بھی مخلوق بالذات مؤثر و مفید ہرگز نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ خالق کائنات اس میں اثر اور فائدہ ودیعت نہ فرمادیں، لہٰذا جب کوئی مؤمن ان اسباب کو اختیار کرتا ہے تو در حقیقت وہ اسی کی پیدا کردہ مخلوق و کرشمہ قدرت کی طرف رجوع کرتا ہے جو دراصل اس چیز سے استعانت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔ اور اسے غیر اللہ سے مدد طلبی ہرگز نہیں کہیں گے کیونکہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان کی ذات میں کوئی تاثیر نہیں، جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ اکثر طور پر یہ اسباب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور کچھ کام نہیں آتے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

توسّل کا مفہوم

لہٰذا اگر کوئی شخص کسی نیک اللہ والے کے پاس رزق میں وسعت وکشادگی یا کسی مریض کی شفایابی کے لیے دعا کی درخواست کرتا ہے، یا جنت میں داخل ہونے کی دعا کراتا ہے، تو اسی امید پر کہ یہ اللہ کا نیک بندہ ہے، اس کے تقویٰ اور نیکی کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کی دعا میرے حق میں قبول فرمادیں گے۔ ایسی صورت میں وہ حقیقتاً اس سے استعانت نہیں کر رہا ہوتا کیونکہ اُسے اس بات کا پختہ یقین ہوتا ہے کہ اس نیک بندے میں بالذات کوئی ایسی تاثیر نہیں جس سے مذکورہ مقاصد جوں کے توں حاصل ہوجائیں، بلکہ اس سے دعا کرانا دراصل ایک ذریعہ ووسیلہ کے طور پر ہے، جیسا کہ اگر کوئی شخص علماء وصلحاء کی خدمت میں بغرض حصول علم یا اصلاح وتزکیۂ نفس کی غرض سے جائے (جیسا کہ اللہ والوں کی صحبت تزکیہ نفس اور اخلاق و عادات کی اصلاح کا اہم ترین سبب ہے) تو ظاہر اً تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ اس نیک بندے سے مانگا جا رہا ہے لیکن درحقیقت یہ اس سے استعانت نہیں، اس لیے کہ وہ یہ پختہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس نیک بندے کے ہاتھ میں نہ قدرت ہے نہ کوئی تاثیر، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کی صحبت میں رہنے کو سبب کے درجے میں مؤثر بنایا ہے، جس سے انسان کے اعمال کی اصلاح اور اخلاق کی درستگی ہوتی ہے، تو یہ اس نیک بندے سے مدد طلب کرنا نہیں ہوا، بلکہ یہ بھی درحقیقت اللہ ہی سے مدد طلب کرنا ہوا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل اور اجماعِ صحابہ

جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک صحیح حدیث میں وارد ہے کہ:

أن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کان إذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب فقال اللهم إنا كنا نتوسل إليك بنبينا فتسقينا وإنا نتوسل إليك بعم نبينا فاسقنا قال فيسقون [۴۳]

جب کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں قحط سالی ہوتی تو آپ حضرت عباس بن عبد المطلب

---

[۴۳] صحیح البخاری: ۱/۱۳۷ (۱۰۱۱)، باب سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا

toobaa-elibrary.blogspot.com

رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا فرماتے اور کہتے اے اللہ! ہم ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے مانگتے ہیں کہ ہم پر بارش نازل فرما! اور ہمارے نبی کے عمّ بزرگوار (چچا) حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں کہ ہم پر بارش نازل فرما دیجیے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر بارش ہو جاتی تھی۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زبیر بن بکار رحمۃ اللہ علیہ نے انساب میں داؤد رحمۃ اللہ علیہ سے، اور انہوں نے عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے زید ابن اسلم رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قحط سالی کے زمانے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو واسطہ و وسیلہ بنا کر بارش کی دعا فرماتے، پھر یہ حدیث نقل کی ہے کہ:

فخطب الناس عمر فقال إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يرى للعباس ما يرى الولد للوالد فاقتدوا أيها الناس برسول الله صلى الله عليه وسلم في عمه العباس واتخذوه وسيلة إلى الله[۴۴]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وہی درجہ تھا جو ایک بچہ کے سامنے اپنے والد کا ہوتا ہے، لہٰذا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمّ بزرگوار) حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے معاملے میں رسول اللہ علیہ وسلم ہی کے نقشِ قدم پر چلو (اور اپنے مقاصدِ حسنہ کی تکمیل کے لیے) اللہ تعالیٰ کے حضور انہیں وسیلہ بناؤ۔"

خصوصیت سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کی وجہ

اگر ظاہراً دیکھا جائے تو یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نزول بارش کے لیے ایک طرح کی استعانت ہے، لیکن ایک ادنیٰ درجے کے صحابی سے بھی یہ تصور محال ہے، چہ جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کے بارے میں یہ گمان کیا جائے کہ وہ تکوینی امور میں حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو مؤثر و متصرف گردانتے تھے، ان کے اس توسل اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینے کی اس سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں کہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے ایک نیک و مقرب

---

۴۴ فتح الباری: ۲/۴۹۷ (۹۶۴)، باب سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا، دار المعرفۃ، بیروت

toobaa-elibrary.blogspot.com

بندے اور محبوبِ ربِ کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا ہونے کی حیثیت سے رحمت الٰہیہ کے محور و مرکز تھے، اور بارش کے لیے ان کے وسیلہ سے دعا کرنا دیگر اسباب کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت وقدرت کے متوجہ کرنے کے لیے زیادہ مؤثر ہے، لہٰذا یہ نہیں کہا جائے گا کہ ان سے مدد واستعانت ہے بلکہ یہ ایک ظاہری سبب ہے، جس کے ماوراء مسبب الاسباب، ذات وحدہٗ لاشریک ہے، جس نے اس ظاہری سبب میں محض اپنی قدرت سے تاثیر رکھ دی۔

استعانتِ ظاہری کے بارے میں حضرت شیخ الہندؒ کا موقف

آیتِ قرآنیہ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ کی تفسیر میں اسی نوعیت کی مدد و نصرت کی طرف شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے:

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنا بالکل ناجائز ہے۔ ہاں! اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمتِ الٰہیہ اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔[۴۵]

توسل کے دو متفق علیہ قابلِ عمل معانی

اس طرح کی مدد و نصرت سے مراد اللہ تعالیٰ کے حضور اس مقرب بندے کی دعا اور سفارش کے وسیلہ سے استعانت ہوتی ہے، جسے تمام اہلِ سنت علماء نے جائز قرار دیا ہے، چنانچہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ توسّل کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولفظ التوسل قد یراد به معنیان صحیحان باتفاق المسلمین ویراد به معنی ثالث لم ترد به سنة، فأما المعنیان الاولان الصحیحان باتفاق العلماء فأحدهما هو أصل الإیمان والإسلام وهو التوسل بالإیمان به وبطاعته والثانی دعاؤه وشفاعته کما تقدم وهذان جائزان بإجماع المسلمین ومن هذا قول عمر بن

---

۴۵ تفسیر عثمانی: ۴۹، الفاتحۃ (۴)، دار الاشاعت

toobaa-elibrary.blogspot.com

الخطاب وهذا أيضا نافع يتوسل به من دعا له وشفع فيه باتفاق المسلمين[۴۶]

لفظِ "توسّل" کے دو ایسے معانی ہیں جو بالکل درست اور تمام مسلمانوں کے نزدیک متفق علیہ و مجمع علیہ ہیں، لیکن ایک تیسرا معنیٰ (غیر اللہ سے مؤثر و متصرف سمجھ کر مدد مانگنا) بھی ہے جو نصوص شرعیہ کے قطعی خلاف ہے، اس کا اوّل معنیٰ تو وہی ہے جو ایمان و اسلام کا مقتضائے حقیقی ہے اور وہ یہ ہے کہ مطلق اللہ تعالیٰ پر ایمان لاکر اس کے احکام کی بجاآوری ہی کو (جملہ مقاصدِ حسنہ کی تکمیل کے لئے) ذریعہ و معیار بنایا جائے (اور بلاواسطہ اسی سے اپنی حاجات کا سوال کیا جائے)، دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور کسی نیک بندے کو سفارشی بنانا اور اس سے دعا کرانا، یہ دونوں ہی معانی اجماعِ امت سے ثابت و جائز ہیں، جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات کا مصداق بھی یہی (ثانی الذکر معنیٰ) ہے۔

چنانچہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ حدیث استسقاء کے ذیل میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

ويستفاد من قصة العباس استحباب الاستشفاء بأهل الخير والصلاح وأهل بيت النبوة[۴۷]

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ (اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے) نیک وکار و پرہیزگار بندوں یا اہلِ بیتِ نبوت کو سفارشی بناکر پیش کرنے کا استشفاء کی رو سے استحباب ہے۔

کسی کو مؤثر بالذات و متصرف بالامور سمجھنا جائز نہیں

حضرت علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ قول سے (تیسرا معنیٰ یعنی) کسی نیک بندے (کو مؤثر بالذات و متصرف بالامور سمجھ کر براہِ راست اس) سے مدد و نصرت اور استعانت کا جواز قطعاً مراد نہیں ہوسکتا والعیاذ باللہ، اس میں بھی دونوں صورتیں برابر ہیں، بالذات خود تصرف مراد ہو یا یہ مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تکوینی امور کسی مقرب بندے کے سپرد کردیے ہیں، کیونکہ یہ اعتقاد رکھنا واضح شرک ہے۔

---

[۴۶] مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ: ۱/۲۰۱، باب التوسل والوسیلہ، مجمع الملک فہد للطباعۃ والنشر

[۴۷] نیل الاوطار: ۴/۹ (۱۳۵۰)، باب الاستسقاء بذوی الصلاح، دار الحدیث، مصر

toobaa-elibrary.blogspot.com

علامہ عثمانیؒ کی شخصیت اور تفسیرِ عثمانی کی افادیت

اور اگر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفسیر کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ چہ جائے کہ مصنفِ علّام کا معاذ اللہ ایسا کوئی عقیدہ ہوتا، بلکہ اس طرح کے شرکیہ عقائد کے رد سے اُن کی یہ تفسیر بھری ہوئی ہے، اور اگر "تفسیر عثمانی" سے بالاتر ہو کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت و سوانح کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ وہ ساری زندگی اس قسم کے کفریہ و شرکیہ عقائد کے خلاف برسرِ پیکار رہے، اور حیران کن بات یہ ہے کہ تفسیر عثمانی سالہا سال سے طبع ہو رہی ہے، لیکن ان کی کسی عبارت کا ایسا بے معنی و بے جا مطلب کسی نے نہیں لیا، جیسا کہ ان کی عبارتوں کو لے کر بے جا اعتراضات کئے گئے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ

دوسرا اعتراض

مور اور سانپ کا قصہ (قصة الطاؤس والحية)

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ[۴۸]

پھر ہوا یہ کہ شیطان نے ان کو وہاں سے ڈگمگایا اور جس (عیش) میں وہ تھے اس سے انہیں نکال کر رہا۔[۴۹]

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ آیت کے ذیل میں مور اور سانپ کا قصہ ذکر فرمایا ہے، اور "کہا جاتا ہے" یعنی "یُقَالُ" کے صیغے سے اس قصے کے سنداً ضعیف ہونے کی طرف واضح اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ اور حواؑ بہشت میں رہنے لگے اور شیطان کو اس کی عزت کی جگہ سے نکال دیا شیطان کو اور حسد بڑھا بالآخر مور اور سانپ سے مل کر بہشت میں گیا اور بی بی حواؑ کو طرح طرح سے پھسلایا اور بہکایا۔

مذکورہ قصے کو علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر "تفسیر ابن جریر" میں حضرت وہب بن منبہ،

---

۴۸ البقرة: ۳۶

۴۹ آسان ترجمہ قرآن: ۱/۵۷، البقرة (۳۶)، مکتبہ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سمیت مختلف طرق سے ذکر کیا ہے۔

علامہ عثمانی کا مور اور سانپ کے قصہ کے بارے میں موقف

حقیقت یہ ہے کہ یہ روایات سنداً ضعیف ہیں، یہی وجہ ہے کہ صاحبِ تفسیر عثمانیؒ نے اس قصہ کو "یُقَالُ" کے صیغے سے ذکر کیا جو نہ صرف یہ کہ اس کے سنداً ضعیف ہونے کی دلالت کرتا ہے۔ بلکہ مولانا عثمانی رحمہ اللہ کی اپنی تفسیر میں غایت درجہ احتیاط کا بھی پتہ دیتا ہے۔

مور اور سانپ کا ذکر دیگر کتبِ تفسیر میں

جب کہ صورت حال یہ ہے کہ اسی قصے کو بہت سے مفسرین نے ذکر کیا ہے، حتٰی کہ امام قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصے کو علامہ عثمانیؒ سے بھی زیادہ قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے، اور علامہ ابن جریر و علامہ ابن ابی حاتم رحمہما اللہ کے ذریعے اسے مزید تقویت دیتے ہوئے اخیر میں فرمایا ہے کہ:

وقد اخرج قصة الحية ودخول ابليس معها عبد الرزاق وابن جرير عن ابن عباس [۵۰]

سانپ اور شیطان کے اس کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کے قصے کو امام عبدالرزاق، علامہ ابن جریر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے ذکر کیا ہے۔

ضعیف روایات اور مولانا عثمانی کی احتیاط

اس پورے قصے کے ذکر کے دوران علامہ شوکانیؒ نے کہیں بھی سنداً اس قصے کی ضعف کی طرف اشارہ نہیں فرمایا کیونکہ عموماً تفسیر کی کتابیں اس قسم کی ضعیف روایات سے بھری ہوئی ہیں۔ جیسے کہ میں نے تمہید میں اس بات کو ذکر کیا۔ لیکن تفسیر عثمانی کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے اور دیگر تفاسیر سے اس کا موازنہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ تفسیر عثمانی اس طرح کی روایات سے مبرّا و منزہ ہے۔ ہاں! جہاں کہیں اس طرح کی روایات ذکر کی گئی ہیں اس کے ضعف کی طرف واضح اشارہ کر دیا گیا ہے جس کے بعد اس تفسیر کے موثق

---

۵۰ فتح القدیر للشوکانی: ۱/۷۰، البقرۃ (۳۶)، دار ابن کثیر، بیروت

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور معتمد ہونے میں شک وشبہ کی قطعاً کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ خاص کر اس صورت میں جب کہ دیگر مفسرین اس قسم کی روایات کو ذکر کرنے کے بعد اس کی استادی ضعف کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے۔

دسواں اعتراض

قصہ شعیب علیہ السلام کے ذیل میں ذکر کردہ ضعیف روایت

اسی طرح کا ایک اور اعتراض (جسے دسویں نمبر پر ذکر کیا گیا ہے) یہ ہے:

صاحبِ کتاب نے آیتِ قرآنیہ "وَ إِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا"[۵۱] کے ضمن میں ایک انتہائی من گھڑت قصہ بیان کیا ہے جس میں حضرت شعیب علیہ السلام کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ:

وہ اس قدر روئے جس سے ان کی آنکھیں ضائع ہوگئیں اور وہ نابینا ہوگئے۔۔۔الخ[۵۲]

حقیقت یہ ہے کہ اس قصہ کو علامہ آلوسی سید محمود بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عالمگیر تفسیر روح المعانی میں ذکر کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

أخرج الواحدی وابن عساكر عن شداد بن أوس قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: بكى شعيب عليه السلام من حب الله تعالى حتى عمى فرد الله تعالى عليه بصره وأوحى إليه يا شعيب ما هذا البكاء أشوقا إلى الجنة أم خوفا من النار فقال: لا ولكن اعتقدت حبك بقلبي فإذا نظرت إليك فلا أبالي ما الذي تصنع بي فأوحى الله تعالى إليه يا شعيب إن يكن ذلك حقا فهنيئا لك لقائي يا شعيب لذلك أخدمتك موسى بن عمران كليمي[۵۳]

واحدی اور ابن عساکر نے شداد ابن اوس کے طریق سے یہ حدیث نقل کی ہے جس میں رسول

---

۵۱ ھود: ۹۱

۵۲ تفسیر عثمانی: ۲/ ۱۶۳، ھود (۹۱)، دارالاشاعت

۵۳ روح المعانی: ۱۲/ ۱۲۳، ھود (۹۱)، داراحیاء التراث بیروت

toobaa-elibrary.blogspot.com

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''شعیب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی محبت میں اس قدر روئے کہ نابینا ہوگئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹادی اور ان کی طرف وحی فرمائی کہ اے شعیب! یہ اتنا زیادہ آہ و فغاں کیوں کرتے ہو، جنت کے شوق میں یا جہنم کے خوف سے؟ تو انہوں نے عرض کیا 'نہیں! آپ کی ملاقات کا خیال کر کے روتا ہوں کہ جس وقت آپ کا دیدار ہوگا، نہ معلوم میرے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ اے شعیب! اگر یہ بات درست ہے تو آپ کو میری ملاقات (دیدار) مبارک ہو، یہی وجہ ہے کہ میں نے موسیٰ (کلیم اللہ) ابن عمران کو آپ کی خدمت کے لئے مستعد کر دیا۔

مصنفِ علام نے مذکورہ روایت ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

''کہتے ہیں خدا نے ان کی بینائی واپس کر دی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بصحتہ'' (یہ واقعہ اور اس کی سند کہاں تک صحیح ہے؟ واللہ اعلم)

جس کا مقصد ہی یہ ہے کہ صاحبِ تفسیر عثمانی دراصل متنبہ فرمانا چاہ رہے ہیں کہ انہیں اس واقعہ کی اسنادی حیثیت کا علم نہیں، اور نہ وہ اس کی صحت کا یقین رکھتے ہیں، لیکن چونکہ اسے مفسرین نے اپنی تفاسیر میں ذکر کیا ہے اس لیے اسے تفسیر میں نقل کر دیا گیا، اور محض نقل کرنے سے اعتراض لازم نہیں آتا، خاص کر اس وقت جب کہ اس کی اسنادی حیثیت کے حوالے سے عدم جزم و یقین کی صراحت بھی کر دی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔

تیسرا اعتراض

آدم علیہ السلام کے خلیفۃ اللہ ہونے پر اعتراض

صاحب تفسیر عثمانی آیت کریمہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے ذیل میں فرماتے ہیں:

اور اُن کو خلیفۃ اللہ بنایا گیا۔[۵۴]

مصنف کی اس عبارت پر معترض کے اعتراض کی وجہ سمجھنے سے میرا ذہن قاصر ہے۔ تاہم مذکورہ آیت کی تفسیر سمجھنا ضروری ہے۔

---

۵۴ تفسیر عثمانی: ۱/۶۳، البقرۃ (۳۰)، دار الاشاعت

toobaa-elibrary.blogspot.com

آدم علیہ السلام کے خلیفۃ اللہ ہونے کی تین تفسیریں

مفسرین نے اس کی مختلف تفسیریں بیان فرمائی ہیں۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔۔۔ بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ آدم علیہ السلام اُن فرشتوں کے خلیفہ بنائے گئے تھے جو ان سے پہلے موجود تھے اور جنہیں سجدہ کا حکم ہوا تھا۔

۲۔۔۔ بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ اولاد آدم میں سے بعض کا بعض کے لئے خلیفہ ہونا مراد ہے۔

۳۔۔۔ اور بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر اپنے احکامات واوامر نافذ کرنے کے لیے خلیفہ بنایا، جیسے کہ علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فكان تأويل الآية على هذه الرواية التي ذكرناها عن ابن مسعود وابن عباس: إني جاعل في الأرض خليفة منّي يخلفني في الحكم بين خلقي. وذلك الخليفة هو آدمُ ومن قام مقامه في طاعة الله[55]

پس اس آیت کی تاویل اس روایت سے کرنا مناسب ہے جو ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی اور وہ یہ ہے کہ بے شک میں نے روئے زمین پر اپنا ایک خلیفہ بنایا ہے جو مخلوق میں میری طرف سے بحیثیت نائب کے ہے اور وہ خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بعد ہر وہ شخص ہے جو ان کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے احکامات نافذ کرے۔

تیسری تفسیر راجح ہونے پر دلائل

اور اسی تفسیر کو مفسرین کی ایک بہت بڑی جماعت نے راجح قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ نواب صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ مفسرین کے جملہ اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

والصحيح انما سمى خليفة لانه خليفة الله في ارضه لاقامة حدوده وتنفيذ قضاياه[56]

حق تو یہ ہے کہ انہیں خلیفہ کا نام دیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اس کی قائم کردہ

۵۵ تفسیر ابن جریر الطبری: ۱/۴۵۲، البقرۃ (۳۰)، موسسۃ الرسالۃ

۵۶ فتح البیان: ۱۲۶/۱، البقرۃ (۳۰)، المکتبۃ العصریۃ للطباعۃ والنشر

toobaa-elibrary.blogspot.com

حدود کو جو شخص نافذ کرے وہ یقیناً خلیفہ ہی کہلائے جانے کا مستحق ہے۔

اسی طرح علامہ محمد امین الشنقیطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فی قوله: {خَلِيفَةً} وجهان من التفسير للعلماء أحدهما: أن المراد بالخليفة أبونا آدم عليه وعلى نبينا الصلاة والسلام لأنه خليفة الله في أرضه في تنفيذ أوامره...الخ[۵۷]

علماء کرام سے یہاں لفظ "خلیفہ" کی دو تفسیریں منقول ہیں، ایک تو یہ کہ خلیفہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اس لیے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی سرزمین پر اللہ تعالیٰ کے احکامات واوامر نافذ کرنے کے لیے بحیثیت اللہ کے نائب مبعوث ہوئے۔ إلی آخرہ

چوتھا اعتراض

یہودیوں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے فتحیابی کی دعا

حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ آیتِ مبارکہ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا[۵۸] کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قرآن کے اترنے سے پہلے جب یہودی کافروں سے مغلوب ہوئے تو خدا سے دعا مانگتے کہ ہم کو نبی آخر الزمان اور جو کتاب ان پر نازل ہوگی ان کے طفیل سے کافروں پر غلبہ عطا فرما۔

دیگر مراجع ومصادر میں توسل کا بیان

دراصل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ تفسیر سے ماخوذ ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

وأخرج أبو نعيم في الدلائل من طريق عطاء والضحاك عن ابن عباس قال:

---

۵۷ اضواء البیان: ۱/۶۸، البقرۃ (۳۰)، دار عالم الفوائد

۵۸ البقرۃ: ۸۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

كانت يهود بني قريظة والنضير من قبل أن يبعث محمد صلى الله عليه وسلم يستفتحون الله يدعون على الذين كفروا ويقولون: اللهم إنا نستنصرك بحق النبي الأمي إلا نصرتنا عليهم فينصرون[59]

ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں عطاء اور ضحاک رحمہما اللہ کی طریق سے نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل آپ کے واسطے و وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے مدد و نصرت طلب کرتے تھے اور کفار کے مقابلے میں ان الفاظ سے دعا مانگتے تھے کہ "اے اللہ! ہم آپ کے نبی امی برحق کے وسیلے سے مدد و نصرت مانگتے ہیں، آپ ہمیں ان پر غلبہ عطا فرمائیے۔" اس طرح دعا کرنے سے ان کی مدد کی جاتی اور کفار پر ان کا غلبہ ہو جاتا تھا۔

اکثر مفسرین نے اپنی تفاسیر میں اسی روایت کو بنیاد بنایا ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ نواب صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وذلك أنهم كانوا إذا أحزنهم أمر ودهمهم عدو يقولون اللهم انصرنا بالنبي المبعوث في آخر الزمان الذي نجد صفته في التوراة فكانوا ينصرون[60]

اور جب اس زمانے کے یہود کو کوئی بڑا معرکہ درپیش ہوتا اور دشمن اُن پر حملہ آور ہوتا تو وہ کہتے کہ "اے اللہ! اس نبی آخر الزماں کے وسیلہ سے ہماری مدد و نصرت فرما جن کی صفاتِ حسنہ تورات میں مذکور ہیں" پس اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مدد و نصرت ہوتی اور وہ سرخرو ہوتے۔

مذکورہ توسل پر اعتراض بے وجہ ہے

جہاں تک معترض کے اشکال کا تعلق ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ:

انه يوحى الى توسلهم بذات النبي صلى الله عليه وسلم

انہیں وحی کی گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کو (کفار پر غلبہ کے لئے) وسیلہ و ذریعہ بنائیں۔

[59] الدر المنثور: ۱/۴۶۶، البقرۃ (۸۹)، مرکز ھجر للبحوث والدراسات

[60] فتح البیان: ۱/۱۷۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

تو اس اعتراض کی کوئی بھی وجہ سمجھ سے باہر ہے، کیونکہ یہ دراصل یہودیوں کی ایک کارگزاری ہے، جسے کسی نے حجت نہیں بنایا۔

پانچواں، چھٹا اور ساتواں اعتراض

آگے آنے والے تینوں اعتراضات حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اختیار کردہ ان مسائلِ فقہیہ کے بارے میں ہیں جو تفسیر عثمانی میں نقل کیے گئے ہیں، جن کے دلائل حدیث وفقہ کی کتابوں میں تفصیل سے ذکر کیے گئے ہیں۔ جنہیں وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

البتہ ہم نے تمہید میں جو نکات ذکر کیے ہیں، ان میں سے پہلے نکتہ میں یہ بات وضاحت سے بیان کردی ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں غور وفکر کی بہت وسیع گنجائش ہوتی ہے اور جو کوئی سلفِ صالحین کے مروجہ مذاہب میں سے جس مذہب کو دیانت واخلاص کے ساتھ اختیار کرے تو وہ موجب ملامت نہیں، اسی غرض سے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ بنام ”رفع الملام عن الأئمة الأعلام“ تصنیف فرمایا ہے، جس سے ہم نے پہلے بھی بطور حوالہ کچھ نصوص ومقتبسات ذکر کیے ہیں، جن کے اعادہ کی یہاں حاجت نہیں۔

مسئلۂ صفات اللہ تعالیٰ کے بارے میں چند اعتراضات

معترض نے اپنے آٹھویں، نویں، گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں اعتراضات میں تفسیر عثمانی کی ان عبارات کو نقل کیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا مسئلہ ذکر کیا گیا ہے اور نہایت افسوس کی بات ہے کہ معترض نے عبارتوں کے سیاق وسباق کو حذف کرکے ایسے مفاہیم اختراع کرلیے ہیں جو مؤلف کا قطعی طور پر مقصود نہیں، نیز اگر حذف شدہ عبارت کے ساتھ عبارات سے ماخوذ مفاہیم پر غور کیا جائے تو نہ اشکال کی کوئی بات ہے، نہ اعتراض کی کوئی وجہ۔

ان عبارات کو مع سیاق وسباق ذکر کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بطور تمہید اللہ تعالیٰ کی صفات سے متعلق جو رائج شبہات ہیں، ان پر مختصر کلام کیا جائے تاکہ اعتراضات مع جوابات بسہولت سمجھے جاسکیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

صفات اللہ سے متعلق مختلف اقوال

قرآن وسنت میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ، آنکھ، یا استواء علی العرش یا اس طرح کی دیگر تشبیہات ذکر کی گئی ہیں، اُن کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

ا۔ تشبیہ وتجسیم

ذات باری تعالیٰ کو اعضاءِ انسانی سے تشبیہ دینا اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کے اسی طرح اعضاء وجوارح ہیں جس طرح کہ انسانوں کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ فرقہ آیات واحادیث میں ذکر کردہ ید، عین یا ساق وغیرہ کو حوادث ومخلوقات کے اعضاء سے تشبیہ دیتا ہے، العیاذ باللہ اس کے عقیدت مندوں کو "مشبہ ومجسمہ" کہا جاتا ہے۔

۲۔ تعطیل

یہ فرقہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی مطلقاً نفی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قدیم وازلی صفات کا منکر ہے۔ اس کے عقیدت مندوں کو "جہمیہ ومعطلہ" کہا جاتا ہے۔

مذکورہ دونوں مذاہب اجماعِ امت سے بالکل باطل ہیں جب کہ ان میں سے ایک قول تو سراسر ضلالت وگمراہی پر مبنی ہے، جس پر ہر زمانے کے علماءِ امت نے نکیر فرمائی ہے۔

۳۔ توقف وتفویض

جمہور سلف کا مذہب یہ ہے کہ اس طرح کی نصوص متشابہات میں سے ہے، جن کی مراد اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا لہٰذا توقف وسکوت واجب ہے اور زیادہ کھود کرید کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں، البتہ ان پر اجمالی طور پر ایمان لانا واجب ہے، جس کی رو سے ہم یہ جزم ویقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ ان سے حقیقی یا مجازی معنی مراد لیا گیا ہے، بلکہ ان کا علم ہم اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کریں گے، اور ان کے معنی میں زیادہ غور وفکر سے گریز کریں گے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴۔ حقیقی معنیٰ مراد لینا اور کیفیت کی تفویض کرنا

سلفِ صالحین وفقہاء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ید، عین یا ساق وغیرہ کو اپنی طرف منسوب کر کے حقیقی معنی ہی مراد لیا ہے، لیکن جب ان الفاظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے تو وہ (عرفِ عام والا) حقیقی معنی مراد نہیں ہوتا جو دیگر مخلوقات کی طرف نسبت کرتے وقت مراد لیا جاتا ہے، پس اللہ تعالیٰ کی طرف "ید" کی نسبت سے گو کہ مراد حقیقی معنی ہی ہے۔ لیکن اس کی کیا کیفیت ہے؟ اس کا علم اسی ذاتِ بزرگ و برتر کے سزاوار ہے، جس تک ہماری قوتِ فکر نہیں پہنچ سکتی، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ اس "ید" کی نسبت، مخلوقات کے "ید" کی طرح نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ"[۱۶] ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر نہیں، نہ کل میں اور نہ جز میں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے "ہاتھ" کی کنہ اور حقیقت تک پہنچنا ہمارے بس کی بات نہیں، لہٰذا اس کیفیت کے حقیقی علم کو ہم اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کریں گے۔

تیسرے اور چوتھے معانی میں فرق

آخر الذکر دو معنوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے مذہب کے عقیدت مند اوّل وہلہ میں اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں اور کسی بھی قسم کا حقیقی و مجازی میں سے کوئی معنی متعیّن طور پر مراد نہیں لیتے۔ جب کہ دوسرے مذہب کے قائلین ان الفاظ سے حقیقی معنی مراد لیتے ہیں لیکن اس کی کنہ اور حقیقت سے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو تفویض کرتے ہیں۔

۵۔ مجازی معنیٰ کا مراد لینا

علماء وفقہاءِ سلف کی ایک جماعت ان نصوص میں اس طرح تاویل کی قائل ہے جس سے تشبیہ و تجسیم کے عقیدے کا مکمل قلع قمع ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ اس سے مطلقاً مجازی معنی مراد لیتے ہوئے، "ید" سے مراد "قوت و سطوت" اور "استواء علی العرش" سے "غلبہ یا قبضہ قدرت" مراد لیتے ہیں۔

---

[۱۶] الشوریٰ: ۱۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

۶۔ تاویل (اگر محاورات عرب میں رائج ہو)

جب کہ اس مسئلے میں علماء وفقہاء کی ایک جماعت وہ ہے جن کا مذہب مذکورہ دونوں مذاہب کے درمیان ہے، چنانچہ ان نصوص میں تو تاویل کے قائل ہیں، جن میں محاورات عرب میں بلا کسی تکلف کے تاویل کرنا شائع وذائع ہے، جیسے "ید" سے مراد "مدد ونصرت یا "قوت وسطوت" مراد لینا، جب کہ وہ امور ونصوص جن میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی، ان میں حسبِ گنجائش کبھی پہلا مذہب اختیار کرتے ہیں اور کبھی دوسرا مذہب۔

تشبیہ وتعطیل سے بالاتر ہو کر ہر چہار مذاہب کا احتمال ہے

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر کسی فرقے یا شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تشبیہ (دیگر مخلوقات کی طرح اعضاء کے ہونے) وتعطیل (حقیقی ومجازی دونوں معنوں کے اعتبار سے ید وغیرہ کے مطلق نہ ہونے) سے مبرا ومنزہ ہے، تو مذکورہ چاروں مذاہب کا احتمال ہو سکتا ہے۔ اور قرآن وسنت میں کوئی ایسی نص موجود نہیں جو ان میں سے کسی ایک کو بھی علی الاطلاق باطل قرار دیتی ہو، اور یہ اختلاف درحقیقت عقیدہ کا اختلاف نہیں ہے، کیونکہ یہ عقیدہ رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ تشبیہ وتعطیل سے مبرا ومنزہ ہے، بلکہ یہ اختلاف رائے اس عقیدہ کی تعبیر اور نصوص پر اس کی تطبیق میں ہے۔

اجتہادی اختلاف میں افراط وتفریط بہر صورت روا نہیں

لہٰذا ان مذاہب میں کوئی ایسی بات نہیں ہے، جو ان میں سے کسی بھی مذہب کو علی الاطلاق باطل اور سراسر گمراہی قرار دے، اگرچہ ان مذاہب کے عقیدت مندوں کے درمیان تعبیر کا یہ اختلاف وقفے وقفے سے نظریاتی شکل اختیار کر گیا۔ جس سے کبھی کبھی ان میں سے کسی ایک طرف سے افراط وتفریط واقع ہوئی اور حد سے تجاوز کیا گیا، لیکن حق یہ ہے کہ یہ اسی طرح کا اجتہادی اختلاف ہے جیسا کہ مجتہد فیہ مسائل فقہیہ میں علماء وفقہاء کے درمیان ہوا کرتا ہے، کیونکہ ان مذاہب میں سے ہر ایک کے پیش نظر ان آیات واحادیث کی تفسیر میں ایسے دلائل موجود ہیں، جن کو یکسر مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان آراء میں سے کوئی ایک رائے بھی کسی فردِ واحد کی طرف منسوب نہیں۔ بلکہ جملہ مذاہب اربعہ میں سے ہر ایک کی طرف ایسے علماءِ امت کے ایک بہت بڑے طبقہ کا رجحان ہے، جس کے اہل سنت والجماعت واہل حق ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

پہلے مذہب کے قائلین اور ان کے دلائل

جہاں تک پہلے مذہب کا تعلق ہے تو وہ اکابر علماء و محدثین کی ایک بہت بڑی جماعت سے مروی ہے، بطور مثال ہم امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ذکر کرتے ہیں، جو انہوں نے "جامع الترمذی" میں نقل فرمایا ہے:

وقد روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم روایات کثیرۃ مثل ھذا ما یذکر فیہ أمر الرؤیۃ أن الناس یرون ربھم وذکر القدم وما أشبہ ھذہ الأشیاء والمذھب فی ھذا عند أھل العلم من الأئمۃ مثل سفیان الثوری ومالك بن أنس وابن المبارك وابن عیینۃ ووکیع وغیرھم أنھم رووا ھذہ الأشیاء ثم قالوا تروی ھذہ الأحادیث ونؤمن بھا ولا یقال کیف؟ وھذا الذی اختارہ أھل الحدیث أن تروی ھذہ الأشیاء کما جاءت ویؤمن بھا ولا تفسر ولا تتوھم ولا یقال کیف وھذا أمر أھل العلم الذی اختاروہ وذھبوا إلیہ[۶۲]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی ایسی روایات مروی ہیں، جن میں رؤیتِ باری تعالیٰ کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ لوگ اپنے رب کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کریں گے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف قدم اور اس جیسی دیگر اشیاء (مثلاً عین، ساق، ید) وغیرہ کی نسبت کی گئی ہے، اہلِ علم میں سے اکابر ائمۂ امت مثلاً امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ و دیگر ائمہ مجتہدین کا مذہب اس بارے میں یہ ہے کہ انہوں نے اس طرح کی روایات نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے:

تُروٰی ھذہ الاحادیث و نومن بھا ولا یقال: کیف؟

کہ ان احادیث کو روایت کیا جاتا ہے اور ہم ان پر ایمان بھی لاتے ہیں، لیکن (پھر اس پر مزید) یہ نہ کہا جائے کہ (ید، قدم، یا ساق وغیرہ کی نسبت جو اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے) اس کی کیفیت کیا ہے؟

اور یہی وہ مذہب ہے جسے محدثین نے اختیار کیا ہے، کہ ان جیسی نصوص کو بالکل اسی طرح روایت کر دیا

۶۲ جامع الترمذی: ۲/۸۳، باب ما جاء فی خلود اہل الجنۃ واہل النار

toobaa-elibrary.blogspot.com

جائے جس طرح کہ وہ آئی ہیں اور اس پر ایمان بھی یقیناً لایا جائے لیکن نہ اس کی تفسیر کی جائے اور نہ کسی قسم کے وہم کی گنجائش باقی رکھی جائے۔ اور یہ سوال ہرگز نہ اٹھایا جائے کہ "کیف؟" یعنی اس نسبت کی کیفیت کیا ہے؟ اور یہی اہلِ علم کا مذہب ہے جسے انہوں نے اختیار کیا ہے۔

علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ، سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ:

ما وصف اللہ تبارک و تعالیٰ بنفسہ فی کتابہ فقرائتہ تفسیرہ لیس لاحد ان یفسرہ بالعربیۃ ولا بالفارسیۃ[63]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی نازل کردہ کتاب میں جن اوصاف سے اپنی ذات وحدہ لاشریک کو متصف فرمایا ہے تو اس کی قراءت کر لینا ہی دراصل اس کی تفسیر کے قائم مقام ہے اور کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ (قرآن مجید میں ذکر کردہ ان الفاظ کے علاوہ) عربی یا فارسی الفاظ میں اس کو ڈھالے یا تفسیر کرے۔

امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ سے ان احادیث کی تفسیر دریافت کی گئی تو انہوں نے فرمایا:

ادرکت اسماعیل بن ابی خالد وسفیان ومسعرا یحدثون بھذہ الاحادیث ولا یفسرون شیئا[64]

میں نے اسماعیل بن ابی خالد امام سفیان اور امام مسعر رحمہم اللہ سے براہِ راست یہ احادیث سنی اور دیکھا کہ یہ حضرات ان احادیث کو بیان تو کرتے تھے، لیکن ان کی تفسیر کرنے سے مکمل گریز کرتے تھے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ یہی مذہب زیادہ قوی، قابلِ تسلیم اور احتیاط کے قریب تر معلوم ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے سب سے زیادہ مناسب ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ[65]

حالانکہ ان آیتوں کا ٹھیک مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جن لوگوں کا علم پختہ ہے وہ یہ کہتے

---

[63] کتاب الاسماء والصفات: ۲/۱۱۷ (۶۸۳)، باب ماجاء فی اثبات الوجہ، مکتبۃ السوادی، جدۃ

[64] التمہید لابن عبدالبر: ۷/۱۴۹

[65] آل عمران: ۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں کہ ہم اس (مطلب) پر ایمان لاتے ہیں (جو اللہ کو معلوم ہے)[۶۶]

یہی وجہ ہے کہ اکثر محققین سلف نے اس مذہب کو اختیار کیا ہے، اور شاید اس مذہب کو اختیار کرنے والوں کی تعداد دیگر مذاہب کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے، چنانچہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أکثر السلف یمتنعون من تأویل مثل هذا ویمرونه کما جاء وینبغی أن یراعی فی مثل هذا الامرار اعتقادا أنه لا تشبه صفات الله صفات الخلق ومعنی الامرار عدم العلم بالمراد منه مع اعتقاد التنزیه[۶۷]

اکثر سلفِ علماء وفقہا سلف نے اس جیسی نصوص وروایات میں تاویل کرنے سے گریز کیا ہے اور انہیں (بغیر کسی تفسیر کے) بیان کرتے ہوئے اسی طرح گزر گئے جیسے کہ وہ کتب احادیث میں وارد ہوئیں ہیں، اور مناسب یہی ہے کہ ان نصوص کو بیان کرتے ہوئے اس عقیدہ کی رعایت ملحوظ رکھی جائے کہ مخلوق کی صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات کی ادنیٰ مشابہت وملابست بھی نہ ہو، اور "ان جیسی نصوص کو بیان کرتے ہوئے گزر جانے" سے مراد صاف صاف یہ ہے کہ اس کی حقیقی مراد تک (ہماری محدود قوتِ فکر کی) رسائی ممکن نہیں، خاص کر جب یہ عقیدہ راسخ ہو کہ ذاتِ باری تعالیٰ ہر قسم کی تشبیہ وتعطیل سے مبرا ومنزہ ہے۔

دوسرے مذہب کے قائلین

اور جہاں تک دوسرے مذہب کا سوال ہے تو اس طرف بھی علماء سلف کی ایک جماعت گئی ہے اور امام حافظ ابن تیمیہ اور ان کے شاگردِ رشید علامہ حافظ ابن القیم رحمہا اللہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ "ولهما فی ذلك سلف فی اقوال جماعة من المحدثین رحمهم الله" اور ان کا مذہب اس مسئلے میں مشہور ہے، جس کو بحوالہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

---

۶۶ آسان ترجمہ قرآن: ۱/ ۱۸۴، آل عمران (۷)، مکتبہ معارف القرآن

۶۷ فتح الباری: ۶/ ۴۰، (۲۸۲۶)، کتاب الجہاد، دار المعرفۃ، بیروت

toobaa-elibrary.blogspot.com

مذکورہ دونوں مذاہب میں باریک فرق

کیونکہ ان دونوں مذاہب کے مابین بہت باریک فرق ہے، بلکہ اگر فریقین سے ذکر کی گئی عبارات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو کبھی التباس ہو جاتا ہے اور کبھی دونوں مذاہب یکساں معلوم ہوتے ہیں، اور بالآخر ہر فریق (کھینچ تان کر) اسے خاص اپنا مذہب قرار دیتا ہے، لیکن حق یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک کی تعبیر دوسرے فریق کے مذہب کا احتمال رکھتی ہے۔

تیسرے مذہب کے قائلین اور ان کے دلائل

اور جہاں تک تیسرے مذہب کا تعلق ہے، وہ تاویل کر کے متعین طور پر مجازی معنی مراد لینے پر مبنی ہے، اور بعض سلفِ صالحین اور علماء متاخرین سے یہی ثابت ہے، جب کہ ان نصوص کی تاویل میں مجازی معنی مراد لینا مختلف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سمیت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے، جیسے کہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عن ابن عباس فی قوله تعالى يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ قال عن شدة من الأمر والعرب تقول قامت الحرب على ساق إذا اشتدت وجاء عن أبي موسى الأشعري في تفسيرها عن نور عظيم قال بن فورك معناه ما يتجدد للمؤمنين من الفوائد والألطاف ومعنى قول بن عباس ان الله يكشف عن قدرته التي تظهر بها الشدة وأسند البيهقي الأثر المذكور عن ابن عباس بسندين كل منهما حسن [۶۸]

ارشاد باری تعالیٰ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ [۶۹] میں لفظ "سَاقٍ" کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "اس سے کسی معاملے میں حد درجہ شدت و سختی مراد ہے۔" جیسے کہ عرب میں محاورہ رائج ہے قامتِ الحرب علی ساق (جنگ پنڈلیوں کے بل کھڑی ہو گئی) اور یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب دورانِ جنگ رن پڑ جائے... اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر "نور عظیم" (اللہ تعالیٰ کے انوارات کی خاص تجلی) سے کی ہے، علامہ ابن فورک رحمہ اللہ

---

۶۸ فتح الباری للعسقلانی: ۱۳/۴۲۸، باب قول اللہ تعالیٰ وجوہ یومئذ ناضرۃ، دار المعرفۃ، بیروت

۶۹ القلم: ۴۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

نے فرمایا ہے: "اس کا مطلب یہ ہے کہ مؤمنین کاملین پر اللہ تعالیٰ کے الطاف وعنایت ایک نئی شان کے ساتھ پے در پے برسیں گے... جب کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا واضح مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اس قدرتِ کاملہ کو منکشف فرمائیں گے جس سے ایک قسم کی شدت وسختی ظاہر ہوگی، اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس اثر کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دو سندوں سے ذکر کیا ہے۔ جن میں سے ہر ایک "حسن" ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ يَدُ اللهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ[۷۰] کی تفسیر حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے "مِنَّتُهُ وَاِحْسَانُهُ"[۷۱] کے الفاظ سے مروی ہے، جس سے مراد اللہ تعالیٰ کا گرانقدر احسان اور مہربانیاں ہیں۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس قول وَجَآءَ رَبُّكَ[۷۲] کی تاویل "جَاءَ ثَوَابُهُ" سے کی ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ (مؤمنین کے نیک اعمال پر) اللہ تعالیٰ کا اجر وثواب (بطور انعام واکرام) آیا۔

جس کے بارے میں علامہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وروى البيهقي عن الحاكم عن أبي عمرو بن السماك عن حنبل أن أحمد بن حنبل تأول قول الله تعالى: (وجاء ربك) أنه جاء ثوابه ثم قال البيهقي: وهذا إسناد لا غبار عليه[۷۳]

امام بیہقی رحمہ اللہ نے امام حاکم سے، انہوں نے امام عمرو بن سماک سے اور انہوں نے امام حنبل رحمہم اللہ سے روایت کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول وَجَآءَ رَبُّكَ کی تاویل ان الفاظ میں کی ہے کہ "انه جاء ثوابه" پھر امام بیہقی فرماتے ہیں وهذا اسناد لا غبار عليه یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف "مجيئة" (آنے) کے بجائے تاویلاً "ثواب" کی نسبت کرنا بالکل بے غبار ہے۔"

---

۷۰ الفتح: ۱۰

۷۱ دفع شبہ التشبیہ لابن الجوزی: ۱۱

۷۲ الفجر: ۲۲

۷۳ البدایۃ والنہایۃ: ۱۰/۳۲۸، ترجمۃ الامام احمد ابن حنبل

toobaa-elibrary.blogspot.com

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے روایت ذکر کی ہے:

عن مالك بن انس انه سئل عن الحديث ان الله
ينزل في الليل الى سماء الدنيا، فقال مالك يتنزل امره

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان سے اس حدیث کی تشریح دریافت کی گئی کہ "اللہ تعالیٰ رات گئے آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں۔" تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ وقضاء نازل ہوتا ہے۔

پھر اس کے بعد ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وقد يحتمل ان ان يكون كما قال مالك على معنى انه تتنزل رحمته وقضاءه[۷۴]

ایک یہ بھی احتمال ہے، جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فیصلہ اترتا ہے۔

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف "ضحك" کی تفسیر کی بابت مروی ہے کہ انہوں نے "ضحك" کی تفسیر "اللہ تعالیٰ کی "رحمتِ خاصہ" ہے کی ہے۔ جسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

وقد تأول البخاري رحمه الله تعالى الضحك في موضع اخر
على معنى الرحمة او هو قريب، وتأويله على معنى الرضا أقرب[۷۵]

"امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور جگہ ضحک کی تاویل اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاصہ سے کی ہے اور یہ تفسیر قریب الی الفہم ہے، تاہم اس کی تاویل رضائے الٰہی سے کرنا زیادہ اقرب الی الفہم ہے

جب کہ امام ابن حبانؒ نے اپنی "صحیح ابن حبان" میں باقاعدہ ان الفاظ سے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے:

ذكر الخبر الدال على أن هذه الألفاظ من هذا النوع أطلقت بألفاظ التمثيل والتشبيه على حسب ما يتعارفه الناس فيما بينهم دون الحكم على ظواهرها

اس حدیث کا ذکر جس کے الفاظ کا اطلاق عرف عام میں تمثیل اور تشبیہ پر ہوتا ہے، قطع نظر اس کے کہ ظاہر

۷۴۔ التمہید لابن عبدالبر: ۷/۱۴۳-۱۴۴

۷۵۔ فتح الباری: ۶/۴۰ (۲۸۲۶)، کتاب الجہاد، باب الکافر یقتل المسلم، دارالمعرفۃ، بیروت

toobaa-elibrary.blogspot.com

پر حکم لگایا جائے۔

پھر ایک اور ترجمۃ الباب ان الفاظ میں قائم کیا ہے:

ذکر الخبر الدال علی أن هذه الأخبار أطلقت بألفاظ التمثيل والتشبيه على حسب ما يتعارفه الناس بينهم دون كيفيتها أو وجود حقائقها

اس حدیث کا ذکر جس کے الفاظ کا اطلاق عرفِ عام میں بلا کسی کیفیت و حقیقت کے مدِنظر تمثیل و تشبیہ پر ہوتا ہے۔

اس ترجمۃ الباب کے تحت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ معروف حدیث ذکر کی ہے، جس میں انہوں نے فرمایا "ما تصدق عبد بصدقة الا كانما يضعها في يد الرحمن (کہ جو کوئی بندۂ مومن صدقہ و خیرات کرتا ہے تو وہ ایسا ہوتا ہے گویا کہ اسے ذات رحمٰن سبحانہ و تعالیٰ کے دستِ اقدس میں رکھتا ہے۔) اور پھر آخر میں فرماتے ہیں:

قوله صلى الله عليه وسلم: (إلا كأنما يضعها في يد الرحمن) يبين لك أن هذه الأخبار أطلقت بألفاظ التمثيل دون وجود حقائقها أو الوقوف على كيفيتها إذ لم يتهيأ معرفة المخاطب بهذه الأشياء إلا بالألفاظ التي أطلقت بها[۷۷]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے "الا كانما يضعها في يد الرحمن" کے الفاظ کا اطلاق عرفِ عام میں محض تمثیل و تشبیہ پر ہوتا ہے، جس سے اس کے حقیقی معنیٰ تک رسائی ممکن ہے اور نہ اس کی کیفیت سے کوئی واقفیت ہو سکتی ہے، اس لیے کہ مخاطب کا محدود پیمانہ فکر ان الفاظ کی وہ حقیقت و ماہیت جاننے کی متحمل نہیں جو ان الفاظ کا وہ حقیقی مصداق ہے۔

اس سے پہلے امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ذکر کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں "حتى يضع الرب جل وعلا قدمه فيها، فتقول: قط قط"[۷۸] کہ بالآخر رب ذوالجلال اپنا قدم مبارک جہنم میں رکھ دیں گے۔ یہاں "قدم" سے مراد "موضع" ہے۔[۷۸]

۷۶؎ الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان: ۱/۵۰۴-۵۰۵، باب ماجاء فی الصفات، مؤسسۃ الرسالۃ

۷۷؎ الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان: ۱/۵۰۱، باب ماجاء فی الصفات، مؤسسۃ الرسالۃ

۷۸؎ صحیح ابن حبان: ۱/۵۰۱ باب ماجاء فی الصفات، ذکرہ بلفظ "العرب تطلق فی لغتها اسم القدم علی الموضع قال الله جل وعلا: {

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ حقیقی معنی میں اپنا "قدم" رکھیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ اعضاء اور ان جیسی دیگر چیزوں سے مبرا و منزہ ہیں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بارے میں تشبیہ، تمثیل یا تجسیم کے عقیدہ کے رد میں علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کی ایک جلیل القدر تالیف بنام "دفع شبہ التشبیہ" موجود ہیں، جس میں انہوں نے علی الاطلاق تاویل کو ترک کر دینے اور ان الفاظ سے حقیقی معنی مراد لینے والوں پر کافی وشافی رد کیا ہے۔

یہ عبارات بطور نمونہ ذکر کر دی گئیں جن میں ان جیسی نصوص کے بارے میں اکابر محدثین نے جو تاویل کی ہے، اسے قدرے وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، جس سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ علماءِ سلف اور فقہاء خلف نے اللہ تعالیٰ کے تشبیہ و تعطیل سے مبرا منزہ ہونے کے عقیدہ کو برقرار رکھتے ہوئے اس جیسی نصوص میں مناسب تاویل کی ہے۔ لہٰذا ان کی طرف ضلالت و گمراہی کی نسبت نہیں کی جاسکتی، ہاں! اگر کوئی فرقہ ایسی تاویل کرے جس سے تعطیل یا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی صفات کا سراسر انکار لازم آئے تو یہ یقیناً گمراہی ہے جیسا کہ "جہمیہ" کا یہی مذہب ہے۔ جس کے باعث انہیں ہمیشہ سے ہی ایک گمراہ فرقہ گردانا گیا ہے۔

اور اگر کوئی مناسب تاویل کا قائل ہو تو اسے علی الاطلاق کیسے غلط کہا جاسکتا ہے؟ جب کہ کتابِ محکم میں اسی طرح کی مجازات جابجا ذکر کیے گئے ہیں، اور اسے پوری امتِ مسلمہ نے تسلیم کیا ہے، اور ان کی مناسب تاویل کی ہے، جیسا کہ ذکر کردہ دوسرے مذہب کے قائلین نے آیات قرآنیہ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ[79] وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا[80] كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ[81] اور وَ هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ[82] جیسی نصوص کی تاویل میں قدرے تکلف کیا ہے، لیکن بہرکیف انہیں تاویل پر ہی محمول کیا ہے۔

لهم قدم صدق عند ربهم } يريد: موضع صدق لا أن الله جل وعلا يضع قدمه في النار جل ربنا وتعالى عن مثل هذا وأشباهه

۷۹؎ الحدید:۴

۸۰؎ النساء:۱۲۶

۸۱؎ القصص:۸۸

۸۲؎ الانعام:۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

چوتھے مذہب کے قائلین اور ان کے دلائل

اس باب میں چوتھا مذہب وہ ہے جسے علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہے:

نقول فی الصفات المشکلة انها حق وصدق علی المعنی الذی ارادہ اللہ ومن تأولها نظرنا فان کان تاویله قریبا علی مقتضی لسان العرب لم ننکر علیه وان کان بعیدا توقفنا عنه ورجعنا إلی التصدیق مع التنزیه وما کان منها معناہ ظاهرا مفهوما من تخاطب العرب حملناہ علیه لقوله علی ما فرطت فی جنب اللہ فان المراد به فی استعمالهم الشائع حق اللہ فلا یتوقف فی حمله علیه وکذا قوله ان قلب بن آدم بین أصبعین من أصابع الرحمن فأن المراد به إرادة قلب بن آدم مصرفة بقدرة اللہ وما یوقعه فیه [۸۳]

ہم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب وہ صفات جن کے معنی تک رسائی (ممکن نہیں یا) مشکل ہے، برحق سمجھتے ہیں، لیکن اس کا مطلب وہی سمجھتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے ان صفات سے مراد لیا ہے، اور وہ لوگ جنہوں نے اس میں تاویل کی ہے "محلِ نظر" سمجھتے ہیں، کیونکہ اگر توانہوں نے اہل عرب میں رائج ایسا قریب کا معنی تاویلاً مراد لیا ہے تو اس پر ہم نکیر نہیں کرتے لیکن اگر بتکلف ایسا دور کا معنی مراد لیا ہے، جو اہل عرب میں رائج نہیں تو اس کے الفاظ کی تصدیق کریں گے اور اس کی معنوی مراد کو اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کریں گے۔ پس جہاں کہیں ان الفاظ کا مناسب تاویلی معنی اہلِ عرب کے محاورے میں رائج ہوگا تو اس پر محمول کردیں گے، جیسے ارشادِ باری تعالیٰ عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰہِ [۸۴] (ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ تعالیٰ کے جناب میں کی) سے "اللہ تعالیٰ کے حق میں" عملی کوتاہی میں تجاوز مراد ہے، (چونکہ یہ محاورہ عرب میں رائج ہے) لہٰذا یہ معنی مراد لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قول "ابن آدم کا دل

۸۳۔ فتح الباری: ۱۳/۳۷۴، کتاب التوحید، باب ما یذکر فی الذات والنعوت، دارالمعرفۃ، بیروت

۸۴۔ الزمر: ۵۶

toobaa-elibrary.blogspot.com

رحمن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے۔" سے مراد یہ ہے کہ ابن آدم کے دل میں جو بھی خیال گزرتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے تصرف وقدرت کا عمل دخل ہوتا ہے۔

اس مسلک پر فقہاء وعلماء سلف کی ایک بہت بڑی جماعت کاربند ہے، یہی وجہ ہے کہ ان میں سے اکثر حضرات مفسرین ومحدثین نے ذکر کردہ مذہبِ اول وثانی کی بیان کردہ ان نصوص کی تفسیر پر جہاں توقف کیا ہے وہیں ان میں سے بعض نصوص کی مناسب تاویل کی ہے، جیسے کہ حضرت امام مالک ابن انس اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ سے ان نصوص کی تاویل منقول ہے، جب کہ امام بیہقی رحمہ اللہ اپنی کتاب "الاسماء و الصفات" میں اس طرح کی متعدد نصوص کی تاویل کے بجائے ان کی معنوی مراد کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف تفویض فرماتے ہیں، جب کہ بعض میں تاویل کا راستہ اختیار فرماتے ہیں، نیز اس ضمن میں دیگر علماء و فقہاء کے اقوال بھی اس کتاب میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں، اسی طرح علامہ ابن فورک رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ امام بیہقی رحمہ اللہ کے استاذ ہیں) نے بھی "آیتِ مبارکہ "خَلَقْتُ بِيَدَيَّ"[۸۵] کو ایک طرف تو اپنی حقیقی معنی پر محمول کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

ان اطلاق وصف الله عز وجل بأن له يدين صفتين لا جارحتين ولا نعمتين مما ورد به نص الكتاب والسنة

کتاب وسنت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف جو "یدین" کی نسبت کی گئی ہے اس کا اطلاق دو صفتوں پر ہوتا ہے، دو اعضاء یا دو نعمتوں پر نہیں ہوتا۔

پھر چند سطروں کے بعد حدیث مبارکہ "ان يبسط يده بالليل ليتوب مسيئ النهار"[۸۶] (اللہ تعالیٰ بوقتِ شب اپنا دستِ مبارک پھیلاتے ہیں، تاکہ دن بھر کے گناہ گاروں کی توبہ قبول فرمائیں۔") پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وأعلم أنه ليس ينكر إستعمال لفظ اليد على معنى النعمة وكذلك إستعماله على معنى الملك والقدرة وليس إذا إستعملت لفظة اليد في النعمة والملك

---

۸۵ ص:۷۵

۸۶ صحیح مسلم: ۲/ ۳۵۵، باب قبول التوبة من الذنوب وان تكررت

toobaa-elibrary.blogspot.com

والقدرة وجب أن یکون محمولا علی ذلک فی کل موضع أطلق فیه وکذلک إذا قلنا إن معنی الید فی هذا الخبر معنی النعمة لم یمتنع ولم یمتنع أن یکون ما ذکر فی قوله لما خلقت بیدی لا یکون معنی النعمة والقدرة وإذا کان کذلک فلو تأول متأول هذا ههنا علی معنی النعمة لم ینکر ذلک علیہ۸۷

جان لو! "ید" کے لفظ کو "نعمت" کے معنی میں مراد لینے پر کوئی نکیر نہیں کی جاسکتی اور نہ اسے "ملکیت" و "قبضۂ قدرت" کے معنی پر محمول کرنے میں کوئی کلام ہوسکتا ہے۔ اور یہ بات بھی نہیں کہ "ید" کے لفظ سے "نعمت" "ملکیت" اور "قبضۂ قدرت" ہی مراد لیا جائے، بلکہ موقع ومحل کو مدنظر رکھتے ہوئے ان میں سے جو معنی مراد ہوسکتا ہے، وہ خاص معنی مراد لے لیا جائے۔ چنانچہ مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں "یَدٌ" سے "نعمتِ خداوندی" مراد لینے میں کوئی حرج نہیں اور آیتِ کریمہ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ میں "ید" سے "نعمتِ خداوندی وقبضۂ قدرت" دونوں مراد لیا جاسکتا ہے۔ پس اگر نصوص میں ذکر کردہ اس لفظ کی تاویل "نعمت" سے کریں تو کوئی حرج نہیں۔

مذاہبِ اربعہ اور حدود سے تجاوز

اب تک کی مفصل بحث سے اتنی بات صاف ظاہر ہے کہ صفات کے باب میں جمہور سَلف کے مدنظر عقیدہ کی درستگی اور تشبیہ وتعطیل کے گمراہ کن نظریے سے اظہارِ بیزاری ہے، اور جہاں تک چوتھے مذہب کا تعلق ہے تو صفاتِ متشابہات سے متعلق نصوص میں ان کے نزدیک توسع ہے، اور قرآن و سنت میں جملہ مذاہب اربعہ کے بطلان پر کوئی واضح نص نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر چہار مذاہب کی طرف ملت اسلامیہ کے ایسے سلاطین علم ومحققین کا رجحان ہے جو اہل سنت والجماعت کے سرتاج اور گنے چنے چوٹی کے اکابر ہیں، لیکن اس طرح کے نظریاتی فرقوں کے درمیان ہونے والے مناظرے اور بحث ومباحثے سے اکثر اوقات معاملہ بڑھتے بڑھتے رائی کے دانے سے پہاڑ اور قطرہ قطرہ سمندر کی شکل اختیار کر گیا، اس میں غلو کرنے والوں نے حد سے تجاوز کیا اور ہر طرف سے ایک دوسرے کی طرف تشبیہ وتعطیل کے زہر آلود تیر چلنے لگے۔ لیکن ابتداء ہی سے علماءِ اہل سنت اور راسخین فی العلم فقہاء نے (اس طرح کے غلو و

۸۷ مشکل الحدیث لابن فورک: ۳۸۱/۱، عالم الکتب، بیروت

toobaa-elibrary.blogspot.com

تجاوز سے ہمیشہ) اپنے دامن کو بچائے رکھا، گوکہ ہر دور میں ان میں سے بھی چند ایسے علماء ضرور رہے، جو مناظروں اور مجادلوں میں حد سے تجاوز کر گئے، جس سے بہر حال احتراز لازم تھا لیکن اس سے ان تمام حضرات کو موجبِ ملامت سمجھنا، جو اس عقیدہ کے قائل ہیں، مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

صفاتِ باری تعالیٰ کا مسئلہ اور اعتراضات کا اجمالی جائزہ

ا۔ (مطلق) مسلکِ تاویل کی طرف نسبت اور اس کا رد

آیتِ مبارکہ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوْطَتَانِ [۸۸] کی تفسیر میں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اور یہی وہ جگہ ہے جس پر معترض نے کتر و بیونت سے کام لیتے ہوئے اشکال کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے عبارت کا اول حصہ ذکر کیا ہے، اور باقی حصہ (جسے ہم خط کشیدہ شکل میں آگے لکھ رہے ہیں، حذف کر دیا ہے، مکمل عبارت ملاحظہ ہو۔)

حق تعالیٰ کے لئے جہاں ہاتھ پاؤں، آنکھ وغیرہ نعوت ذکر کی گی ہیں ان سے بھول کر بھی یہ وہم نہ ہونا چاہئے کہ وہ معاذ اللہ مخلوق کی طرح جسم اور اعضائے جسمانی رکھتا ہے۔ بس جس طرح خدا کی ذات اور وجود، حیات، علم وغیرہ تمامی صفات کی کوئی نظیر اور مثال اور کیفیت اس کے سوا بیان نہیں ہو سکتی۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم	وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم
منزل تمام گشت و بپایاں رسید عمر	ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

اسی طرح ان نعوت و صفات کو خیال کرو۔ خلاصہ یہ کہ جیسے خدا کی ذات بے چون و بیچگون ہے۔ اس کے سمع، بصر، ید وغیرہ نعوت و صفات کے معانی بھی اس کی ذات اور شان اقدس کے لائق اور ہمارے کیف و کم اور تعبیر و بیان کے احاطہ سے بالکل وراء الوراء ہیں: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ [۸۹]

یہ ہے وہ مذہب جسے صاحبِ ”تفسیر عثمانی“ نے اپنے نزدیک راجح قرار دیا ہے اور اس بات کی صراحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ”ید“ کی جو نسبت ہے اس کی ”کنہ اور حقیقت“ کی طرف ہماری

۸۸؎ المائدۃ: ۶۴

۸۹؎ تفسیر عثمانی: ۱/ ۵۵۰، المائدۃ (۶۴)، دار الاشاعت

toobaa-elibrary.blogspot.com

رسائی ممکن نہیں، لیکن (شاید شبہ وہاں سے ہوا جہاں) انہوں نے اس کے بعد شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے، جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ:

> حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے ان آیات پر جو فائدہ لکھا ہے اس میں دو ہاتھوں سے مراد "مہر" کا اور "قہر" کا ہاتھ لیا ہے۔ یعنی آج کل خدا کی "مہر" (رحمت و شفقت) کا ہاتھ "امت محمدیہ" پر اور "قہر" کا بنی اسرائیل پر کھلا ہوا ہے۔[۹۰]

صاحبِ تفسیرِ عثمانی رحمہ اللہ نے حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے قول کو اس پیرائے میں ذکر نہیں کیا جس سے یہ معلوم ہو کہ یہی ان کے نزدیک راجح قول ہے، بلکہ اس طرح ذکر کیا ہے، جیسے کہ دیگر تفاسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال نقل کر دیے جاتے ہیں، لیکن افسوس کی بات ہے کہ معترض نے خط کشیدہ عبارت کو حذف کر دیا، جس سے یہ بات خود بخود پس پردہ چلی گئی کہ "ید" سے مصنفؒ کی مراد اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصہ ہے۔ لیکن عبارت میں قطع و برید کر کے معترض نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ مؤلفِ تفسیر عثمانیؒ کا رجحان "تاویل" کے مسلک کی طرف ہے، اور ہم ذکر کردہ اپنی مفصل تحقیق میں یہ بات وضاحت سے بیان کر چکے ہیں کہ گو کہ محققین کی ایک جماعت ان جیسی نصوص میں "تعطیل" کے عقیدہ سے بالاتر ہو کر "تاویل" پر کاربند ہیں، لیکن صاحبِ "تفسیر عثمانی" کے نزدیک مکمل طور پر یہ مذہب راجح نہیں، بلکہ ان کا اصل رجحان جمہور سلف کی طرف ہے اور شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا قول محض ایک قول کے طور پر نقل کیا ہے، جس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

صاحبِ تفسیر عثمانی کا مذہب آیتِ مبارکہ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ[۹۱] کی تفسیر سے مزید وضاحت کے ساتھ سامنے آتا ہے، جس میں انہوں نے شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے علی الاطلاق مسلکِ تاویل کو محض ایک قول کی صورت میں ذکر کیا ہے، اور پھر اپنا رجحان جمہور سلف کی طرف پوری صراحت سے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی بدن کو ظاہر کے ہاتھ سے اور روح کو، غیب کی چیزیں ایک طرح کی قدرت سے اور ظاہر کی چیزیں دوسری طرح کی قدرت سے بناتا ہے۔ اس انسان میں دونوں طرح کی قدرت خرچ کی"۔ "سورۂ مائدہ" میں پارہ ششم کے ختم کے قریب بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ

---

۹۰ تفسیر عثمانی: ۱/ ۵۵۰، المائدۃ (۶۴)، دارالاشاعت

۹۱ ص: ۷۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ [۹۲] کا فائدہ ملاحظہ کرلیا جائے۔ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی نعوت وصفات میں سلف کا مسلک ہی اقویٰ و احوط ہے۔" [۹۳] ملاحظہ فرمایئے! درج بالا عبارت میں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ کے قول کو ذکر کرنے کے بعد واشگاف الفاظ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ مطلق تاویل کے مسلک کو راجح نہیں سمجھتے بلکہ جمہور سلف کے مسلک کے قائل ہیں، لیکن معترض نے اس آخری والی اہم بات کو حذف کردیا، (جسے ہم نے خط کشیدہ کرکے گزشتہ سے پیوستہ صفحے پر ظاہر کیا ہے) جس سے یہ مطلب خود بخود نکل آیا کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اختیار کیا ہے، جو بلاشبہ ایک علمی خیانت ہے اور اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے کے مترادف ہے۔

۲۔ تشبیہ و تجسیم کی طرف نسبت اور معترض کی تین تعلیقات

مزید برآں آیتِ مبارکہ "ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ" [۹۴] کی تفسیر میں بھی معترض نے اسی صنیع کو اختیار کیا ہے، اور سرے سے اس عبارت ہی کو حذف کردیا ہے، جس سے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی مراد واضح ہوتی ہے، مکمل عبارت ملاحظہ ہو۔

خدا تعالیٰ کی صفات و افعال کے متعلق یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ نصوص قرآن و حدیث میں جو الفاظ حق تعالیٰ کی صفات کے بیان کرنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں۔ ان میں اکثر وہ ہیں جن کا مخلوق کی صفات پر بھی استعمال ہوا ہے مثلاً خدا کو "حی" "سمیع" "بصیر" "متکلم" کہا گیا اور انسان پر بھی یہ الفاظ اطلاق کئے گئے، تو ان دونوں مواقع میں استعمال کی حیثیت بالکل جداگانہ ہے۔ کسی مخلوق کو سمیع و بصیر کہنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے پاس دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان موجود ہیں۔ اب اس میں دو چیزیں ہوئیں۔ ایک وہ آلہ جسے آنکھ کہتے ہیں اور جو دیکھنے کا مبدا اور ذریعہ بنتا ہے۔ دوسرا اس کا نتیجہ اور غرض و غایت (دیکھنا) یعنی وہ خاص علم جو رؤیت بصری سے حاصل ہوا۔ مخلوق کو جب "بصیر" کہا تو یہ مبدء اور غایت دونوں چیزیں معتبر ہوئیں۔ اور دونوں کی کیفیات ہم نے معلوم کرلیں۔ لیکن یہ ہی لفظ

---

[۹۲] المائدۃ: ۶۴

[۹۳] تفسیر عثمانی: ۲۷۹/۳، ص (۷۵)، دارالاشاعت

[۹۴] الاعراف: ۵۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

جب خدا کی نسبت استعمال کیا گیا تو یقیناً وہ مبادی اور کیفیات جسمانیہ مراد نہیں ہو سکتیں جو مخلوق کے خواص میں سے ہیں اور جن سے خداوند قدوس قطعاً منزہ ہے البتہ یہ اعتقاد رکھنا ہو گا کہ ابصار (دیکھنے) کا مبدء اس کی ذات اقدس میں موجود ہے اور اس کا نتیجہ یعنی وہ علم جو رؤیت بصری سے حاصل ہو سکتا ہے اس کو بدرجہ کمال حاصل ہے۔ آگے یہ کہ وہ مبدء کیسا ہے اور دیکھنے کی کیا کیفیت ہے تو بجز اس بات کے کہ اس کا دیکھنا مخلوق کی طرح نہیں ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ نہ صرف سمیع و بصیر بلکہ اس کی تمام صفات کو اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ صفت باعتبار اپنے اصل مبدء وغایت کے ثابت ہے مگر اس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی اور نہ شرائع سماویہ نے اس کا مکلف بنایا ہے کہ آدمی اس طرح کے ماوراء عقل حقائق میں خوض کر کے پریشان ہو۔ اس کا کچھ خلاصہ ہم سورۂ مائدہ میں زیر فائدہ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ [۹۵] بیان کر چکے ہیں۔

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کو بھی اسی قاعدہ سے سمجھ لو۔ "عرش" کے معنی تخت اور بلند مقام کے ہیں۔ "استواء" کا ترجمہ اکثر محققین نے "استقرار و تمکن" سے کیا ہے (جسے مترجمؒ نے قرار پکڑنے سے تعبیر فرمایا) گویا یہ لفظ تخت حکومت پر ایسی طرح قابض ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کا کوئی حصہ اور گوشہ حیطۂ نفوذ و اقتدار سے باہر نہ رہے اور نہ قبضہ و تسلط میں کسی قسم کی مزاحمت اور گڑبڑی پائی جائے۔ سب کام اور انتظام برابر ہو۔ اب دنیا میں بادشاہوں کی تخت نشینی کا ایک مبدء اور ظاہری صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت یا غرض وغایت یعنی ملک پر پورا تسلط و اقتدار اور نفوذ و تصرف کی قدرت حاصل ہونا۔ حق تعالیٰ کے اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ میں یہ حقیقت اور غرض وغایت بدرجہ کمال موجود ہے یعنی آسمان و زمین (کل علویات و سفلیات) کو پیدا کرنے کے بعد ان پر کامل قبضہ و اقتدار اور ہر قسم کے مالکانہ و شہنشاہانہ تصرفات کا حق بے روک ٹوک اسی کو حاصل ہے جیسا کہ دوسری جگہ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کے بعد يُدَبِّرُ الْاَمْرَ [۹۶] وغیرہ الفاظ اور یہاں يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ [۹۷] الخ سے اسی مضمون پر متنبہ فرمایا ہے۔ رہا

---

[۹۵] المائدۃ:۶۴

[۹۶] یونس:۳

[۹۷] الاعراف:۵۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کا مبدء اور ظاہری صورت، اس کے متعلق وہ ہی عقیدہ رکھنا چاہئے جو ہم "سمع و بصر" وغیرہ صفات کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ اس کی کوئی ایسی صورت نہیں ہو سکتی جس میں صفات مخلوقین اور سمات حدوث کا ذرا بھی شائبہ ہو۔ پھر کیسی ہے؟ اس کا جواب وہی ہے کہ (پھر صاحبِ کتاب نے وہی فارسی شعر پیش کیا ہے جو انہوں نے سورۃ المائدہ کی تفسیر میں بھی ذکر کیا ہے، جس کا اصل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ وہ ذات ہے جس کی کنہ اور حقیقت تک رسائی ممکن نہیں)۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم
منزل تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ [۹۸]

معترض نے صاحبِ "تفسیرِ عثمانی" کی اس عبارت کو یکسر حذف کر دیا ہے، جس کو ہم نے خط کشیدہ کر کے تحریر کیا ہے، اور اسی عبارت سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب واضح ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ سمع و بصر اور استواء کے ثبوت کے قائل ہیں، اور انہوں نے "استواء" کو اردو بولنے والوں کو سمجھانے کے لیے "مبداء" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، (جو در حقیقت ان کی اپنی تعبیر بھی نہیں بلکہ یہ شیخ شاہ ولی اللہ الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جلیل القدر تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" سے ماخوذ ہے، جنہوں نے اسے "مبدء" کے لفظ سے ہی تعبیر کیا ہے، باوجود یہ کہ وہ اس مسئلہ میں جمہور سلف کے تابع ہیں) اور صاحبِ تفسیر عثمانی نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اس مبدء کے حوالے سے "ان کا عقیدہ در حقیقت وہی ہے جسے ہم نے صفاتِ سمع و بصر کے بیان میں ذکر کیا ہے۔" اور ان کی عبارت بھی وہاں نقل کر دی ہے، مصنف کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی چند صفات مثلاً اقتدارِ اعلیٰ، حاکمیت اور علم کے مظہر تو معلوم و مسلم ہیں، لیکن اس کی ظاہری حقیقت اور خارجی کنہ و ماہیت کا ہمیں علم نہیں، چنانچہ ہم اس کی کیفیت کا ادراک کیے بغیر اللہ

---

۹۸ تفسیر عثمانی: ۱/۱۷۱، الاعراف (۵۴)، دارالاشاعت

toobaa-elibrary.blogspot.com

تعالیٰ کے نزدیک اس کی جو بھی حقیقت ہے اس پر ایمان لائیں گے۔

پہلی تعلیق اور اس کا رد

مصنف علام کی اس بات کے تحت معترض نے اپنی تعلیق ان الفاظ میں ذکر کی ہے:

"یفهم من کلامه (؟) الله سبحانه وتعالیٰ بصیر یبصر بدون بصر وعین، لأن اثبات عین له یؤدی الی التجسیم"

"مصنف کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ دیکھتے تو ہیں لیکن ان کی کوئی آنکھ نہیں ہے، کیونکہ اگر آنکھ کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کیا جائے تو "تجسیم" کا عقیدہ لازم آئے گا۔"

لیکن حقیقت اس کے برخلاف ہے، کیونکہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں مطلق "آنکھ" کی نفی نہیں کی جیسے کہ اس کی صفت "دیکھنے" کی نفی نہیں کی۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ انہوں نے اس کی ظاہری صورت، حقیقت و ماہیت اور کنہ و حقیقت کی بایں طور نفی کی ہے کہ ان صفات کی "کیفیات" مخلوقات کی صفات کی "کیفیات" کی طرح بہر طور نہیں ہو سکتی۔ معترض نے اس طرح کیا کہ مصنف کے یہ الفاظ "اللہ تعالیٰ کے لیے یہ صفت بامقصد اور ظاہری طور پر ثابت ہے لیکن اس کی کیفیت کو بیان کرنا ہمارے بس سے باہر ہے۔" یکسر حذف کر دیے، جو اس میں صراحت کے ساتھ مذکور اور مصنف کے عقیدے پر شاہد ہیں۔

دوسری تعلیق اور اس کا رد

اسی طرح معترض، شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کردہ "استواء" کی تفسیر کے حوالے سے کہتے ہیں:

یفهم من کلامه بأن الاستواء لیس حقیقة ــ فهو عبارة عن التسلط علی عرش الحکومة تسلطاً کاملاً

"مصنف کے کلام سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے استواء علی العرش حقیقتاً ثابت نہیں ہے... بلکہ اس سے مراد محض یہ ہے کہ عالم کائنات اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت اور مکمل تصرف میں ہے۔"

جب کہ حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی وہ مکمل عبارت جو ہم نے قاری کے سامنے پیش کی ہے، اس میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایسی قابلِ اشکال بات سرے سے مذکور ہی نہیں، جس سے یہ ظاہر ہو کہ قرآن میں جو "استواء" مذکور ہے وہ "حقیقی استواء" نہیں ہے، بلکہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ "استواء" کے بعض مظاہر و نتائج ہمارے سامنے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اقتدار ہے۔ لیکن استواء کی کیا حقیقت و کیفیت ہے؟ اس کا جاننا ہماری محدود عقل کے لیے ممکن نہیں، لہٰذا ہم اس پر بغیر کسی کیفیت کے جانے ہی "اٰمنّا وسلّمنا" کہیں گے اور ایمان لائیں گے۔

اور ہم نے یہ بات بھی ذکر کردی ہے کہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے میں مطلق تاویل کے قائلین کے صف میں بھی کھڑے نہیں ہوئے، کیونکہ اگر وہ اس صف میں کھڑے ہوتے تو ان کا مذہب بھی (تاویل کے قائلین) بعض علماء سلف کی طرح ہو جاتا۔

لیکن اس مسئلے میں ان کا رجحان جمہور سلف کی طرف ہے اور وہ یہی ہے کہ آیاتِ قرآنیہ و احادیث مبارکہ میں ذکر کردہ صفاتِ باری تعالیٰ کی نصوص پر ایمان لایا جائے اور اس کی کیفیت سے سکوت اختیار کیا جائے۔ البتہ صفتِ استواء کی نسبت بعض مظاہر قدرت کی طرف کردی ہے جس سے بات تقریباً سمجھ آجاتی ہے اور کوئی اشکال نہیں رہتا۔

تیسری تعلیق اور اس کا رد

متشابھات میں سے قرآن کریم کی ایک اور آیت "یَوۡمَ یُکۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ" کی بھی جو تفسیر صاحب "تفسیر عثمانی" نے فرمائی ہے، جمہور سلف کے عین مطابق ہے، لیکن معترض کا صنیع اسی طرز پر برقرار رہا، اور ایسے بنیادی واہم نکات کو حذف کردیا، جس سے مفہوم کچھ کا کچھ ہوگیا، ہم یہاں مکمل عبارت مع حذف کی گئی عبارت خط کشیدہ کرکے ذکر کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

اس کا قصّہ حدیث شیخین میں مرفوعاً اس طرح آیا ہے کہ حق تعالیٰ میدان قیامت میں اپنے ساق ظاہر فرمائے گا "ساق" (پنڈلی) کو کہتے ہیں اور یہ کوئی خاص صفت یا حقیقت ہے صفات و حقائق الٰہیہ میں سے، جس کو کسی خاص مناسبت سے "ساق" فرمایا۔ جیسے قرآن میں "ید" (ہاتھ) "وجہ" (چہرہ) کا لفظ آیا ہے۔ یہ مفہومات متشابھات میں سے کہلاتے ہیں۔ ان پر اسی طرح بلاکیف ایمان رکھنا چاہئے۔ جیسے اللہ کی ذات، وجود، حیات اور سمع و بصر وغیرہ صفات پر ایمان رکھتے ہیں۔[99]

[99] تفسیر عثمانی: ۷۵۱، القلم (۴۲)، دارالاشاعت

toobaa-elibrary.blogspot.com

چونکہ اس عبارت سے خط کشیدہ عبارت کو حذف کر دیا گیا، اس سے مفہوم بالکل بدل گیا، جو مصنف کا مقصود نہیں، بلکہ مصنف نے اس کے بر خلاف فرمایا ہے۔

مذکورہ عبارت میں "کسی خاص مناسبت سے" کے الفاظ سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود اس بات سے لاعلمی ظاہر کرنا ہے کہ وہ کون سی وجہ ہے جس کے باعث اس صفت کو ساق کا نام دیا گیا، اور یہ اس لیے کہا گیا کہ قاری کو یہ گمان نہ ہو کہ یہ "پنڈلی" اسی "پنڈلی" کے مشابہ ہے جو مخلوقات اور حوادث کی ہوا کرتی ہے، اس حقیقت کا اظہار مصنف رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ سے پوری صراحت کے ساتھ بار بار کرتے رہے ہیں کہ "یہ کوئی خاص صفت یا حقیقت ہے صفات و حقائق الٰہیہ میں سے جس کو کسی خاص مناسبت سے "ساق" فرمایا۔ جیسے قرآن میں "ید" (ہاتھ) "وجہ" (چہرہ) کا لفظ آیا ہے۔ یہ مفہومات متشابہات میں سے کہلاتے ہیں۔ ان پر اسی طرح بلا کیف ایمان رکھنا چاہیے۔ جیسے اللہ کی ذات، وجود، حیات اور سمع و بصر وغیرہ صفات پر ایمان رکھتے ہیں۔"

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ کلام سے کہیں ادنیٰ شائبہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ مطلق صفات کی نفی یا مطلق تاویل کے قائل تھے، گو کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت مجاہد و قتادہ رحمہما اللہ سے "پنڈلی" کی تاویل بھی منقول ہے۔

۳۔ (مطلق) مجازی معنی مراد لینے کی طرف نسبت اور اس کا رد

صاحبِ تفسیر عثمانی نے اللہ تعالیٰ کے قول تَجۡرِیۡ بِاَعۡیُنِنَا[100] جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے بارے میں ہے، تحریر فرمایا ہے:

> یعنی اس ہولناک طوفان کے وقت نوح کی کشتی ہماری حفاظت اور نگرانی میں نہایت امن چین سے چلی جا رہی تھی۔[101]

معترض کے ذکر کردہ اعتراضات میں صرف یہی ایک موقع ہے کہ جس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ صاحبِ تفسیر عثمانی نے "بِاَعۡیُنِنَا" کو مجاز پر محمول کیا ہے، اور وہ اس لیے کہ اکثر مفسرین نے یہاں مجاز ہی مراد لیا ہے، حتیٰ کہ ان حضرات نے بھی یہاں مجازی معنی مراد لیا ہے جو صفات کے باب

---

۱۰۰ القمر: ۱۴

۱۰۱ تفسیر عثمانی: ۵۸۵/۳، القمر (۱۴)، دار الاشاعت

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں تاویل کے بالکل قائل ہی نہیں ہے۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر کے الفاظ یہ ہیں:

قوله تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا اوبأمرنا بمرأى منا، وتحت حفظنا وكلائتنا[١٠٢]

اللہ تعالیٰ کے قول "تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا" کا مطلب "ہماری نگہبانی میں ہمارے حکم سے" اور ہماری حفاظت و نگرانی میں۔ (نوح علیہ السلام کی کشتی چلتی رہی۔)

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے اس کی تفسیر "بأمرنا"[١٠٣] (ہمارے حکم سے) کے الفاظ سے نقل کی ہے اور امام قاضی شوکانی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا اى بمنظر و مرأىً منا وحفظ لها كما فى قوله واصنع الفلك بأعيننا وقيل بأمرنا وقيل بوحينا وقيل بالأعين النابغة من الارض وقيل بأعين اولياءنا من الملئكة المؤكلين بحفظها[١٠٤]

"تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا" کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے سامنے اور ہماری نگرانی و حفاظت میں چلتی رہی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "وَاصْنَعِ الْفُلْكَ"[١٠٥] کا مطلب بھی یہی ہے کہ "ہمارے حکم سے" یا ایک قول یہ ہے کہ "ہماری زمین سے پھوٹنے والے چشموں سے" یا ایک قول یہ بھی ہے کہ "فرشتوں میں سے جو ہمارے خاص اولیاء ہیں جنہیں اس کی حفاظت کی ذمہ داری سپرد کی گئی، ان کی نگاہوں کے سامنے سے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی تاویل کو نقل فرمایا ہے:

اسی طرح صاحبِ تفسیر عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اللہ کے لیے صفت "عین" کے قائل ہیں۔ لیکن ایک ایسی صفت کے طور پر جس کی حقیقت ہمارے سامنے مشتبہ ہے، نہ کہ ایک ایسی صفت کے طور پر جس سے عضو ہونا معلوم ہو، پس "اعین" کی تفسیر "حفاظت و نگرانی" کے معنیٰ میں ہے، ان الفاظ سے یہ شبہ ہرگز نہ کیا جائے کہ مصنفؒ اللہ تعالیٰ کے لئے صفت عین کے قائل نہیں تھے (جبکہ آپ بار بار صفاتِ باری تعالیٰ کے ثبوت کی صراحت کرتے آئے ہیں، گوکہ اس کی کیفیت سے سکوت

---

١٠٢ تفسیر ابن کثیر: ١٣/٢٩٧، القمر (١٤)، مؤسسۃ قرطبۃ
١٠٣ تفسیر طبری: ٢٢/٥٨١، القمر (١٤)، مؤسسۃ الرسالۃ
١٠٤ فتح القدیر للشوکانی: ٥/١٤٨، القمر (١٤)، دار ابن کثیر
١٠٥ الهود: ٣٧

toobaa-elibrary.blogspot.com

فرمایا ہے۔)، بلکہ انہوں نے مذکورہ (حفاظت ونگرانی) کا معنی محاوراتِ عرب کے پیشِ نظر لیاہے، جیسا کہ علامہ ابن کثیر، امام شوکانی وامام قرطبی رحمہم اللہ نے اس کا معنی یہی لیا ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ اور صاحبِ تفسیرِ عثمانیؒ کا (جمہور کے موافق) مذہب

مذکورہ تفصیل سے واضح ہے کہ صاحبِ تفسیر عثمانی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قرآن وسنت میں ذکر کردہ صفات باری تعالیٰ کے مسئلے میں جمہور سلف سے کوئی مختلف رائے نہیں رکھتے۔ بلکہ اُن کا موقف جمہور سلف کے عین مطابق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات (جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے لائق وسزاوار ہے) ثابت ہے، لیکن اس میں غور وخوض کرنا اور اس کی کیفیات کو سمجھنا ایک انسان کی محدود عقل سے بالاتر ہے، اور جو حضرات مفسرین اس میں تاویل کے قائل ہیں، ان کے اقوال بھی مصنف نے (محض بطور نقل) ذکر کردیے ہیں۔ جیسا کہ دیگر مفسرین کی عادت ہے کہ وہ مسئلے سے متعلق جملہ اقوال کو نقل کردیتے ہیں، لیکن صاحبِ تفسیر نے اپنے نزدیک ہمیشہ جمہور سلف کے مذہب کو راجح قرار دیتے ہوئے جابجا اس کی صراحت فرمائی ہے، اور ضعیف اقوال کی طرف اشارہ فرمادیا ہے۔

البتہ آیت قرآنیہ "تَجْرِی بِأَعْیُنِنَا" کی تفسیر وہ واحد مقام ہے، جہاں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے عرب کے محاورات کا لحاظ کرتے ہوئے "اعین" سے "حفاظت ونگرانی" کا معنائے مجازی مراد لیا ہے، جیسا کہ بہت سے دیگر مفسرین (جو عقیدۃً اہل السنۃ والجماعت سے وابستہ ہیں،) نے بھی یہی معنی مراد لیا ہے۔ جس میں نہ کوئی اشکال کی بات ہے نہ اعتراض کی کوئی وجہ۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر اس قسم کے معمولی اعتراضات کے پیشِ نظر کتبِ تفسیر پر رد کیا جائے تو تفاسیر کے بہت بڑے ذخیرے سے اعتماد اُٹھ جائے گا اور امتِ مسلمہ ایک علم عظیم وخیر کثیر سے محروم ہوجائے گی۔ واللہ سبحانہ ھو الموفق والمستعان، وصلی اللہ تعالیٰ علی نبیہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ

محمد تقی عثمانی

دار العلوم کراچی ۱۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

مراسلہ نمبر: ۴۴۹۲/۴۹

موضوع: تفسیرِ عثمانی پر فقہی اعتراض

بخدمت حضرت شیخ (مفتی) محمد تقی عثمانی

رکن مجمع الفقہ الاسلامی (جدہ)

وفاقی جج برائے مذہبی امور (پاکستان)

نائب رئیس جامعہ دارالعلوم کراچی (پاکستان)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قرآن مجید کی خدمت کے سلسلے میں آنجناب کے تعاون کا بے حد ممنون ہوں۔ جزاکم اللہ خیراً

"انجمن شاہ فہد برائے طباعتِ قرآن مجید" کی طرف سے شائع کردہ تفسیرِ عثمانی پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے۔ جس کی وضاحت کے لیے آنجناب سے دوبارہ رجوع کیا گیا ہے۔

تفسیرِ عثمانی، سورۃ الانعام صفحہ نمبر ۱۲۱ پر مقررہ کمیٹی نے ایک اعتراض نوٹ کیا اور وہ یہ ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ "وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ" کی تفسیر میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حنفیہ "متروك التسمیہ عمداً" کے مسئلے میں "ذکرِ حکمی" کا دعویٰ کرتے ہیں، جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی شخص بوقتِ ذبح بسم اللہ عمداً نہ پڑھے تو احناف کے نزدیک وہ حلال ہی کے حکم میں ہے۔ جبکہ مذکورہ کمیٹی کو "متروك التسمیہ عمداً" کی حلت کا حکم کسی امام کے نزدیک نہیں ملا۔

اُمید ہے کہ آپ مذکورہ اعتراض کے بارے میں اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں گے تاکہ اِس حوالے سے ضروری امور جلد انجام پاسکیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کتاب اللہ کی خدمت کے لیے موفّق فرمائے۔

الامین العام المساعد للمساجد

عبد اللہ عقیل بن سلیمان العقیل

toobaa-elibrary.blogspot.com

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت عالی علامہ عبداللہ عقیل بن سلیمان حفظہ اللہ تعالی

تفسیر عثمانی کی سورۃ الانعام کی آیت مبارکہ نمبر ۱۲ میں ذکر کردہ ایک عبارت پر ہونے والے اعتراض کے حوالے سے مجھے آپ کا خط موصول ہوا۔

تفسیر عثمانی کا جو نسخہ اس وقت میسر ہے، میں نے اس کی طرف مراجعت کی، تو واقعتاً آپ کی نقل کردہ عبارت جوں کی توں وہاں موجود تھی۔ اور یقیناً اس جگہ پر "عمداً" کا لفظ ذکر کرنا مصنف علامؒ کی طرف سے قلمی تسامح ہے۔ شاید کہ مصنفؒ احناف کا موقف "متروك التسمية سهواً" کے مسئلے پر روشنی ڈالنا چاہ رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے "متروك التسميه سهواً" کے سیاق میں "ذکر حکمی" کا لفظ ذکر کر دیا جہاں تک متروک التسمیہ عمداً کے قول کا تعلق ہے تو احناف کا مذہب اس میں جمہور کے بالکل مطابق ہے کہ وہ اسے حلال نہیں سمجھتے، جبکہ اس کی حلت کا قول شوافع کی طرف منسوب ہے نہ کہ احناف کی طرف، چونکہ مصنفؒ سے یہ سبقتِ قلمی ہوگئی ہے اس لئے میں نے اس تفسیر کے ناشر کو اطلاع کردی ہے کہ وہ اس عبارت میں "عمداً" کے لفظ کی جگہ "سهواً" ذکر کر دے تاکہ احناف کے مذہب کی صحیح ترجمانی ہو جائے۔

تفسیر عثمانی میں ذکر کردہ اس تسامح کی طرف توجہ دلانے کے لئے بے حد ممنون ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اخوکم محمد تقی عثمانی

نوٹ: مذکورہ خط ارسال کرنے کے بعد مجھے تفسیر عثمانی کا صحیح نسخہ ملا جس (کی سورۃ الانعام آیت ۱۲) میں "عمداً" کی جگہ "نسياناً" کا لفظ صراحت کے ساتھ مذکور ہے، اور اس سے معلوم ہوا کہ مصنفؒ کی طرف سے ایسی کوئی غلطی نہیں ہوئی، بلکہ کاتب کی غلطی سے یہ شبہ پیدا ہوا، میں نے اس کی وضاحت ہمارے ترجمان ماہنامہ "البلاغ" (ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ، بمطابق مارچ ۲۰۰۱ء) میں ذکر کردی ہے، تاکہ اس تفسیر کے ناشرین کو اطلاع ہو جائے۔

محمد تقی عثمانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدمہ

"القول التمام فی اثبات التفویض

مذھبًا للسلف الکرام"

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدمہ

"القول التمام فی اثبات التفویض مذھبًا للسلف الکرام"

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّا بَعْدُ!

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی حکمت وقدرت ہر اس شخص کے لیے حد درجہ بدیہی وواضح ہے جس نے اس کائنات میں اس ذات واجب الوجود کے عجائب قدرت اور اس کے تخلیق کردہ جلال وجمال کے مظاہر کا مشاہدہ کیا ہے، اور اس کا ادراک ہر شخص بخوبی کرسکتا ہے، چاہے وہ عالم ہو یا جاہل۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک دیہاتی نے نہایت برجستگی سے کیا خوب بات کہی:

البعرۃ تدل علی البعیر والاثر علی المثیر فسماء ذات ابراج وارض ذات فجاج کیف لاتدل علی اللطیف الخبیر؟

کہ جب اونٹ کی مینگنیاں اونٹ کے گزرنے پر اور نقوشِ پا گزرنے والے شخص کے گزرنے پر دلالت کرتے ہیں، تو یہ اتنے بڑے بڑے برجوں والا آسمان اور کشادہ راستوں والی یہ زمین کسی لطیف وخبیر ذات کا پتہ نہیں دیتی؟

اس کے عجائب قدرت میں سے یہ بھی ہے اسی طرح کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان کا ہونا حد درجہ بدیہی اور روز روشن کی طرح عیاں ہے، وہیں اس کی ذات وصفات کا بکنہہٖ وتفصیلی ادراک، عقل سے ماوراء اور انتہائی محال ہے، لہٰذا جو انسان اس میں غور وخوض کرتا ہے، اور اس کے علم اور عقل وخرد کا زاویہ درست ہے تو اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہتی اور وہ اپنی کم فہمی وکم عقلی کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہتا اور اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ وہ اس بدیہی اور دنیا کی سب سے بڑی حقیقت کے آگے سر تسلیم خم کردے اور اس عقیدہ سے متعلق جو بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے منقول ہے، اس پر ایمان لے آئے اور ہر اس چیز کے تعاقب میں لگنے سے اپنی فکر کی لگام کھینچ کر رکھے، جس کا ادراک اس عاجز ولاچار انسان کے بس سے باہر ہے اور کیوں نہ ہو، جب کہ اس کی حقیقت کے بارے میں علم ہی بہت معمولی دیا گیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور جس کسی نے ان بھول بھلیوں میں اپنی عقل کی لگام کو آزاد چھوڑ دیا، اسے پریشانی و اضطراب اور بے راہ روی و گمراہی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ جسے عظیم مورخ اور فلسفی علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ نے بڑے خوبصورت انداز میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

فاتّهم إدراكك ومدركاتك في الحصر واتبع ما أمرك الشّارع به من اعتقادك وعملك فهو أحرص على سعادتك وأعلم بما ينفعك لأنّه من طور فوق إدراكك ومن نطاق أوسع من نطاق عقلك وليس ذلك بقادح في العقل ومداركه بل العقل ميزان صحيح فأحكامه يقينية لا كذب فيها. غير أنّك لا تطمع أن تزن به أمور التّوحيد والآخرة وحقيقة النّبوة وحقائق الصّفات الإلهية وكلّ ما وراء طوره فإنّ ذلك طمع في محال. ومثال ذلك مثال رجل رأى الميزان الّذي يوزن به الذّهب فطمع أن يزن به الجبال وهذا لا يدرك على أنّ الميزان في أحكامه غير صادق لكنّ العقل قد يقف عنده ولا يتعدّى طوره [۱۰۶]

لہٰذا تم اپنے علم اور معلومات کو اس حصر کر دینے میں خطاوار سمجھو (جو کچھ ہم جانتے ہیں تمام موجودات ان میں منحصر ہیں) اور شارع علیہ السلام کے بتائے ہوئے اعتقادات اور اعمال کا اتباع کرو، کیوں کہ وہ تم سے زیادہ تمہارے بہی خواہ اور سود و بہبود کو سمجھنے والے ہیں، ان کا علم تمہارے علم سے بلند اور ایسے ذریعے سے ہونے والا ہے جو تمہاری عقل کے دائرہ سے وسیع تر ہے، اور یہ بات عقل اور اس کی معلومات کے لئے کوئی عجب نہیں ہے، بلکہ عقل در حقیقت ایک صحیح میزان ہے، جس کے احکام یقینی اور جھوٹ سے پاک ہے، لیکن یہ میزان اتنی بڑی نہیں ہے کہ تم اس سے توحید و آخرت کے امور نبوت و صفات الٰہیہ یا کسی اور ایسی چیز کا وزن کرنے لگو، جو عقل کی دسترس سے باہر ہیں، اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص سونا تولنے کا کانٹا دیکھے اور پھر اس سے پہاڑوں کو تولنے کی خواہش کرنے لگے، ظاہر ہے کہ (جب اس میں پہاڑ نہ تل سکیں تو) یہ نہیں کہا جائے گا کہ ترازو جھوٹی ہے، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ہر میزان کی ایک حد ہوتی ہے، جس سے آگے وہ کام

---

۱۰۶ مقدمہ ابن خلدون: ۴۴۱۔۔۔ ۴۴۴، الکتاب: ۱، الباب: ۶، الفصل: ۱۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہیں دے سکتی، اسی طرح میزان عقل بھی ایک خاص موقع پر آکر ٹھہر جاتی ہے، اور اپنی حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ (ترجمہ ماخوذ از علوم القرآن)

اللہ جل جلالہ نے اپنے اس قول میں اسی طرف ہماری رہنمائی فرمائی:

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ [۷]

وہی ہے جو ماؤں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زبردست اقتدار کا بھی مالک ہے، اعلیٰ درجے کی حکمت کا بھی (۲) (اے رسول) وہی اللہ ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی ہے جس کی کچھ آیتیں تو محکم ہیں جن پر کتاب کی اصل بنیاد ہے اور کچھ دوسری آیتیں متشابہ ہیں۔ (۳) اب جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ ان متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فتنہ پیدا کریں اور ان آیتوں کی تاویلات تلاش کریں، حالانکہ ان آیتوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جن لوگوں کا علم پختہ ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ: ہم اس (مطلب) پر ایمان لاتے ہیں (جو اللہ کو معلوم ہے) سب کچھ ہمارے پروردگار ہی کی طرف سے ہے، اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

بلاشبہ یہ آیت کریمہ راہِ ہدایت پانے کے لیے مینارۂ نور ہے، جس سے انسان ہر اس قسم کی گمراہی و بے راہ روی سے محفوظ رہتا ہے، جس کا شکار ہر وہ فلسفہ ہمیشہ سے رہا جو آسمانی ہدایت سے محروم تھا۔

یہ اس لیے ہوا کہ وہ ان چیزوں کی کھوج میں لگ گئے جو حد درجہ بدیہی و انتہائی واضح تھیں، جن کا حق یہ تھا کہ ان پر اسی طرح ایمان لایا جائے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات ہیں، نہ کہ اس کی کنہ اور حقیقت کی کھوج میں لگیں، جس کا ادراک عقل و شعور کر ہی نہیں سکتے، جب تک کہ اس کا علم و ادراک اسے

---

۷ آل عمران: ۶-۷

ودیعت نہ کر دیا جائے۔

لیکن ان لوگوں نے جو اس حقیقت سے ناواقف یا تجاہلِ عارفانہ میں مبتلا رہے، اپنی فلسفیانہ افکار کو اللہ تعالیٰ کو ذات اور کنہ تک رسائی میں صرف کر دیا، اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی چیزیں منسوب کر دیں، جن سے اس کی ذات بلاشبہ ازل سے بری تھی، ان میں سے بعض وہ تھے جو اللہ تعالیٰ کی کنہ تک پہنچنا چاہتے تھے، اور اسے محض عقل کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے فلسفیانہ سوالات نے جنم لیا، جن کا جواب سرے سے تھا ہی نہیں، چنانچہ انہوں نے صفاتِ باری تعالیٰ کا (معاذ اللہ) مطلقاً انکار کر دیا اور ان کا یہ اعتقاد نصوصِ صریحہ کے انکار پر منتج ہوا، اور روئے زمیں پر ایک انتہائی گمراہ فرقہ وجود میں آیا جسے "معطلۃ" کہا جاتا ہے۔

ان میں سے بعض وہ لوگ تھے جنہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہاتھ، آنکھ، استواء علی العرش اور ایسی صفات ثابت کیں، جن کا تعلق در حقیقت مخلوقات اور حوادث سے ہے، نتیجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اسی طرح جسم اور اعضاء وجوارح کو ثابت کیا، جیسے کہ مخلوقات وحوادث کے ہوتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے کہیں بلند وبرتر ہے، یہ مذہب مشبہ اور مجسمہ کا ہے۔

جمہور علما اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ دونوں مذاہب باطل اور حق سے کوسوں دور ہیں۔

پھر تعطیل وتشبیہ میں سے ہر ایک کے بطلان پر اتفاق کرنے کے بعد جمہور اہل سنت والجماعت کے درمیان ان نصوص کی تفسیر میں اختلاف ہے، جن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ید، عین، استواء علی العرش، نزول ودیگر صفات ثابت کی گئی ہیں۔

ا۔ جمہور سلف کا مذہب یہ ہے کہ یہ نصوص متشابہات میں سے ہیں، جن کی مراد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، لہٰذا اس پر توقف وسکوت واجب ہے اور ان کی تاویل میں غور وخوض کرنے کی چنداں حاجت نہیں۔ پس ہم ان پر اجمالی طور پر اس جزم کے ساتھ ایمان لائیں گے کہ اس سے وہ صفات مراد نہیں ہیں جو حدوث اور تشبیہ کا مقتضی ہے، کیوں کہ اس سے ذات باری تعالیٰ مبرہ اور منزہ ہے، اسی طرح نہ یقین کے ساتھ کوئی ایک معنی متعین کریں گے، بلکہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں گے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۔ جمہور سلف کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ ہم یہ اعتقاد رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے معنٰی حقیقی مراد لیا ہے، لیکن یہ حقیقی معنٰی جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے، اس حقیقی معنٰی سے قطعی طور پر مختلف اور جدا ہے جس کی نسبت مخلوقات اور حوادث کی طرف کی جاتی ہے۔

پس حقیقی معنی میں اللہ تعالیٰ کا "دست اقدس" جیسے کہ اس کی شان کبریائی کے سزاوار ہے، لیکن مخلوقات وحوادث کے اس "ہاتھ" کی طرح نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہیں جس کے مثل نہ ذات میں کوئی ہوسکتا ہے، نہ صفات میں، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ کے "دستِ اقدس" کی کنہ اور حقیقت کیا ہے؟ تو اس کے علم کا کوئی راستہ نہیں، لہٰذا ہم اس علم کو اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کردیں گے۔

ذکر کردہ ہر دو مذاہب کے درمیان فرق یہ ہے کہ اول الذکر مذہب قطعی طور پر ہر اس صفت کی نفی کرتا ہے جو حدوث اور تشبیہ کا تقاضا کرتی ہیں، پھر یقینی طور پر اس کا کوئی معنٰی بھی متعین نہیں کرتا، بلکہ اول وہلہ میں توقف اور تفویض کو اختیار کرتا ہے، ثانی الذکر مذہب یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ان الفاظ سے حقیقی معنٰی مراد لیا گیا ہے، پھر اس معنٰی کی کنہ اور حقیقت کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کردیتے ہیں۔ یہ فریق اگرچہ یہ سمجھتا ہے کہ ان الفاظ کا حقیقی معنی ہی مراد ہے مگر وہ لوٹ کر ان تمام حقیقی معنوں کی نفی کرتا ہے جو (ان الفاظ سے) مخلوقات کے حق میں متعارف ہیں، اور اس حقیقی معنی کی تشریح وتوضیح میں نہیں پڑتا، جو باری تعالیٰ کے حق میں نص سے متعلق ہے۔

۳۔ بعض علماء سلَف وخلَف کی ایک جماعت ان نصوص میں اس طرح "تاویل" کی قائل ہے کہ کسی قسم کی تشبیہ وتجسیم کا شبہ باقی نہ رہے، پس وہ ان جیسی نصوص کو مجاز پر محمول کرتے ہوئے "ید" سے مراد "طاقت وقوت" اور "استواء" سے مراد "غلبہ وسطوت" اور قبضۂ قدرت لیتے ہیں۔

۴۔ اسی طرح علماء کی ایک جماعت وہ ہے جو مذکورہ دونوں امور میں تطبیق کی قائل ہے، چنانچہ وہ ان نصوص میں تاویل کا طریقہ اختیار کرتے ہیں، جن میں محاوراتِ عرب پر چلتے ہوئے بلا تکلف تاویل ہوسکتی ہے، تاہم وہ نصوص جو تاویل کو قبول نہیں کرتیں، ان میں گنجائش کو مدنظر رکھتے ہوئے پہلا اور دوسرا مذہب اختیار کرتے ہیں۔

جبکہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے تشبیہ وتعطیل سے مبرّا ومنزّہ ہونے کا عقیدہ رکھنے کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

بعد مذکورہ ہر چہار مذاہب کا احتمال ہے، اور قرآن وسنت میں کوئی ایسی نص وارد نہیں جو ان چاروں میں سے کسی ایک مذہب کے بطلان پر مطلقاً دلالت کرتی ہو، اور علماء کا یہ اختلاف در حقیقت عقیدہ کا اختلاف ہے ہی نہیں، کیوں کہ ہر جہاں مذاہب کے علماء اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے تشبیہ وتعطیل سے پاک ہونے کے قائل ہیں، جبکہ اس عقیدہ اور نصوص کی تطبیق میں یہ اختلاف رائے محض تعبیر کی حد تک ہے، لہٰذا چاروں میں سے کسی ایک کو بھی باطل محض اور گمراہی وروگردانی پر مبنی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگرچہ پہلا مذہب زیادہ قابل تسلیم ہے جسے سلف کی ایک بڑی جماعت نے اختیار کیا ہے۔

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان جیسے مسائل میں ہونے والے مناظروں اور بحث ومباحثوں میں اس حد تک حدود سے تجاوز کیا گیا کہ ہر دو جانب سے گمراہی کے الزامات اور تعطیل یا تشبیہ کے زہر آلود تیر چلنے لگے، پھر ان مناظروں میں اس حد تک تجاوز ہوا کہ بعض لوگ اپنے اس موقف پر منحصر نہیں رہے، جسے شریعت نے مباح قرار دیا تھا، بلکہ اس سے کہیں زیادہ تجاوز کر کے وہ اس کی تفصیلات اور بحث مباحثوں میں پڑ گئے، جس نے انہیں باطل مذاہب میں سے کسی نہ کسی مذہب کے قریب قریب پہنچا دیا۔

دوسرا مذہب جو دراصل پہلے مذہب کے قریب تر ہے، اور وہ یہ کہ ید، عین اور استواء علی العرش جیسی تعبیرات سے اگرچہ حقیقی معنیٰ مراد ہے، لیکن یہ حقیقی معنیٰ اس حقیقی معنیٰ سے قطعی مختلف اور جدا ہے، جس کا اطلاق حوادث اور مخلوقات پر ہوتا ہے، اور اس مختلف معنیٰ کی حقیقت اور کیفیت سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا لیکن جب مناظروں ومباحثوں کا دور دورہ ہوا، تو قلم کے گرد کھینچی گئی شرعی فصیل کی حدود پامال ہوئیں اور ایسی عبارات سامنے آئیں جنہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کیوں کہ ان سے تشبیہ وتجسیم جیسے گمراہ کن عقیدوں کا وہم ہوتا ہے، جبکہ عین اسی وقت ایک جانب سے انتہائی شنیع قسم کا ردِ ظہور پذیر ہوتا ہے، جو محض تاویل کے مذہب پر ہی نہیں بلکہ جمہورِ سلف کے اختیار کردہ تفویض کے مذہب پر بھی وارد ہوتا ہے اور وہ قول یہ ہے۔

انہ شر من التأویل والعیاذ باللہ العظیم

کہ یہ انتہائی بدترین تاویل ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم

باوجودیکہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سب سے زیادہ موافق ہے، جو سورۂ آل عمران کے آغاز میں ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے مناظروں سے دشمن کی فکری اور عملی قوتوں کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تقویت ملی، جو اس قدر افسوس ناک معاملہ ہے کہ جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے، شاید کہ یہ کہنا مبالغہ پر مبنی نہیں ہوگا کہ روئے زمین پر بسنے والے اکثر مسلمان اسلام کی مبادیات سے بھی واقف نہیں ہے۔ جن میں ایک بہت بڑا طبقہ وہ بھی ہے جو ارکان دین کے ضروری احکام کے علم کے لیے ترس رہا ہے، اور دشمنانِ دین مسلمانوں کی صفوں میں فکری کجی اور انتشار کی فضا ہموار کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے، نئی پود ونسل نو کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھائے نہیں رکھتے، نیز ان متفق علیہ مسائل کے برخلاف جن پر صدیوں سے مسلم امہ کا اجماع چلا آرہا ہے، شکوک وشبہات کا بیج بوتے چلے آرہے ہیں، ان نازک حالات میں اس طرح کے اختلافی مسائل کو ہوا دینا، دور اندیش اکابر علماءِ امت کی اکثریت کو گمراہ قرار دینا، عامۃ المسلمین کے ذہنوں کو ایسے دقیق مسائل میں الجھانا جن کے ادراک سے انسانی عقل مکمل طور پر عاجز ہے، اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف دو چند ہوجائیں ان کا اتحاد پارہ پارہ ہوجائے، ان کی صفیں منتشر ہوجائیں اور اسلام اور امت مسلمہ کے خلاف دشمنانِ دین کے لیے ان کے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے کامیابی کی راہیں ہموار ہوں۔

لہٰذا بالخصوص ان نازک حالات میں ہم پر لازم ہے کہ ان تمام اختلافی امور سے مکمل اجتناب برتیں، جن میں اختلاف رائے کی گنجائش موجود ہے، جس کی ایک صورت یہ ہے کہ یا تو ہم خاموشی اختیار کریں، یا تمام اہل سنت والجماعت کی آراء کا احترام کرتے ہوئے اپنے نزدیک جو مذہب بھی راجح ہے اس کا اظہار کردیں، مگر دوسرے کی تضلیل واہانت اس وقت تک قطعاً درست نہیں جب تک کہ وہ اہل سنت والجماعت کے راہِ مستقیم پر قائم ہے۔ نیز ان اختلاف کو صرف علمی حلقوں تک ہی محدود رکھیں۔ اور سادہ لوح عوام کے ذہنوں میں ان جیسے مسائل کے ذریعے الجھن پیدا نہ کریں۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ اسی وقت ممکن ہے، جب کہ آفاق عالم کے مسلمانوں کے مابین باہمی رائے عامہ ہموار ہو اور دوسرے کے مسلک کو بھی اہل سنت والجماعت ہی کا ایک حصہ سمجھیں، نہ کہ اس سے باہر اور کسی ایک طرف بھی کفر وضلال کی نسبت ہرگز نہ کریں، کیوں کہ ان میں سے ہر ایک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کو تشبیہ وتجسیم سمیت ہر اس چیز سے مبرّا ومنزّہ سمجھنے پر زور دیتا ہے جو اس کی شایان شان نہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہی وجہ ہے کہ فاضل استاذ شیخ سیف بن علی العصری نے ایک قابلِ قدر کتاب بنام "القول التمام باثبات التفویض مذهباً للسلف الکرام" تالیف کی، جس کا بنیادی مقصدِ تالیف ہی یہ ہے، جیساکہ انہوں نے مقدمہ میں اس کی صراحت کی ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ کے مسئلے میں اپنے مذہب کو جمہور سلف کا مذہب قرار دینے والے دوسرے مذہب کے قائلین کے مدمقابل مذہب "تفویض" کو ترجیح دی جائے اور حق یہ ہے کہ انہوں نے واضح دلائل کے ساتھ اسے ثابت کیا ہے اور ہم صراحت سے کہتے ہیں صاحبِ تصنیف ائمہ دینِ متین کے سرتاج اور اہل سنت والجماعت کے اس لحاظ سے صف اول کے رہنما ہیں، کہ انہوں نے اس قول "من شر اقوال اهل البدع والالحاد" [۱۰۸] کی تردید میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

جیسے کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی بعض عبارات اس طرح کی آئی ہیں، حالانکہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان چیدہ چیدہ عبقری شخصیات میں سے ہیں جن پر امتِ اسلامیہ ہمیشہ فخر کرتی رہے گی، ان کے تبحر علمی اور وسیع پیمانے پر انتہائی مفید تحریروں میں شک کی کوئی گنجائش نہیں، تاہم جہاں تک عصمتِ انبیاء کے مسئلے میں ان کی بات ہے تو ہم وہی بات کریں گے جو امام دار الہجرہ مالک بن انس رحمہ اللہ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ "و کل یوخذ من اقواله ویترك الا صاحب هذا القبر (الرسول الکریم ﷺ)

پس صفات باری تعالیٰ کے مسئلے میں تفویض کے قائل علماء امت کے حوالے سے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جو کہا وہ ایک واضح لغزش ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور جنت میں ان کے درجات بلند فرمائے اور اگر ان کی بات تسلیم کرلی جائے جیساکہ اس کتاب میں بھی بطور قول منصف ذکر کیا گیا ہے۔ تو اس مسئلہ میں مسلمانوں کی گمراہی اور فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔

اس کتاب کے اکثر حصے کے مطالعے سے میں مشرف ہوا، میں نے موضوع سے متعلق مؤلف علام کو اکابر سلف کے کلام کو یکجا کرنے میں من جانب اللہ موفق اور مسلکِ اعتدال وانصاف پر گامزن پایا، ہر

۱۰۸۔ درء تعارض العقل والنقل: ۱۱/۲۰۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

قسم کے افراط وتفریط سے بالاتر، غلو اور تعصب سے کوسوں دور اور ان اکابر علماء کا قدر دان پایا جو اس موضوع میں جداگانہ رائے رکھتے ہیں۔ جو بلاشبہ ان کے زوایۂ فکر کی درستگی اور مجتہد فیہ مسائل سے متعلق وقوع پذیر اختلافات میں معتدل اسلوب پر ایک واضح دلالت ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے استدعاء ہے کہ اس کتاب کے نفع کو عام اور تام فرمائے اور اسے مسلم امّہ کے ایک رائے پر متفق ہونے اور سلفِ صالحین کے سیدھے راستے پر چلنے کا ذریعہ بنائے، اور مؤلف کو دنیا وآخرت میں اس کے شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے۔ واللہ سبحانہ ولی التوفیق

محمد تقی عثمانی

نائب رئیس جامعہ دار العلوم کراچی والمفتی بہا

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

تقریظ

مفاہیم یجب ان تصحح

toobaa-elibrary.blogspot.com

مفاهیم یجب ان تصحح

حال ہی میں شیخ محمد علوی المالکی کی کتاب "مفاھیم یجب ان تصحح" منظر عام آکر علمی حلقوں کے درمیان موضوع گفتگو بنی رہی، اور اس کے اردو ترجمہ نشر ہوتے ہی بحث مباحثہ اور تبادلہ خیال اور زور دیکر آ گیا، جبکہ اس پر میری تقریظ جہاں بعض اہل علم کے لیے دلیل و برہان کے طور پر سامنے آئی، وہیں بعض لوگوں کے لیے شکوک وشبہات کا باعث بنی، جس کے مد نظر مناسب معلوم ہوا کہ اس تمہیدی بیان کے ذریعے صحیح صورتحال کی وضاحت کردی جائے اور قضیہ کی حقیقت سے پردہ اٹھا دیا جائے۔

جیسے کہ ہم سب جانتے ہیں کہ مؤلف کتاب شیخ محمد علوی مالکی، شیخ سید علوی مالکی رحمہ اللہ جو مکہ مکرمہ کے جید علماء میں سے تھے، کے علمی خاندان کے چشم وچراغ ہیں، ان کے والد گرامی قدر شیخ سید علوی مالکی رحمہ اللہ کے ہندوپاک کے اکابر علماء سے بہت گہرے روابط ہیں، جن میں میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب وحضرت مولانا یوسف بنوری رحمہا اللہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، انہی تعلقات کے پیش نظر ان کے صاحبزادے شیخ محمد علوی مالکی نے اکابر علماء سے علوم دینیہ کی تحصیل کے لیے ایک طویل عرصہ پاکستان میں گذارا۔ اس دوران انہیں میرے والد ماجد اور حضرت بنوری رحمہا اللہ سے بھی شرفِ تلمذ رہا ہے، اسی دوران اکثر اوقات ہماری ملاقات اور مجلس رہا کرتی تھی جو ان کے سعودی عرب چلے جانے کے بعد موقوف ہوگئی کیوں کہ ایک عرصے تک ہمارے درمیان کوئی رابطہ نہیں رہا۔

چند سال قبل ان کا اچانک فون آیا، جس میں انہوں نے انڈونیشیا سے سعودیہ لوٹتے ہوئے راستے ہی میں مجھے اپنی کراچی آمد کی اطلاع دی، اور بتایا کہ ایک ضروری اہم کام کے سلسلے میں صرف مجھ سے ہی ملاقات کے لیے وہ یہاں آرہے ہیں، چنانچہ وہ حضرت مولانا عبد الحفیظ مکی حفظہ اللہ تعالیٰ ورعاہ کے ساتھ دار العلوم تشریف لائے، اور مجھے اپنی تازہ کتاب "مفاھیم یجب ان تصحح میں ذکر کردہ ان مسائل کی تحقیق وتوضیح کے حوالے سے بتایا جو اہل علم کے درمیان اکثر موضوع بحث بنے رہتے ہیں، اور مجھ سمیت میرے برادر کبیر محترم مفتی محمد رفیع عثمانی حفظہ اللہ سے یہ مطالبہ کیا کہ ہم اس پر تقریظ لکھیں، اس دوران چونکہ میری مشغولیت بہت زیادہ تھی اور اگلے دن ایک اہم سفر بھی درپیش تھا، اس لیے میں نے عذر کردیا کیوں کہ پے درپے مشغولیات اس بات کی اجازت نہیں دے رہی تھیں کہ اس کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تاکہ اس کی تقریظ کا خاطر خواہ حق ادا ہوسکے، لیکن انہوں نے پاکستان وسعودیہ کے بعض مقتدر علماء کی تقاریظ دکھائی، جس سے یہ معلوم ہورہا تھا کہ علماء کی طرف سے اس کتاب کی توثیق ومدح سرائی ہوئی ہے،

toobaa-elibrary.blogspot.com

چنانچہ انہوں نے مجھ سے دو کاموں میں سے کسی ایک کا مطالبہ کیا، جس سے ان کے پیش نظر یہ تھا کہ ان دو میں سے کسی ایک کام کو بجالانے سے نسبتاً کم وقت صرف ہوگا، کہ یا تو ان علماء میں سے کسی ایک کی تحریر کے نیچے دستخط کر دوں، یا دیگر تقاریظ کو بنیاد بنا کر کتاب کی توثیق و موافقت کر دوں۔

تاہم میں نے دوبارہ یہ کہہ کہ معذرت کرلی کہ اگرچہ میں ان علماء کرام کی قدر کرتا ہوں اور انہیں احترام کی نظر سے دیکھتا ہوں، لیکن بہر حال تقریظ لکھنا ایک امانت ہے اور میرے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ میں کتاب کے بارے میں مثبت رائے کا اظہار کر دوں جبکہ میں نے اسے پڑھا ہے، نہ اس کے مسائل کا استقصاء کیا ہے۔ جس کے بعد انہوں نے مجھ سے اتفاق کیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ میں کچھ وقت نکال کر فرصت سے کتاب دیکھ لوں اور پھر تقریظ لکھوں۔

ان کے اس شدید اصرار کی رعایت رکھتے ہوئے مسلسل مصروفیت کے باوجود اس کتاب کی اہم اہم ابحاث کا مطالعہ کیا، تو واقعتاً کچھ باتیں ایسی ملیں جن کے مد نظر یہ کتاب مدح سرائی کے قابل تھی، تاہم بعض قابل تنقید مقامات بھی سامنے آئے۔ جس پر میں نے ان سے رابطہ کیا اور اطلاع دی کہ اس کتاب پر تقریظ اور مالہا وماعلیہا توثیق سے میں اس لیے عاجز ہوں کہ اس میں دوران مطالعہ کچھ قابل نقد مواضع اور اعتراضات بھی سامنے آئے ہیں تو انہوں نے یہ کہا کہ اپنی تقریظ کے ضمن میں ان ملاحظات کے حوالے سے بھی ذکر کر دوں۔ تو میں نے کہا یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ آپ اس بات کی ضمانت دیں کہ آپ بلا کسی کتر وبیونت کے یہ تقریظ طبع کریں گے، تو انہوں نے اس کے من وعن نشر کرنے کا وعدہ کیا۔ جس کے بعد میں نے ایک مستقل مقالہ تحریر کیا، جس میں کتاب کے مذکورہ ہر دو پہلوؤں (محاسن وملاحظات) پر تفصیل سے روشنی ڈالی، نیز میرے برادر کبیر مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی حفظہ اللہ نے ان مباحث کا ذاتی طور پر مطالعہ کیا اور اس کتاب کے حوالے سے ذکر کردہ میری رائے ملاحظہ کرنے کے بعد اس پر بنفس نفیس دستخط ثبت کیے۔ اور ہم نے یہ مقالہ مؤلف فاضل کے سپرد کر دیا، وبعد کافی انتظار رہا کہ اس کتاب کے اگلے ایڈیشن کی طباعت میں اسے نشر کیا جائے گا، لیکن جہاں تک مجھے علم ہے، تاحال وہ نشر نہیں کیا گیا، جبکہ اس کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔ یہ ذکر کر دینا بھی بے موقع نہ ہوگا کہ چونکہ بوقت تحریر اس کتاب کے ہر ہر جزو تعلیقات پر تعلیق کا میرا ارادہ نہیں تھا اس لیے میں نے یہ تقریظ نہایت عجلت اور مشغولیات میں گھر کر تحریر کی ہے، اور (اکثر مقامات پر) محض اشارات پر اکتفاء کیا ہے، اس لیے دیگر مباحث بھی ایسی ہو سکتی ہیں، جن پر مزید نقد اور مواخذہ کا کوئی پہلو نکل رہا ہو۔ واللہ سبحانہ ھو الموفق

محمد تقی عثمانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ، اَمَّا بَعْدُ!

میرے محترم بھائی فضیلۃ الشیخ علامہ سید محمد علوی مالکی حفظہ اللہ تعالیٰ ورعاہ نے مجھ سے درخواست کی کہ میں ان کی کتاب "مفاهيم يجب ان تصحح" پر اپنی رائے کا اظہار کروں، درحقیقت یہ ان کا تواضع اور علم وطلبۂ علم سے غایت درجہ محبت اور طلبِ حق وصحیح بات کی جستجو کی علامت ہے، چوں کہ وہ از خود ایک شریف اور علمی خاندان کے چشم وچراغ ہیں اس لیے انہیں اپنی تالیفات پر تقریظ وغیرہ لکھوانے کی ضرورت بھی نہیں ہے، بالخصوص ان کے والد مکرم شیخ سید علوی مالکی رحمہ اللہ اپنے علم وفضل اور تقویٰ کے اعتبار سے عالم اسلام میں ایک معروف شخصیت تھے۔ اور یہ بلاشبہ "خیر خلف لخیر سلف" کے عین مصداق ہیں، چنانچہ ہم ان کے حکم کی بجاآوری، دعاؤں کی امید اور اس کتاب کی اکثر مباحث سے قلبی مسرت اور سرور کے ہمراہ زیر نظر سطور سے مشرف ہو رہے ہیں، معاً کچھ ضروری تعلیقات، جو دورانِ مطالعہ سامنے آئیں کا بھی ذکر کیا جائے گا۔

صاحب کتاب نے اپنی کتاب میں جن مباحث کا استقصاء کیا ہے، وہ بلاشبہ انتہائی حساس موضوعات ہیں، جن کے بارے میں اس حد تک افراط وتفریط ہے کہ مسلمانوں کا نقطۂ نظر ایک نکتہ پر قائم نہیں، نیز ان مسائل میں باہمی اختلاف اور بحث ومباحثہ اس قدر عروج پر ہے، جسے دیکھ کر ایک مومن کا دل دکھتا ہے، جبکہ بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں، جو غیر جانبدارانہ طور پر اعتدال کے ساتھ ان مسائل کی تنقیح کرتے ہیں، اور افراط وتفریط سے بالاتر ہو کر انصاف کے راستے پر چلتے ہوئے ہر مسئلے کو اس کے صحیح محل پر رکھتے ہیں، اسی طرح بہت سے ایسے فروعی نوعیت کے مسائل ہیں جو رفتہ رفتہ نظریاتی شکل اختیار کر گئے ہیں، حالانکہ نہ ان پر ایمان کا مدار ہے، نہ وہ اسلام اور کفر کے درمیان حد فاصل ہے، بلکہ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جن سے متعلق نہ قبر میں سوال ہو گا نہ حشر میں، اور اگر کوئی شخص ساری زندگی بھی ان مسائل سے ناواقف رہے تو اس کے دین وایمان میں ذرہ برابر کمی نہیں آسکتی، جیسے برزخ کی حقیقت وکیفیت کا علم و دیگر خالص نظریاتی وفلسفیانہ مسائل، لیکن انتہائی افسوس ہے کہ جیسے جیسے ان میں بحث ومباحثہ بڑھتا گیا، اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

جھگڑا وفساد زور پکڑ تا گیا، یہ مسائل ایسے ہو گئے جیسے دین واسلام کا اصل مدار ہی ان فروعی مسائل پر ہے یا یہ اسلامی عقائد کی اساس وبنیاد ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ بعض لوگ ان جیسے مسائل میں اس قدر متشدد ہو چکے ہیں کہ جو کوئی ان کی رائے کی مخالفت کرتا ہے، اس پر فوراً کفر وشرک اور ضلالت وگمراہی کا فتویٰ لگا دیتے ہیں، یہی وہ تنگ نظری وپست فکری ہے جس کے افتاد زدہ لوگ جہاں ایک طرف کفار ومستشرقین کی طرف سے پے در پے ہونے والے ان حملوں سے چشم پوشی کرتے نظر آتے ہیں، جنہوں نے آج اسلام کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے، اور کفار ودشمنان اسلام کی طرف سے پھیلائے گئے صریح الحاد، کھلی ہوئی بے دینی، مادر پدر آزاد کلچر، انتہا درجے کی فحاشی وعریانی اور یورپ سے درآمد کردہ منکرات کے سامنے بند باندھنے کے بجائے ان فروعی واختلافی بحثوں میں بے جا غیرت وحمیت کا مظاہرہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

ہمارے برادر عزیز علامہ سید محمد علوی مالکی حفظہ اللہ نے اس کم عقلی وکج فہمی پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان بعض آراء کو اختیار کرتے ہوئے، جن میں متقدمین علماء کا اختلاف ہے، کسی بھی ایسے شخص کی تکفیر جائز نہیں جو ضروریات دین پر ایمان رکھتا ہو۔

اس کے بعد چند ایسے فروعی مسائل پر کلام کیا ہے جن میں مسلمانوں کے درمیان اختلافِ رائے بہت عام ہو گیا ہے۔ جن کی وجہ سے ایک دوسرے کی تضلیل پورے عروج پر ہے، منجملہ ان میں سے دعاء میں توسّل، روضۂ مبارک کی زیارت کے لیے سفر کرنا، انبیاء وصحابہ کرام اور سلفِ صالحین کی باقیات وتبرکات کو باعث برکت سمجھتے ہوئے ان سے تبرک کرنا، سرور عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نبوت اور بشر ہونے کی حقیقت اور حیات برزخی جیسے حساس موضوعات ہیں، ان تمام مسائل میں انہوں نے جو موقف اختیار کیا ہے وہ کتاب اللہ وسنتِ رسول سے مبرہن اور صحابہ وتابعین اور سلف صالحین کے تعامل جیسے واضح دلائل پر مبنی ہے۔

انہوں نے نہایت بین دلائل اور انوکھے واچھوتے اسلوب میں یہ ثابت کیا ہے کہ جو کوئی دعا میں توسل اور انبیاء وسلف صالحین کی باقیات وتبرکات سے تبرک کو جائز سمجھتا ہے اور روضۂ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت کے لیے سفر کرتا ہے اور اسے قرب خداوندی کا عظیم ذریعہ گردانتا ہے یا انبیاء کرام کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں بقید حیات ہیں اور ان کو جو حیاتِ برزخی حاصل ہے وہ اوروں کے مقابلے میں کئی گنا فوق تر ہے، مذکورہ تمام عقائد رکھنے والے شخص کی طرف گناہ کی نسبت بھی قطعاً درست نہیں، چہ جائے کہ اس پر کفر وشرک کا فتویٰ لگا دیا جائے، کیوں کہ یہ سب قرآن وسنت کی واضح نصوص سمیت سلفِ صالحین کے تعامل اور ہر دور

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے راسخین فی العلم اکابر علماء جمہور سے ثابت ہے۔

اس طرح مؤلف علام نے صفات باری تعالیٰ کے مسئلہ میں اشاعرہ اور ان کے مسلک "تاویل" سے متعلق گفتگو کی ہے، شک نہیں کہ اس مسئلے میں زیادہ اسلم موقف وہی ہے، جسے محدثین نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ امروھا بلا کیف؟ کہ (اکابر متقدمین) نے ان جیسے مسائل کو کیفیت کے بیان کیے بغیر ہی گذار دیا ہے، لیکن اشاعرہ نے اپنے اجتہاد کے نتیجے پر جو تاویل کا مسلک اختیار کیا ہے، اس میں ان کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی طرف تشبیہ و تعطیل کی نسبت رفع کرنا ہے۔ اور اس میں ان کا منشاء اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ عقیدۂ توحید کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف نسبت تجسیم کے ادنیٰ شبہ کو بھی گوارا نہیں کرتے، اس مسئلہ میں اس مذہب کی طرف چوٹی کے علماء متقدمین کی ایک بہت بڑی جماعت گئی ہے، جن کے علم وفضل اور کمال تقویٰ کا سوائے جاہل اور ہٹ دھرم آدمی کے کوئی انکار نہیں کر سکتا، پس ان اشاعرہ پر کفر وضلال کا فتویٰ لگانا، انہیں دائرۂ اسلام سے خارج سمجھنا اور معتزلہ وجہمیہ کی صفوں میں کھڑا کر دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے، اعاذنا اللہ من ذلك اس سلسلے میں ہمارے برادر مؤلف نے کیا خوب فرمایا:

افما کان یکفی ان یقول المعارض انهم رحمهم الله اجتهدوا فاخطاوا فی تاویل الصفات، وکان الاولی ان لا یسلکوا هذا المسلك، بدل ان ترمیهم بالزیغ والضلال، ونغضب علی عدهم من اهل السنة والجماعة

کیا معترض کے لیے اتنا کہہ دینا کافی نہیں تھا کہ ان حضرات (رحمہم اللہ) نے صفات باری کے مسئلہ میں اجتہاد کیا اور تاویل کا مسلک اختیار کیا ہے۔ اور اس اجتہاد میں ان سے غلطی سرزد ہوئی ہے، بہتر ہوتا اگر وہ یہ مسلک اختیار نہ کرتے، نہ کہ ان پر ضلالت وگمراہی کے فتوے لگائیں، اور ہم ان کے اہل سنت والجماعت میں شمار کئے جانے پر پرچراغ پا ہوتے رہے۔ (صفحہ:۲۹)

فکری اعتدال کی یہی وہ راہ ہے جسے مؤلف رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان جیسے مسائل میں بڑی خوبی سے اختیار کیا ہے، اگر مسلمان اپنے فروعی اختلافات میں پوری وسعت قلبی اور کشادہ دلی کے ساتھ اسی راہِ اعتدال پر گامزن رہیں، تو بجا نہیں کہ اکثر اختلافات کی گرہیں از خود کھل جائیں، اور کفار ومشرکین کی وہ تمام سازشیں خاک میں مل جائیں جو وہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لیے کر رہے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

نیز ان ملاحظات کی طرف بھی توجہ دلانا ضروری ہے، جو دوران مطالعہ سامنے آئے جن کے ذکر کا منشاء اداءِ واجب، خالصۃً لوجہ اللہ نصیحت اور مؤلف کے حکم کی بجاآوری و پاسداری کے سوا کچھ نہیں، جو یہ ہیں۔

۱۔ جن مباحث کے حوالے سے صاحب کتاب نے قلم اٹھایا ہے، بے حد نازک اور انتہائی حساس نوعیت کی ہیں، جن میں فی زمانہ اس قدر افراط و تفریط ہو چکی ہے کہ ناقابل بیان ہے، کیوں کہ بالعموم مسئلہ کے دو پہلوؤں میں سے ایک پہلو کی طرف زیادہ جھکاؤ دوسرے پہلو پر سخت اثر انداز ہوتا ہے، اسی طرح ایک جہت کی طرف زیادہ توجہ مرکوز رکھنے سے دوسری کا حق فوت ہونے کا خدشہ ہوتا ہے، لہٰذا ان جیسے مسائل میں کلام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ انتہائی احتیاط سے کام لے، اور ہر دو جانب کی رعایت رکھے، اور طرزِ کلام میں اس قدر احتیاط برتے کہ ناحق غلو و حدود سے تجاوز قطعاً نہ ہو۔

چونکہ اس کتاب کا اصل منشاء ہی یہ ہے کہ مسلمانوں کی تکفیر میں ہونے والے غلو پر رد کیا جائے۔ اور جو مسلمان رسول کریم ﷺ یا اولیاء و سلف صالحین سے غایت درجہ محبت رکھتے ہیں اور تعظیم کرتے ہیں۔ ان پر لگنے والی شرک کی تہمت سے ان کا دفاع کیا جائے، لیکن ان لوگوں پر جو اس تعظیم میں اس درجہ غلو کرتے ہیں جسے قرآن وسنت نے منع کیا ہے، چوں کہ پہلے ہی ہر دور کے علماء نے ان کی تردید کا حق بخوبی نبھادیا ہے۔ لہٰذا اس قدر تفصیل سے جابجا رد نہ کیا جائے، نیز موضوع کی نزاکت کے پیش نظر ضروری ہے کہ اس پر بھرپور دسترس ہو، جس کے بعد ان لوگوں پر رد کیا جائے جو اس تعظیم میں اس درجہ غلو کرتے ہیں جس سے علی الاقل شرک کا وہم ہوتا ہے، اگرچہ یہ رد مختصر ہی ہو۔

۲۔ بعض مقامات پر اہم مسائل میں ہمیں اجمال نظر آیا، جس سے بعض لوگ کبھی غلطی کر جاتے ہیں، اور ایسا استدلال کرنے لگتے ہیں جو مؤلف کا مقصود نہیں، اور انہیں بتکلف بعض غلط نظریات کی تائید میں استعمال کرتے ہیں۔ منجملہ ان میں "علم الغیب" کا مسئلہ ہے۔ جس سے مؤلف حفظہ اللہ تعالیٰ بہت تیزی سے گزر گئے ہیں جس میں انہوں نے فرمایا کہ علم الغیب محض صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ثابت ہے، پھر اس کے بعد یوں فرمایا" وقد ثبت ان اللہ تعالیٰ علم نبیہ من الغیب، ما علمہ واعطاہ ما اعطاہ (اور بتحقیق یہ بات ثابت ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جس قدر غیب کا علم دینا تھا دیا اور جس قدر نوازنا تھا، نوازدیا) اور یہ درست بات ہے کہ اس سے مراد وہ تمام غیب کی خبریں ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعہ بتائیں،

toobaa-elibrary.blogspot.com

لیکن بہت سے لوگ ایسے ہیں جو حضور ﷺ کی طرف ان خبروں کی نسبت پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ وہ اس میں یہ اضافہ بھی کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کو ان تمام چیزوں کا علم ہے جو اب تک ہیں اور جو تا قیامت ہوں گی۔ اس لیے کبھی اس طرح کے اجمال سے اسی نظریہ کا وہم ہوتا ہے، جس پر جمہور علماء اہل سنت نے ہمیشہ مفصل رد کیا ہے۔

۳۔ اسی طرح مؤلف نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہ بھی فرمایا:

فانه حی الدارین دائم العنایة بانعم متصرف باذن الله فی شئونها خبیر باحوالها تعرض علیه صلوات المصلین عن امة ویبلغه سلامهم علی کثرتهم

کہ آپ علیہ السلام حی الدارین ہیں اور اپنی امت پر برابر نوازشات فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم سے امت کے مختلف امور میں تصرف فرماتے ہیں اور ان کے احوال سے واقف ہیں۔ آپ علیہ السلام پر ان کے امتیوں میں سے درود پڑھنے والوں کا درود پیش کیا جاتا ہے، اور ان پر کثرت سے سلام بھیجنا ان تک پہنچایا جاتا ہے۔

جبکہ ظاہر ہے کہ یہ تصرف ایسا تصرف نہیں ہے جو کل اور مطلق ہو، اور نہ آپ ایسے "خبیراً باحوالها" (ان کے تمام احوال سے باخبر) ہیں کہ آپ کو جملہ جزئیات کے ساتھ تمام ہی علم محیط حاصل ہو، کیوں کہ یہ ایک باطل عقیدہ ہے، جس کا علماء اہل سنت سے کوئی تعلق نہیں، در حقیقت اس سے مراد ایسے بعض تصرفات ہیں جو نصوص سے ثابت ہیں۔ جیسے کہ انہوں نے مثال پیش کی کہ آپ علیہ السلام پر درود وسلام پیش کیا جاتا ہے اور آپ اس کا جواب بھی دیتے ہیں، لیکن اندیشہ ہے کہ مؤلف کی تعبیر سے خلاف مقصود کا وہم ہو، اور دوسرے فریق کے بعض غالی طبیعت کے لوگ اس سے استدلال کریں۔

مؤلف بالیقین لائقِ تحسین ہیں، جیسا کہ اس طرف پہلے بھی ہم نے اشارہ کیا کہ انہوں نے مسلمانوں کی تکفیر کے معاملے میں جو احتیاط لازم ہے اس پر کافی زور دیا ہے۔ پس جب تک کسی کے کلام کا کوئی درست محمل یا کوئی ایسا محمل جس سے علی الاقل تکفیر لازم نہیں آتی، ہو سکتا ہو تو اس کی تکفیر نہ کی جائے۔ لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ ایک ہے تکفیر، اور ایک ہے کسی شخص کو باطل اور موہم بات کرنے سے روکنا، تکفیر میں احتیاط یہ ہے کہ جہاں کہیں توسع وگنجائش ہو وہاں تکفیر سے باز رہنا، لیکن جہاں تک ثانی الذکر معاملہ ہے تو ان جیسے موہم کلمات کی حوصلہ شکنی کرنا اور ان کی ادائیگی سے روکنا بہر حال اہل علم کا فریضہ ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس سے متعلق مؤلف کا یہ قول:

فالقائل: یا نبیَّ اللہ اشفنی واقض دینی، لو فرض ان احداً قال ھذا فانما یرید اشفع لی فی الشفاء وادع لی بقضاء دینی وتوجہ الی اللہ فی شأنی فھم ما طلبو منہ الا ما اقدرھم اللہ علیہ ومنکم ایاہ عن الدعاء والتشفع ... فالاسناد فی کلام الناس من المجاز العقلی (ص: ۹۵)

اگر کوئی کہے ''اے اللہ کے نبی! مجھے شفاء دے دیجیے۔ اور میرا قرض اتار دیجیے'' اگر فرض کیا جائے کہ اس سے مراد وہ یہ لیتا ہے کہ میری شفاء کے لیے (اللہ کے حضور) سفارش فرمادیجیے، اور میرے قرض کے اترنے کی دعا فرمادیجیے اور میری پریشانی دور کرنے کے لیے اللہ سے رجوع فرمائیے، تو اس سے اس کا مطلوب اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقدر کیا اور انہیں اس بات کا اختیار دیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا اور سفارش کی درخواست کریں... خلاصہ یہ کہ لوگوں کے اس طرح کے کلمات کو مجازِ عقلی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

یہ ایک ایسی تاویل ہے جس کی اس حد تک تو گنجائش ہے کہ کسی کی تکفیر نہ ہو اور یہ مؤمنین سے حسنِ ظن کی قبیل سے ہے، لیکن یہ حسن ظن صرف ان لوگوں کے حق میں کارگر ہے، جواز خود اپنے کلام میں اس طرح کی تاویل کو نظر انداز نہ کرتے ہوں، لیکن وہ لوگ جو بذاتِ خود اس تاویل پر راضی نہ ہو، جیسے کہ اس طرح کے بہت سے لوگ ہمارے علم میں ہیں، تو ایسی صورت میں ان کے اپنے کلام کی ایسی بے جا تاویل کیسے کرلی جائے جبکہ وہ خود اس پر راضی نہیں ہیں؟

مزید برآں! حضور ﷺ سے دعا کرنے میں بھی کلام ہے، پھر اس پر یہ تاویل اگرچہ قائل کی تکفیر سے کفِ لسان کے لیے کافی ہوسکتی ہے، لیکن کیا اس طرح کے کلمات استعمال کرنے کی حوصلہ افزائی کی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں! بلکہ ایسی بات سے یقیناً منع ہی کیا جائے گا، تاکہ علی الاقل تشبہ اور وہم سے بچا جاسکے، جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے غلام کے لیے عَبْدِیْ کا لفظ استعمال کرنے سے منع فرمایا، کیوں کہ اس سے وہم ہوتا ہے، پس میرے نزدیک ہر اس شخص پر جو اس طرح کے قائلین کے لیے تاویل کا سہارا لیتا ہے، اس طرح کے کلمات کے استعمال کے ممنوع ہونے کی صراحت کرنا واجب ہے، تاکہ اس طرح کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

موہم کلمات استعمال کرنے کے بعد پھر اس کی تاویل پر تحریض و تشجیع نہ ہو، کیوں کہ یہ وہ چراگاہ ہے، جس کے گرد بھی اگر کوئی پھٹکے گا، تو عنقریب اس میں گھس جائے گا، اور یہی بات دعاء میں توسل، اور غیر اللہ کو مطلق "مفرج الکربات" (مشکل کشا) اور "قاضی الحاجات" (حاجت روا) سمجھنے میں بھی ملحوظ رہے۔

۵۔ مولف حفظہُ اللہ نے بدعت کی ۲ قسمیں ذکر کی ہیں، حسنہ اور سیئہ، اور اول کو چھوڑ کر دوسرے پر نکیر کی ہے۔ حالانکہ لغوی معنیٰ کے لحاظ سے لفظ بدعت کی صراحت کی وجہ سے یہ تقسیم درست ہے، اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس معنیٰ میں اسے ان الفاظ میں استعمال کیا ہے، نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ کیا خوب بدعت (جدت) ہے یہ! جبکہ اصطلاحی معنیٰ میں بہر حال بدعت سیئہ ہی ہوتی ہے۔ جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ان الفاظ میں مراد کیا ہے، "کل بدعة ضلالة" ہر بدعت گمراہی ہے۔

۶۔ مؤلف خصائص نبوی کے بیان سے بھی موفّق ہوئے ہیں، فرماتے ہیں:

والانبياء صلوات الله عليهم وان كانوا من البشر يأكلون يشربون، وتعتريهم العوارض التي تمر على البشر من ضعف وشيخوخة وموت، الا انهم يمتازون بخصائص ويتصفون بأوصاف عظيمة جليلة هي بالنسبة لهم من الزم اللوازم ...الخ (ص:۱۲۷)

اور انہیں وہ تمام عوارض بھی لاحق ہوتے ہیں، جس سے ایک انسان گزرتا ہے، جیسے کمزوری، بڑھاپا اور موت وغیرہ، بس فرق یہ ہے کہ وہ اپنی بلند تر خصوصیات کے باعث امتیازی شان کے حامل ہیں اور عظیم المرتبت اوصافِ حمیدہ سے متصف ہیں۔ جو حد درجہ لازمی و ضروری ہونے کی حیثیت سے انہی کے لائق و سزاوار ہے۔

اس کے بعد انبیاء کرام کی کچھ خصوصیات ذکر کی ہیں، بالخصوص نبی ﷺ کی خصوصیات بیان کی ہیں، تاکہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ آپ علیہ السلام اپنی صفات واحوال میں اوروں کے برابر ہیں، والعیاذ باللہ، حق بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کی خصوصیات اس قدر بلند درجے کی ہیں کہ ہم تصور بھی نہیں کر سکتے، لیکن ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس سے بالاتر ہیں کہ ضعیف روایات کے سہارے آپ کی خصوصیات ثابت کی جائیں، کیوں کہ آپ علیہ السلام کی خصوصیات کے حوالے سے قرآن اور سنت صحیحہ سے ثابت شدہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

نصوص کے مقابلے میں وہ روایات ضعیفہ جن میں آپ کی خصوصیات کا ذکر ہے، نہ صرف یہ کہ کثیر تعداد میں ہیں، بلکہ سنداً درجۂ کمال تک پہنچی ہوئی اور دلوں کے لیے غایت درجہ پُر اثر ہیں، جیسے کہ ایک روایت ہے، انه لم یکن له ظل فی شمس ولا قمر، کیوں کہ یہ جمہور علماء محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

۷۔ مؤلف سلمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان الاجتماع لأجل المولد النبوی الشریف ما هو الا امر عادی، ولیس من العبادة فی شیء وهذا ما نعتقده

مجلس میلاد (النبی ﷺ) کی حیثیت امورِ عادیہ کی سی ہے، عبادت نام کی اس میں کوئی بات نہیں، ہم یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

نیز فرماتے ہیں:

ونحن ننادی بأن تخصیص الاجتماع بلیلة واحدة دون غیرها هو الجفوة الکبری للرسول صلی الله علیه وسلم

اور ہم بانگ دہل کہتے ہیں کہ اس اجتماع کو کسی ایک رات کے ساتھ اس طرح خاص کرنا کہ کسی اور رات میں (اسے منعقد کرنا درست ہی) نہ (سمجھا جاتا) ہو، یہ رسول اللہ ﷺ سے بڑی بے رخی برتنا ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ کا مبارک ذکر، اور سیرتِ طیبہ کو بیان کرنا بڑی ہی برکتوں کا موجب اور افضل ترین سعادت ہے۔ اور اگر میلاد شریف کا اجتماع کسی دن یا تاریخ کے ساتھ مقید نہ ہو اور ایک مخصوص دن کسی خاص ہیئت کے ساتھ اجتماع کے انعقاد سے عبادت مقصودہ کا عقیدہ بھی نہ ہو تو ان شرائط کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ذکر کے لیے اجتماع کا انعقاد جائز ہے، جس پر نکیر یا ملامت درست نہیں۔ لیکن یہاں ایک اور پہلو ہے جس کو اکثر علماءِ محققین وربانیین نے اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ اجتماع اگرچہ فی نفسہ جائز ہے، مگر بہت سے لوگ اسے عبادات مقصودہ یا واجبات دینیہ میں سے خیال کرتے ہیں اور اس کے لیے اس اہمیت سے دنوں کو معین ومختص کرتے ہیں، جس سے بعض لوگوں کے اعتقادات انتہائی حد تک خراب ہوتے ہیں، اور وہ ایسے کاموں میں مبتلا ہوتے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، پھر سب سے بڑھ کر اس طرح کے امور میں عوام الناس کا عادت اور عبادت کے مابین فرق کی رعایت رکھنا انتہائی مشکل ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

انہی باتوں کو دیکھتے ہوئے جن کی اہمیت وضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، علماء اس طرح کے اجتماعات سے منع کرتے ہیں، جس سے ان کے پیش نظر جہاں (بہت سی نئی نئی ایجادات کا) سد باب ہے، وہیں وہ یہ بھی جانتے ہیں "درء المفاسد اولیٰ من جلب المنفعۃ" کہ مفاسد سے بچے رہنا فائدہ اٹھانے کی بنسبت زیادہ اولیٰ ہے، چونکہ یہ بھی شرعی دلیل سے استدلال کرتے ہیں، اس لیے کسی قسم کی نکیر یا ملامت کے مستحق نہیں ہیں۔

ان جیسے مسائل میں وہی راستہ اختیار کیا جائے جو مجتہد فیہ مسائل میں اپنایا جاتا ہے، اور وہ یہی ہے کہ ہر شخص اس بات پر عمل کر سکتا ہے، اور ہر مفتی اس قول پر فتویٰ دے سکتا ہے، جو اسے دونوں باتوں میں بہتر معلوم ہو، لیکن یہ ہرگز درست نہیں کہ دوسرے مجتہد پر بے جا نکیر اور ملامت کا مرتکب ہو۔

ذکر کردہ یہ تعلیقات اپنی جگہ پر ہیں، تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کہ حضرت سید محمد علوی مالکی حفظہ اللہ تعالیٰ ونفع بہ الاسلام والمسلمین جو ایک محقق عالم دین ہیں، نے اپنی اس کتاب میں بہت سے ایسے مسائل ذکر کیے ہیں، جن میں عموماً لوگ غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں۔ انہوں نے ان کا حقیقی مفہوم ذکر کیا ہے، اور کتاب وسنت سے اس کے دلائل دیے ہیں، امید ہے کہ بحث ومباحثہ اور تکرار سے بالاتر ہو کر چشم انصاف اور روح ادراک کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے گا، تو یقیناً فائدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ کا مصداق بنائے جس کی رو سے ہم سمیت سارے ہی مسلمان انصاف قائم کرنے والے، اللہ کی خاطر گواہی دینے والے بنیں، چاہے وہ گواہی ہمارے اپنے خلاف پڑتی ہو، انہ تعالیٰ سمیع قریب مجیب الداعین، وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

مفتی محمد رفیع عثمانی
رئیس دار العلوم کراچی

محمد تقی عثمانی
خادم الطلبہ بدار العلوم کراتشی

toobaa-elibrary.blogspot.com

اصول التکفیر

۱۴۲۷ھ ماہ ربیع الاول کے اواخر ۲۰۰۶ء اپریل کے مہینے میں مملکت اردن ہاشمی کے مقتدر بادشاہ کے مشیر خاص و نمائندہ خصوصی جناب امیر غازی بن محمد کی طرف سے بھیجا گیا ایک خط مجھے موصول ہوا، جس میں انہوں نے تکفیر کے موضوع سے متعلق کچھ سوالات کیے، جن کا میں نے قدرے تفصیل سے جواب دیا، جنہیں جناب محترم نے نہ صرف کتابچہ کی شکل میں شائع کیا، بلکہ انٹرنیٹ پر بھی مہیا کر دیا۔ مزید نفعِ عام کے لیے انہیں دوبارہ نشر کیا جاتا ہے۔

واللہ سبحانہ ھو الموفق

محمد تقی عثمانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از طرف امیر غازی بن محمد حفظہ اللہ ورعاہ

بخدمت فضیلۃ الشیخ الدکتور تقی عثمانی الاکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ خط آپ کی خدمت میں اس حال میں پہنچے کہ آپ صحت وعافیت کی نعمت سے بہرہ مند ہوں، آپ اصحاب علم وفضل کی خدمت میں تین اہم سوالوں کے سلسلے میں اس امید پر رجوع کرتے ہیں کہ ان کا تسلی بخش جواب مرحمت فرمائیں گے۔

ہمارے پاس مسلمانوں وغیر مسلموں دونوں ہی کی طرف سے اسلامی اتحاد و اسلامی مذاہب کے مابین ہم آہنگی کے حوالے سے بہت سے سوالات آئے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ ان سوالوں کو آپ کی خدمت میں بغرض توضیح واصلاح پیش کریں، سوال یہ ہے کہ ایسے مذاہب جو سنی اسلام کے حامل نہیں، حقیقی یا کسی اور معنی میں اسلام کا جزو ہو سکتے ہیں؟

مذاہب اسلامیہ میں سے کوئی مذہب جس کی پیروی کی جاتی ہے، اور وہ شائع وذائع ہیں، جیسے اہل ظواہر، جعفری، زہری اور اباضی وغیرہ مذاہب کو مسلمان شمار کیا جاسکتا ہے؟

دوسرا سوال بھی پہلے ہی سے متعلق ہے اور وہ یہ کہ عصر حاضر میں تکفیر کی حدود کیا ہے؟ کیا کسی مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی تکفیر کرے، جو رائج اسلامی مذاہب، کی پیروی کرتا ہے یا اشاعرہ کے عقیدہ پر قائم ہے، اس کے علاوہ کیا ایسے لوگوں کی تکفیر جائز ہے جو حقیقی صوفیت کے راستے پر گامزن ہیں، نیز صحیح سلفی فکر والے لوگوں کا کیا حکم ہے؟

تیسرے یہ کہ دینِ اسلام میں حقیقی مفتی کسے مانا جائے؟ نیز فتویٰ صادر کرنے والے کی بنیادی سندات وقابلیت کیا ہونی چاہیے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہم آپ کے بے حد ممنون ہوں گے اگر ہمارے لیے کچھ وقت نکالیں، تاکہ ہم آپ کے گرانقدر علم اور فیض سے بہرمند ہوسکیں۔ واقبلوا فائق الاحترام والتقدیر

غازی بن محمد

الدیوان الملکی الہاشمی العامر

۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

بمطابق ۲۴ نیسان میلادیہ ۲۰۰۶ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت امیر برائے صدارتی امور جناب غازی بن محمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد التسلیم وبصد آداب وتکریم! والانامہ باعث مسرت ہوا، امت مسلمہ کو ایک پلیٹ فارم پر لانے اور ان کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے و فرقہ بندی کے خاتمہ کے لیے آپ کی جملہ مساعیِ حسنہ حد درجہ قابلِ تحسین ولائق صد مبارک باد ہے، مرسلہ خط میں آپ نے مجھ سے تین سوالوں کے متعلق استفسار کیا ہے، آپ کی قابل ستائش پیش رفت کے مدنظر تینوں سوالوں کے جوابات پیش خدمت ہیں:

پہلا سوال

قبل اس کے کہ اس سوال کا جواب میں قدرے تفصیل سے عرض کروں، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اسلامی ممالک میں پیش آمدہ افسوس ناک صورت حال پر کچھ گفتگو کروں، اور وہ یہ ہے کہ فی زمانہ لوگوں کا ایک بہت بڑا طبقہ معاذاللہ افراط وتفریط کا شکار ہوتا جارہا ہے، جن میں بعض وہ لوگ ہیں جو ایسے فروعی مسائل میں بھی جو اصولیات وضروریات دین کے تحت نہیں آتے، اگر کسی کو دیکھتے ہیں کہ وہ ان کے قول کے خلاف کوئی اور قول اختیار کرتا ہے، یا ان کے مسلک سے ہٹ کر کوئی مسلک اپناتا ہے، تو بس فوراً اسے کفر تک پہنچادیتے ہیں، حالانکہ وہ فروعی نوعیت کے مجتہد فیہ مسائل ہیں، جن میں اسلام کے اول زمانے سے ہی علمی اختلاف رہا ہے، ان کے اس عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کا دامن انتہائی تنگ ہے، اور جو کوئی اس سے ایک انچ بھی باہر کی طرف نکلا چاہتا ہی ہو کہ بس فوراً وہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، دوسری جانب بعض وہ لوگ بھی ہیں جو ہر اس شخص کو مسلمان ماننے کو تیار ہیں جو اسلام کا دعوے دار ہو، اور کسی حال میں بھی اس کی تکفیر کا حکم نہیں لگاتے، اگرچہ وہ ان اصولیات وضروریات دین کا انکار ہی کرتا ہو، جن سے دینِ اسلام دیگر ادیان سے ممتاز ہوتا ہے، جیسے کہ اسلام کی کوئی حقیقت سرے سے ثابت ہی نہ ہو، اور وہ خول در خول ایسے کپڑے کی مانند ہے، جس میں ہر قسم کے گمراہ کن باطل نظریات سما سکتے ہیں۔ چنانچہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہر کس و ناکس مدعیِ اسلام کو مسلمان سمجھنے کا نظریہ فی زمانہ بہت عام ہو چکا ہے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو مذکورہ ہر دو وجوہ باطل اور بے اصل ہیں، جو اپنے اندر فتنوں اور مسلمہ امہ کے درمیان دراڑ کا پتہ دیتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور ایمان ایک ایسی حقیقت ہے جو ثابت بالنص ہے اور مضبوط بنیادوں پر قائم ہے، کسی بھی شخص پر مسلمان ہونے کا حکم لگانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دین اسلام کا حامل اور اس کے ضروریات کا قائل ہو۔ یہی وہ واضح حقیقت ہے، جس سے بہت سے فروعی مسائل میں ایسے فروعی اختلافات کی گنجائش نکلتی ہے، جس کی خود دین اسلام نے گنجائش دی ہے، لہٰذا محض فروعی اختلافات کی وجہ سے کسی کی تکفیر جائز نہیں۔ اسی طرح اس حقیقت کی نفی اس صورت میں بھی نہیں ہوتی جب کہ کوئی شخص فروعی نوعیت کے مسئلے میں اپنے عمل یا عقیدے میں غلطی کا ارتکاب کرتا ہے، لہٰذا جب تک کہ وہ ان اصولیات دین پر کاربند ہے، جن پر کفر و اسلام کا مدار ہے۔ اس کی تکفیر درست نہیں، البتہ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس غلطی کی اصلاح کی فکر کرے۔

پس اگر ہم چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد قائم رہے تو مذکورہ ہر دو قسموں سے دور رہنا انتہائی ضروری ہے اور جیسے ہم پر ان لوگوں سے براءت واجب ہے جو محض فروعی اختلافات کی وجہ سے مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں، اسی طرح ان لوگوں سے بھی علیحدگی ضروری ہے جو ہر اس باطل نظریے کو اسلام میں جگہ دینے کے درپے ہیں، جس کا ملتِ اسلامیہ کے نزدیک اصولیاتِ دین سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

مزید برآں! ہم پر یہ بھی واجب ہے کہ ہم اس حقیقت سے عوام الناس کو آگاہ کریں کہ کس طرح بہتر سے بہتر انداز میں اسلام کو تعبیر کیا جا سکتا ہے، تاکہ ہم اسلام کی راہ اعتدال پر مضبوطی سے کاربند ہوں، جو ایک ایسا کامل دین ہے جو بلا شبہ ان دونوں قسموں میں سے کسی ایک کی طرف میلان اور جھکاؤ کو قطعی طور پر قبول نہیں کرتا، قرآن و سنت کی روشنی میں اسلام کی تعریف، جس پر ملتِ اسلامیہ کا اتفاق ہے، یہ ہے:

تصدیق ما علم مجیئ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بالضرورۃ[۱۰۹]

اسلام ان باتوں کی تصدیق کا نام ہے جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لازمی و ضروری حیثیت سے لانا معلوم ہو۔

---

۱۰۹ شرح العقائد للتفتازانی: ۱۱۹/ روح المعانی: ۱/ ۱۱۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

لہٰذا جو کوئی اس تعریف کے زمرے میں داخل ہوگا وہ مسلمان ہے، اور اس کی تکفیر جائز نہیں، اسی اصول کو بنیاد بنا کر اب ان تینوں قسم کے مذاہب کا ذکر کیا جاتا ہے، جو فی زمانہ اسلام کے دعوے دار ہیں:

پہلی قسم: ان لوگوں پر مشتمل ہے، جو اسلام کا دعوی کرتے ہیں، لیکن ایسے احکام کا انکار کرتے ہیں جن کا بالضرورۃ دین سے ہونا معلوم ہے، جیسے یہ عقیدہ رکھنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبوت بدستور جاری ہے، اور وہ ان میں سے کسی ایک کی نبوت پر ایمان لاتے ہیں، جو سرے سے جھوٹے اور نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے محض جھوٹے دعوے دار ہیں، جیسے قادیانی، یا وہ لوگ جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں، کہ ہمارے ہاتھوں میں موجود یہ قرآن (معاذ اللہ) تحریف شدہ ہے، اور حقیقی قرآن نہیں ہے، جیسے کہ بعضے گروہ اور غالی قسم کے شیعہ اس طرح بکتے رہتے ہیں، یا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص صفات کو کسی بشر کے لیے ثابت کرتے ہیں، جیسے کہ اس طرف بعض علوی وغیرہ منسوب ہیں، تو اس طرح کے عقائد رکھنے والے لوگ مسلمان نہیں، اور ان کی تکفیر واجب ہے۔

دوسری قسم: ان مذاہب سے متعلق ہے جو ان تمام باتوں پر ایمان لاتی ہے، جن کا دین سے بالضرورہ ہونا معلوم ہے، لیکن ان کے درمیان فروعی نوعیت کا فقہی یا عقائد کی ان بعض تفصیلات میں اختلاف ہے، جن میں اجتہاد کا دامن وسیع ہے، ان کے درمیان واقع اس فروعی اختلاف کے باوجود ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق حق پر ہے، ان مذاہب میں سے کوئی بھی مذہب باطل نہیں، چہ جائے کہ اسے بالکل ہی خارج از اسلام قرار دے دیا جائے۔ اسی قسم میں وہ تمام فقہی مذاہب بھی داخل ہیں جن کا فقہی اختلاف معروف و مشہور ہیں۔ اور اسی میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان ہونے والے فقہی اختلاف سمیت تابعین کے ہر چہار مسالک کا اختلاف بھی شامل ہے، جیسے مذہب حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی، اسی طرح ان مجتہدین کے علاوہ وہ مجتہدین جن کے اپنے مذاہب صحیح و معتبر طریق سے مروی ہے، خواہ وہ اہل حدیث یا اہل الرائے یا ظواہر کے نام ہی سے معروف ہو جیسے حضرت امام شعبی، حسن بصری، سعید بن المسیب، سعید بن حبیب، محمد باقر، جعفر صادق، اوزاعی، لیث بن سعد، داؤد ظاہری رحمہم اللہ، اسی طرح اس قسم میں اشاعرہ و ماتریدیہ بھی داخل ہیں، اس قسم میں داخل ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ دیگر مذاہب کی تکفیر و تفسیق نہ کرے اور ائمہ میں سے کسی امام کے لعن طعن یا بے ادبی و گستاخی کے مرتکب نہ ہوں۔

حق بات یہ ہے کہ علمی حلقوں کے درمیان ہونے والے یہ اختلافات علمی اور اجتہادی نوعیت کے ہیں، جو ہر شعبۂ زندگی سے متعلق مختلف قسم کی مشکلات و پیچیدگیوں میں غور و خوض اور فکری وسعت کی راہ ہموار

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرتے ہیں، اور یہ مقولہ اسی موقع کے لئے کہا گیا ہے اما هذه الخلافات العلمية رحمة للامة (جہاں تک علمی اختلافات ہیں تو یہ امت کے لیے رحمت ہیں۔) جس کی رو سے مذاہب میں ہر وہ مذہب درست شمار ہوگا، جو اپنے مذہب کو اس قید کے ساتھ معتبر و قابل تقلید مانتا ہے کہ اس میں غلطی کا احتمال ہے، اور دوسرے کا مذہب اس احتمال کے ساتھ غلط خیال کرتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ درست ہو، جیسے ان مذاہب کے پیروکاروں نے اپنی کتب میں اس کی صراحت کی ہے، مثلاً علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ الدر المختار ۴۸/۱ میں فرماتے ہیں:

وَفِيها إِذَا سُئِلْنَا عَنْ مَذْهَبِنَا وَمَذْهَبِ مُخَالِفِنَا قُلْنَا وجوبًا مَذْهَبنَا صَوَاب يَحْتَمِلُ الْخَطَأَ وَمَذْهَبُ مُخَالِفِنَا خَطَأٌ يَحْتَمِلُ الصَّوَابَ

جب بھی ہم سے ہمارے اور دوسرے کے مذہب سے متعلق پوچھا جائے تو ہم لازماً یہی کہیں گے کہ ہمارا مذہب درست ہے مگر غلطی کا احتمال رکھتا ہے، اور دوسرے کا مذہب غلط ہے مگر درستگی کا احتمال رکھتا ہے۔

اور یہ موقف بھی در حقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر مبنی ہے۔

إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ[۱۰]

جب کوئی حاکم فیصلہ کرے اور اجتہاد کرے تو اگر درست فیصلہ کرے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے، اور اگر فیصلہ کرے اور اجتہاد کرے پھر بھی غلطی ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

مذاہب کی تیسری قسم وہ ہے جن کے عقائد کفر کی حد تک تو نہیں پہنچتے، اس لیے کہ وہ کسی ایسی چیز کا انکار نہیں کرتے، جس کا بالضرورۃ دین سے ہونا معلوم ہے، لیکن دین کے ایسے امور کی مخالفت کرتے ہیں، جو فروعی اجتہاد تک منحصر نہیں ہے، بلکہ وہ عقیدہ کی نوعیت کے ایسے امور ہیں جو انتہائی اہمیت کے حامل ہیں، ان مذاہب کے حامل افراد میں سے ہر ایک یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ درست ہے، اور اس کا مخالف غلطی پر ہے، لیکن ایسی غلطی پر نہیں جو درجۂ کفر تک پہنچتی ہو۔ اختلاف کی یہ نوعیت وہی ہے جو اہل سنت اور ان شیعوں کے درمیان پائی جاتی ہے جو تحریفِ قرآن کا عقیدہ نہیں رکھتے، اور نہ کسی ایسی چیز کا انکار کرتے ہیں، جن کا بالضرورۃ دین سے ہونا معلوم ہو، اسی طرح اہل سنت اور زیدیہ فرقے کا اختلاف ہے، اور اہل سنت واباضیہ کا اختلاف ہے، یہ سب فرقے تب تک اس نوع میں داخل ہیں، جب تک کہ وہ ایسی کسی بات کا انکار نہ کریں، جن کا بالضرورۃ دین سے ہونا معلوم ہو۔

---

۱۰ صحیح البخاری: ۱۰۹۲/۲، کتاب الاعتصام، باب اجر الحاکم اذا اجتہد فاصاب او اخطأ، قدیمی کتب خانہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مذکورہ تفصیل سے یہ ظاہر ہے کہ یہ مذاہب باہمی طور پر اس طرح یکساں نہیں کہ وہ اسلام کی حقیقی تصویر پیش کرتے ہوں، لیکن ان کی وجہ سے کفر اور خروج از اسلام کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ الّا یہ کہ پہلی قسم جس میں ان باتوں کا انکار لازم آتا ہے جس کا بالضرورۃ دین سے ہونا معلوم ہے۔

دوسرا سوال

پہلے سوال کے تحت ہم یہ ذکر کرچکے ہیں کہ جو کوئی دین کی ایسی بات کا انکار نہ کرے، جس کا بالضرورۃ دین سے ہونا معلوم ہو، تو وہ مسلمان ہے، ان کی تکفیر جائز نہیں، لہٰذا ملتِ اسلامیہ کے ان مذاہب کی تکفیر جائز نہیں ہے، جو پہلی اور دوسری قسم میں داخل ہونے کی حیثیت سے رائج ہیں، اور فی زمانہ معروف مذاہب میں سے کون کون سے مذاہب ان دونوں قسموں میں داخل ہیں، یہ بھی ہم بتاچکے ہیں۔

جہاں تک صوفیاء سے متعلق سوال ہے تو ان کے مختلف طبقات ہیں، جن میں بعض تو وہ ہیں جو معتبر فقہی مذاہب کے مطابق شریعت پر عمل کرنے کی غرض سے اپنے آپ کو تزکیہ و اصلاح نفس میں لگائے رکھتے ہیں، ان کا کوئی عقیدہ شریعت کے ظاہری احکام کے خلاف ہے، نہ عملی طریقۂ کار میں کوئی تعارض، بلکہ وہ اپنی جملہ مساعی کو شرعی طور پر مباح طریقے سے محض تزکیہ و تربیت اخلاق پر مرکوز رکھتے ہیں، یہ طبقہ بلاشبہ دوسری قسم کے تحت داخل ہے، اور کامل مسلمان ہے۔

البتہ یہاں ایک اور جماعت بھی ہے جو اپنے آپ کو صوفیاء کا نام دیتی ہے، لیکن ان کے عقائد سے ماثبت من الدین بالضرورۃ (وہ دینی امور جو لازمی و ضروری حیثیت سے ثابت ہے) میں سے کسی نہ کسی کی نفی ہوتی ہے، جیسے شریعت مطہرہ کے ظاہری احکام کا انکار اور ایسے من گھڑت باطنی احکام کا عقیدہ رکھنا جن کی قرآن و سنت میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ تو ایسے لوگ پہلی قسم کے تحت داخل ہیں، جب کہ ان میں بعض لوگ وہ بھی ہیں جو شریعت کے کسی ظاہری حکم کا انکار نہیں کرتے، اور نہ ماثبت من الدین بالضرورۃ میں سے کسی حکم کی مخالفت کرتے ہیں، البتہ انہوں نے اپنے عقیدہ اور عمل میں ایسی الگ تھلگ اور نت نئی بدعات ایجاد کر رکھی ہیں جو جمہور امت کے قطعی خلاف ہے، تو ایسے لوگ تیسری قسم کے تحت داخل ہیں، جن کی تکفیر جائز نہیں، جہاں تک سلفی حضرات کا تعلق ہے، جو اصحاب حدیث کے مسلک کے پیروکار ہیں، لیکن ائمۂ مجتہدین میں سے کسی پر لعن طعن نہیں کرتے، اور نہ ان لوگوں پر طعن کرتے ہیں جو ان کے مذاہب

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے پیرو کار ہیں، تو یہ لوگ بھی دوسری قسم میں داخل ہے، تاہم ان میں بعض لوگ وہ بھی ہیں، جو رائج فقہی مذاہب کے بطلان کا عقیدہ رکھتے ہیں، اور اپنے ہر مخالف پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، اگرچہ فروعی مسائل میں ہی ہو، تو یہ لوگ بھی تیسری قسم کے تحت داخل ہیں، بہر حال ہر دو صورتوں میں ان کی تکفیر جائز نہیں۔

تیسرا سوال

دین اسلام، مسیحی یا دیگر ادیان باطلہ میں سے کسی من گھڑت نظام کا قائل نہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی کا حکم معتبر نہیں، جہاں تک علماء کرام ہیں تو وہ اسلامی احکام کو مشروع کرتے ہیں اور نہ ہی اپنی طرف سے "بناتے ہیں" بلکہ جو احکام (پہلے سے) قرآن کریم اور سنت رسول سے ثابت ہیں، ان کی تشریح کرتے ہیں، اور "بتاتے ہیں"۔ پس احکام شریعت کی تشریح کے لیے اس قدر بھرپور استعداد و قابلیت درکار ہوتی ہے، جس سے قرآن و سنت کی نصوص کے صحیح فہم و ادراک کا ملکہ حاصل ہو۔ لہٰذا اسلامی احکام سے متعلق فتویٰ دینے والا احکام کا شارع (بنانے والا) نہیں ہوتا، بلکہ ان کا شارح (بتانے والا) ہوتا ہے، جنہیں پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور نبی ﷺ نے اپنی سنت میں مشروع فرمادیا ہوتا ہے، جن پر صدیوں سے شریعتِ مطہرہ کا مدار ہے۔ اور علامہ ابن قیم جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں یہ ہے:

فَإِنَّهُ مُوَقِّعٌ عَنِ اللهِ وَرَسُولِهِ[۱]

کہ یہ (شرعی مسئلہ بتانے والا) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے دستخط کرنے والا ہے۔

لہٰذا ہر چلتے پھرتے اور ایرے غیرے کے لئے فتویٰ دینا جائز نہیں، کیوں کہ یہ بڑی ذمہ داری ہے، جسے وہی نبھا سکتا ہے جسے تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، اور اصولیات میں تبحر علمی حاصل ہو، جس نے ان فنون کے ایسے ماہر اساتذہ کرام و معلمین سے علم کا وافر حصہ پایا ہو جنہوں نے اس علم کو سینہ بسینہ آگے پہنچایا، اسی طرح ہر اس شخص کے لیے جو فتویٰ صادر کرے، ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانے کے لوگوں کے احوال اور ان میں رائج عرف سے بھی مکمل واقف ہو۔

امتِ محمدیہ میں صدیوں سے جو طریقہ کار برابر چلتا آرہا ہے، یہی ہے کہ علوم شرعیہ کا محض رٹ

[۱] اعلاء الموقعین: ۴/۱۴۴، لا یطلق المفتی الجواب اذا کان فی المسئلة تفصیل، دار الکتب العلمیة

toobaa-elibrary.blogspot.com

لینا کسی آدمی کے لیے فتویٰ دینے کی اہلیت پیدا نہیں کرتا۔ جب تک کہ وہ اپنے زمانے کے مقتدر علماء و مفتیان کے زیر سایہ رہ کر اسے سیکھ نہ لے، کیوں کہ فتویٰ دینے کے لیے ایسی دینی بصیرت اور فقہی صلاحیت درکار ہوتی ہے، جو عموماً محض درسی کتابیں پڑھ لینے سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لیے عملی تجربہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جیسے ڈاکٹر کہ اسے میڈیکل کی درسی کتابیں پڑھ کر مریضوں کے علاج معالجہ کی اجازت نہیں دی جاتی، بلکہ اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ کسی ڈاکٹر کے پاس ایک عرصہ رہ کر عملی تجربہ حاصل کرے، جو اس میدان کا ماہر تجربہ کار اسپیشلسٹ ہو، مفتی کا یہی وہ مفہوم ہے جس پر اکابر علماء و مفتیان نے اصول فتویٰ سے متعلق اپنی کتابوں میں زور دیا ہے۔ جس کے لئے ان کتابوں کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے۔[۱۱۱]

افسوس ہے کہ مفتی کے اس حقیقی مفہوم سے فی زمانہ اکثر لوگ غافل ہیں، بس جسے کچھ تھوڑی بہت شہرت مل جائے یا کوئی سیاسی لیڈر ہو یا پارٹیوں میں سے کسی پارٹی کا کوئی قائد، فتوے صادر کرنے میں کوئی موقع فروگزاشت نہیں کرتا، اگرچہ اسے علوم شرعیہ میں مطلوبہ صلاحیت نہ ہو، اور عوام الناس کا حال یہ ہے کہ وہ ان کی شہرت کی وجہ سے برابر فریب کا شکار رہتے ہیں، اور اس کے فتویٰ کو حکم شرعی سمجھ لیتے ہیں، اگرچہ وہ اس حکم کے صریح خلاف ہی ہو، جس پر صدیوں سے امتِ مسلمہ عمل پیرا ہے۔

الغرض ایسے بے معنی اور شاذ فتووں کو یکسر مسترد کردینا ضروری ہے، جن سے مسلمانوں میں تفریق اور اختلافات کو بڑھاوا ملتا ہے، اور جس نے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کردیا ہے، ان کی طاقت و قوت کو کھوکھلا کردیا ہے اور جن سے دشمنانِ اسلام کے عزائم کو تقویت ملتی ہے۔

یہی وہ موقف ہے جو میں قرآن اور سنت نبویہ مطہرہ کی روشنی میں درست سمجھتا ہوں، اور ملتِ اسلامیہ کے اہل علم کا جس پر اجماع پاتا ہوں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اور اسی ذات وحدہ لاشریک سے ہم اپنی غلطیوں کی اصلاح چاہتے ہیں، اور رشد وہدایت کا سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہر قسم کی فکری و عملی گمراہی سے دور رکھے اور جس سمت میں اس ذات بزرگ وبرتر کی رضا ہے، اسی طرف ہماری رہنمائی فرمائے، اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو برابر توفیق اور کامیابی و کامرانی عطا فرمائے۔ اور ملک و قوم کا مفاد آپ سے وابستہ فرمائے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محمد تقی عثمانی

۱۲-۴-۱۴۲۷ھ

---

[۱۱۱] آداب الفتویٰ ۱/۷۴، شرح عقود رسم المفتی فی رسائل ابن عابدین: ۱/۱۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

گستاخانِ رسول کو نکیل ڈالنے کے لیے

امین رابطۃ العالم الاسلامی کے نام

ارسال کیا گیا مراسلہ

مارچ ۲۰۰۸ء میں مملکت پاکستان کے مقتدر علماء کی طرف سے مع دستخط آنجناب کی خدمت میں یہ مراسلہ ارسال کر کے اس طرف توجہ دلائی گئی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

گستاخانِ رسول کو نکیل ڈالنے کے لئے امین رابطۃ العالم الاسلامی کے نام ارسال کیا گیا مراسلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم جناب ڈاکٹر مصطفیٰ اوغلو

امینِ عام عالمی رابطۃ العالم الاسلامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ دینِ اسلام سے بغض و عناد کا عملی مظاہرہ کرنے والے ڈنمارک کے بعض لوگوں نے رسول اکرم سرورِ دو عالم ﷺ کے گستاخانہ خاکے شائع کرنے کی جسارت کی ہے، جس سے ملتِ اسلامیہ کے اُن غیور مسلمانوں کے جذبات پر منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں، جو رسولِ کریم ﷺ کی محبت و عقیدت کو اپنا سرمایہ گرانمایہ گردانتے ہیں، جس سے ان کے دل لبریز ہیں اور اگر کوئی مسلمان آقائے نامدار حضرت محمد مصطفی ﷺ پر دل و جان سے قربان ہو جائے تو وہ اسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی سعادت سمجھتا ہے۔ نیز آپ کے علم میں یہ بھی ہے کہ پہلی مرتبہ جب یہ گستاخانہ خاکے شائع ہوئے تھے، اس وقت بھی اس بدترین جسارت کے خلاف شرق و غرب کی مسلم کمیونٹی نے بھرپور صدائے احتجاج بلند کی تھی، یہ وہی وقت تھا جب کہ اس موضوع پر آپ کا بھی انتہائی سخت مؤقف سامنے آیا تھا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیراً، لیکن چہ جائے کہ اس احتجاج کے بعد وہ انسانیت سے گری ہوئی اس قبیح و بدترین حرکت سے باز آتے، ان کے تعصب کی آگ مزید بھڑک اٹھی اور انہوں نے ڈنمارک کے سترہ کے قریب اخبارات و جرائد میں انہیں پھر سے شائع کیا۔ جو اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ وہ اس ہرزہ سرائی و ہٹ دھرمی پر برقرار رہتے ہوئے اس ہستی کی گستاخی میں تسلسل قائم رکھنے کے خواہاں ہیں جو عالمِ کائنات میں مبعوث اللہ کے تمام رسولوں میں سب سے زیادہ مقرب و مقدس پیغمبر ہیں۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ عدد من صلی وصام او قعد وقام

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور اب یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ وہاں کے اخبارات و جرائد کی ایک بڑی تعداد کی طرف سے اس کی اشاعت کا اعادہ اور ڈنمارک حکومت کی طرف سے ان شر پسند عناصر کو نکیل نہ ڈالنا اتفاقی معاملہ یا بے وجہ نہیں ہے بلکہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سوچی سمجھی سازش ہے۔ اسی طرح یہ بھی کوئی اتفاق نہیں ہے کہ ساتھ ہی ہالینڈ کے ارکان پارلیمنٹ میں سے ایک بدبخت نے ایک فلم تیار کرنے کی شرمناک جسارت کی ہے جس میں اس نے قرآن کریم کی توہین اور اس عظیم القدر کتاب کو انتہائی گھٹیا صورت میں پیش کرنے کا منصوبہ بنایا ہے، جو اس کی پرلے درجے کی فکری پستی اور اس جلیل القدر کتاب کے خلاف کھلے ہوئے بغض و عناد کی واضح علامت ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے عظمت دی اور اعزاز بخشا۔ ہالینڈ کی گورنمنٹ کی طرف سے اس فلم کے ریلیز کرنے پر پابندی کے باوجود اس ناہنجار نے عنقریب اسے دوبارہ نشر کرنے کا عندیہ دیا ہے، اور صورت حال یہ ہے کہ ہالینڈ کی گورنمنٹ اس ہرزہ سرائی کے آگے صرف اس وجہ سے بے بس نظر آتی ہے کہ وہاں اس سلسلے میں حکومتی سطح پر تاحال کوئی قانون سازی نہیں ہوئی۔

ہر وہ فرد جو اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کے سنہرے دور سے واقف ہے، بخوبی جانتا ہے کہ مسلمانوں کا جب بھی ادیانِ باطلہ سے سامنا ہوتا ہے، تو وہ علمی انداز میں ان پر تنقید سے بالاتر ہو کر اُن کی مقتدر شخصیات کو نشانہ نہیں بناتے، جنہیں ان کے دین نے عظمت و اعزاز بخشا ہے، حتی کہ قرآن کریم، جو باوجودیکہ شرک کے خلاف سب سے بڑی دستاویز ہے، ان کے معبودانِ باطلہ پر سب وشتم سے باز رہنے کا حکم دیتی ہے۔ اس کے برخلاف یہ گورے جو مذہبی ہم آہنگی، معاشرتی اقدار، بھائی چارے اور باہمی میل جول کے دعویدار ہیں، اب اس حد تک گر چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور کتاب اللہ العزیز کے مدمقابل دشنام و بہتان ترازی، اور برسرعام گستاخی و غیر سنجیدگی کے لیے گویا اپنے آپ کو وقف کئے ہوئے ہیں، بقول اللہ تبارک وتعالیٰ:

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ [۱۱۳]

بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے، اور جو کچھ (عداوت) ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے۔ [۱۱۴]

اب وقت آگیا ہے کہ مسلمان من حیث القوم اس ہرزہ سرائی کے خلاف پوری سنجیدگی کے ساتھ سخت ردعمل کا اظہار کریں، جس نے نہ صرف ان کے مذہبی اقدار کو ٹھیس پہنچائی ہے بلکہ دنیا بھر کے عالمی

---

۱۱۳ آل عمران: ۱۱۸

۱۱۴ آسان ترجمہ قرآن: ۱/۲۱۶، آل عمران (۱۱۸) مکتبہ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

امن اور چین وسکون کو بھی تہس نہس کر دیا ہے۔ اخیراً اس جان سوخت اور قلب سوز صورتحال کے پیشِ نظر کچھ اہم گزارشات پیش کرنا چاہوں گا، جو وقت کی اہم ترین ضرورت معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ "منظمۃ المؤتمر الاسلامی" ان خاکوں اور فلم کے خلاف جسے پھر سے نشر کرنے کا اعلان کیا گیا ہے، محض احتجاجی قرار داد پر اکتفاء نہ کرے، بلکہ اب وہ وقت آیا چاہتا ہے کہ اسلامی ممالک اس جسارت پر تا ابد پابندی کے لیے نتیجہ خیز عملی اقدامات کریں، جس کے بعد مغربی ممالک گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں اور اس طرح کی توہین آمیز جرائم کے خلاف باقاعدہ قانون سازی عمل میں لائیں اور مستقل بنیادوں پر اسے ممنوع قرار دیں اور اس سنگین معاملے میں آزادیِ اظہار رائے کا عذر لنگ یکسر مسترد کر دیا جائے۔ کیوں کہ شخصیات اور مقدس کتابوں کی توہین کرنا اور انہیں نشانہ بنانا آزادی اظہار رائے کے زمرے میں کیسے آسکتا ہے؟ جب کہ دنیا بھر میں ایک عام مجرم انسان کو بھی برائی کے ساتھ مشہور کرنا معاشرتی اقدار کے خلاف سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ آزادیِ اظہار رائے سے متعارض نہیں ہے، پس اس نام نہاد آزادی کو عذر لنگ بنا کر انبیاء اور کتبِ مقدسہ پر ہرزہ سرائی کی گنجائش بھلا کیسے ہو سکتی ہے؟ دوسری طرف مختلف مغربی ممالک میں یہ قانون کیوں پاس کیا جاتا ہے کہ وہ شخص مجرم شمار ہو گا جو ہولوکاسٹ (مرگ انبوہ) کے حوالے سے شکوک وشبہات پیدا کرتا ہے، حالانکہ اس وقت وہاں اس کی توہین کی جاتی ہے، نہ اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔

۲۔ ہالینڈ کی گورنمنٹ سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اس بے ہودہ فلم پر پابندی کے لیے مؤثر اقدامات کریں۔

۳۔ دنیا بھر میں بپا احتجاج کے باوجود اگر ڈنمارک حکومت گستاخانہ خاکوں کے حوالے سے رسائل وجرائد کی حوصلہ افزائی سے باز نہ آئے تو "منظمۃ المؤتمر الاسلامی" یہ اعلان کرے کہ ان ممالک کا مؤثر انداز میں تجارتی بائیکاٹ کیا جائے۔

۴۔ "منظمۃ المؤتمر الاسلامی" اور اس کے تمام ممالک کے ارکان کے لیے مناسب ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے عالمی قانون پاس کروانے کے لیے اپنی جہد مسلسل صرف کریں۔ جس کی رو سے جو کوئی بھی انبیاء کرام اور کتبِ مقدسہ کی توہین وگستاخی کا مرتکب ہو، بدترین مجرم ٹھہرے۔

مجھے امید ہے کہ ان گذارشات پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔

واللہ سبحانہ ولی التوفیق، وصلی اللہ علی نبینا الحبیب خاتم الانبیاء والمرسلین، والحمد للہ رب العالمین

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرار داد تکفیرِ قادیانیت

قادیانیت سے متعلق جنوبی افریقہ کے غیور مسلمانوں کی جانب سے عالمی مجمع الفقہ الاسلامی کو پیش کیے گئے سوالات کا مجوزہ جواب، ساتھ ہی اس اہم مسئلہ پر مجمع الفقہی کی طرف سے صادر کردہ قرار داد بھی منسلک ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت حضرت علامہ حبیب بلخوجہ حفظہ اللہ تعالیٰ

الامین العام لمجمع الفقہ الاسلامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جیساکہ آپ بخوبی واقف ہیں کہ قادیانی گروہ ان گمراہ اور دین سے قطعی منحرف مذاہب میں سے ایک ہے جنہیں اسلام اور مسلمانوں سے ذرہ برابر بھی کوئی واسطہ نہیں اور اسلامی ممالک کے اکثر خطوں کے مقتدر علماء ومفتیان کا اس کے کفر پر اتفاق ہے، حتیٰ کہ پاکستانی گورنمنٹ نے ۱۹۷۴ء میں قانونی سطح پر باقاعدہ ایک قرارداد پاس کی ہے: جس کی رو سے انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا ہے، اس سے بڑھ کر خوش آئند اقدام اس مملکت میں یہ بھی ہوا ہے کہ گذشتہ سال سے ان پر ان تمام شرعی اصطلاحات کے استعمال پر بھی پابندی عائد کردی گئی ہے، جس سے اس فرقہ کے دین اسلام کے ساتھ کسی قسم کے تعلق کا تصور اجاگر ہو، جیسے مسجد، اذان، صحابہ، امہات المومنین، وغیرہ، بالکل اسی طرح جیسے کہ رابطۃ العالم الاسلامی نے ۱۹۷۳ء میں اس گمراہ اور دین سے منحرف فرقہ کے کافر ہونے کے حوالے سے باضابطہ قرارداد پاس کی تھی۔

اس سب کے باوجود اس فرقہ نے جنوبی افریقہ کے شہر کیپ ٹاؤن کی عدالت عظمیٰ میں مسلمانوں کے خلاف یہ مقدمہ دائر کردیا ہے کہ مسلمان انہیں کافر سمجھتے ہیں اور اپنی مسجدوں میں نماز پڑھنے اور اپنے قبرستان میں ان کے مردوں کی تدفین پر قدغن لگاتے ہیں، غرضیکہ اس قراداد کے ذریعے عدالتِ عظمیٰ سے ان کا یہ مطالبہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف یہ فیصلہ صادر کرے کہ وہ انہیں کافر نہ سمجھیں اور مسلمان قرار دیں۔

ان کے اس مقدمہ پر عدالتِ عظمیٰ نے اوّل وہلہ میں مسلمانوں کے خلاف یہ فیصلہ صادر کردیا ہے کہ وہ انہیں اپنی مساجد میں آنے سے اس وقت تک نہیں روک سکتے جب تک کہ یہ قضیہ اپنے منطقی انجام کو نہیں پہنچ جاتا، عدالت کے اس فیصلہ پر وہاں کے مسلمانوں کا واضح ردعمل سامنے آیا ہے، اور انہوں نے عدالت سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ جلد بازی میں کیے گئے اس فیصلہ کو کالعدم قرار دے، اور عدالت عظمیٰ کی طرف سے صحیح معنوں میں تحقیقات کرائے جانے کے بعد درست فیصلہ آنے تک اول وہلہ میں ہی مسلمانوں کو اپنے قانونی حق سے روکنے کی مجاز نہیں کہ وہ قادیانیوں کے حوالے سے اپنے سابقہ رویہ سے باز

toobaa-elibrary.blogspot.com

آئیں، چنانچہ اس معاملے کو اپنے منطقی انجام تک پہنچانے کے لئے ہم دس افراد کے وفد نے پاکستان سے جنوبی افریقہ کا سفر کیا، تاکہ اس سنگین معاملے میں وہاں کے غیور مسلمانوں کی معاونت کریں، اور الحمدللہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابتدائی طور پر خصوصی نصرت فرمائی اور عدالت عظمیٰ نے فریقین کے دلائل سننے کے بعد اپنے سابقہ فیصلہ پر نظر ثانی کرتے ہوئے اسے کالعدم قرار دے دیا، حالاں کہ اس مقدمہ کی سماعت کرنے کے لئے مقررہ جج صاحبہ ایک نصرانی خاتون تھیں، جنہوں نے ہمارے دلائل کو پوری توجہ وانہماک اور غایت درجہ اہتمام سے سنا۔

بعد ازاں مسلمانوں نے عدالت عظمیٰ کے سامنے یہ مطالبہ پیش کیا کہ قادیانیت کے مسلم یا غیر مسلم ہونے کا قضیہ در حقیقت ایک خالص دینی معاملہ ہے، جس میں ایک سیکولر گورنمنٹ کو مداخلت کا کوئی حق نہیں، بالخصوص جبکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے تمام پیروکار ملت اسلامیہ سے قطعی طور پر خارج ہیں، لہٰذا ایک خالص دینی معاملے میں اہل اسلام کے اجماع کے بعد اس قضیہ کو موضوع بحث بنانے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے دائر کردہ اس درخواست کی سماعت کے لئے جو جج مقرر کیا گیا ہے وہ ایک یہودی ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ قادیانیوں کا مرکز اسرائیل میں ہے، اور ان لوگوں کا یہودیوں سے چولی دامن کا ساتھ ہے، اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ یہ یہودی قاضی بھی یہودیت کے اس نووجود پذیر متعصب فرقے سے تعلق رکھتا ہے جس نے آرتھوڈوکس فرقہ کو اپنے دائرہ سے نکال باہر کیا ہے۔ جس کے باعث طبعی طور پر وہ قادیانیوں سے ہم آہنگی رکھتا ہے، نتیجہ یہ کہ اس نے دائر مقدمہ میں مسلمانوں کے خلاف فیصلہ دیا ہے، اور اپنے حکم نامہ میں کہا ہے کہ کسی بھی قسم کی شنوائی کے لئے بہرحال یہ سیکولر عدالت ہی ہے، اور وہ ایسا فیصلہ صادر کرنے کی مجاز ہے جو مذہبی تعصب کو ہوا نہ دے، لہٰذا عدالت عظمیٰ اس دینی مسئلہ میں مداخلت اور غیر جانبدارانہ رائے کا حق محفوظ رکھتی ہے۔

اس فیصلہ کے بعد مسلمانان جنوبی افریقہ میں سخت اضطراب پایا جاتا ہے اور وہ اس حوالے سے فکر مند ہیں کہ قادیانیوں کی تکفیر کے مفصل دلائل کتاب اللہ، سنت رسول، اور اجماع امت سے عدالت عظمیٰ کے سامنے پیش کریں۔

دوسری طرف قادیانیوں نے مسلمانوں کے سامنے یہ مطالبہ رکھا ہے کہ وہ اپنے اس دعویٰ کو ثابت کریں کہ تمام ممالک کے مسلم علماء کا قادیانیوں کے کفر پر اجماع ہے، اور انہوں نے عدالت کے سامنے یہ موقف

toobaa-elibrary.blogspot.com

پیش کیا ہے کہ پورے عالم اسلام میں کوئی ایسا پلیٹ فارم نہیں ہے جو تمام اسلامی ممالک کے علماء کی ترجمانی کرے، جس کی طرف سے دلائل سے کوئی فیصلہ آنے کے بعد یہ مان لیا جائے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔

اس اہم معاملے میں وہاں کے مسلمان اس بات کے شدت سے محتاج ہیں کہ علماء کی ایسی عالمی مجلس شوریٰ قادیانیوں کے کفر کے حوالے سے فتویٰ صادر کرے جو پوری ملت اسلامیہ کا ترجمان ہو، اور شک نہیں کہ اس وقت موجود دنیا بھر کی اسلامی تنظیموں میں مجمع الفقہ الاسلامی ہی وہ سب سے بڑی تنظیم ہے جو عالم اسلام کی ترجمان تنظیم تصور کی جاتی ہے۔ لہٰذا جنوبی افریقا کے مسلمان خواہشمند ہیں کہ مجمع الفقہ الاسلامی مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں کے علی الاطلاق کافر ہونے کا فتویٰ پوری صراحت سے صادر کرے، جو ان کے لئے اس بات کی سند ہو کہ قادیانیت کے کفر پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

عدالت کی طرف سے اس مقدمہ کی سماعت کے لئے رواں سال نومبر کی تاریخ مقرر کی گئی ہے، لہٰذا امید ہے کہ مجمع الفقہ الاسلامی کا آئندہ اجلاس اس سے پہلے ہی منعقد کر لیا جائے گا اور بہت ہی مناسب ہوگا اگر مجمع اسی اجلاس میں جملہ اراکینِ تنظیم کی طرف سے یہ فتویٰ صادر کر دے۔

موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر میرا تحریر کردہ فتویٰ کا مسودہ بھی منسلک ہے، تاکہ وہ ابتدائی طور پر مجمع کے شعبہ افتاء کے لئے اولاً اور اراکین مجلس کے لئے ثانیاً ایک تجویز نامہ کے طور پر سامنے رہے۔

امید ہے کہ دفتری طور پر یہ فتویٰ جملہ اراکین مجلس کو تجویز نامہ کی حیثیت سے ارسال کر دیا جائے گا، اور موضوع کی اہمیت کے پیش نظر میں اپنے تمام اراکین مجلس بھائیوں سے پر امید ہوں کہ وہ اس موضوع پر منصوبہ ساز حضرات کے تیار کردہ لائحہ عمل کے حوالے سے فراخ دلی کا مظاہرہ کریں گے۔

نیز یہ امید بھی ہے کہ ارسال کردہ اس پیغام کی وصولیابی کی اطلاع فرمائیں گے اور آئندہ اجلاس میں اس قضیہ کو موضوع بحث بنانے کے حوالے سے ترجیحی بنیادوں پر اقدام کریں گے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محمد تقی عثمانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

استفتاء

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد!

قادیانی طبقہ جو اپنے آپ کو "احمدی" کے نام سے موسوم کرتا ہے، اور اپنے مذہبی امور میں مرزا غلام احمد قادیانی کی پیروی کرتا ہے، جو ہندوستان کی ایک بستی قادیان میں پیدا ہوا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے نبی مرسل ہونے اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل وبروز ہونے کا دعویٰ کیا، اور یہ تاویل اس لئے کی تاکہ اس کی نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منافی نہ سمجھی جائے پھر اس سے بڑھ کر صرف نبوت کے دعویٰ پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ وہ انبیاء سابقین میں سے بھی افضل ہے اور وہی مسیح موعود ہے جس کے اخیر زمانے میں نزول کی نبی ﷺ نے خبر دی، غرض یہ کہ اس طرح کے دعووں اور انبیاء علیہم السلام وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توہین سے اس کی کتابیں بھری ہوئی ہے جن میں سے بعض کے اقتباسات بطور حوالہ کے ضمیمہ "الف" میں اس کے استفتاء کے ذیل میں ذکر کیے گئے ہیں:

۲۔ مرزا احمد قادیانی کے متبعین دو فرقوں میں منقسم ہیں:

ا۔ قادیانی فرقہ

یہ وہ فرقہ ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی پر اپنے پورے حقیقی مفہوم میں ایمان رکھتا ہے، اور جو کوئی اس کی نبوت کا قائل نہیں، اسے کافر گردانتا ہے، نیز ان کے ہاں اس کی بیوی "ام المؤمنین" اور جنہوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی "صحابہ" اور اس کے خلفاء "خلفاء راشدین" کہلاتے ہیں۔

۲۔ لاہوری فرقہ

یہ وہ فرقہ ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود اور چودھویں صدی کا مجدد گردانتا ہے، اور اس کی کتابوں میں تحریر کردہ جملہ امور کو واجب الاتباع سمجھتا ہے، اور اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے، جس کی تصدیق اور اتباع واجب ہے، اور جو کوئی مرزا قادیانی کی تکذیب یا تکفیر کرے وہ کافر ہے۔ الا یہ کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ مرزا قادیانی اپنے حقیقی معنی میں نبی نہیں ہے بلکہ وہ اس کی نبوت ظلی یا مجازی ہے، اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

پر اترنے والی وحی "وحی ولایت" ہے، وحی نبوت نہیں ہے، نیز مرزا غلام احمد قادیانی پر محض ایمان نہ لانے سے کوئی کافر نہیں ہوجاتا، ہاں البتہ اس کی تکذیب یا کفر کا اعتقاد موجبِ کفر ہے۔

جبکہ مرزا غلام احمد قادیانی کے متبعین میں سے مذکورہ، ہر دو فرقے مندرجہ ذیل امور میں متفق ہیں:

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی دین مسیح موعود ہے جن کے بارے میں نبی ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ اخیر زمانے میں آئے گا۔

۲۔ اس پر وحی اترتی ہے جس کی تصدیق واتباع سب لوگوں پر واجب ہے۔

۳۔ وہ آخر زمانے میں نبی ﷺ کی عین ذات کا "ظل" اور "بروز" ہے

۴۔ وہ اپنے تمام تر دعووں اور تحریر و تقریر میں ذکر کی گئی باتوں میں حق بجانب ہے۔

۵۔ جس کسی نے اس کے دعووں کی تکذیب کی یا اس کی تکفیر کی وہ کافر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ گذشتہ پچاس سالوں سے علماء ہند و پاک کا مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کے کفر پر اتفاق ہے۔ اور ان علماء سے دیگر اسلامی ممالک کے علماء نے بھی اتفاق کیا ہے حتی کہ ۱۹۷۴ء میں مکہ مکرمہ میں "رابطہ العالم الاسلامی" نے بھی آفاقِ عالم کی ۱۴۴ اسلامی تنظیموں کے اجماع کے ساتھ ان ہر دو فرقوں کی تکفیر کے حوالے سے قرارداد صادر کی۔

پھر پاکستان میں بھی ریاستی سطح پر دستور سازی ہوئی اور قادیانیت کے ہر دو فرقوں کو قانونی طور پر کافر قرار دے دیا گیا، اور پاکستان کی عدالت عظمیٰ نے بھی یہی فیصلہ صادر کیا، اسی طرح ملیشیا میں بھی ان کے کفر کا قانون ریاستی سطح پر پاس ہوا، اور اب قادیانیوں نے کیپ ٹاؤن (جنوبی افریقا) کی عدالت عظمیٰ میں مسلمانوں کے خلاف مقدمہ دائر کیا ہے، جس میں یہ مطالبہ کیا ہے کہ ان کی مسلمانوں میں شمولیت کا فیصلہ صادر کیا جائے اور ان کی تکفیر کو غلطی پر محمول کیا جائے۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں میں امید کرتا ہوں کہ مجمع الفقہ الاسلامی کے اراکین مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات عنایت فرمائیں گے:

۱۔ کیا مرزا غلام احمد قادیانی کو نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد بھی مسلمانوں میں شمار کیا جائے، یا اس پر

toobaa-elibrary.blogspot.com

کفر و ارتداد کا حکم لگایا جائے۔

۲۔ اس کے متبعین میں سے قادیانی فرقہ آیا مسلمان ہے یا کافر؟

۳۔ اس کے متبعین میں سے لاہوری فرقہ آیا مسلمان ہے یا کافر؟

۴۔ کیا کسی سیکولر حکومت کے لئے آدمی کے کفر و اسلام کے حکم لگانے کا جواز ہو سکتا ہے؟ اور اگر وہ اس طرح کا کوئی حکم لگائے تو آیا وہ نافذ العمل ہو گا یا نہیں؟

میں دعاگو ہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسلام کی دعوت کو نشر کرنے میں ہمیں راہ یاب فرمائے، اور اسلام اور مسلمانوں کے خیر و فلاح کے کاموں کی توفیق بخشے۔

نظیم محمد

صدر مسلم جوڈیشل کونسل

ضمیمہ الف

دعوائے نبوت

۱۔ مرزا قادیانی اپنی کتاب دافع البلاء میں لکھتا ہے:

"سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔"[۱۱۵]

۲۔ نزول المسیح میں لکھتا ہے:

"میں رسول اور نبی ہوں، یعنی باعتبار ظلّیت کاملہ کے، میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے۔"[۱۱۶]

۳۔ حقیقۃ الوحی کے تتمہ میں لکھتا ہے:

---

۱۱۵ دافع البلاء: ۱۱، خزائن: ۱۸/ ۲۳۱، ۱۸۸۹ء

۱۱۶ نزول المسیح: ۳، خزائن: ۱۸/ ۳۸۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

"میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے۔"[۱۱۷]

۴۔ اپنی کتاب "ایک غلطی کا ازالہ" میں تحریر کرتا ہے:

"میں جب کہ اس مدت تک ڈیڑھ سو پیش گوئی کے قریب خدا کی طرف سے پاکر بچشم خود دیکھ چکا ہوں کہ صاف طور پر پوری ہوگئیں تو میں اپنی نسبت نبی یا رسول کے نام سے، کیونکر انکار کر سکتا ہوں اور جب کہ خود خدا تعالیٰ نے یہ نام میرے رکھے ہیں تو میں کیونکر رد کردوں یا اس کے سوا کسی دوسرے سے ڈروں۔"[۱۱۸]

۵۔ حقیقۃ الوحی کے حاشیہ میں تحریر کرتا ہے:

"خدا تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء علیہم السلام کا مظہر ٹھہرایا ہے اور تمام نبیوں کے نام میری طرف منسوب کیے ہیں۔ میں آدم ہوں، میں شیث ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحٰق ہوں، میں اسماعیل ہوں، میں یعقوب ہوں، میں یوسف ہوں، میں عیسٰی ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا میں مظہر اتم ہوں۔ یعنی ظلی طور پر محمد اور احمد ہوں۔"[۱۱۹]

۶۔ اپنے ماہنامہ بدر میں لکھتا ہے:

"ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔"[۱۲۰]

۷۔ نزول المسیح میں لکھتا ہے:

"انبیاء گرچہ بودہ اند بسے من بہ عرفان نہ کمترم زکسے"[۱۲۱] یعنی "انبیاء اگرچہ بہت سے ہوئے ہیں مگر میں معرفت میں کسی سے کم نہیں ہوں۔"

---

۱۱۷ تتمہ حقیقۃ الوحی: ۶۸، خزائن: ۲۲/ ۵۰۳

۱۱۸ ایک غلطی کا ازالہ: ۳، خزائن: ۱۸/ ۲۱۰

۱۱۹ حاشیہ حقیقت الوحی: ۷۳، خزائن: ۲۲/ ۷۶

۱۲۰ اخبار بدر مورخہ ۵ مارچ ۱۹۰۸ء، ملفوظات: ۱۰/ ۱۲۷

۱۲۱ نزول المسیح: ۹۹ خزائن: ۱۸/ ۴۷۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

۸۔ حقیقۃ الوحی میں لکھتا ہے:

"اوائل میں میرا بھی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح بن مریم سے کیا نسبت ہے وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں ہے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تھا تو میں اس کو جزوی فضیلت قرار دیتا تھا، مگر بعد میں جو خدائے تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے اوپر نازل ہوئی تو اس نے مجھ کو اس عقیدے پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر بھی مسیح کا خطاب مجھے دیا گیا"[۱۲۲]

۹۔ حقیقۃ الوحی میں اور جگہ لکھتا ہے:

"میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں، میں اس پر قائم ہوں۔ اس وقت تک کہ اس دنیا سے گذر جاؤں۔"[۱۲۳]

یہ خط ۲۳/ مئی ۱۹۰۸ء کو لکھا گیا اور ۲۶/ مئی کو اخبار عام میں شائع ہوا اور ٹھیک اسی دن مرزا قادیانی کا انتقال ہو گیا۔

۱۰۔ ایک غلطی کا ازالہ میں لکھتا ہے:

میں بموجب آیت وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ[۱۲۴] بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں۔ پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی۔ یعنی بہر حال محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی رہا نہ اور کوئی۔ یعنی جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور

---

۱۲۲ حقیقۃ الوحی: ۱۴۹-۱۵۰

۱۲۳ اخبار عام مورخہ ۲۶/ مئی ۱۹۰۸ء، مجموعہ اشتہارات: ۳/ ۵۹۷، منقول از حقیقت النبوۃ مرزا محمود: ۲۷۱، مباحثہ راولپنڈی: ۱۳۶

۱۲۴ الجمعۃ: ۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

پر نبوت کا دعویٰ کیا۔"[۱۲۵]

۱۱۔ مرزا صاحب کا منجھلا بیٹا مرزا بشیر احمد ایم۔ اے قادیانی لکھتا ہے:

اور یہ جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ظلی یا بروزی نبوت گھٹیا قسم کی نبوت ہے۔ یہ محض ایک نفس کا دھوکہ ہے جس کی کوئی بھی حقیقت نہیں۔ کیونکہ ظلی نبوت کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اس قدر غرق ہو جائے کہ "من توشدم تو من شدی" کے درجہ کو پالے۔ ایسی صورت میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع کمالات کو عکس کے رنگ میں اپنے اندر اترتا پائے گا۔ حتیٰ کہ ان دونوں میں قرب اتنا بڑھے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی چادر بھی اس پر چڑھائی جائے گی۔ تب جا کر ظلی نبی کہلائے گا۔ پس جب ظل کا یہ تقاضا ہے کہ اپنے اصل کی پوری تصویر ہو اور اس پر تمام انبیاء کا اتفاق ہے تو وہ نادان جو مسیح موعود کی ظلی نبوت کو ایک گھٹیا قسم کی نبوت سمجھتا یا اس کے معنی ناقص نبوت کے کرتا ہے، وہ ہوش میں آوے اور اپنے اسلام کی فکر کرے۔ کیونکہ اس نے اس نبوت کی شان پر حملہ کیا ہے جو تمام نبوتوں کی سرتاج ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ لوگوں کو کیوں حضرت مسیح موعود کی نبوت پر ٹھوکر لگتی ہے اور کیوں بعض لوگ آپ کی نبوت کو ناقص نبوت سمجھتے ہیں۔ کیونکہ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز ہونے کی وجہ سے ظلی نبی تھے اور اس ظلی نبوت کا پایہ بہت بلند ہے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ پہلے زمانوں میں جو نبی ہوتے تھے ان کے لئے یہ ضروری نہ تھا کہ ان میں وہ تمام کمالات رکھے جاویں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں رکھے گئے۔ بلکہ ہر ایک نبی کو اپنی استعداد اور کام کے مطابق کمالات عطاء ہوتے تھے کسی کو بہت، کسی کو کم۔ مگر مسیح موعود کو تو تب نبوت ملی جب اس نے نبوت محمدیہ کے تمام کمالات کو حاصل کر لیا اور اس قابل ہو گیا کہ ظلی نبی کہلائے، پس ظلی نبوت نے مسیح موعود کے قدم کو پیچھے نہیں ہٹایا۔ بلکہ آگے بڑھایا اور اس قدر آگے بڑھایا کہ نبی کریم کے پہلو بہ پہلو لا کھڑا کیا۔"[۱۲۶]

---

۱۲۵ ایک غلطی کا ازالہ: ۵، خزائن: ۱۸/ ۲۱۲

۱۲۶ کلمۃ الفصل: ۱۱۳، ریویو آف ریلیجنز: ۱۴ نمبر ۳، مارچ و اپریل ۱۹۱۵ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قادیانیوں کے بارے میں استفتاء سے متعلق مجوّزہ جواب کا مسودہ

محمد تقی عثمانی

رکن وفاقی شرعی عدلیہ پاکستان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ!

۱،۲۔ بلاشبہ قرآن وسنت کی واضح اور قطعی نصوص اس عقیدہ پر شاہد ہیں کہ نبی کریم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے، اور جو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت یا رسالت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا اور ملت اسلامیہ سے خارج ہے، اور شک نہیں کہ یہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک ایسا عقیدہ ہے جس میں کسی قسم کی تاویل یا تخصیص کا احتمال سرے سے ہے ہی نہیں، کیوں کہ یہ قرآن کریم کی واضح اور بین نصوص سمیت متواتر اور قطعی احادیث نبویہ سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا [۱۲۷]

(مسلمانو!) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں، اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں، اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے۔

جبکہ ایک سو سے متجاوز احادیث متواترہ اس قطعی عقیدہ کو ثابت کرتی ہیں۔ جن میں سے چند ایک بطور مثال ذکر کی جاتی ہیں:

---

۱۲۷ الاحزاب: ۴۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

الف۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ وَيَقُولُونَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ؟ قَالَ: فَأَنَا اللَّبِنَةُ وَأَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّينَ[۱۲۸]

حضرت ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اسے خوب آراستہ و پیراستہ کیا مگر اس کے ایک گوشہ میں صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ آ آ کر اس کے ارد گرد گھومنے لگے اور تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی (تاکہ یہ عیب بھی نہ رہتا) اس کے بعض الفاظ میں یہ ہے کہ میں نے آ کر اس اینٹ کی جگہ کو پُر کر دیا ہے اور اب قصر نبوت میری آمد سے مکمل ہو گیا ہے اور مجھ پر تمام رسول ختم کر دیئے گئے۔

ب۔ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ قَاعَدْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ خَمْسَ سِنِينَ فَسَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ فُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ فَإِنَّ اللهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ[۱۲۹]

ابو حازمؒ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے پانچ سال حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ مجالست کی ہے۔ پس میں نے ان سے سنا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے حدیث بیان کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی اصلاح انبیاء کیا کرتے تھے۔ جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہو جاتا تھا اور یقیناً میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا اور خلفاء ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا تو پھر آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں۔ (یعنی جب بہت ہوں گے اور اختلاف ہو گا تو ہم اس وقت کس کا حکم مانیں) تو آپ نے فرمایا: پہلے کی بیعت پوری کرو اور پہلوں کو ان کا حق دو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعیت کے متعلق سوال کرے گا۔

---

۱۲۸ صحیح البخاری: ۵۰۱/۲ باب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم، قدیمی کتب خانہ

۱۲۹ صحیح البخاری: ۴۹۰/۲ باب ماذکر عن بنی اسرائیل، قدیمی کتب خانہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ج- عَنْ أَبِي هرَيرة رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَقْتَتِلَ فِئَتَانِ فَيَكُونَ بَيْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِيمَةٌ، دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ، وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُبْعَثَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ، قَرِيبًا مِنْ ثَلَاثِينَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ[130]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی یہاں تک کہ دو جماعتیں آپس میں لڑیں گی، اور ان کے درمیان بہت بڑی جنگ ہوگی، کیوں کہ ہر دونوں کا دعویٰ ایک ہی ہوگا، اور قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی یہاں تک کہ تیس کے قریب جھوٹے اور دجال آئیں گے، جن میں سے ہر ایک اپنے تئیں یہ سمجھ رہا ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

یہ وہ قطعی نصوص ہیں، جن کی بنیاد پر امت اسلامیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہر وہ شخص جو نبوت یا رسالت یا اس بات کا دعویدار ہوگا کہ چوں کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے لہٰذا اس کی اتباع حجت شرعیہ کی حیثیت سے واجب ہے، تو ایسا شخص کافر اور ملت اسلامیہ سے خارج ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ اپنی کتاب شفاء میں اسی اجماع کی تصریح ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

لانه اخبر صلى الله عليه وسلم انه خاتم النبيين لا نبي بعده واخبر عن الله تعالىٰ انه خاتم النبيين وانه ارسل كافة للناس واجمعت الامة على حمل هذا الكلام على ظاهره وانه مفهومه المراد به دون تاويل ولا تخصيص فلا شك فى كفر هؤلاءِ الطوائف كلها قطعا اجماعا وسمعا[131]

اس لئے کہ آپ ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، اور آپ کو پوری انسانیت کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام بالکل اپنے ظاہری معنیٰ پر محمول ہے۔ اور

۱۳۰ صحیح البخاری: ۲/ ۵۰۴ باب علامات النبوۃ فی الاسلام، قدیمی کتب خانہ

۱۳۱ الشفاء للقاضی عیاض: ۲/ ۲۴۷، مطبوعہ مصر

toobaa-elibrary.blogspot.com

جواس کا مفہوم ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے وہی بغیر کسی تاویل یا تخصیص کے مراد ہے۔ پس ان لوگوں کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔ جو اس کا انکار کریں اور یہ قطعی، اجماعی اور (تواتر سے چلا آیا) سماعی عقیدہ ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں: "دعوی النبوۃ بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کفر بالاجماع" ہمارے نبی ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا بالاجماع کفر ہے۔[۱۴۲]

چوں کہ اس عقیدہ پر نصوص قطعیہ اور امت مسلمہ کے منعقدہ اجماع کی رو سے تشریعی وغیر تشریعی ہر دو قسم کے دعوائے نبوت میں کوئی فرق نہیں ہے، لہٰذا ان دونوں میں سے ہر ایک عقیدہ سراسر کفر اور گمراہی پر مبنی ہے جس کی دین اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

اور چوں کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے لئے نبوت اور رسالت کا دعویٰ کیا ہے، جیسا کہ استفتاء کے ضمیمہ الف میں ذکر کردہ اس کی مذکورہ کتب کے اقتباسات سے ظاہر ہے، لہٰذا وہ کافر اور خارج از اسلام ہے، اور اس میں کوئی تاویل (ظلی بروزی وغیرہ کی) کہ اس کی نبوت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا سایہ ہے، دو وجہ سے نہیں ہو سکتی۔

پہلی وجہ

ختم نبوت کا عقیدہ اہل اسلام کا اجماعی اور بنیادی عقیدہ ہے۔ عہد نبوت سے لے کر آج تک ہر مسلمان اس بات پر ایمان رکھتا آیا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بغیر کسی تخصیص و تاویل کے آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کسی کو منصب نبوت و رسالت عطاء نہیں ہوگا اور نہ ہی اس پر وحی نبوت نازل ہو سکتی ہے اور نہ ایسا الہام جو دین میں حجت ہو۔ امت کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلہ پر ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد جب بھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اس کی گردن مار دی گئی۔ اسود عنسی ہو یا مسیلمہ کذاب، کسی سے یہ سوال نہیں کیا گیا کہ اس کی نبوت کیسی ہے؟ ظلی ہے یا بروزی، مستقل ہے یا غیر مستقل، تشریعی ہے یا غیر تشریعی اور نہ اس سے اس کی نبوت کے دلائل طلب کئے گئے۔ بلکہ مطلق نبوت

---

[۱۴۲] شرح فقہ الاکبر: ۲۰۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے اعلان کے ساتھ ہی ان کذابوں کے خلاف جہاد وقتال کیا گیا۔ جس میں تنہا مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی گئی جنگ میں بارہ سو صحابہ کرامؓ شہید ہوئے۔ غرض مسلمان دین کے ہر جزوی اختلاف کو برداشت کر سکتا ہے۔ لیکن اس بنیادی اختلاف کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔

دوسری وجہ

نبوت کے دعویدار مرزا قادیانی نے یہ جو تاویل کی ہے کہ اس کی نبوت ظلی اور بروزی ہے، اس سے اس خیال میں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کے علاوہ کوئی نبوت نہیں ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس کا عقیدہ یہ ہے کہ اس کی نبوت بنی اسرائیل میں مبعوث انبیاء سے ایک درجہ فوق تر ہے۔ اور یہ وہ نبوت ہے جو نوع انسانیت میں اب تک کسی کو عطا نہیں ہوئی، چنانچہ یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع فضائل اور جملہ اوصاف وکمالات کو اس طرح جامع ہے، گویا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس دوبارہ ظہور پذیر ہوئے ہیں، اسی عقیدہ کا اظہار وہ اپنی کتاب ایک غلطی کا ازالہ میں کچھ اس طرح کرتا ہے:

> خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت ﷺ کا ہی وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیوں کہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد (ﷺ) ہوں۔ پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی۔ کیوں کہ محمد ﷺ کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی۔ یعنی بہرحال محمد ﷺ ہی نبی رہا۔ نہ اور کوئی یعنی جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہوا۔ جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔[۱۴۳]

اور اس کا بیٹا بشیر احمد قادیانی اپنی کتاب کلمۃ الفصل اور اپنے ماہنامہ ریویو آف ریلیجنز میں لکھتا ہے:

> یہ ظاہری بات ہے کہ پہلے زمانوں میں جو نبی ہوتے تھے ان کے لئے یہ ضروری نہ تھا کہ ان میں وہ تمام کمالات رکھے جاویں جو نبی کریم ﷺ میں رکھے گئے۔ بلکہ ہر ایک نبی کو اپنی استعداد اور کام کے مطابق کمالات عطاء ہوتے تھے کسی کو بہت، کسی کو کم۔ مگر مسیح موعود کو تو تب نبوت ملی جب اس نے نبوت

---

۱۴۳ ایک غلطی کا ازالہ: ۱۰، خزائن: ۱۸/ ۲۱۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

محمدیہ کے تمام کمالات کو حاصل کرلیا اور اس قابل ہوگیا کہ ظلی نبی کہلائے، پس ظلی نبوت نے مسیح موعود کے قدم کو پیچھے نہیں ہٹایا۔ بلکہ آگے بڑھایا اور اس قدر آگے بڑھایا کہ نبی کریم کے پہلو بہ پہلو لا کھڑا کیا۔"[۱۳۴]

مرزا قادیانی کا دوسرا صاحبزادہ اور ان کا خلیفہ دوئم مرزا بشیر الدین محمود لکھتا ہے:

"پس ظلی اور بروزی نبوت کوئی گھٹیا قسم کی نبوت نہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو مسیح موعود کس طرح ایک اسرائیلی نبی کے مقابلہ میں یوں فرماتا کہ:

"ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے۔"[۱۳۵]

مرزائی رسالے "ریویو آف ریلیجنز" کے سابق ایڈیٹر قاضی ظہور الدین اکمل کی ایک نظم ۲۵/اکتوبر ۱۹۰۶ء کے اخبار بدر میں شائع ہوئی تھی۔ جس کے دو شعر یہ ہیں:

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے بڑھ کر اپنی شاں میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں[۱۳۶]

چنانچہ قاضی اکمل صاحب ۲۲/اگست ۱۹۴۴ء کے "الفضل" میں لکھتے ہیں:

یہ اشعار اس نے بذات خود مرزا غلام احمد صاحب کو سنائے اور انہیں لکھ کر پیش کئے اور مرزا صاحب نے ان پر جزاک اللہ کہہ کر داد دی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت چھٹے ہزار کے آخر میں، یعنی ان دنوں میں بہ نسبت ان سالوں کے اقویٰ اور اکمل اور اشد ہے۔ بلکہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے اور اس لئے ہم تلوار اور لڑنے والے گروہ کے محتاج نہیں اور اس لئے خدا تعالیٰ نے مسیح موعود کی بعثت کے لئے ۱۹۰۵ کے شمار کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بدر کی راتوں کے شمار کی مانند اختیار فرمایا تاکہ وہ شمار اس مرتبہ پر جو ترقیات کے تمام مرتبوں سے کمال تمام رکھتا ہے۔ دلالت کرے۔[۱۳۷]

---

۱۳۴ کلمۃ الفصل: ۱۱۳، ریویو آف ریلیجنز: ۱۴ نمبر ۳، مارچ و اپریل ۱۹۱۵ء

۱۳۵ القول الفصل: ۱۶

۱۳۶ اخبار بدر: ۲۵/اکتوبر ۱۹۰۶ء جلد: ۲ نمبر ۴۳ صفحہ ۱۴

۱۳۷ خطبہ الہامیہ: ۱۸۱، ۱۸۲، خزائن: ۱۶/ ۲۷۱-۲۷۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ ظلی نبوت جیسے کہ مرزا قادیانی اور اس کے پیروکاروں کا گمان ہے، بنی اسرائیل کے تمام انبیاء سے نہ صرف فوق تر بلکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے بھی کئی درجہ قوی اور درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی ہے، والعیاذ باللہ۔ اس طرح کی نبوت کی دعوٰی صریح کفر اور ان تمام نصوص قطعیہ کے منافی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی بعثت نہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے تمام قادیانی پیروکار بلا کسی شک وتردد کے ملت اسلامیہ سے خارج ہیں۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کافر ہے اور اپنے دعوائے نبوت کی وجہ سے ملت اسلامیہ سے خارج ہے، لہٰذا ہر وہ شخص جو اس کے دعووں کی تصدیق کرے گا اور اسے واجب الاتباع اور واجب الاطاعت امام مانے گا وہ بھی یقیناً کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہوگا، چہ جائے کہ اسے مسیح موعود، مہدی اور مجدد وقت گردانا جائے۔ چوں کہ مرزا قادیانی کے متبعین میں سے ایک فرقہ "لاہوری" اسے مسیح موعود، مہدی اور مجدد وقت مانتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس پر وحی اترتی ہے جس کا اتباع واجب ہے، پس یہ فرقہ بھی برابر اسی طرح اسلام سے خارج ہے، جس طرح قادیانی فرقہ کا حکم ہے۔ اور اگر لاہوری فرقہ کے عقائد کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں فرقوں کے درمیان عقائد کا کوئی ایسا واضح فرق نہیں ہے، بلکہ محض لفظی فرق ہے اور یہ گروہ محض سیاسی اسباب ومفادات کے پیش نظر تشکیل پذیر ہوا ہے۔

اور اس کی تشریح یہ ہے کہ مرزا غلام احمد کی زندگی میں ان دونوں جماعتوں میں کوئی فرق تھا اور نہ ہی اس کے خلیفہ اول نور الدین کے دور میں، بلکہ اس پورے عرصہ میں مرزا قادیانی کے تمام ہی متبعین وپیروکار برملا طور پر اسے نبی اور رسول ہی کہتے آئے، اخیر اپنے وقت کے لاہوری فرقہ کے سب سے بڑے لیڈر اور ماہنامہ رسالہ ریویو آف ریلیجینز کے صدر محمد علی لاہوری اسی رسالہ کی اپنی تحریروں میں جابجا مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اور رسول لکھتا رہا، اور مرزا قادیانی کے دیگر متبعین کے مدمقابل بلا کسی فرق وامتیاز کے اس کے جمیع صفات نبوت کے ساتھ متصف ہونے کا اعتراف کرتا رہا، جیسے کہ وہ اپنے ماہنامہ میں لکھتا ہے:

مخالفین اس سے جو بھی مراد لے، مگر ہم تو اسی پر قائم ہیں کہ خدا نبی پیدا کرسکتا ہے۔ صدیق بنا سکتا ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور شہید اور صالح کا مرتبہ عطا کر سکتا ہے۔ مگر چاہئے مانگنے والا۔ ہم نے جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا وہ صادق تھا۔ خدا کا برگزیدہ اور مقدس رسول تھا۔ پاکیزگی کی روح اس میں کمال تک پہنچی ہوئی تھی۔[۱۳۸]

نیز لاہوری جماعت کا ایک ترجمان اخبار "پیغام صلح" کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

ہم حضرت مسیح موعود مہدی معہود کو اس زمانہ کا نبی رسول اور نجات دہندہ مانتے ہیں۔[۱۳۹]

لیکن جب مرزائیوں کے خلیفہ اوّل حکیم نورالدین کا انتقال ہوتا ہے اور خلافت کا مسئلہ اٹھتا ہے تو محمد علی لاہوری، مرزا بشیرالدین محمود کے ہاتھ بیعت کرنے اور خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر کے قادیان سے لاہور چلے آتے ہیں اور یہاں اپنی الگ جماعت کی داغ بیل ڈالتے ہیں۔ ۱۴/ مارچ ۱۹۱۴ء کو مرزا بشیرالدین خلیفہ دوم مقرر کئے گئے اور ۲۲/ مارچ ۱۹۱۴ء کو اس فیصلے سے اختلاف کرنے والی جماعت لاہور کا پہلا جلسہ ہوا۔ اس جلسے میں جو قرارداد منظور کی گئی وہ یہ تھی:

صاحبزادہ صاحب (مرزا بشیرالدین) کے انتخاب کو اس حد تک ہم جائز سمجھتے ہیں کہ وہ غیر احمدیوں سے احمد کے نام پر بیعت لیں۔ یعنی اپنے سلسلۂ احمدیہ میں ان کو داخل کر لیں۔ لیکن احمدیوں سے دوبارہ بیعت لینے کی ہم ضرورت نہیں سمجھتے۔۔۔ اور نہ ہی امیر اس بات کا مجاز ہو گا کہ جو حقوق و اختیارات صدر انجمن احمدیہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیئے ہیں اور اس کو اپنا جانشین قرار دیا ہے۔ اس میں کسی قسم کی دست اندازی کرے۔[۱۴۰]

اس قرارداد سے واضح ہے کہ لاہوری جماعت کو اس وقت نہ جماعت قادیان کے عقائد پر اعتراض تھا اور نہ وہ مرزا بشیرالدین کو خلافت کے لئے نااہل قرار دیتے تھے۔ جھگڑا تھا تو اس بات پر تھا کہ تمام اختیارات انجمن احمدیہ کو دیئے جائیں نہ کہ خلیفہ کو۔ یہ تھا قادیانی اور لاہوری جماعتوں کا اصل اختلاف جس کی بناء پر یہ دونوں پارٹیاں الگ ہوئیں۔

اس سیاسی اختلاف کی بناء پر جب قادیانی جماعت نے لاہوری جماعت پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو لاہوری گروپ مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے پر مجبور ہوا۔ چنانچہ جب جماعت لاہور نے اپنا الگ مرکز

۱۳۸؎ الحکم مورخہ ۱۸/ جولائی ۱۹۰۸ء

۱۳۹؎ پیغام صلح: جلد نمبر ۲، مورخہ ۱۶/ اکتوبر ۱۹۱۳ء

۱۴۰؎ ضمیمہ پیغام صلح: ۲۴/ مارچ ۱۹۱۴ء بحوالہ فرقان قادیان جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ: ۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

قائم کیا تو کچھ اپنی علیحدگی کو خوبصورت بنانے کی تدبیر، کچھ قادیانی جماعت کے بغض اور کچھ مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے کی فکر کی وجہ سے اس جماعت نے اپنے سابقہ عقائد اور تحریروں سے رجوع اور توبہ کا اعلان کئے بغیر یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم مرزا غلام احمد کو نبی نہیں بلکہ مسیح موعود، مہدی اور مجدد مانتے ہیں۔ لاہوری جماعت اگرچہ اعلان تو یہی کرتی ہے کہ ہم مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتے۔ بلکہ "مجدد" مانتے ہیں۔ لیکن "مجدد" کا مطلب کیا ہے؟ بعینہ وہ جسے قادیانی جماعت ظلی اور بروزی نبی کہتی ہے۔ چنانچہ محمد علی لاہوری صاحب اپنی کتاب "النبوۃ فی الاسلام" میں جو جماعت لاہور کی علیحدگی کے بہت بعد کی تصنیف ہے۔ لکھتے ہیں:

> حضرت مسیح موعود نے اپنی پہلی اور پچھلی تحریروں میں ایک ہی اصول باندھا ہے اور وہ اصول یہ ہے کہ باب نبوت تو مسدود ہے۔ مگر ایک نوع کی نبوت مل سکتی ہے۔ یوں نہیں کہیں گے کہ نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔ بلکہ یہ کہیں گے نبوت کا دروازہ بند ہے۔ مگر ایک نوع کی نبوت باقی رہ گئی ہے اور قیامت تک رہے گی۔ یوں نہیں کہیں گے کہ ایک شخص اب بھی نبی ہو سکتا ہے۔ یوں کہیں گے کہ ایک نوع کی نبوت اب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کا نام ایک جگہ مبشرات، ایک جگہ جزوی نبوت، ایک جگہ محدثیت، ایک جگہ کثرت مکالمہ رکھا ہے۔ مگر نام کوئی بھی رکھا ہو، اس کا بڑا نشان یہ قرار دیا ہے کہ وہ ایک انسان کامل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے مل سکتی ہے۔ وہ فنا فی الرسول سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ نبوت محمدیہ کی مستفاض ہے، وہ چراغ نبویؐ کی روشنی ہے، وہ اصلی کوئی چیز نہیں، ظل ہے۔[۴۱]

کیا یہ لفظوں کے معمولی ہیر پھیر سے ظل و بروز کا بعینہ وہی فلسفہ نہیں ہے جو مرزا صاحب اور قادیانی جماعت کے الفاظ میں پیچھے بیان کیا جا چکا ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو حقیقت کے لحاظ سے قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت میں فرق کیا رہ گیا؟ اور یہ صرف محمد علی لاہوری صاحب ہی کا نہیں، پوری لاہوری جماعت کا عقیدہ ہے۔ چنانچہ قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت کے درمیان جو مباحثہ راولپنڈی میں ہوا اور جسے دونوں جماعتوں نے مشترک خرچ پر شائع کیا، اس میں لاہوری جماعت کے نمائندے نے صراحتاً کہا کہ:

> حضرت (یعنی مرزا غلام احمد صاحب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اظلال میں ایک کامل ظل ہیں۔

---

[۴۱] حوالہ بالا صفحہ: ۱۵۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

پس ان کی بیوی اس لئے ام المؤمنین ہے اور یہ بھی ظلی طور پر مرتبہ ہے۔[۱۴۲]

نیز اس بات کا بھی اعتراف کیا کہ:

حضرت مسیح موعود نبی نہیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ان میں منعکس ہے۔[۱۴۳]

یہ سب وہ عقائد ہیں جنہیں لاہوری جماعت اب بھی تسلیم کرتی ہے۔ اس سے واضح ہوگیا کہ مرزا غلام احمد کی نبوت کے مسئلہ میں قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت کے عقائد میں کوئی فرق نہیں، دونوں جماعتوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مرزا قادیانی پر وحی اترتی ہے، جس کی اتباع تمام لوگوں پر واجب ہے، اور اس نے اپنی تحریروں میں جو کچھ لکھا ہے، سب درست ہے اور اس کی پیروی ہر مسلمان پر واجب ہے، بلکہ محمد علی لاہوری نے تو اپنی کتاب النبوۃ فی الاسلام میں یہاں تک صراحت کی ہے کہ لاہوری فرقہ مرزا غلام احمد قادیانی پر ایمان میں قادیانی فرقے کی بنسبت زیادہ متشدد اور سخت ہے۔ قادیانی جماعت کو مخاطب کر کے وہ کہتا ہے:

تم اس (مرزا قادیانی) کے نبی کامل ہونے کا اس درجہ عقیدہ نہیں رکھتے جتنا کہ بلند رتبہ دے کر ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں، بوجہ اس کے کہ تم اس کی نبوت کے جزوی طور پر قائل ہو، اور حق تو یہ ہے کہ ہم بھی اتنا ہی اس پر نازل شدہ وحی کے واجب الاتباع ہونے کے قائل ہیں جتنا کہ تم اس پر ایمان رکھتے ہو بلکہ ہم عملی طور پر اس سے زیادہ ایمان رکھتے ہیں جتنا کہ تم اس پر ایمان رکھتے ہو۔[۱۴۴]

دوسرا مسئلہ جس بنیاد پر لاہوری جماعت اپنے آپ کو اہل قادیان سے ممتاز قرار دیتی ہے، وہ تکفیر کا مسئلہ ہے۔ یعنی لاہوریوں کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ غیر احمدیوں کو مسلمان قرار دیتی ہے، جبکہ قادیانی جماعت ان تمام مسلمانوں کی تکفیر کرتی ہے جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں جماعتوں کے مابین اس جہت سے بھی کوئی فرق نہیں۔ کیوں کہ لاہوری فرقہ کا اصل عقیدہ یہ ہے کہ ہم مرزا قادیانی پر ایمان نہ لانے والے کی تو تکفیر نہیں کرتے لیکن وہ شخص ہمارے نزدیک کافر ہے جو مرزا قادیانی کو جھٹلائے یا اسے کافر کہے، اور ظاہر ہے کہ جو کوئی مرزا قادیانی پر ایمان نہیں لائے گا وہ اس کے دعووں کی تکذیب کرے گا اور روئے زمین پر ایسا کوئی آدمی نہیں ہے جو اس کے

---

۱۴۲ مباحثہ راولپنڈی: ۱۹۶

۱۴۳ مباحثہ راولپنڈی: ۱۵۳

۱۴۴ النبوۃ فی الاسلام: ۱۸۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

دعووں کے معلوم ہونے کے باوجود اس پر ایمان نہ لائے اور پھر یہ گمان کرے کہ وہ سچا ہے اور اس کی تکذیب نہ کرے۔ معلوم ہوا کہ مرزا قادیانی کو جو لوگ جانتے ہیں وہ دو قسم پر ہے، تیسری کوئی قسم نہیں، یا تو اس پر ایمان لانے والے، یا اس کو جھٹلانے والے، اور جو کوئی مرزا قادیانی کو جھٹلائے وہ لاہوری فرقہ کے نزدیک کافر ہے، اسی عقیدہ کا اظہار محمد علی لاہوری اپنی کتاب "ردتکفیر اہل القبلہ" میں ان الفاظ سے کرتا ہے:

> حضرت مسیح موعود نے اب بھی اپنے انکار یا اپنے دعویٰ کا انکار کو وجہ کفر قرار نہیں دیا۔ بلکہ وجہ کفر صرف اسی بات کو قرار دیا ہے کہ مفتری کہہ کر اس نے مجھے کافر کہا۔ اس لئے اسی حدیث کے مطابق جو کافر کہنے والے پر کفر لوٹاتی ہے، اس صورت میں بھی کفر لوٹا۔[۱۴۵]

مزید لکھتا ہے:

> چونکہ کافر کہنے والا اور کاذب کہنے والا معناً یکساں ہیں، یعنی مدعی (مرزا صاحب) کی دونوں تکفیر کرتے ہیں۔ اس لئے دونوں اس حدیث کے ماتحت خود کفر کے نیچے آجاتے ہیں۔[۱۴۶]

معلوم ہوا کہ مسئلہ تکفیر میں بھی ہر دو جماعتوں کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔

اس تفصیل کے بعد منقح طور پر ان کے کفر کی وجوہ درج ذیل ہیں:

۱۔ قرآن وحدیث، اجماع امت، مرزا غلام احمد کے عقائد اور ذاتی حالات کی روشنی میں یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ مرزا غلام احمد ہرگز وہ مسیح نہیں جس کا قرب قیامت میں وعدہ کیا گیا ہے اور ان کو مسیح موعود ماننا قرآن کریم، متواتر احادیث اور اجماع امت کی تکذیب ہے۔ لاہوری مرزائی چونکہ مرزا غلام احمد کو مسیح موعود مانتے ہیں۔ اس لئے کافر اور دائرۂ اسلام سے اسی طرح خارج ہیں جس طرح قادیانی مرزائی۔

۲۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا دعوائے نبوت قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس کو کافر کہنے کی بجائے اپنا دینی پیشوا قرار دینے والا مسلمان نہیں ہو سکتا۔

۳۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ مرزا قادیانی کی سینکڑوں کفریات کے باوجود لاہوری جماعت اس بات کی قائل ہے

---

۱۴۵ ردتکفیر اہل قبلہ: ۳۲

۱۴۶ ردتکفیر اہل قبلہ: ۲۹ مطبوعہ ۱۹۳۶ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہ (معاذ اللہ) وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اس میں منعکس ہو گئی تھی اور اس اعتبار سے اسے نبی کہنا درست ہے، یہ عقیدہ دائرۂ اسلام میں کسی طرح نہیں کھپ سکتا۔

۴... دعوائے نبوت کے علاوہ مرزا غلام احمد قادیانی کی تصانیف بے شمار کفریات سے لبریز ہیں۔ لاہوری جماعت مرزا صاحب کی تمام تحریروں کو حجت اور واجب الاطاعت قرار دے کر ان تمام کفریات کی تصدیق کرتی ہے۔

سوال نمبر:۴

بلاشبہ کسی انسان کے مسلمان یا کافر ہونے کا مدار اس کے عقائد و افکار پر ہے، اور یہ مسئلہ خالص علم عقائد اور کلام سے متعلق ہے، لہٰذا قرآن و سنت کے علوم سے ناواقف شخص کو اس میں دخل دینا جائز نہیں ہے، اور سیکولر عدالت کے لئے قطعاً جائز نہیں کہ وہ اس خالص دینی مسئلہ میں کوئی فیصلہ صادر کرے، بالخصوص جبکہ قادیانیوں کے اسلام کے مسئلہ میں مسلمانوں کی رائے ایسی قطعی ہے جس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، پس اگر سیکولر عدالت اس رائے کے متضاد کوئی فیصلہ دیتی ہے جس پر ملت اسلامیہ کا اجماع ہو چکا ہے، تو اسے حکم شرعی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس معاملے میں اس کی رائے کی حیثیت رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ احکم واتم

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

toobaa-elibrary.blogspot.com

قادیانیوں کے بارے میں مجمع الفقہ الاسلامی العالمی کی منسلکہ قرارداد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ الْمُرْسَلِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ امابعد:

قرارداد نمبر ۴

بابت قادیانیت

بتاریخ ۱۰ تا ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ بمطابق ۲۲ تا ۲۸ دسمبر ۱۹۸۵ء کو جدہ میں منعقدہ دوسری کانفرنس کے اجلاس میں منظمۃ المؤتمر الاسلامی کے ذیلی ادارے مجلس مجمع الفقہ الاسلامی:

جنوبی افریقہ کیپ ٹاؤن میں مجلس الفقہ الاسلامی کی طرف سے قادیانیت، اور اس سے الگ نکلے ہوئے لاہوری فرقہ کے مسلمانوں میں شمار کرنے یا نہ کرنے کے حکم شرعی اور کسی غیر مسلم کی اس قضیہ میں مداخلت کی اہلیت کے شرعی اعتبار کے حوالے سے پیش کردہ استفتاء پر غور وخوض کرنے کے بعد:

اور گذشتہ صدی میں ہندوستان میں ظاہر ہونے والے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی طرف منسوب قادیانی ولاہوری ہر دو فرقوں کے شرعی حکم کے موضوع پر مجمع کے اراکین کی طرف سے پیش کئے گئے مقالہ جات اور دستاویزات کی روشنی میں:

نیز قادیانیت کے ان ہر دو فرقوں سے متعلق ذکر کردہ معلومات اور اس بات کی مکمل تحقیق وتثبیت کے بعد کہ:

مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے کہ وہ نبی مرسل ہے، اس پر وحی نازل ہوتی ہے، اور جیسا کہ اس کی تالیفات سے ثابت ہے، جن میں اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان سب باتوں کی بابت اس پر وحی نازل کی گئی ہے، اور وہ ساری زندگی اس دعویٰ کو سرعام نشر کرتا رہا ہے، اور اپنی کتب وگفتگو میں لوگوں سے یہ مطالبہ کرتا رہا ہے کہ وہ اس کی رسالت اور نبوت کا اعتقاد رکھیں، جیسے کہ اس سے بہت سی ضروریات دین مثلاً جہاد

toobaa-elibrary.blogspot.com

وغیرہ کا انکار بھی ثابت ہے۔

مجمع الفقہ الاسلامی (مکہ مکرمہ) کی طرف سے اسی موضوع سے متعلق صادر کردہ تحریر پر عالمی مجمع الفقہ الاسلامی کے غور وخوض کے بعد یہ قرارداد پاس کرتی ہے کہ:

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت ورسالت اور نزول وحی کا جو دعویٰ کیا ہے، یہ ضروریات دین میں سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت ورسالت اور ان کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہونے کے ثابت شدہ قطعی اور یقینی عقیدہ کا صریح انکار ہے، اور مرزا غلام احمد قادیانی کے اس دعویٰ کے بعد اس سمیت اس کے تمام پیروکار مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ نیز لاہوری فرقہ بھی مرتد ہونے کی حیثیت سے شرعی حکم میں قادیانیوں ہی کی طرح ہے، کیوں کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی ہونے کے اعتبار سے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ اور پرتو ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

۲۔ کسی غیر اسلامی عدلیہ یا غیر مسلم جج کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اسلام اور ارتداد کا فیصلہ صادر کرے، بالخصوص علماء کی بڑی تعداد کے درمیان موجود امت اسلامیہ کا جس مسئلہ پر اجماع ہو گیا ہو، اس کے خلاف فیصلہ صادر کرنا، اور وہ اس لئے کہ اسلام اور ارتداد کا حکم لگانا اس وقت تک قابل قبول نہیں ہو سکتا جب تک کہ یہ ایسے واقف کار کی طرف سے صادر نہ ہو جو کسی کے اسلام میں داخل اور اس سے خارج ہونے کی پوری تحقیق کرے اور اسلام یا کفر کی حقیقت کی سمجھ بوجھ وادراک رکھتا ہو، اور اس کا علم کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت شدہ علوم کو محیط ہو، پس اس کافر عدلیہ نے جو حکم صادر کیا ہے وہ باطل اور کالعدم ہے۔ واللہ اعلم

toobaa-elibrary.blogspot.com

حدیث و سنتِ رسول

علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

چودھویں صدی ہجری میں
ہندوپاک میں لکھی گئی اہم اہم
شروحِ حدیث کا جامع تعارف

toobaa-elibrary.blogspot.com

چودھویں صدی ہجری میں ہندوپاک میں لکھی گئی

اہم اہم شروحِ حدیث کا جامع تعارف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۹۷۸ء میں سب سے پہلے جب میرا مصر جانا ہوا، تو میں نے جامعہ ازہر کا دورہ کیا، اور جامعہ ازہر کے کبار علماء میں سے علامہ شیخ جادالحق اور حضرت علامہ شیخ حسینی عبدالمجید ہاشم رحمہا اللہ سے ملاقات کی۔ علامہ شیخ حسینی رحمہ اللہ تعالیٰ اس وقت جامعہ ازہر کی نمائندہ شخصیت اور مجمع البحوث الاسلامی کے سیکریٹری جنرل تھے، اس وقت وہ مسند احمد کی اس تحقیق کی تکمیل فرما رہے تھے جسے علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے شروع کیا تھا، اس وقت چونکہ تکملہ فتح الملہم کی تالیف جاری تھی، اس لیے جب شیخ حسینی رحمہ اللہ کو اس کا علم ہوا کہ میں فتح الملہم کی تکمیل کر رہا ہوں تو انہیں بے انتہا مسرت ہوئی، اور مجھے بتایا کہ وہ سیرت و سنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر ایک انٹرنیشنل کانفرنس کے انعقاد کے سلسلے میں مصروفِ عمل ہیں، اور مجھے دعوت دی کہ میں فتح الملہم کے تعارف، اس کے تکملہ اور اس کی دیگر خصوصیات سے متعلق ایک مقالہ تحریر کردں اور اس کانفرنس میں پیش کروں۔ ان کے اس حکم پر میں نے اکابر میں علماءِ دیوبند کی گرانقدر خدمات، جن میں بالخصوص علم حدیث و دیگر علوم کو پھیلانے میں ان کا کردار اور ان کی بعض شروحِ حدیث کی عالمگیریت و افادیت کو اجاگر کرنے کے لیے اس موقع کو غنیمت جانا۔ اور چہ جائے کہ صرف فتح الملہم سے متعلق اپنے تکملہ پر کوئی مقالہ تحریر کرتا، اور اس بات کے پیش نظر کہ اکابر علماءِ دیوبند کی خدمات سے متعلق عرب دنیا میں آگہی کا کافی فقدان ہے، لہٰذا میں نے آنے والے دیگر مقالات بھی تحریر کیے، چوں کہ یہ بہت زیادہ تھیں، اس لئے ہندوپاک میں لکھی گئی جملہ کتبِ حدیث کا استقصاء ان مقالہ جات میں نہیں کیا جا سکا، جس کے باعث صرف ان اہم کتب حدیث پر اکتفاء کیا جو صرف اکابر علماءِ دیوبند کی طرف سے منظر عام پر آئیں۔

جس کانفرنس کے لیے یہ مقالے تحریر کیے گئے اس کا انعقاد تو نہیں ہو سکا، تاہم میں امید کرتا ہوں کہ اس کی طباعت فائدہ سے خالی نہیں ہوگی۔ ان کی ابتداء اس خط سے کی جا رہی ہے جو میں نے شیخ حسینی کی خدمت میں تحریر کیا تھا۔

محمد تقی عثمانی

مؤرخہ ۲۹ ذوالقعدہ ۱۴۰۵ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت علامہ شیخ حسینی عبدالمجید ہاشم حفظہ اللہ تعالیٰ

وکیل الازہر الشریف وامین عام مجمع البحوث الاسلامیۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وبعد:

گذشتہ ماہ جامعہ ازہر میں دورانِ ملاقات آنجناب نے یہ حکم فرمایا تھا کہ میں سیرت وسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں منعقدہ کانفرنس کے لئے تکملہ فتح الملہم کے تعارف پر ایک مقالہ تحریر کروں، جو عنقریب نومبر کے مہینے میں جامعہ ازہر ہی میں انعقاد پذیر ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، لیکن یہ مقالہ تحریر کرتے وقت زیادہ مناسب یہ معلوم ہوا کہ میں صرف اسی پر اکتفاء نہ کروں، بلکہ ہند وپاک کے اکابر علماء دیوبند کی چودھویں صدی ہجری میں تالیف کردہ دیگر شروحاتِ حدیث کا بھی ایک جامع تعارف پیش کروں۔ کیوں کہ وہ ہمیشہ سے ہی جنوبی ایشیاء کے مکتبات کی زینت رہیں، اور عرب دنیا میں دورانِ اسفار میں نے یہ محسوس کیا کہ سوائے چند ایک کے اکثر عرب علماء ان سے ناآشنا ہیں۔

چونکہ اس مقالہ کے لئے مطلوبہ وقت انتہائی مختصر تھا، اس لئے موضوع کا مکمل احاطہ ہوسکا، نہ اس کا صحیح معنی میں حق ادا ہوسکا۔ تاہم یہ مقالہ آپ کی خدمت میں مرسل ہے، گوکہ مختصر ہے مگر ان شاء اللہ فائدے سے خالی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ ان شاء اللہ توفیق بخشیں گے تو میں تتمہ کے طور پر ایک جامع فہرست ترتیب دوں گا، جس میں چودھویں صدی ہجری میں اکابر علماء دیوبند کی طرف سے علم حدیث کے موضوع پر لکھی گئی کتب وشروح، ان کی نشرواشاعت اور ان سے متعلق مختصر تعارف سے متعلق گفتگو ہوگی۔ یہ مقالہ محض آپ کے حکم کی بجاآوری اور دعا کی امید پر انتہائی عجلت میں تحریر کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلم امۃ کے لئے سرمایہ ہونے کی حیثیت سے آپ کی عمر دراز فرمائے۔ آمین

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محمد تقی عثمانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

چودھویں صدی ہجری میں ہندوپاک میں لکھی گئی اہم اہم شروح حدیث کا جامع تعارف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاَمِيْنِ، وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الْبَرَرَةِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ، وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ وَبَعْدُ:

بلاشبہ دیگر علوم اسلامیہ میں علم حدیث نبوی وہ عظیم القدر علم ہے جس کی خدمت کے لئے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات نے جس تندہی وجانفشانی سے سعی پیہم اور جہد مسلسل صرف کی ہے، بالخصوص اگر اس کی مختلف جہات، متنوع اطراف اور گہرائی وگیرائی کے ساتھ اس کی جزئیات تک اس امت کی رسائی پر ایک نظر ڈالی جائے تو اس کی نظیر کسی اور علم میں نہیں پائی جاتی۔

بلاشبہ شرح حدیث بھی انہی علوم اسلامیہ کی ایک کڑی ہے، جس کے متنوع اطراف ونواحی کی قدر ومنزلت، اس میں پنہاں مطالب کے حددرجہ گہرے مفہوم اور اس کے فوائد وثمرات بے شمار ہیں، جس سے اس کے معانی کی وضاحت، حقائق کی معرفت اور اس میں پوشیدہ اسرار ورموز سے پردہ اٹھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر زمان ومکاں کے اکابر علماء اس علم کی حددرجہ ضرورت محسوس کرتے ہوئے اس کی خدمت کے لئے میدان میں اترے اور انہوں نے کتب حدیث میں محدثین کے اختیار کردہ مختلف اسالیب اور علم حدیث کے مختلف پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے غایت اہتمام کے ساتھ کتب حدیث کی شروحات تحریر فرمائیں۔ ان میں سے بعض شارحین وہ تھے جنہوں نے متنِ حدیث اور اس کے نحوی اعراب کو ضبط کیا، بعض وہ تھے جنہوں نے سابقہ شرّاحِ حدیث کے اقوال کو جمع کیا، بعض وہ تھے جنہوں نے مذاہبِ فقہاء کی تنقیح اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں استنباط کردہ فقہی احکام کے دلائل پر روشنی ڈالی، اسی طرح بعض شراح نے بسط وتفصیل کا طریقہ اختیار کیا اور بعض نے ایجاز واختصار کا راستہ اپنایا، بالآخر آج امت مسلمہ کے کاندھے ان کے احسانات سے بوجھل ہیں جو امت مسلمہ کو حدیث کے معانی ومطالب تک پہنچانے کے لئے مشعل راہ کے طور پر تاریخ کا حصہ بن گئے۔ فجزاهم الله تعالٰی خیرا واجزل لهم اجراً

toobaa-elibrary.blogspot.com

اگر ہم علم حدیث کی تاریخ پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ علوم حدیث کے نشر واشاعت کے لئے اسلامی ممالک کے ایک بہت وسیع خطے نے یکے بعد دیگرے قابل قدر خدمات انجام دیں، اور ہر دور میں اس کے نشر واشاعت کے لئے نمایاں کردار ادا کیا، لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدائی صدیوں میں حجاز علوم حدیث کا مرکز رہا، جہاں دنیا کے ہر خطے سے طلباء کی کثیر تعداد علم کی پیاس بجھانے آتی تھی، پھر ان علوم کی ترجمانی ونمائندگی عراق منتقل ہوئی، پھر مصر، پھر ماوراء النہر اور پھر دیگر اسلامی خطے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام ہی اسلامی ممالک کو ایسے مقتدر علماء سے بہرہ مند فرمایا، جنہوں نے علمِ حدیث کی حفاظت ووعیت، اس کے قواعد وضوابط کے انضباط، اس کے معانی ومفاہیم کی وضاحت اور اس کے پیغام کو چہار دانگ عالم میں پھیلانے کے لئے کلیدی کردار ادا کیا۔

علوم حدیث میں یکے بعد دیگرے ان اسلامی ممالک کی خدمات کو اجاگر کرنے کے لئے شیخ محمد زاہد کوثری رحمہ اللہ تعالیٰ قدرے تفصیل سے کچھ یوں بیان فرماتے ہیں:

"ثم تورعت الاقطار والنشاط العلمی، وکان حظ اقلیم الھند من ھذا المیراث، منذ منتصف القرن العاشر- ھو النشاط فی علوم الحدیث، فاقبل علماء الھند علیھا اقبالا کلیا بعد ان کانوا منصرفین الی الفقه المجرد والعلوم النظریة ولو استعرضنا ما لعلماء الھند من الھمة العظیمة فی علوم الحدیث من ذلك الحین مدة رکود سائر الاقالیم لوقع ذلك موقع الاعجاب الکلی والشکر العمیق، وکم لعلمائھم من الشروح الممتعة وتعلیقات نافعة علی الاصول الستة وغیرھا وکم لھم من مؤلفات واسعة فی احادیث الاحکام وکم لھم من ایادبیضاء فی نقد الرجال وعلل الحدیث وشرح الآثار وتالیف مؤلفات فی شتی الموضوعات، واللہ سبحانه ھو المسئول ان یدیم نشاطھم فی خدمة مذاھب اھل الحق ویوفقھم لامثال ما وفقوا الھم الی الآن وان یبعث ھذا النشاط فی سائر الاقالیم من جدید"[۱۷۲]

۱۷۲؎ مقالات الکوثری: ۷۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

گو کہ یہ علمی سرگرمیاں مختلف بلادِ اسلامیہ میں تقسیم ہوگئیں، مگر سرزمینِ ہند کو اس میراث کا انتہائی وافر حصہ ملا، اور علماءِ ہند فقہ مجرد اور منطقی علوم سے بالاتر ہوکر اس علم کے سارے ہی نصیبہ سے بارآور ہوئے، اور اگر ہم اس وقت دیگر تمام اسلامی ممالک کے مقابلے میں علماءِ ہند کی علوم حدیث کے حوالے سے بلند ہمتی و حوصلہ افزاں پیش رفت کا جائزہ پیش کریں تو وہ اس قدر ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک ورطۂ حیرت میں پڑجائے گا اور ان کی شکر گزاری ہم پر واجب ہوجائے گی۔ اس دھرتی کے علماء کی صحاح ستہ و دیگر کتب حدیث پر حد درجہ نافع شروحات اور ان پر مفید تعلیقات ہیں، اور احکام حدیث کے حوالے سے وسیع پیمانے پر تالیفات ہیں، اور ان کو رجال حدیث کے نقد، آثار کی تشریح اور اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر مضبوط گرفت اور بھرپور دسترس حاصل ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کے سزاوار ہیں کہ مذاہب اہل حق کی خدمت میں صرف ہونے والی ان کی سرگرمیوں میں انہیں استقامت عطا فرمائے، اور اس جیسی مزید خدمات کے لئے موفق فرمائے، اور باقی دنیا کو بھی ان کی قابل قدر خدمات سے بہرمند فرمائے۔

اخیر کی ان صدیوں میں وقوع پذیر ہونے والی علماءِ ہند کی یہی وہ عظیم الشان خدمات ہیں، جن کا اعتراف عظیم المرتبت قدآور شخصیت استاذ محمد رشید رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "مفتاح کنوز السنۃ" کے مقدمہ میں کچھ اس طرح فرمایا ہے:

ولولا عناية اخواننا علماء الهند بعلوم الحديث في هذا العصر لقضي عليها بالزوال من امصار الشرق، فقد ضعفت في مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر من الهجرة، حتى بلغت منتهى الضعف في اوائل هذا القرن الرابع عشر[۱۴۸]

اگر فی زمانہ علوم حدیث میں سرزمین ہند کے ہمارے ان علماء برادران کی ذرہ نوازی نہ ہوتی، تو مشرقی دنیا میں یہ علوم روبہ زوال ہوجاتے، جبکہ صورتحال یہ تھی کہ مصر، شام، عراق، حجاز وغیرہ میں دسویں صدی ہجری سے قحط پڑچکا تھا، حتّٰی کہ اس چودھویں صدی ہجری کے اوائل ہی میں یہ قحط اپنے انتہا کو پہنچ چکا تھا۔

تاریخ اسلامی یہ بتاتی ہے کہ ہمارے امام اور عظیم مجتہد و محدث حضرت مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سب سے پہلی وہ شخصیت تھے، جن کے سر ہندوستان کے ہر ہر شہر میں علوم نبویہ علی صاحبہا الصلوات

۱۴۸ مقدمۃ مفتاح کنوز السنۃ: ۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

والتسلیمات کی ترویج واشاعت کا سہرا جاتا ہے، کیوں کہ جب انہوں نے مشاہدہ کیا کہ ہندوستان میں فکری وعقلی فنون اور علوم آلیات کا چرچا بام عروج پر ہے اور لوگوں کے علمی میدان کا محو، دلچسپی کا دائرہ کار اور فخر ومباہات کا مرکز انہی علوم تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، اور کتاب اللہ وسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسے علوم عالیات سے ان کی وابستگی ختم ہوتی جارہی ہے تو انہوں نے سرزمین حجاز کا سفر فرمایا، اور شیخ ابراہیم کردی رحمہ اللہ تعالیٰ سے شرف تلمذ حاصل کیا، جنہوں نے علوم حدیث کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا تھا، چنانچہ وہ ایک طویل عرصہ ان کی خدمت میں رہے اور علوم حدیث میں درجۂ کمال حاصل کیا، حتّٰی کہ شیخ کردی بذات خود ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

تلقّن منا الفاظ وتلقّنا منه المعنیٰ

وہ ہم سے الفاظ کا علم لیتے اور ہم ان سے معانی کا علم لیتے۔

جس سے ان کی مراد حدیث سے متعلق نکات اور اس کے معانی تک رسائی ہے، اور درحقیقت یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک معروف حدیث کی طرف بھی اشارہ تھا، جس میں آپ نے فرمایا:

وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ

کبھی حدیث کا (محض) حفظ کرنے والا ایسے شخص کو حدیث سنادیتا ہے جو اس سے زیادہ اس کی سمجھ رکھتا ہے۔

اس کے بعد جب حضرت شیخ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ہندوستان واپس پہنچے، تو علوم نبوت کے نور سے اسے اس قدر منور کردیا کہ وہ اس فن میں سب پر فائق ہوگئے، برصغیر کے ہر جانب سے حدیث کے طلباء ان کے پاس جوق در جوق آنے لگے، اور ان کے علوم سے لپ بھر بھر کر مستفیض ہوئے اور اپنے وطن لوٹ کر علم حدیث کو پوری دنیا کے مسلمانوں تک پہنچایا، ان کے مبارک پیغام کو عام کیا، کتابیں لکھیں، تصنیفی وتالیفی خدمات پیش کی، امت کے لئے نافع بنے اور عظیم مرتبے پر فائز ہوئے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

یہ شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کے تلامذہ وفیض یافتہ علماء تھے جنہوں نے دیوبند میں "دارالعلوم" کی بنیاد رکھی، جس کا فیض اس قدر پھیلا کہ اسے "ازہر الہند" کا خطاب دیا گیا، اور وہ دینی علوم کا سب سے بڑا منبع وسرچشمہ ہونے کی حیثیت سے طلباء علم دین کا مرجع بن گیا، جس نے ہندوستان کی دھرتی کو علم اور علماء سے بھر دیا، اور اس خطے میں اسلام کو پھیلانے اور اعلاء کلمۃ اللہ میں اس ادارے کا سب سے بڑا کردار رہا، نتیجہ یہ کہ یہاں سے ایسے علماء تیار ہوئے جو تمام ہی علوم اسلامیہ میں کمال درجہ رسوخ اور غایت درجہ دسترس

toobaa-elibrary.blogspot.com

رکھتے تھے، ملت اسلامیہ کی طرف علمی وعملی میراث کو منتقل کرنے میں علم وتقویٰ کے اعلیٰ معیار پر فائز اس ادارے کے علماء کا قابل قدر کردار ہے، یہی وجہ ہے کہ جب استاذ علامہ سید رشید رضا نے سرزمین ہند کا سفر کیا تو انہوں نے دیوبند میں قائم اس عظیم ادارے "دارالعلوم" کا بھی دورہ کیا، اور اس موقع پر اپنی تفصیلی گفتگو میں فرمایا:

ولو لم ار هذه الجماعة العلمية ومثل هؤلاء

الاحبار والاعلام لرجعت من الهند حزينا

اگر میں اس عظیم علمی طبقہ اور ان جیسے قدآور اکابرین اور جبالِ علم کو نہ دیکھتا تو ہندوستان سے نہایت غمگین ہو کر لوٹتا۔

اور مصر واپسی پر انہی تاثرات کو اپنے اخبار "المنار" میں پھر دوہرایا اور فرمایا:

على انني رايت فى مدرسة ديوبند التى تلقب بازهر الهند

نهضة دينية علمية جديدة ارجوان يكون لها نفع عظيم

جہاں تک میں نے مدرسہ "دیوبند" کو دیکھا، جو ازہر الہند کے لقب سے موسوم ہے، اسے دینی اعتبار سے ترقی کی راہوں پر گامزن اور جدید علوم سے آراستہ پایا، امید ہے کہ اس کا فیض عام ہوگا۔

نیز فرمایا:

ماقرت عينى بشىء فى الهند كما قرت برؤية مدرسة ديوبند ولا سرت بشيئ بما لاح لها من الغيرة والاخلاص فى علماء هذه المدرسة وكان كثير من اخوانى المسلمين فى بلاد الهند المختلفة يذكرون لى هذه المدرسة ويصف رجال الدنيا منهم علمائها بالجمود والتعصب ويظهرون رغبتهم فى اصلاح تعميم نفعها وقد رايتهم ولله الحمد فوق جميع ما سمعت عنهم من ثناء وانتقاد [۱۳۹]

سرزمینِ ہند کی کسی چیز سے میری آنکھوں کو اتنی ٹھنڈی نہیں ملی جتنی کہ مدرسہ "دیوبند" دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی ہوئی۔ اور اس مدرسہ کے علماء کے بے حد اخلاص اور غیرت دینیہ نے جو اس ادارے کو چار چاند لگائے ہیں، اس خصوصیت نے مجھے حد درجہ مسرت بخشی، اور ہندوستان کے مختلف شہروں کے برادران نے اس

---

۱۳۹ منقول من نفحۃ العنبر للشیخ محمد یوسف البنوری رحمہ اللہ: ۱۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

مدرسہ کے حوالے سے بتایا، اوراپنے درمیان موجوداس ادارے کے علماء ہی کو متصلب فی الدین اور شدت کے ساتھ پوری دنیا کے کارآمد ترین افراد ہونے کی حیثیت سے متعارف کروایا، اور چار سو پھیلے ہوئے اس مدرسہ کے اصلاحی فوائد وثمرات میں دلچسپی کا اظہار کیا، ان سے میں نے جو تعریف اور تاثرات سنے، اس سے کہیں بڑھ کر میں نے اس ادارے کو پایا۔

اس اسلامی یونیورسٹی کی خصوصیات میں سے ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں درس حدیث نبوی نصاب ومنہج کے طور پر اس طرح مقرر ہے کہ طلبہ مکمل ایک سال صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد و شرح معانی الآثار للطحاوی اس فن کے ماہر اساتذہ سے پڑھتے ہیں، جو محض حدیث کو روایت کرنے اور طالب علم کے عبارت پڑھ لینے پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ ہر ہر حدیث کے معانی، مطالب، علوم ومعارف اسناد سے متعلق بحث، استنباط کردہ فقہی احکام، مذاہب فقہاء اوران کے دلائل کے ذکر کے ساتھ بیانِ وجہِ ترجیح حدیث کے ساتھ ساتھ اس طرح درس دیتے ہیں کہ یہ دروس اور تقاریر انتہائی مفید مقالات کی شکل اختیار کر جاتے ہیں، جن میں علوم عربیہ میں سے نحو، صرف اور بلاغت، جبکہ علوم دینیہ میں سے تفسیر، حدیث اور فقہ، فکری علوم میں سے علم منطق اور فلسفہ سب ہی جمع ہو جاتے ہیں، دورانِ درس طلبہ کی عام عادت ہے کہ وہ ان دروس وتقاریر کو عربی یا اردو زبان میں املاء کر لیتے ہیں جو بعد میں جاکر استاذ کی امالی و یادداشت بن جاتی ہیں۔ اور یہ امالی ہی صرف اتنی بڑی تعداد میں طبع ہو چکی ہیں جنہیں معمولی نہیں کہا جا سکتا۔

جامعہ دارالعلوم کی اور اس کے نظام تعلیم کی ایک اور خصوصیت جو سب سے زیادہ ظاہر وباہر ہے، یہ ہے کہ یہاں محض کتابوں کی تعلیم اور علوم وفنون کی تدریس نہیں ہوتی، بلکہ تعلیم وتعلم سے کہیں بڑھ کر طلبہ کی تربیت پر توجہ دی جاتی ہے اور انہیں سرتاپا رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے سانچے میں ڈھالا جاتا ہے، چنانچہ اساتذہ اور طلبہ کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے سمیت جملہ شعبہائے زندگی میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں کو دل وجان سے اپناتے ہیں۔

اگرچہ مغربی استعمار نے ظلم وسربریت کی روش اپناتے ہوئے اس طبقہ پر معاش کے تمام ہی دروازے بند کر دیے، تاکہ بھوک وافلاس اور فقر وفاقہ کے خوف سے اسلام کا پیغام عام کرنے سے یہ باز آجائیں اوران کی کمر ٹوٹ جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں تقویٰ وپرہیز گاری اور مصائب پر صبر واستقامت کی دولت سے مالامال فرمایا چنانچہ یہ فاقہ مست لوگ ہمیشہ ہی سے روکھی سوکھی کھاکر، پھٹے پرانے کپڑے پہن

toobaa-elibrary.blogspot.com

کر اور چھپڑ تلے رہ کر راضی برضا رہے ہیں۔

لیکن افسوس کا مقام ہے کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے حوالے سے ان کی بھاری بھرکم اور قابلِ قدر خدمات کا ڈنکا جنوبی ایشیاء ہی میں بجتا رہا اور عرب دنیا میں سوائے چند لوگوں کے کوئی اس سے متعارف نہیں ہوسکا؟ اور وہ اس لیے کہ انہوں نے ایک ایسے ماحول میں اپنی خدمات پیش کیں جہاں استعماری طاقتوں نے ان پر عملی میدان کا شکنجہ کس دیا تھا، جس کے نتیجے میں وہ ہمیشہ معاشی قحط سالی اور مالی زبوں حالی کا شکار رہے اور اپنی تالیفات و تصنیفات کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق طبع نہ کروا سکے، چنانچہ ان کی اکثر کتابیں بوسیدہ اور بھاری بھرکم کاغذوں پر طبع ہوئی ہیں۔ جس کے باعث تاجروں نے اس میں دلچسپی نہیں دکھائی اور ان کی طرف علم کے لئے جلنے پگھلنے والے فاقہ مست طبقۂ اہل علم کے علاوہ کسی نے التفات نہیں کیا، جن کے نزدیک کتاب کی ظاہری ملمع سازی کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی، لہٰذا کوئی مکتبہ ایسا نہیں تھا جو اس علمی ذخیرے کو عصر حاضر کے جدید ذوق کے مطابق شائع کرتا۔ میں محترم استاذ محقق عالم دین شیخ حسین ابراہیم (وکیل الازھر الشریف) حفظہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میرے سامنے مطالبہ رکھا کہ میں اس مبارک کانفرنس کے لئے ایک مقالہ تحریر کروں، جس میں حدیث و سنت نبوی کے حوالے سے علماء ہند کی خدمت کا تعارف پیش کیا جائے۔

حق تو یہ ہے کہ ازروئے ذکر و تعارف ان جلیل القدر خدمات کے احاطہ کے لیے ایک ضخیم دستاویز کی ضرورت ہے، جس کے لکھنے کے لیے یہ انتہائی محدود وقت تحمل نہیں رکھتا۔ اور نہ ہی اس حد تک تفصیل اس کانفرنس کے لیے درکار ہوسکتی ہے۔ پس اس مختصر مقالے سے میری منشاء یہ ہے کہ میں حدیث کی ان اہم اہم شروح کا تعارف پیش کروں، جنہیں علماء ہندوپاک نے تیرھویں صدی ہجری سے اب تک تحریر کیا ہے۔

۱۔ فیض الباری

یہ درحقیقت علامہ شیخ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر صحیح بخاری کے امالی کا مجموعہ ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنے قوتِ حافظہ اور علمی گہرائی و گیرائی میں اپنی مثال آپ اور تمام ہی علوم دینیہ و عربیہ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، بالخصوص اپنے وقت میں علوم الحدیث میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا، چنانچہ دیو بند میں واقع دارالعلوم میں انہیں صدر مدرس کے عہدہ پر فائز کیا گیا، انہوں نے سالہا سال تشنگانِ علم کو صحیح

toobaa-elibrary.blogspot.com

البخاری کے درس سے سیراب کیا، وہ دورانِ درس حدیث کے متن، سند اور نہایت دقیق تحقیقات سمیت اپنی مجددانہ تقریر اور فی البدیہ افادات کے ساتھ کماحقہ درس کا حق ادا کرتے، انہی دروس کو ان کے فیض یافتہ تلمیذ رشید اور محقق عالمِ ربانی حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یکجا کیا اور "فیض الباری" کے نام سے موسوم کیا، جس پر انہوں نے اپنی تعلیقاتِ نافعہ کا اضافہ کیا اور انہیں "البدر الساری" کا نام دیا۔

یہ کتاب چار جلدوں میں برقی کتابت کے ساتھ طبع ہوئی، جس میں اس قدر مفید اور دقیق مباحث ہیں کہ صحیح البخاری کی دیگر مطول شروحات بھی ان مباحث سے خالی نظر آتی ہیں، اہل علم جانتے ہیں کہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح فتح الباری اسقدر جامع ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح بخاری سے متعلقہ تمام ہی علوم کو انتہائی خوبی سے بایں طور جمع کیا ہے کہ ان پر مزید اضافہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں رکھی۔ یہاں تک کہ بعض علماء حدیث کا اس شرح کے بارے میں یہ قول بہت معروف ہے کہ لا هجرة بعد الفتح (فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت [اس جیسی] نہیں) لیکن حضرت شیخ امام کشمیریؒ نے اپنی اس شرح میں ایسے نئے افادات ذکر کیے ہیں جس کی نظیر اس سے پہلے نہیں ملتی اور رائج دیگر شروح پر ایسے اضافہ جات کیے ہیں جس سے ایک حدیث کا طالب علم مستغنی نہیں رہ سکتا۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے بحر ذخار اور ان کے استحضار میں آیۃ من آیات اللہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس مجموعہ میں قاری کو ایک حدیث سے دوسری حدیث کی طرف اور ایک علم سے دوسرے علم کی طرف بڑے خوبصورت انداز میں منتقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس جہت سے یہ کتاب گویا ایک ایسا باغ ہے جس میں نوع نوع کے پھل اور قسم قسم کے پھول کھلے ہیں، جس سے طالبعلم کو ہر علم و فن سے متعلق نت نئی مباحث و افادات کی خوشبو آتی ہے۔

فتح الملہم بشرح صحیح مسلم

اہل علم کے درمیان یہ سن گن اکثر رہتی تھی کہ جس طرح بخاری شریف کی مفصل و مطول شروح "فیض الباری" و "عمدة القاری" ہیں، اس طرح مسلم شریف کی بھی کوئی مبسوط شرح ہونی چاہیے، جبکہ متداول ورائج شروح جیسے شرح نووی وابیؒ وغیرہ گوکہ حدیث کی مراد واضح کرنے کی حد تک ہیں تو مفید، مگر بے حد مختصر ہیں، اور اس میں اس درجہ بسط و تفصیل اور متعلقہ مباحث کا استقصاء نہیں کیا گیا، جیسا کہ صحیح

toobaa-elibrary.blogspot.com

بخاری کی شروح میں کیا گیا ہے۔

اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے محقق عالم ربانی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس خلا کو پُر فرمایا اور صحیح البخاری کی طرز پر یہ شرح تالیف فرمائی، جس میں انہوں نے حدیث کے متن اور سند سمیت جملہ متعلقہ مباحث کا احاطہ فرمایا ہے اور اس میں وہ تمام نادر و نایاب فوائد بڑی عرق ریزی سے جمع کیے ہیں جو انہوں نے اپنے اساتذہ و مشائخ سے سنے، جن میں حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ، امام العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ، اور امام المحدثین انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ جیسے جبال علم شامل ہیں۔ نیز اکثر مواضع پر ان اکابرین کے علوم بیان کرنے کے بعد اپنے وہ الہامی اور جدید علوم وافادات ذکر کئے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے انہیں خاص فرمایا ہے اور جو کہیں اور نہیں ملتے۔

اس کتاب کی مدح سرائی میں اس تحریر کا ذکر کر دینا کافی ہوگا جو محقق و مقتدر اور امام و متقن شیخ محمد زاہد کوثری رحمہ اللہ نے لکھی، انہوں نے اس کتاب کی ابھی دو جلدیں ہی دیکھی تھیں کہ اپنے رسالہ "الاسلام" میں اس کی تعریف و توصیف اور اس پر تقریظ کے طور پر ایک مفصل مقالہ تحریر فرمایا، جس میں انہوں نے صحیح مسلم کی دیگر شروح کے حوالے سے ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا:

> لیکن حق یہ ہے کہ یہ تمام ہی شروح ہر زاویے سے صحیح مسلم کی وضاحت و تشریح کا کما حقہ اس طرح حق ادا نہیں کرتیں، جس طرح کہ مطالعہ کرنے والے تشنہ محققین شرح میں موجود علم کی کان سے بغرض استفادہ اسے اہمیت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ صورتحال یہ ہے کہ فقہ یا عقائد سے متعلقہ جملہ مذاہب میں سے کسی بھی مذہب پر کیسی ہی عمدہ شرح ہو، اگر آپ اس کا بغور مطالعہ کریں گے تو عملی طور پر اور اعتقادی نقطۂ نظر سے اکثر مذاہب کے بارے میں متعلقہ فقہی مباحث سے اس طرح خالی پائیں گے جو مباحث میں پائی جانے والی تشنگی سے سیرابی نہیں دے رہی ہوں گی، یا عموماً کتاب کے مقدمے کی توضیح و تشریح میں تساہل برتا جا رہا ہوگا، حالاں کہ محدثین کی یہ بالکل ابتدائی تحریر ہوتی ہے جس میں وہ بطور تمہید فن کی اصطلاحات کے متعلق قواعد بیان کرتے ہیں، جیسے کہ امام مسلم رحمہ اللہ کی کتاب "التمییز"، جس میں انہوں نے جملہ اصطلاحات کی مبسوط شرح فرمائی ہے۔ نیز بہت سی شروح ہمیں ایسی بھی ملتی ہیں جن میں رجال حدیث پر کلام ہی نہیں کیا جاتا، حالاں کہ ایک محقق قاری کو نقد کے معروف مواقع پر اس کی اشد ضرورت رہتی ہے، نیز اگر ان میں سے کوئی شرح اچھی معلوم ہوگی، تو بہت سی

toobaa-elibrary.blogspot.com

دیگر وجوہ سے تشنہ ہوگی، اسی طرح دیگر تمام ہی شروح کی یہی کیفیت ہے، جو یقیناً ایک بہت بڑا خلا ہے، بہر حال! ہمیں شدید انتظار تھا کہ طباعت کی دنیا میں صحیح مسلم کی کوئی ایسی شرح ہو جو اس خلا کو پُر کرے۔

چنانچہ "فتح الملہم بشرح صحیح مسلم" نہایت ستھرے اور خوبصورت غلاف میں، مکمل تزیین و آرائش کے ساتھ ہندوستان کے مختلف مکتبوں سے چھپ کر منصۂ شہود پر آئی اور ہم اس متاعِ گمشدہ کو پاکر فتحیاب ہوگئے۔ اب تک اس کی دو ضخیم جلدیں طبع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں، جن میں سے ہر ایک کے پانچ صد صفحات ہیں، جبکہ ہر صفحہ پر پینتیس سطریں ہیں، اگر یہی کتاب مصر کے کسی مکتبہ سے چھپتی، تو ان میں سے ہر ایک جلد بڑے سائز میں دو جلدوں پر ہوتی، نیز تیسری جلد طباعت کے بالکل قریب ہے، اس ضخیم و فخیم شرح کی ظاہری و باطنی خوبیوں کو دیکھ کر بے انتہا رشک آیا، بالخصوص جب یہ دیکھا کہ یہ کتاب ہر زاویے سے ایک مکمل شرح ہے، اور صحیح معنی میں اس خلاء کو پُر کرتی ہے، جس کی طرف ابھی ہم نے اشارہ کیا۔

چنانچہ ایک محقق اور قاری اولاً ایک مطوّل مقدمہ سے ابتداء کرتا ہے جس میں علم اصول حدیث کی متفرق مباحث کو انتہائی جامع اور محققانہ اسلوب میں اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ علماء اصول فقہ کے بیان کردہ اختلافِ مذاہب کی روشنی میں محدثین کے تمام ہی منقولہ آراء و اقوال بالتفصیل آگئے ہیں، یہ کہیں نہیں ہوا کہ ایک فریق کی رائے پر اکتفاء کرتے ہوئے دوسرے فریق کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔

اس طرح یہ اپنی نوعیت کا منفرد مقدمہ قاری کو لامتناہی مصادر و مراجع کی طرف رجوع کرنے سے کفایت دیتا ہے، یک صد صفحات پر مشتمل اس مطول مقدمہ کے بعد محقق علام نے مقدمہ صحیح مسلم کی شرح اس انداز سے کی ہے کہ قاری کو بکمالہ شرح صدر ہو جاتا ہے کیوں کہ فن کے نبض شناس شارحِ علام نے اشکال کا کوئی موقع سرے سے چھوڑا ہی نہیں، بلکہ جملہ مباحث مالہا و ماعلیہا غایت درجہ احتیاط کے ساتھ کھول کھول کر بیان کی ہیں، پھر باب در باب احادیث کی شرح میزان اعتدال میں رکھ کر کی ہیں، اور تمام ہی فقہی مسائل بلا کسی کتر و بیونت کے ذکر کئے ہیں، بلکہ مسائل سے متعلقہ مذاہب کو مبرہن و مدلل کر کے انوکھے انداز سے بیان کیا ہے، نیز ان کے درمیان موازنہ کیا ہے، قوی روایات کو ترجیح و تقویت دی ہے اور ضعیف روایات کی پورے انصاف سے تضعیف کی ہے، اسی طرح فاضل شارح نے کسی باب میں حدیث سے متعلقہ کسی ایک گوشہ کو بھی مبہم نہیں چھوڑا، بلکہ کماحقہ تحقیق و توضیح کا پورا پورا حق ادا کیا ہے، اسماء الرجال کو ضبط کیا ہے، غریب احادیث کی بیّن شرح کی ہے، اسماء الرجال پر کلام کیا ہے، اور ان مقامات کی فنی اعتبار سے اور تنقیدی نقطۂ نظر سے تحقیق کی ہے، جن پر

toobaa-elibrary.blogspot.com

بعض ائمہ کا اشکال وارد ہوتا ہے۔ اور محض اس قول کے مد نظر اندھی تقلید کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھی جس میں قائل کہتا ہے، کل من اخرج له الشیخان فقد قفز القنطرة (امام بخاری ومسلم کی ذکر کردہ حدیث جس کی دلیل بن گئی، بس اس نے میدان مار لیا۔)

شارح نے کج رو فرقوں پر بھی شافی رد کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو فقہاء و محدثین کے مخالفین پر رد کرنے میں درجہ کمال حاصل ہے، اور دورانِ شرح ایسے نادر و نایاب فوائد اور جلیل القدر حقائق سے پردہ اٹھایا ہے جس پر چنیدہ رجال کار اور اہل دل عارفین ہی مطلع ہو سکتے ہیں۔ یہ کہنا مبنی بر مبالغہ نہ ہوگا کہ اگر قاری اس کتاب کو بنظر انصاف دیکھے گا تو اس سے کہیں بڑھ کر پائے گا جیسا کہ ابھی ہم نے اس کی مدح سرائی کی ہے۔

اس کتاب کے وہ باریک بین مؤلف، متن وسند کے علام، راویوں کے احوال وجرح تعدیل کے واقفکار، متفرق و متنوع علوم کے جامع، علوم وفنون میں ید طولیٰ اور دسترس رکھنے والے، عظیم مفسر، محدث، فقیہ، ماہر فن، نقد نگار، محقق العصر، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی (شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، سورت، ھند، ناظم تعلیمات دار العلوم دیوبند المعروف ازہر الہند) ہیں، جنہوں نے تفسیر، حدیث، فقہ اور مخالفین کے رد پر بیش بہا مشہور کتب تحریر فرمائی ہیں۔ اطال اللہ بقائہ فی خیر وعافیۃ

افسوس کہ مؤلف علام رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الملہم کی تکمیل نہ فرما سکے، جس کی وجہ یہ بنی کہ جب مسلمانوں نے ایک آزاد وطن پاکستان کا مطالبہ کیا تو حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف فرمادیا، کیوں کہ وہ ہندوستان کو مغربی استعمار سے آزادی دلانے کی تحریک کے روح رواں اور مرکزی کردار تھے، بالآخر اس تحریک کے لئے ان کی صرف کردہ جہدِ مسلسل اور شب وروز کی انتھک محنت رنگ لائی، اور پاکستان دنیا کے نقشہ پر ایک مستقل اسلامی مملکت ہونے کی حیثیت سے معرض وجود میں آیا، اس کے بعد حضرت شیخ رحمہ اللہ اس کی خالص اسلامی بنیادوں پر تعمیر وترقی میں مصروف عمل ہو گئے، یہاں تک کہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اور انہیں اس شرح کی تکمیل کا موقع میسر نہ آسکا، حالانکہ وہ کتاب النکاح کے آخر تک اپنے قارئین کو سیراب کر چکے تھے، اور نصف کے قریب کتاب باقی رہ گئی تھی۔

ہند وپاک کے مقتدر علماء کی بڑی خواہش تھی کہ اس کتاب کا تکملہ لکھیں، جن میں میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ کا اس کی تکمیل کے حوالے سے غایت درجہ اہتمام اور بنفس نفیس ا

toobaa-elibrary.blogspot.com

س کی تکمیل کا انتہائی شوق رہا، پس انہوں نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخر دور میں مجھے حکم دیا کہ میں اس عظیم القدر کام کی بتوفیق خداوندی ابتداء کروں، تو میں نے محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے "تکملہ فتح الملہم" کی ابتداء کی، اور اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت اور توفیق سے دو ضخیم جلدیں تالیف کر چکا ہوں، جن میں سات سو صفحات پر مشتمل ایک جلد وسیع پیمانے پر شائع ہو چکی ہے۔ میں نے یہ کتاب کتاب الرضاع سے شروع کی ہے اور کتاب الرضاع، طلاق، عتق، بیوع اور مساقات کی مفصل شرح کی ہے، کتاب المساقاۃ پر آکر پہلی جلد اختتام پذیر ہوتی ہے۔ جب کہ دوسری جلد میں کتاب الفرائض، ہبہ، وصیت نذور وایمان، دیات، حدود مکمل ہو چکے ہیں، اور یہ مبارک سلسلہ جاری ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہتر سے بہتر انداز میں اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

چونکہ میں نے اس کتاب کے اس حصہ سے شرح کا آغاز کیا، جو اکثر معاملات کے ابواب پر مشتمل تھا، جس میں بلاشبہ حد درجہ اہتمام درکار تھا، لہٰذا میں نے جملہ مسائل کی تحقیق وتنقیح میں حتی المقدور سعی پیہم صرف کی ہے، معروف ہے کہ اکثر کتب حدیث کی شروحات میں معاملات کا باب اس درجہ بسط وتفصیل سے بیان نہیں ہوتا جیسا کہ عبادات کے باب میں اس کا اہتمام ہوتا ہے، چنانچہ میں نے اس تکملہ میں مباحث میں موجود اس خلا کو کافی وشافی تفصیل کے ساتھ پُر کرنے کا ارادہ کیا ہے، ان شاء اللہ کیوں کہ عصر حاضر میں نت نئے مسائل ومباحث نے جنم لیا ہے، جو متقدمین کے زمانے میں موجود نہیں تھے، لہٰذا میں نے تکملہ میں ان مباحث ومسائل کو مکمل بسط وتفصیل کے ساتھ موضوع بحث بنایا ہے، والحمد للہ تعالیٰ، جملہ احباب سے گزارش ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا کریں کہ اپنی رضا ومنشاء کے مطابق اس کام کی تکمیل کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین[۱۵۰]

۳۔ بذل المجهود فی حل ابی داؤد

کتب حدیث میں سنن ابوداؤد کی قدر ومنزلت محتاج بیان نہیں اور اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ یہ ہر زمان ومکان کے مقتدر وماہرین متقدمین اکابر علماء کی شرح وتعلیقات سے مزین رہی ہے، لیکن جتنا افسوس کیا جائے کم ہے ان میں اکثر شروحات دریا برد ہو گئیں، اور ہمارے لیے ان کا حصول واستفادہ ممکن نہ

۱۵۰؎ (بحمد اللہ تعالیٰ یہ مبسوط شرح منصۂ شہود پر آنے کے بعد اس خلا کو بخوبی پُر کر چکی ہے۔ مترجم)

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوسکا، جن میں بالخصوص شہاب الدین مقدسی، سراج الدین ابن الملقن، شہاب الدین الرملی، حافظ بن ارسلان رحمہم اللہ کی تعلیقات وشروح شامل ہیں، جب کہ بعض شروحات ایسی بھی ہیں، جن کے مؤلفین کے لیے ان کی تکمیل مقدر نہ ہوسکی، جیسے کہ حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ کہ انہوں نے ابتداء سے باب سجود السہو تک سات جلدوں میں اس کی شرح لکھی، اگر یہ کتاب مکمل ہوجاتی تو اس کی چالیس سے متجاوز جلدیں ہوتیں، اسی طرح شیخ محی الدین نووی، حافظ علاء الدین المغلطائی اور حافظ بدر الدین عینی رحمہم اللہ تعالیٰ کی شروحات بھی پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکیں۔

فی الوقت سنن ابی داؤد کی جو شروح دستیاب ہیں ان میں علامہ خطابی کی معلم السنن، علامہ ابن قیم الجوزی کی تہذیب السنن، علامہ حافظ سیوطی کی مرقاۃ الصعود شامل ہیں، لیکن علمِ حدیث سے شغل رکھنے والے پر یہ مخفی نہیں کہ یہ شروح حد درجہ فائدہ مند اپنے فن میں جامع اور ان کے مؤلفین کے علوم اسلامیہ میں قدآور ہونے کے باوجود انتہائی مختصر ہیں، بلکہ ان میں اس درجہ اختصار ہے کہ اسے کتاب میں موجود ہر حدیث کی شرح کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سنن ابی داؤد کی منتخب احادیث پر تعلیقات کا مجموعہ ہے۔

یہی وجہ تھی کہ سنن ابی داؤد کی ایک جامع شرح کی انتہائی شدید ضرورت تھی، چنانچہ اس خلاء کو پر کرنے کی غرض سے اخیر کے زمانے میں تین اکابر علماء میدان میں اترے:

۱۔ محدث کبیر علامہ شمس الحق الدیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۳۲۹ھ) جنہوں نے ایک گرانقدر شرح لکھنی شروع کی اور اس کا نام "غایۃ المقصود" رکھا، لیکن چوں کہ اس کا دائرہ کار بہت وسیع اور عملی نوعیت کا کام بہت بھاری بھر کم تھا، شاید اس لئے مؤلف علام رحمہ اللہ نے یہ محسوس کیا کہ اس قدر وسیع بنیادوں پر شرح ان کی زندگی میں مکمل نہ ہوسکے گی، چنانچہ انہوں نے اس کا دائرہ کار محدود کردیا، اور اسے صرف چار جلدوں ہی میں پایہ تکمیل تک پہنچادیا، اور اسے عون المعبود کا نام دیا، اور اسے اپنے برادر مکرم شیخ محمد اشرف رحمہ اللہ کی طرف منسوب کردیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ان کی اپنی تصنیف تھی۔

۲۔ عظیم مبلغ اور داعی شیخ محمود محمد خطاب سبکی المصری رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) نے بھی ایک انتہائی جامع شرح تالیف کی، جس کا نام "المنہل العذب المورود" رکھا جس کی دس جلدیں شائع ہوئیں، جو کتاب الحج کے باب التلبیہ تک ہے، اور اس طرح وہ اس عظیم شرح کی تکمیل نہ فرماسکے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳۔ محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ نے بھی سنن ابی داؤد کی ایک جامع شرح تالیف فرمائی اور اس کا نام بذل المجہود فی حل سنن ابی داؤد تجویز فرمایا، یہ شرح اولاً سنگی طباعت کی صورت میں کتابت کے ساتھ بڑے سائز میں شائع ہوئی، جس کی لکھائی بھی بہت ہلکی اور باریک تھی، لیکن اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) نے بیس جلدوں میں جدید خطوط پر استوار کر کے برقی طباعت کے ساتھ طبع کیا۔

بلاشبہ یہ شرح، سنن ابی داؤد کی تمام ہی متداول شروحات میں سب سے زیادہ جامع ہے، جو اپنے کثیر ترین علمی مواد، گرانقدر فوائد و نکات اور انوکھے واچھوتے اسلوب کے اعتبار سے دیگر شروح پر حاوی ہے، جس کے بارے میں مفکر اسلام علامہ ابوالحسن علی الحسنی الندوی رحمہ اللہ مزید وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں:

> سنن ابی داؤد کی شرح بذل المجہود کی یہ امتیازی خصوصیات ہیں کہ یہ کتاب علم حدیث پڑھنے پڑھانے والوں اور محققین کی امنگوں کی ترجمان اور قدآور شرّاح کی تحریر کردہ ان شروحات کے عین مطابق ہے جنہیں تلقی بالقبول حاصل ہوئی۔ یہ وہ شرح ہے جس سے ہر زمانے کے طلبہ مستفیض ہوئے، جن میں اصول حدیث سمیت اسماء الرجال تک سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے، مؤلف علام نے اس شرح میں دلائل پر دلائل کے انبار لگا دیے ہیں، اکثر اوقات ان کی گفتگو کا محور فن حدیث اور دیگر تمام متعلقہ فنون ہوتے ہیں۔
>
> اس شرح میں مصنف رحمہ اللہ نے فقیہ الامت محدث کبیر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ ان تحقیقات سے بھی استفادہ کیا ہے جنہیں ان کے شاگرد رشید حضرت مولانا یحیٰ کاندھلوی رحمہ اللہ نے دوران درس ضبط کیا، حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ انہوں نے حتی الامکان یہ کوشش کی ہے کہ غلطی کی نسبت راوی کی طرف نہ ہو اور جہاں کہیں دیگر شراح کی طرف سے بے جا لے دے کی گئی ہے، اور کوئی چارہ کار نہیں رہا، وہاں بڑی فہم اور بصیرت کے ساتھ حسب گنجائش اس قدر مناسب تاویل کی ہے کہ ہر عاقل وانصاف پسند قاری کے لئے قابل قبول ہے۔ جیسے کہ وہ روایات جس میں انگوٹھی اتارنے کا ذکر آیا ہے، جن کے بارے میں اکثر محدثین کی یہی رائے ہے کہ یہ امام زہری کا وہم ہے، لیکن صاحب بذل المجہود نے بہترین تاویل کی ہے جو در حقیقت حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ نیز جا بجا استنباط واستخراج اور ان میں موجود لطائف و نکات سے یہ کتاب بھری ہوئی ہے، جس کا مشاہدہ قاری دوران مطالعہ مسلسل کرتا جاتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسی طرح کتاب الفتن اور ملاحم کی احادیث کی شرح بھی اس کتاب کے محاسن اور قابل ذکر مقامات میں سے ہیں، جس میں مؤلف علام کے تفقہ اور گہرائی وگیرائی قابل ملاحظہ ہے، ان ابواب سے متعلقہ وہ احادیث جن میں قرب قیامت کے ابھرتے فتنوں کا ذکر ہے ان کے صحیح مصداق کی نشاندہی کی بھرپور کوشش ہے، اسی طرح جوراجح ہے اسے ترجیح وتقویت دی ہے، نیز اپنے اجتہاد اور استقصاء سے ان میں سے بعض فتنوں کی تعیین بھی کی ہے۔

شارح کو حدیث کے جن الفاظ میں صحت کے حوالے سے تردد ہوا ہے، ان کی تحقیق میں کوئی کسر نہیں اٹھائے رکھی اور اپنا اجتہاد پیش کیا ہے، اگر قاری اس کا ایک نمونہ دیکھنا چاہے تو کتاب الجہاد کے "باب عبید المشرکین یلحقون بالمسلمین فیسلمون میں ملاحظہ کر سکتا ہے، حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث کا متن یہ ہے جس میں وہ فرماتے ہیں، خرج عبدان الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی یوم حدیبیۃ قبل الصلح، جس میں شارح علام نے یوم حدیبیہ کے قصے کو شرح وبسط سے بیان کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ طائف کے موقع پر پیش آیا۔[۱۵۱]

اوجزالمسالک

اہل علم بخوبی واقف ہیں کہ "موطا امام مالک" حدیث وآثار کی کی کتب میں انتہائی دقیق کتاب ہے، جس سے امام دارالہجرہ کی فقہ وبصیرت، تعمق فکر، اور ملکہ اجتہاد پوری طرح مترشح ہے، "اوجزالمسالک الی موطا امام مالک" اسی عظیم القدر کتاب کی شرح ہے، جو برکۃ العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ کی جلیل القدر تالیفات میں سے ہے، جس میں انہوں نے اس کی کافی وشافی شرح فرمائی ہے، دوران مطالعہ قاری متن سے متعلق مشکل گھاٹیوں کو سر کرتا چلا جاتا ہے اور کلام نبوی سے اسرار ورموز کے پردے اٹھتے چلے جاتے ہیں۔ شارح کے کلام کا محور حدیث وفقہ ہر دو فنون ہیں، محدث العصر حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ نے مزید دس نکات میں اس کی تلخیص فرمائی ہے، جو یہ ہیں:

۱۔ یہ ایسی شرح ہے جو متن حدیث اور سند کے الفاظ ہر دو کو جامع ہے، جن کی مصنف علام نے حرف

۱۵۱ مقدمۃ بذل المجہود: ۱/۱۸۔۱۹، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۹۲ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

بحرف اسی طرح شرح کی ہے، جس سے قاری بسہولت لپ بھر بھر کر اخذ کر سکتا ہے، اور ابتداء تاانتہاء مقصود کو پاسکتا ہے۔

۲۔ صحاح ستہ میں جہاں کہیں ایک حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہیں، اس جیسی تمام احادیث کا استقصاء کیا ہے، تاکہ قاری اسے پوری وضاحت اور شرح کے ساتھ علی وجہ البصیرۃ سمجھ سکے اور بلاکسی تکلف ان کے درمیان ترجیح قائم کر سکے۔

۳۔ انتہائی مختصر اور منقح کلام اور جرح وتعدیل کے بیان کے ساتھ ہر ہر حدیث پر قاری کو دعوت فکر دے کر اسماء الرجال کی نہایت عمدہ شرح فرمائی ہے۔

۴۔ ہر چہار مذاہب کے بیان سمیت مختلف فیہ مسائل کو تمام مذاہب کی معتبر کتب ومراجع سے پوری وضاحت سے بیان کیا ہے، بلکہ تمام ائمہ مجتہدین کے جملہ اقوال اور ان کی کتب میں مروی مختلف روایات کا بخوبی احاطہ کیا ہے، خصوصاً امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک بیان کیا ہے، تاکہ ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو ان میں سے کسی بھی امام کا پیروکار سمجھتا ہے وہ علی وجہ البصیرۃ اس پر مطمئن رہے۔

۵۔ ہر چہار مذاہب کے دلائل حسب مقتضائے حال کہیں بالتفصیل بیان کیے ہیں اور کہیں خلاصہ ذکر کیا ہے۔

۶۔ شارح علام نے شرح حدیث میں مؤطا امام مالک کے چوٹی کے شارحین پر اعتماد کیا ہے، جیسے قاضی ابوالولید الباجی، قاضی عیاض و دیگر اور کہیں کہیں شارحین میں سے متأخرین کے کلام کو نہایت ستھرے انداز میں پیش کیا ہے۔

۷۔ علم حدیث، فقہ اور لغت کی رو سے طول واطناب سے بالاتر ہو کر نہایت اعتدال کے ساتھ جملہ ابواب کی شرح کا کماحقہ حق ادا کیا ہے۔

۸۔ شرح حدیث کا اسلوب کچھ اس طرح ہے کہ شارحین کے جملہ اقوال ذکر کرنے کے بعد اپنے دور کے تمام اکابر علماء محدثین وفقہاء کے اقوال پوری جامعیت کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ جن میں بالخصوص بذل المجہود کے مصنف حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، اور اپنے والد ماجد حضرت مولانا یحییٰ کاندھلوی قابل ذکر ہیں، نیز ان کے دور سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

پہلے کے اکابر علماء ہند کی کتب و شروح حدیث اقوال نقل کیے ہیں۔ جیسے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی، فارسی شرح "المصفی" جس میں نہایت عمدہ اور مفید مباحث ہیں۔ محدث عظیم علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کی "سعایة"، محدث عظیم علامہ سنبھلی رحمہ اللہ کی شرح مسند ابی حنیفہ اور علامہ محدث تیموی رحمہ اللہ کی "آثار السنن" و دیگر اقوال نقل کیے ہیں۔ یہ وہ علوم و ابحاث ہیں جو مملکتِ ہند کے ساتھ مختص ہیں اور عرب دنیا تک نہیں پہنچ سکے اس طرح یہ شرح علماء عرب و اکابر ہند کے درمیان ایک بہترین سنگم کی شکل اختیار کر گئی ہے۔

۹۔ متقدمین و متاخرین علماء محدثین کی ان کتب احادیث سے اقوال نقل کرنے کا غایت درجہ اہتمام کیا ہے، جو بوقتِ نقل نہ قاہرہ سے طبع ہو سکیں، نہ ہی عرب کے ۶۰۰ ممالک سے، چنانچہ یہ اقوال و قیمتی ابحاث عرب دنیا تک پہنچ نہ پائیں، جیسے متقدمین محدثین میں سے اس امت کی عظیم المرتبت عبقری شخصیت حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ کی تالیفات، جیسے مشکل الآثار، شرح معانی الآثار، اسی طرح امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ کی کتب آثار اور علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ کی البنایہ شرح ہدایہ وغیرہ، اس طرح اوجز المسالک الی الموطا امام مالک عرب دنیا کے لیے مذکورہ کتب سے واقفیت حاصل کرنے کا ایک قابلِ قدر ذریعہ ہے۔

۱۰۔ شارح علام نے روایتی انداز سے بالاتر ہو کر ابتداء تا انتہاء شرح کا ایک واضح اسلوب پورے اعتدال کے ساتھ برقرار رکھا ہے۔ عبارت فصیح و بلیغ آسان و شستہ اور اختصار و تطویل کے بین بین پوری جامعیت کے ساتھ بیان کی ہے۔

> تلک عشرۃ کاملۃ کی مصداق اس شرح کی یہ گرانقدر خصوصیات ذکر کر دی گئیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے محاسن و خصوصیات کا احاطہ اور اس کی کانوں میں موجود مدفون معادن کا استقصاء بہر حال نہیں ہو سکا ہے، امید کرتا ہوں کہ دوران مطالعہ مذکورہ خصوصیات کا ہر محقق عملی مشاہدہ کرے گا اور اس میں موجود علوم و معارف کے پردے اس کے سامنے سے اٹھ جائیں گے۔

نیز صاحب کتاب نے بڑے سائز کے ۱۰۰ صفحات سے متجاوز انتہائی مفید و قیمتی اور تفصیلی مقدمہ ذکر کیا ہے جو سات ابواب پر مشتمل ہے، جن میں علم حدیث کی تعریف، فضیلت، تاریخ، تدوین، موطا امام مالک کا تعارف اور اس کے مختلف نسخے ترجمۃ المصنف اور موطا کی تالیف میں ان کا داب و اسلوب، موطا کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

تمام راوی، مرسلات وبلاغات سمیت تمام مفید اور نفع بخش مباحث ذکر کی ہیں۔

فرحم الله تعالیٰ المؤلف واجزل اجرہ وثوابہ، ونفعنا بعلومہ، اجمعین

اعلاء السنن

احادیث احکام کی شرح میں ہندوپاک کے جید علماء کی طرف سے اب تک کی لکھی جانے والی شروح حدیث میں سب سے تفصیلی اور ضخیم تصنیف اگر کوئی ہے تو وہ یہی "اعلاء السنن" ہے، جسے عظیم محدث حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اپنے شیخ ومرشد حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حکم پر بیس ضخیم وفخیم جلدوں میں تالیف فرمایا۔

بلاشبہ یہ کتاب چودھویں صدی ہجری کی علمی دنیا میں سب سے بڑا علمی سرمایہ ہے، جس میں مؤلف علام رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ احکام سے متعلقہ احادیث مبارکہ میں احناف کے دلائل ایک طرز واسلوب پر جمع کئے جائیں اور احادیث کے متن اور سند پر بسط وتفصیل سے بحث کی جائے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مصنف رحمہ اللہ نے محض احناف کے دلائل پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ جملہ مذاہبِ اربعہ کے دلائل کا استقصاء فرمایا ہے، یہی وجہ ہے کہ دیگر کتب حدیث وفقہ سمیت کتب اصول میں یہ عظیم المرتبت کتاب اپنی ذات میں ایک منفرد تصنیف ہے، جس کا عصر حاضر میں کوئی مناسب نعم البدل نہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ نہ صرف احکام سے متعلقہ احادیث کی سب سے زیادہ جامع کتاب ہے بلکہ متن اور سند سے متعلقہ جملہ مباحث میں دیگر معاصر کتب سے مستغنی کر دیتی ہے۔

مؤلف علام نے ابتداءً اضافی طور پر تین مقدمات ذکر کئے ہیں، جن میں علم اصول حدیث اور اصول فقہ کی ایسی مباحث ذکر کی ہیں، جو عجیب وغریب اور نادر ونایاب ہیں، پھر فقہ حنفی کی رائج الوقت کتب میں سے "ہدایہ" کے طرز پر کتاب الطہارۃ سے بالترتیب کتاب شروع فرمائی ہے اور پھر کتاب کے متن میں مرفوع وموقوف احادیث کو بنیاد بنا کر احناف کے دلائل کا بخوبی استقصاء کیا ہے، پھر اس کے ذیل میں مفصل تعلیقات ذکر کرتے ہوئے کافی شافی شرح کی ہے، ان کے مدمقابل جو نصوص وآثار وارد ہوئے ہیں، انہیں بیان کیا ہے، اور روایۃً ودرایۃً ان پر جامع ومانع کلام کیا ہے، بالخصوص ان کے رجالِ حدیث پر نقد کیا ہے، ان

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں موجود جوراوی ضعیف یا اجنبی ہیں، ان کی صراحت بھی کی ہے، ان کی تاریخی حیثیت کی نہایت عمدہ تحقیق کی ہے، ان سے متعلقہ احکام کی باریکی سے جانچ اور چھان بین کی ہے، ان میں پنہاں فوائد و نکات سے اسرار و رموز کا پردہ اٹھایا ہے، اور عبارت کی عمدگی اور موضوع پر گرفت کتاب الفرائض تک تسلسل کے ساتھ برقرار رکھی ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

علامہ شیخ محمد زاہد کوثری رحمہ اللہ نے اپنے ایک مقالہ میں اس جلیل القدر کتاب کا ذکر اس انداز سے فرمایا ہے:

> یہ جید عالم دین اس مشقت طلب اور عظیم القدر کام کے لئے مکمل بیس سال تک وقف رہے، بالآخر بتوفیق اللہ سبحانہ نہایت عمدہ اور بہترین انداز میں بیس جلدوں میں اس کی تکمیل فرمائی، اور اس کا نام "اعلاء السنن" تجویز کیا، اور ایک مستقل جلد میں علم حدیث کے اصول و مبادی پر مشتمل اپنے باب کا انتہائی مفید اور نافع مقدمہ ذکر کیا ہے، در حقیقت یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ میں اس کتاب کی جمع و ترتیب، مضامین کے احاطہ، اپنے مذہب کی تائید میں کسی بھی تکلف سے بالاتر ہو کر متن و سند کے اعتبار سے فن کے حسب مقتضائے حال ہر ہر حدیث پر کافی ووافی کلام، بلکہ انصاف کا علم ہاتھ میں تھامے تمام مذاہب کی آراء پر خاطر خواہ گفتگو نے مجھے ورطہ حیرت میں ڈال دیا، اور مجھے حد درجہ رشک ہوا کہ رجال کار اور علماء ربانیین اس قدر بلند ہمتوں کے حامل ہوتے ہیں اور جواں مردوں کا صبر و تحمل اور استقامت اس درجہ ہوتی ہے۔ [۱۵۲]

انتہائی افسوس ہے کہ یہ قیمتی خزانہ قریباً نصف صدی تک نظروں سے اوجھل رہا، اور کتابت کئے گئے ہلکے کاغذ پر اگیارہ جلدوں سے آگے اس کی طباعت نہ ہوسکی، اور ستم یہ کہ یہ ایڈیشن بھی پھر ختم ہوگیا، اور از سرنو اس کی اشاعت کا کوئی اہتمام ہی نہیں ہوا، حتیٰ کہ اس تک رسائی حاصل کرنا جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف ہوگیا، اس نازک صورتحال کے بعد اب الحمدللہ یہ برقی کتابت اور نہایت خوبصورت انداز میں مکمل بیس جلدوں میں ایک بار پھر شائع ہوئی ہے، جسے ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراچی نے شائع کیا، اس طرح یہ عظیم علمی سرمایہ ایک بار پھر منظر عام پر آگیا ہے، اور تشنہ طالبانِ علم کی اس تک رسائی آسان ہوگئی ہے، باوجودیکہ اس میں کچھ طباعت و پروف کی

---

[۱۵۲] مقالات الکوثری: ۷۵-۷۶

toobaa-elibrary.blogspot.com

غلطیاں بھی رہ گئی ہیں، امید ہے اگلی اشاعت میں ان کی تصحیح کا اہتمام کر لیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، علامہ کوثری نے اس حوالے سے دوران گفتگو اس امید کا اظہار کیا کہ:

کاش کوئی مصری مکتبہ یہ کتاب اس کے مؤلف سے من وعن حاصل کرے اور اول تا آخر خوبصورت مصری فونٹ میں اس کی مکمل اشاعت ممکن بنائے، جس کسی کو اس کی توفیق ہوگئی، علم دین کی قابل قدر خدمت ہوگی اور اس میں موجود ایک بہت بڑا خلاء پر ہو جائے گا۔[۱۵۳]

معارف السنن

یہ جامع الترمذی کی شرح ہے، جسے ہمارے شیخ محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے تالیف فرمایا، جو "فیض الباری" کے مصنف امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے اجل تلامذہ میں سے تھے۔

حضرت کشمیری رحمہ اللہ کے بعض تلامذہ نے ان کی جامع ترمذی کی گرانقدر تقاریر کو ضبط کیا اور انہیں "العرف الشذی" کے نام سے شائع کیا، یہ کتاب اگرچہ حضرت شیخ کے بیان کردہ بہت سے فوائد و نکات کو جامع تھی، مگر اس میں کافی بڑی مقدار میں ایسے مقامات تھے جہاں مزید توضیح و تشریح سمیت ان غلطیوں کی اصلاح کی اشد ضرورت تھی جو جامع سے صادر ہوئی تھیں، پس ہمارے شیخ حضرت بنوری رحمہ اللہ نے ابتداءً اس خلاء کو پُر کرنے کی غرض سے "العرف الشذی" کی تدوینِ نو کا ارادہ فرمایا، لیکن جب اس پر عملی کام کا آغاز کیا تو اُن کی رائے بدل گئی، اور انہوں نے حضرت کشمیری رحمہ اللہ کے افادات کی روشنی میں جامع الترمذی کی مستقل شرح لکھنے کا قصد فرما لیا، اور اس کا نام "معارف السنن" تجویز فرمایا۔

ابھی اس حد درجہ نافع شرح کی چھ جلدیں ہی مکمل ہو پائی تھیں اور وہ کتاب الحج کے آخر تک ہی پہنچے تھے کہ پیام اجل آ پہنچا اور وہ کتاب کی تکمیل سے ہمیں مشرف نہ فرما سکے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

بلاشبہ یہ کتاب اپنے قابل قدر علمی مواد، شرح وبسط کے ساتھ موجود تشریحات سمیت عظیم المرتبت فوائد و نکات کے اعتبار سے جامع الترمذی کی دیگر شروح کے مقابلے میں ایک امتیازی شان رکھتی ہے، جس میں نہ صرف علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے معارف کے چشمے پھوٹتے نظر آتے ہیں، بلکہ ان

---

۱۵۳ مقالات الکوثری: ۸۶

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے شاگرد رشید علامہ بنوری رحمہ اللہ کے علوم کی جولانیاں بھی پورے عروج پر ہیں، اس شرح کی عبارت اپنی سلاست، عمدگی اور ادبی جواہر پاروں کی حیثیت سے دیگر تمام شروحات پر فائق ہے، جس میں مؤلف علام نے قابل گرانقدر علمی مباحث اور نادر و نایاب فوائد و نکات عصر حاضر کے جدید تقاضوں کے مدّ نظر تحریر فرمائے ہیں۔

لامع الدراری

یہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی تقاریر کا مجموعہ ہیں، جو عصر حاضر کے علماء ربانیین کے سروں کے تاج ہیں، جن پر ہندوپاک کا علمی وفنی ارتقاء ختم ہوجاتا ہے، جو ایک ہی سال میں صحاح ستہ کا اول تا آخر مکمل درس دیا کرتے تھے، جن کی طرف دور دراز شہروں وقصبوں سے طلبائے دین کا تانتا بندھا رہتا تھا، جن کا درس حدیث اپنی گہرائی وگیرائی کے باعث انتہائی ملخص وجامع اور پُر مغز ہوتا تھا، چنانچہ ان کے شاگرد رشید عالم ربانی حضرت مولانا یحییٰ کاندھلوی رحمہ اللہ نے ان کے ان گرانقدر افادات ودروس کو فصیح وبلیغ عبارات میں ڈھال کر عربی میں منتقل کیا اور انہیں ''لامع الدراری'' سے موسوم کیا، وبعد ''اوجز المسالک'' کے مصنف شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ نے بسط وتفصیل کے ساتھ اس کی شرح فرمائی اور صحیح بخاری کی چاروں متداول شروحات کو نہ صرف یہ کہ گویا دریا بکوزہ کردیا ہے، بلکہ دیگر مشائخ کے علوم سمیت اپنے معارف کے جابجا موتی بکھیرے ہیں، یہاں تک کہ اب یہ کتاب صحیح البخاری کی اس قدر جامع اور مفید شرح بن چکی ہے جو علم حدیث کے پڑھتے پڑھانے والوں کو دیگر شروح سے مستغنی کردیتی ہے۔

اولاً یہ کتاب کتابت کے ساتھ چار جلدوں میں سہارنپور سے وسیع پیمانے پر شائع ہوئی، پھر کراچی سے دس جلدوں میں برقی کتابت کے ساتھ شائع ہوئی۔

الکوکب الدرّی

یہ بھی امام العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی تقاریر کا مجموعہ ہے، جو اپنی افادیت اور جامعیت کے باعث اب دو جلدوں میں جامع الترمذی کی ایک تالیفِ لطیف کی شکل اختیار کرگئی ہے، مزید برآں شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ کی نفیس ومفید تعلیقات نے اس کی افادیت کو دوچند کردیا ہے، یہ کتاب اپنے انتہائی اختصار وایجاز کے باوجود غایت درجہ مفید ہے، جس میں جابجا ایسے گرانقدر افادات ونکات ہیں جن سے بعض دیگر مطول شروح بھی خالی نظر آتی ہیں، حضرت گنگوہیؒ ان چنیدہ علماء

toobaa-elibrary.blogspot.com

متقین میں سے تھے، جن پر اللہ تعالی نے علوم دینیہ کے اسرار ور موز منکشف فرمائے تھے، چنانچہ ان کی یہ خصوصیت تھی کہ علوم کی گہرائی وگیرائی تک ان کی رسائی ہوجاتی تھی اور وہ کبھی اپنی تقاریر میں ایک دو سطروں ہی میں ایسی مختصریات کہہ جاتے تھے جو طویل سے طویل تر کتب وشروحات کے باریک ودقیق ابحاث کا نچوڑ اور ان کی مُبدع فکر کی شاہکار ہوتی تھی، جس سے بڑی بڑی گتھیاں سلجھ جاتی تھیں، اور مشکل سے مشکل گھاٹیاں سر ہوجاتی تھیں، جب کہ ہم نے ہندوپاک میں بکثرت اس بات کا مشاہدہ کیا کہ جامع الترمذی کے اکثر محدثین ومدرسین دیگر مطول شروح کے ساتھ اس شرح کے مطالعہ کا غایت درجہ اہتمام کرتے ہیں، کیوں کہ انہیں اس میں وہ فوائد ونکات ملتے ہیں جو ان کی تشنہ لبی کے لئے سیرابی کا باعث ہے۔

قلائد الازہار

اہل علم بخوبی واقف ہیں کہ امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ کی کتاب الآثار وہ کتاب ہے جو کتب حدیث میں سب سے زیادہ قدیم ترین تالیف ہے، لیکن اس کتاب کی کوئی ایسی شرح میسر نہیں تھی جس سے اس کے معلقات حل ہوجائیں اور اس میں پنہاں رموز واضح ہوجائیں، چنانچہ حضرت مولانا شیخ مفتی مہدی حسنؒ نے دو ضخیم جلدوں میں اس کی شرح فرمائی، اور اسے ''قلائد الازہار فی شرح کتاب الآثار'' کا نام دیا، یہ اپنی نوعیت کی ایک مبسوط شرح ہے جس میں تمام آثار کی کافی ووافی تخریج کی گئی ہے، سند حدیث پر انتہائی جامع گفتگو کی گئی ہے، فقہاء کے مذاہب اور ان کے جملہ دلائل پر بے حد فائدہ مند ونفع بخش بحث کی گئی ہے۔

یہ صرف نو کتب حدیث کی شروح ہیں، جنہیں ہندوپاک کے علماء نے چودھویں صدی ہجری میں تالیف کیا، اس مقالہ میں ان کا بہت ہی مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے، اور اگر ان تمام حدیث کی کتابوں اور ان سے متعلقہ علوم کے بارے میں لکھی گئی تصنیفات وتالیفات وشروح کا احاطہ کیا جائے تو کئی ضخیم جلدوں میں پوری کتاب درکار ہے، فی الوقت اس مقالہ میں صرف یہی مقصود تھا کہ ان میں سے اہم اہم شروح حدیث کا مختصر تعارف ذکر کر دیا جائے، تاکہ علماء ہندوپاک کی تمام ہی گرانقدر تالیفات کی طرف رغبت وتحریض ہو۔ فجزاهم الله تعالى خيرا

وللہ الحمد اولا وآخرا وصلی اللہ تعالی علی نبینا وسیدنا
ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

toobaa-elibrary.blogspot.com

اتباعِ سنت، کامیابی کی کسوٹی

۱۹۷۹ء میں مملکت قطر کے وزارت مذہبی امور کی طرف سے منعقدہ عالمی سیرت کانفرنس میں کی گئی تقریر، جس میں مختلف اسلامی ممالک کے اکابر علماء کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ الْمُرْسَلِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ - اَمَّا بَعْدُ!

حاضرین کرام!

میرا مقصد محض مقالہ پڑھنا نہیں ہے کیوں کہ مقالہ جات بہت ہوچکے اور نہ ہی محض گفتگو مقصود ہے کیوں کہ آپ حضرات کے سامنے الحمدللہ تعالیٰ بہت قیمتی باتیں آچکی ہیں، جن سے ہم اپنے فائدہ کے موتی اور علمی جواہر بخوبی چن سکتے ہیں، تاہم ایک اہم نکتہ کی طرف ضرور توجہ دلانا چاہوں گا، جو عموماً ہماری نظروں سے اوجھل رہتا ہے حالانکہ وہ بہت بدیہی اور ظاہر ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہم سب اللہ کے فضل و کرم سے مؤمن ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں جو ایمانی و اسلامی انقلاب لائے ہیں، وہ اپنی عبادت، اخلاق و کردار، معاملات، معاشرت اور زندگی کے تمام شعبوں میں گہرائی سے اتری ہوئی مبارک سنتوں اور عملی طرز زندگی کی مدد سے لائے ہیں۔ اور اس پر ہمارا ایمان ہے کہ اگر ہم دوبارہ اپنی عظمت رفتہ کی بحالی چاہتے ہیں تو یہ اس کے سوا ہرگز ممکن نہیں کہ ہم ایک بار پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو دل و جان سے اپنائیں، اور آپ علیہ السلام کی سنتوں کو حرزِ جاں بنائیں، یقیناً یہ ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر ہمارا عقیدہ بھی ہے اور ایمان بھی، مگر سوال یہ ہے کہ ہمیں اس پر ایمان کے فوائد و ثمرات کیوں حاصل نہیں ہورہے؟ حالانکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین انہی سنتوں کو اپنی عملی زندگی میں اجاگر کرکے کامیابی و ترقی کے بام عروج تک پہنچ گئے اور اگر ہم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کا گہرائی کے ساتھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مطالعہ کریں تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ اس مقدس جماعت کا اللہ و رسول اور ان کی تعلیمات پر ایمان محض عقلی یا نظریاتی نقطہ نظر سے نہیں تھا، بلکہ انہوں نے ان تعلیمات کو صمیم قلب اور فطری و غریزی صلاحیتوں کے ساتھ پوری گہرائی سے اس طرح اپنایا تھا کہ وہ اللہ و رسول کی محبت سے سرشار تھے چنانچہ انہیں اپنی عبادات، معاملات، معاشرت، باطنی اخلاق اور عملی کردار حتی کہ ظاہری حلیہ اور لباس و پوشاک تک میں اس کے علاوہ کچھ بھاتا ہی نہیں تھا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی مبارک سنتوں کی صورت میں بہترین اسوہ اور نمونہ کے طور پر پیش کیا تھا، سب سے بڑھ کر اتباع سنت کے معاملے پر وہ اس قدر متصلب اور امتیازی خصوصیت کے حامل تھے کہ وہ کسی کے طعن و تشنیع، لعن طعن، ملامت اور بے جا نکیر کو قطعی خاطر میں نہیں لاتے تھے، انہیں اس بات کی فرصت ہی نہ تھی کہ وہ کفار کا مذاق اڑانے، غیروں کے ساتھ ٹھٹھا کرنے اور کفار و مشرکین کو کمتر باور کرانے کی غرض سے اکٹھے ہوں، بلکہ انہوں نے اپنے ایک ایک عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ انہیں اسوۂ رسول صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے صحیح معنوں میں لگاؤ، عقیدت و محبت اور اس بات پر غیر متزلزل یقین ہے کہ اس کے سوا کسی اور طرز زندگی میں ان کے لیے خیر اور بھلائی سرے سے ہو ہی نہیں ہو سکتی، جسے انہوں نے مشرکین کی رضا جوئی، کفار کے ساتھ برادرانہ تعلقات بڑھانے اور غیروں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی غرض سے کسی طور ترک نہیں کیا حتی کہ ان کے نزدیک وہ امور بھی مہتم بالشان اور غیر معمولی تھے جنہیں ہم بہت معمولی سمجھتے ہیں۔

غور فرمائیے! ایاس بن مسلم کی اپنے والد سے ایک طویل قصہ کے ذیل میں روایت کردہ یہ حدیث ابن ابی شیبہ و دیگر نے نقل کی ہے:

لما خرج عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ رسولا الی اھل مکة یوم الحدیبیة حدیبیہ کے دن جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مکہ والوں کی طرف قاصد بن کر نکلے جاء عسکر المشرکین فعبثوا به وأساءوا له القول تو ان کے پاس مشرکین کے بڑے بڑے سرغنے آئے اور ان سے ہنسی مذاق کرنے اور برا بھلا کہنے لگے، ثم أجاره إبان بن سعید بن العاص ابن عمه وحمله علی السرج وردفه دریں اثناء ابان بن سعید بن العاص جو ان کے چچیرے بھائی تھے، نے انہیں پناہ دی، انہیں (گھوڑے کی) زین پر اپنے پیچھے سوار کر لیا، فلما قدم قال یا ابن عم ما لی أراك متخشعا اسبل وکان إزاره إلی نصف ساقیه پھر جب وہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

(اپنے مقام پر) آئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے میرے چچازاد! کیا وجہ ہے تم مجھے گھبرائے ہوئے لگ رہے ہو؟ تم اپنی ازار نیچے کرلو، کیوں کہ ان کی شلوار نصف پنڈلی تک اوپر تھی، ظاہر ہے کہ ان کا یہ مشورہ کسی بڑی مصلحت کے پیش نظر ہوسکتا تھا، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے ناپسند فرمایا اور واضح لفظوں میں جواب دیا "هٰكَذَا إِزْرَةُ صَاحِبِنَا"[۱۵۴] کہ ہمارے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ازار اسی طرح (ٹخنے سے اوپر) ہوتی ہے۔

نیز ابو نعیم اور ابن مندہ نے جثامہ بن مساحق کنانی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

واخرج ابو نعیم ابن مندہ عن جثامة بن مساحق الکنانی رضی اللہ عنه وكان عمر قد بعثه رسولا الی هرقل، قال: جلست فلم أدر ما تحتي وإذا تحتي كرسي من ذهب، فلما رأيته نزلت عنه، فضحك، فقال لي: لم نزلت عنه؟ فقلت: إني سمعت رسول الله صلّى الله عليه وسلم ينهى عن مثل هذا.[۱۵۵]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرقل کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا، جس نے (واپسی پر) بتایا کہ جب میں وہاں بیٹھا، تو مجھے محسوس ہی نہیں ہوا کہ میرے نیچے کیا چیز ہے؟ پھر ایک دم سے پتہ چلا کہ میرے نیچے تو سونے کی کرسی ہے، جیسے ہی مجھے اس بات کا اطمینان ہوگیا، میں اس سے اتر گیا، جس پر وہ (ہرقل) ہنسا اور مجھ سے کہا کہ اس کرسی سے کیوں اتر گئے، جسے ہم نے تمھارے لیے بغرض اکرام پیش کیا؟ تو میں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان جیسی چیزوں سے روکتے ہوئے سنا ہے۔

اس طرح کی روشن ہدایات سے متعلق احادیث کی ایک طویل فہرست ہے اور ہماری تاریخ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے ان پاکیزہ و قابل تقلید نمونوں سے بھری ہوئی ہے اس جیسے قصص کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر گوشے کو اس کامل طریقے سے اپنایا تھا کہ اس میں نہ اپنی خواہشات کا کوئی شائبہ تھا، نہ کسی تحریف کی گنجائش، غیروں سے کوئی اندیشہ و خوف حائل تھا، نہ ہی کفار و مشرکین کے لعن طعن اور استہزاء و مذاق کی کوئی پرواہ۔

---

۱۵۴ کنز العمال: ۱/۳۳۱ (۱۵۴۲)، کتاب الایمان والاسلام من قسم الافعال، فصل فی البیعۃ، موسسۃ الرسالۃ

۱۵۵ کنز العمال: ۱۳/۳۰۹ (۳۶۸۸۲)، حرج الجیم، جثامۃ بن مساحق / الاصابۃ: ۱/۴۴۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور دوسری طرف ہمارا حال ہے کہ اس بات پر ایمان و یقین رکھتے ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ زندگی گزارنے کا بہترین نمونہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں من چاہے انداز سے تفریق کرتے ہیں، بس جہاں کہیں کوئی سنت اپنی منشا اور خواہش کے مطابق سمجھ آئی، اسے اختیار کرلی، اور باقی سنتوں کو معاذ اللہ یہ کہہ کر ایک طرف کر دیا کہ یہ "سنن عادیہ" میں سے ہے، جس کی اتباع واجب نہیں، گویا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک عادت سے بھی زیادہ کوئی اچھی عادت مل گئی ہے، جسے اپنانا ہمارے زعم میں کامیابی کی کسوٹی ہے، والعیاذ باللہ، اور کبھی سنتوں میں اس طرح تحریف کرتے ہیں کہ یہ سنت حالات حاضرہ میں فلاں مصلحت کے خلاف ہے اور یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو مشروع تھی لیکن اس جدید دور میں اس کی مشروعیت نہیں رہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتوں کے ساتھ بے جا تاویلات کا یہ شرمناک کھیل ہم دن رات کھیلتے ہیں جو اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں اس درجہ محبت نہیں ہے جو ہمارے ایمان کا تقاضا ہے، اور بلا شبہ یہ ایک بہت واضح فرق ہے جو ہمارے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایمان میں ہے، لہٰذا اگر واقعتاً ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہی قدر و منزلت، اعزاز و اکرام اور ترقی و خوشحالی ہمارا مقدر بنے جو اتباع سنت کی برکت سے گزشتہ صدیوں میں مسلمانوں کے حصہ میں آئی، تو ہم پر واجب ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی اسی طرح پیروی کریں جیسے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے انہیں بلا کسی تحریف اور ملمع سازی کے دل و جان سے اپنایا، جس پر نفسانی خواہشات کی پیروی کا کوئی عنصر تھا اور نہ کفار و مشرکین کے استہزاء و تمسخر کے اندیشہ سے مداہنت کا کوئی پہلو تھا، اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حیات مبارکہ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو دنیا و آخرت کی کامیابی کی یہ کسوٹی پوری طرح واضح ہو جائے گی۔

خدا کی قسم! عزت و عظمت فلک بوس عمارتیں کھڑی کرنے میں ہے اور نہ ہی اونچے محلات تعمیر کرنے میں، اور نہ ہی فاخرانہ لباس و پوشاک میں ہے، بلکہ عزت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی میں ہے، جو ایک دن بھوکے رہتے اور ایک دن کھانا کھاتے، کھردری چٹائی پر سوتے اور پیٹ پر پتھر باندھتے، خندقیں کھودتے اور مسجد کی تعمیر کے لیے اپنے دست مبارک سے اینٹیں اٹھا کر رکھتے اور ہماری عظمت رفتہ کی بحالی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جب تک کہ ہم اپنے ہر عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے رنگ میں رنگ نہ جائیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ماحولیاتی آلودگی اور اس کے اسباب

مؤسسہ آل البیت للفکر الاسلامی کی طرف سے بتاریخ ۱۸۔۲۰ شوال المکرم ۱۴۳۱ھ بمطابق ۲۷۔۲۹ ستمبر ۲۰۱۰ء عمّان میں منعقدہ کانفرنس کے پندرھویں اجلاس میں فی البدیہ کیا گیا خطاب

(جسے مولانا مفتی شاکر جکھوراصاحب مدظلہم نے اردو میں منتقل کیا)

میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ باری تعالیٰ نے ہمارے لیے اس مبارک ملاقات کو میسر فرمایا اور ہمیں شریعت اسلامیہ کی روشنی میں ماحولیاتی آلودگی کے موضوع پر غور کرنے کی توفیق بخشی۔ پھر میں عالی جناب امیر غازی بن محمد (حفظہ اللہ تعالیٰ ورعاہ) کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس ملاقات کا انتظام فرمایا اور اس مؤتمر کی بہترین میزبانی اور اعلیٰ انتظامات کا اہتمام فرمایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزاء عطا فرمائیں اور ان کی ان قیمتی اہداف میں صحیح سمت کی طرف رہنمائی فرمائیں جن کے لیے وہ کوشاں ہیں۔ واللہ سبحانہ ہو الموفق

واقعہ یہ ہے کہ میں اس مؤتمر کے لیے اپنی مصروفیات اور پے در پے اسفار کی بناء پر کوئی مقالہ تیار نہیں کر سکا، اور اسی وجہ سے میں یہاں مقالہ نگار یا متکلم بن کر نہیں، بلکہ استفادے کی غرض سے حاضر ہوا تھا، لیکن مجھے معلوم ہوا کہ میرا نام اس نشست میں گفتگو کرنے والوں میں شامل کیا گیا ہے، لہٰذا یہ جانتے ہوئے کہ فاضل مقالہ نگاروں نے اپنی قیمتی ابحاث میں اس موضوع پر مختلف پہلوؤں سے بحث فرمائی ہے، میں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک موضوع سے متعلق ایک اہم پہلو پر زور دینا چاہتا ہوں جس کی طرف ماحولیاتی آلودگی کے مسئلے کے حل کی تلاش میں توجہ دینا حد درجہ ضروری ہے۔

فی زمانہ جب کوئی مادّیت سے متاثر ہو کر ماحولیات کے تحفظ کے بارے میں بات کرتا ہے، تو اس کا زاویہ فکر یہ ہوتا ہے کہ یہ ایک ٹھیٹھ مادی موضوع ہے، لہٰذا وہ بالعموم صفائی ستھرائی اور صرف اس کے ظاہری تقاضوں کے بارے میں گفتگو سے آگے نہیں بڑھ پاتا، لیکن جہاں تک اسلامی نقطۂ نظر سے ماحول

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے تحفظ کا تعلق ہے تو وہ اس سے کہیں زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے اور جب ہم اس موضوع سے متعلق احکام شریعت پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ احکام شریعت نے "صفائی" میں دو بہت ہی اہم بنیادی اصولوں کا اضافہ فرمایا ہے، جنہیں مادہ پرست ذہنیت نے نظر انداز کیا ہے اور وہ دو اصول ہیں: طہارت اور تزکیہ۔

جہاں تک صفائی ستھرائی کا تعلق ہے، تو واقعتہً وہ شرعی تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضا ہے جس کی اسلامی شریعت کے بہت سے احکام میں تاکید فرمائی گئی ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد امام ترمذیؒ اور دیگر ائمہ نے نقل فرمایا کہ "اپنے گھروں کے ماحول کو صاف ستھرا کرو" اسی طرح وہ احادیث مبارکہ ہیں جن میں انسان کے جسم، رہائش، غذاؤں اور اس ماحول کی صفائی کی اہمیت کو تاکید کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے جس میں انسان جیتا ہے، ان میں سے بہت سے احکام کی تشریح اس مؤتمر میں پیش کئے جانے والے مقالوں میں فرمائی گئی ہے، لہٰذا میں اپنی گفتگو میں انہیں دہرانا نہیں چاہتا، البتہ ان دو آخری بنیادی نکات پر زور دینا چاہوں گا، یعنی طہارت اور تزکیہ۔ ان دونوں باتوں کا ماحولیات کی درستگی اور خرابی پر کیا اثر پڑتا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے فضائی آلودگی کے اسباب کا جاننا ضروری ہے جو دو قسم کے ہیں:

۱۔ پہلی قسم ان اسباب کی ہے جنہیں ہم اپنی ظاہری نگاہ سے دیکھ سکتے ہیں۔

۲۔ جبکہ دوسری قسم ان معنوی اسباب کی ہے جنہیں آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا، لیکن ماحول کی صفائی اور آلودگی پر ان کا بڑا اثر پڑتا ہے، چاہے وہ بلاواسطہ طور پر ہو یا بالواسطہ طریقے سے، اور تزکیہ کا ان اسباب کے ازالے میں بڑا واضح اور مؤثر کردار ہے۔

جہاں تک طہارت کا تعلق ہے تو وہ نظافت (صفائی) کے علاوہ ایک اضافی چیز ہے، یعنی شریعتِ اسلامیہ کی رو سے ہر "نظیف" (صاف) چیز "طاہر" (پاک) نہیں ہوتی اور نہ ہی ہر "طاہر" چیز "نظیف" ہوتی ہے، مثلاً اگر ہم فرض کریں کہ ایک شخص نے اچھی طرح غسل کیا اور ظاہری صفائی کے تمام اسباب جیسے صابون، شیمپو اور مختلف خوشبوئیں استعمال کیں، اور حمام سے اس طرح نکلا کہ وہ خوشبو سے مہک رہا تھا، لیکن جونہی نکلا، کسی وجہ سے اس کا وضو جاتا رہا، تو یہ وضو کا جاتا رہنا اس کی ظاہری صفائی پر تو ادنیٰ سا بھی اثر نہیں کرے گا، لیکن اس کی طہارت (پاکی) کو زائل کردے گا، جس کی وجہ سے اگر وہ اس وقت نماز پڑھنا چاہے تو اس کو یہ حکم ہے کہ وہ نماز شروع کرنے سے پہلے وضو کرے، اس کے برعکس جو رطوبتیں منہ اور ناک سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

نکلتی ہیں، وہ ہیں تو پاک لیکن نظیف نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد سے ہٹانے اور کھرچنے کا حکم فرمایا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفسِ نفیس ان کو ہٹایا بھی ہے۔

غرض یہ کہ اسلام طہارت اور نظافت دونوں کی تاکید کرتا ہے، اور ان میں سے کسی ایک پر اکتفاء نہیں کرتا، وجہ ظاہر ہے کہ جس طرح نظافت حسی آلودگی کو دور کرنے کا ذریعہ ہے اسی طرح طہارت معنوی آلودگی کو دور کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ وسیع اور ہمہ گیر شئی تزکیہ ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اہم مقاصد میں سے تزکیہ کو بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا
مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

اللہ نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک صاف بنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔

اگرچہ تزکیہ کا وسیع مفہوم طہارت اور نظافت کو بھی شامل ہے، لیکن جنابِ رسول کریم صلی اللہ علیہ سلم کے مقاصد کے سیاق میں اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ انسان کو ناشائستہ باطنی امور جیسے تکبر، حسد، بغض، عداوت، حبِّ جاہ، تعیّش پسندی اور اس جیسی خصلتوں سے پاک کیا جائے جنہیں علماءِ طریقت "رذائل" کا نام دیتے ہیں، اسی طرح تزکیہ میں انسان کو اچھے اخلاق جیسے اخلاص، تواضع، ایثار، بردباری، قناعت اور ان جیسی دوسری صفات سے آراستہ کرنا داخل ہے، جنہیں علماء "اخلاقِ فاضلہ" سے تعبیر فرماتے ہیں، اور اس کا مقصد انسان کے باطن کو پاک کرنا ہے جس طرح کہ طہارت اور نظافت کا مقصد انسان کے ظاہر کو پاک کرنا ہے۔

اس تمہید کے بعد اگر ہم ان ماحولیاتی مسائل کو بنظر غائر دیکھیں جن کی وجہ سے ہمارے اس کرۂ ارضی کو ہمہ گیر خطرات لاحق ہیں، جیسے غلافِ اوزون کا پھٹ جانا، گرمی کا بڑھ جانا، موسم میں تبدیلیاں واقع ہونا، نئی بیماریوں کا پیدا ہو جانا جن کے بارے میں اس سے پہلے کوئی علم ہی نہیں تھا، اور گیسز اور مختلف کیمیائی مواد کے ذریعہ پیدا ہونے والی بیماریاں، تو ان تمام چیزوں کا سبب آخر کار ہماری تعیش پسندی، شہوات اور لذات میں انہماک، مال اور منافع کو کسی بھی طریقے سے کمانے اور پیداوار کو غیر فطری طور پر تیز رفتاری سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

بڑھانے کی لگن، اور ذاتی خواہشات کو اجتماعی مفاد پر اور جلدی حاصل ہونے والے فوائد کو دیرپا فوائد پر ترجیح دینا ہی ثابت ہوتا ہے۔

یہ وہ محرکات ہیں جنہیں سدھارنے کا تزکیہ کے علاوہ کوئی راستہ ہے ہی نہیں، جو تمام انبیاء کرام علیہم السلام سمیت خاص طور پر خاتم الانبیاء علیہ افضل الصلوات والتسلیمات کی بعثت کا ایک اہم ترین مقصد ہے۔

بلاشبہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کائنات کو ایک حکیمانہ توازن کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، جس کی طرف ارشادِ باری تعالیٰ میں اس طرح اشارہ فرمایا گیا ہے:

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ﴿٧﴾ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴿٨﴾

وَأَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ

اور آسمان کو اسی نے بلند کیا ہے اور اسی نے ترازو قائم کی ہے، کہ تم تولنے میں ظلم نہ کرو اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو، اور تول میں کمی نہ کرو اور زمین کو اسی نے ساری مخلوقات کے لیے بنایا ہے۔

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے میزان کو زمین اور آسمان کے درمیان ذکر فرمایا ہے اور انسان کو میزان میں ظلم نہ کرنے کا حکم دیا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آسمان وزمین اس توازن کے ذریعہ قائم ہیں جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ اور زبردست قدرت کے ذریعے کائنات کی قوتوں میں ودیعت فرمایا ہے، اور اسی توازن پر زمین اور زمین والوں کی بہبود موقوف ہے، اور جو کچھ بھی اس حکمت آمیز توازن میں خلل ڈالتا ہے وہ درحقیقت زمین میں بگاڑ (فساد) پیدا کرنے اور سرکشی کا مرتکب ہوتا ہے جس کی قرآن حکیم نے مذمت فرمائی ہے اور جس سے تمام انسانیت کو ڈرایا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ٹیکنالوجی کے آلات نے بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کو پورا کرنے میں ایک بہت بڑا کردار ادا کیا ہے، لیکن جب مذکورہ بالا بُرے محرکات کے تحت زندگی کے ہر شعبے میں ٹیکنالوجی کے آلات کو اس قدر وسعت کے ساتھ کسی پابندی کے بغیر استعمال کیا گیا، تو یہی چیز ہے جس نے اس توازن میں خلل ڈالا، کیونکہ (مادی دنیا کے پاس) کوئی ایسی اقدار تو تھیں نہیں جن کے ذریعہ ان محرکات کو معقول حدود کے اندر لایا جاسکے، اور نہ کوئی ایسا معیار تھا جس کے ذریعہ معقول اور غیر معقول میں تمیز کی جاسکے۔

اس سے واضح ہوا کہ انسانی معاشرے کو اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ وہ زندگی میں توازن پیدا

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرنے والے معیاروں کو درست کرے، لہٰذا فضائی آلودگی کے مسئلے کا حل صرف یہ نہیں ہے کہ فضا کو اس گندگی سے صاف کرنے کی ایسی کوشش کی جائے جسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں، بلکہ ہمیں اس کی بھی ضرورت ہے کہ ہم زندگی میں اپنے چال چلن کو درست کریں، اور اس ڈھانچے کو متعین کریں جس پر ہم نے ترقی کے راستوں کو تعمیر کیا ہے کہ آیا وہ ہماری زندگی کے حقیقی تقاضوں پر مبنی ہیں، یا خواہشات اور نفسانی اغراض کی پیروی پر؟ اور ان معیاروں کو درست کرنے کا سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں کہ دونوں کے درمیان ایک واضح حدِ فاصل قائم کی جائے۔

لہٰذا فضا کے مسئلے کے حل کے لیے یہ ضروری ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے علوم سے واقف حضرات کے درمیان اور علماء شریعت کے درمیان ایک رابطہ قائم ہو، تاکہ وہ اس حدِ فاصل تک رسائی حاصل کر سکیں جسے ہم زندگی کے ڈھانچے کی ازسرِ نو تعمیر میں اپنا نصب العین بنائیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ یہ مؤتمر اس رابطے کو قائم کرنے اور اس مسئلے کو ایک نئے زاویے اور گہرے نقطۂ نظر سے دیکھنے کی تمہید ثابت ہوگی جو مسئلے کی ان وجوہات کی اصل جڑ تک پہنچے جو انسان کے اخلاق میں پوشیدہ ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ ہو ولی التوفیق

toobaa-elibrary.blogspot.com

فقہ اور قانونِ اسلامی

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

عہد حاضر میں اجتہاد کا طریقۂ کار

۸ تا ۱۵ شوال المکرم ۱۴۰۳ھ، بمطابق ۱۹ تا ۲۶ جولائی ۱۹۸۳ء

دارالحکومت مملکت جمہوریہ الجزائر، قسطنطنیہ کے وزارت برائے مذہبی

امور کے تحت دینی فکر اجاگر کرنے کی غرض سے منعقدہ سیمینار کے

سترہویں اجلاس کے لئے ارسال کیا گیا مقالہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

عہدِ حاضر میں اجتہاد کا طریقۂ کار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیّٖنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

شک نہیں کہ اجتہاد عصرِ حاضر کے ان اہم ترین موضوعات میں سے ایک ہے، جسے محققین نے ابتداء ہی سے موضوعِ بحث بنایا ہے، میرے خیال میں اصولِ فقہ میں اس سے زیادہ اہمیت کا حامل کوئی موضوع نہیں، فی زمانہ جہاں اس کے دواعی ومقتضیات اور مواقع کثرت سے وجود میں آئے ہیں، وہیں اس کی حساسیت اور نزاکت کے حوالے سے شعور وآگہی کی کمی اور اس کا جواز پیدا کرنے کے مواقع بھی اتنے ہی کم ہیں، اور اگر ہم اجتہاد کی اب تک کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد ایک دودھاری تلوار ہے، جسے اگر حق تک پہنچنے کے لئے استعمال کیا جائے تو شریعتِ مطہرہ کے تحقیق طلب مسائل واحکامات تک رسائی، الفاظ کی توثیق واستحکام، میادین کی وسعت اور ان کے تحفظ ودفاع کی ایک زبردست ڈھال ہونے کی حیثیت سے یہ انتہائی قابلِ اعتماد ذریعہ ہے، لیکن اگر یہ ہتھیار ایسے نام نہاد محققین کے ہاتھوں بازیچہ اطفال بن جائے جو اس کی اہمیت سے واقف ہو، اور نہ اس کے استعمال کے اصول وقواعد کے پابند، تو یہ ان تباہ کن ذرائع میں سے ایک ہے جو دین اسلام کے متفق علیہ ومجمع علیہ احکام کو بھی من پسند خواہشات، نفسانی اغراض اور کج رو نظریات کی شکل دے دیتے ہیں، جس سے شدت پسندوں کے لئے تحریف کرنے اور گمراہ لوگوں کے لئے من مانی کرنے سمیت جہلاء کے لئے بے جا تاویلات کا دروازہ چوپٹ کھل جاتا ہے، اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین ایک کھلونا بن کے رہ جاتا ہے جس سے نفسانیت اور خواہشات کا کھیل کھیلا جاتا ہے، ہر گمراہ کن عقیدہ گھڑا جاتا ہے اور ہر مذموم وبداطوار کام کے لئے گویا اسے ایک آلے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

محققین نے اجتہاد کے موضوع پر اسقدر مقالے لکھے ہیں کہ لائبریریاں بھری ہوئی ہیں، اس کے باوجود بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ اپنی جمیع انواع واقسام سمیت مسدود ہو چکا ہے اور کسی بھی شخص کے لئے کسی حال میں یہ روا نہیں کہ دروازہ کے اُس پار جانے کی کوشش کرے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ رائے

toobaa-elibrary.blogspot.com

بداہتہً باطل ہے، کیوں کہ روز افزوں ایسے نت نئے اور پیچیدہ نوعیت کے مسائل جنم لے رہے ہیں، جن کا گذشتہ صدیوں میں کوئی عملی وجود نہیں تھا، چنانچہ کتاب وسنت میں صراحت کے ساتھ ان کے احکامات نہیں ملتے اور متقدمینِ فقہاء کی کتابیں بھی ان سے خالی نظر آتی ہیں۔ لہذا اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں کہ اس قسم کے احکام جاننے کے لئے اجتہاد کی طرف رجوع کریں، اور اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ اجتہاد کا دروازہ تاابد بند ہوچکا ہے تو فی زمانہ جتنی بھی نو بہ نو ایجادات ہیں ان کا حکم ہم کبھی معلوم نہیں کرسکتے، جیسے ٹرین، ہوائی جہاز، ریڈیو، ٹیلی وژن، کمپیوٹر و دیگر ٹیکنیکل آلات وغیرہ، پس اگر شرعی حدود وقیود کے ساتھ اجتہاد کا باب کھلا ہوا نہ ہو تو اس طرح کے جدید مسائل کے حوالے سے تکلیف مالا یطاق ہوگی، جو محال ہے۔

یہاں ایک اور رائے کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ فی زمانہ اجتہاد کا دروازہ ہر چلتے پھرتے اور ہر ایرے غیرے کے لئے دھرا ہے، اور ہر ایک کو کھلی چھوٹ ہے جو چاہے بغیر کسی شرط اور قید وبند کے بے سوچے سمجھے اس میں گھس آئے اور قرآن وسنت کے حساس معاملے میں جو مرضی رائے زنی کرے اور جو مرضی چاہے بے پر کی اڑائے۔

بلاشبہ یہ ایک صریح غلطی اور کھلی گمراہی ہے، کیوں کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ دینِ اسلام کے اصول وضابطے ہیں، نہ کوئی محکم احکام ومقررہ قواعد، بلکہ یہ کوئی ثوبِ متخلخل ہے، جو اپنے اندر باہمی متناقض آراء ومتضاد نظریات کی تنفیذ کی وسیع گنجائش رکھتا ہے۔

الغرض یہ ضروری ہے کہ اجتہاد کے حقیقی معنی، اس کی شرائط اور عصرِ حاضر میں اس کے درست طریقۂ کار تک رسائی حاصل کی جائے اور یہی وہ موضوع ہے جس کے حوالے سے شعور وآگہی بیدار کرنے کی غرض سے یہ مبارک سیمینار منعقد کیا گیا ہے، جس کا سہرا مملکت جمہوریہ الجزائر کے وزارت برائے مذہبی امور کے سر جاتا ہے۔

اس ضمن میں جس موضوع کا میں نے انتخاب کیا ہے وہ ''عصرِ حاضر میں اجتہاد کا طریقۂ کار'' ہے۔

جہاں تک اجتہاد کی حقیقت، اس کی شرائط اور اس کی تاریخ کا تعلق ہے تو وہ مختلف محققین اساتذہ نے اپنے اپنے مقالات میں بالتفصیل بیان کیا ہے، جو مستقل حیثیت سے میرا موضوع بحث نہیں، تاہم اجتہاد کے طریقہ کار کو واضح کرنے کی غرض سے اس موضوع کے بعض اہم نکات کی طرف جابجا اشارہ کردیا جائے گا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

وہ اہم اور قابل حل سوالات جو اس مختصر مقالہ میں میں پیش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہیں:

۱۔ عہد حاضر میں کس قسم کا اجتہاد مطلوب ہے؟

۲۔ اجتہاد کا طریقہ کار کیا ہے؟ اور علمی دنیا میں اس کی تطبیق کی کیا صورت ہے؟

۳۔ حقیقی معنوں میں اجتہاد کا اہل کون ہے؟

مذکورہ تینوں سوالات کو حل کرنا بنیادی طور پر اس مقالہ کا مقصد ہے، جس پر بالترتیب تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔

۱۔ عہد حاضر میں کس قسم کا اجتہاد مطلوب ہے؟

یہ سوال اس لئے قائم کیا گیا کہ "اجتہاد" کا لفظ جہاں آتا ہے، وہاں بہت سے لوگ اپنے من پسند اغراض ومقاصد کے حصول کے لئے اس لفظ کا سہارا لیتے ہیں اور لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں، اور اسے ایسے معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں جس کا شرعی اجتہاد سے کوئی لینا دینا نہیں۔ چنانچہ ہم اس وقت تک صحیح معنیٰ میں اجتہاد کے طریقہ کار کو سمجھنے کے لئے موفّق نہیں ہوسکتے جب تک کہ ہم شرعی اجتہاد کا معنی اور عصرِ حاضر میں اس کی مطلوبہ نوع کا تعین نہیں کریں گے کیوں کہ بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ دورِ حاضر میں اجتہاد کی کسوٹی یہ ہے کہ جملہ شعبہائے زندگی میں عقل اور ذاتی رائے ہی کو قولِ فیصل قرار دے دیا جائے اور اسی عقل کے پیچھے چلتے ہوئے اور من مانی کرتے ہوئے نصوصِ شرعیہ میں بے جا تاویل کرلی جائے۔ چنانچہ ہر وہ نص شرعی جو ان کے عقل وادراک سے بالاتر ہوتی ہے، اس کے بارے میں بلاکسی تردّد کے کہہ دیتے ہیں کہ یہ "تتغیر الاحکام بتغیر الزمان" کی قبیل سے ہے، یعنی ان احکام میں سے ہے جو زمانہ بدلنے سے بدل جاتے ہیں یا اس میں کوئی ایسی بعید تاویل کربیٹھتے ہیں، جس کا فقہ اسلامی سے تو کجا، لغت بھی تقاضا نہیں کرتی، نہ سیاقِ کلام اسے قبول کرتا ہے، نہ احادیثِ صحیحہ اور آثارِ منقولہ اس کی تائید کرتے ہیں، اور یہ سب کچھ ہوتا ہے تو صرف "اجتہاد"، "استنباط"، "تفسیر" اور "تاویل" کے نام پر۔

ان عاقبت نااندیش لوگوں کے نزدیک اس کی سب سے بڑی دلیل یہی ہوتی ہے کہ اسلام ایک ایسا دین فطرت ہے جو انسانی عقل اور علم کے منافی نہیں، وہ تمام امورِ زندگی میں ایسے احکام واوامر کو روا رکھتا ہے جو انسان کی عملی زندگی کی ہمنوائی کریں، اس کے عقل وشعور کے ساتھ ہم آہنگ ہوں، اس کے انفرادی واجتماعی معاملات کے مصالح کے بجا طور پر روادار ہوں، اور یہ احکام دین کو ایسے رخ پر لئے چلے، جس میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

انسان کی صلاح و خیر پنہاں ہو اور اس میں پوری انسانیت کی کامیابی کا راز مضمر ہو اور اگر مذکورہ امور کا نصوصِ شرعیہ کے ظاہر و باہر احکام سے میل کھانا دشوار ہوں اور مصالحِ عقلیہ اس کی موافقت نہ کریں، تو یہی سب سے بڑی دلیل ہے کہ وہ حکم اسلام کا حصہ نہیں اور اللہ و رسول کا مقصود یہ نہیں تھا، لہٰذا یا تو اسے مخصوص حالات کے ساتھ جوڑ کر ایسا وقتی حکم قرار دے دیا جائے جس کا آج کوئی موقع نہیں، یا نصوص کو ان کے ظاہر کی طرف پھیر دیا جائے اور ان کی ایسے معانی سے تاویل کرلی جائے جو عقلی مصالح سے ہم آہنگ ہوں۔

چونکہ یہ دلیل خالص عقلی بنیاد پر قائم ہے لہٰذا اکثر لوگ اپنی جدت پسند عقل سے دھوکہ کھا جاتے ہیں، جو بزعمِ خویش اپنے آپ کو "دواء لکل داء اور مفتاح لکل خیر" (ہر بیماری کی ایک ہی دوا اور ہر بھلائی کی ایک ہی کنجی) کا مصداق گردانتی ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دلیل ایک ایسی بنیاد پر قائم ہے جو سراسر باطل ہے، اور وہ اس لئے کہ عقلِ انسانی خیر و شر اور نیکی و بدی کو جاننے کے لئے ایک بہترین معیار اور حاکمِ اعلیٰ ہے۔ پس جہاں کہیں عقل کسی چیز میں خیر کا حکم لگادیتی ہے، تو اس پر مکمل اذعان و یقین کرلیا جاتا ہے، اگرچہ اس سے نصوصِ شرعیہ کا ترک لازم آتا ہو اور قرآن و سنت کا کوئی مفہوم ہی باقی نہ رہے۔ والعیاذ باللہ

تعجب اس بات پر ہے کہ یہ لوگ اتنی بدیہی بات نہیں سمجھ سکے کہ اگر عقلِ مجرد ہی خیر و شر اور انسانی مصالح کے ادراک کے لئے کافی تھی تو انبیاء کو بھیجنے، رسولوں کو مبعوث کرنے اور کتبِ سماویہ کو نازل کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اس وقت تو فقط ایک ہی قولِ فیصل "عقل" کافی تھا، اور جب ہر ایک کو اپنی عقل ہی کے فیصلے پر عمل کرنا تھا تو قرآن و سنت میں درج شریعتِ مطہرہ کے ان تفصیلی احکام کا کیا مطلب ہے، جو ہمیں نکاح، طلاق، تجارت، معیشت، سیاست اور قضاء جیسے اہم ترین شعبہائے زندگی میں رہنمائی فراہم کرتے ہیں جن سے اسلامی فقہ کی ہزارہا کتب بھری ہوئی ہیں؟ نیز اگر یہی خالص عقل قانون سازی و شریعت جاری کرنے کا یکتا و منفرد ماخذ اور اشیاء کے حوالے سے خیر و شر کا حکم لگانے کا واحد معیار قرار پائے گا تو اس سے رسالت اور وحی تک سے استغناء لازم آئے گا اور اس راستے سے جتنے بھی احکام انسانیت پر نازل کئے جائیں گے، وہ سب ہی بشری ضرورت سے خارج ہو کر فضول و عبث ہو جائیں گے، بلکہ در حقیقت یہی احکام گمراہی کا سبب بن جائیں گے، کیوں کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ ان کا جو ظاہر ہے وہ مقصود نہیں اور جو مقصود ہے وہ ظاہر (عقل کے خلاف ہونے کے باعث قابلِ عمل) نہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس بات سے انکار نہیں کہ اسلام دینِ فطرت ہونے کی حیثیت سے انسانی عقل اور علم سے کوئی الگ چیز نہیں، اور نہ اس بات میں کوئی شک ہے کہ اس کے احکام بڑے ہی حِکَم و مصالح کو حاوی ہیں، لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی وہ حکیم ذات ہے جس نے ان حِکَم و مصالح کو متعین کرنے اور بندگانِ خدا پر فرض کئے گئے ان احکام کی رعایت کا اسے اختیار دیا، جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسلام انسان کو اس طرح عقلِ محض کے حوالے کردے کہ وہ تخیلات و وساوس، پریشان کن و متضاد فکری اوہام و خیالات میں گھر کر پاگل ہوجائے اور حال یہ ہو کہ ان وساوس و اوہام کو اللہ و رسول کی شریعت کا نام دے دیا جائے، تاکہ انسان جسے چاہے حلال قرار دے دے اور جسے چاہے حرام تجویز کرلے، اور جب یہی صورت حال ہو تو اسلام اور دیگر گمراہ کن فلسفیانہ نظریات کے درمیان فرق ہی کیا رہا، جو سراسر عقل و خرد اور قوت فکر کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

بلکہ محض عقل کی کسوٹی پر وجود پذیر یہ فلسفی نظریات اور گمراہ کن عقائد کی سیاہ تاریخ اس بات کی سب سے بڑی شاہد ہے کہ اچھے برے کی تمیز کرنے کے لئے عقل محض نہ کبھی معیار تھی اور نہ آئندہ ہوسکتی ہے، الّا یہ کہ وحیِ الٰہی کے نور سے منور ہوجائے۔

نری عقل کے گمراہ کن نظریات

جس کی ایک واضح سی مثال ہے جیسے زنا، جس کی شناعت و قباحت پر تمام ادیان و مذاہب متفق ہیں اور کوئی عام سا آدمی بھی اس کو اچھا نہیں سمجھتا، یہاں تک کہ اکثر دہریے و مادّہ پرست لوگ بھی اس کی مذمت کرتے ہیں، لیکن جب یہی تجدد پسند عقل معیارِ حق و باطل ٹھہرا، تو جانبین کی رضامندی کی صورت میں اس شنیع و بدترین حرکت کو بھی اس نے جائز و مباح قرار دے دیا، اور یہ اس لئے ہوا کہ عقلِ مجرد جیسے ہی دینی اقدار، اسلامی طرزِ فکر اور اخلاقی و معاشرتی قید و بند سے آزاد ہوئی، اسے اس شنیع و قبیح فعل میں کوئی برائی سرے سے نظر ہی نہیں آئی، الّا یہ کہ فریقین میں سے کوئی ایک اسے ناپسند کرتا ہو۔

یہی وہ فکر ہے جسے آج "عقلیت" سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور یہ زمانہ حاضر کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ جب کبھی بھی انسان اپنی پریشانیوں و مشکلات میں عقل کو قاضی بناتا ہے تو یہ "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کا مصداق بن جاتا ہے، ایک وقت تھا جب کہ ایک فرقہ "باطنیہ" کے نام سے وجود میں آیا،

toobaa-elibrary.blogspot.com

جس کا فکری رہنما و سرغنہ عبید اللہ بن حسن قیروانی تھا، علامہ بغدادی کی معروف تصنیف "اَلْفَرْقُ بَیْنَ الفِرَقْ" میں اس کا تذکرہ ملتا ہے، انہوں نے ان کے بعض متبعین کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:

وَما العجب من شیء کالعجب من رجل یدعی العقل ثمّ یکون لہ اخت أو بنت حسناء وَلَیسَت لَہ زَوْجَۃ فی حسنھا فیحرمھا علی نفسہ وینکحھا من اجنبی وَلَو عقل الجَاھل لعلم انہ أَحق باختہ وبنتہ من الاجنبی [۱۵۶]

اس سے زیادہ تعجب کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ لوگ عقل کا دعویٰ کرنے کے باوجود اس قسم کی بے عقلیاں کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک حسین وجمیل بہن یا بیٹی موجود ہے، اور خود ان کی بیوی ایسی حسین نہیں ہوتی، اس کے باوجود وہ اپنی بہن یا بیٹی کو اپنے اوپر حرام سمجھ کر اس کو ایک اجنبی شخص کے حوالے کر دیتے ہیں، اگر یہ جاہل عقل سے کام لیتے تو انہیں احساس ہوتا کہ ایک اجنبی کے مقابلہ میں اپنی بہن اور بیٹی کے وہ خود زیادہ حق دار تھے۔ (ترجمہ ماخوذ از علوم القرآن)

ظاہر ہے کہ اس بدتر اور غلیظ تر نظریے پر ہر وہ شخص تھو تھو کرے گا جسے تھوڑا سا بھی ذوقِ سلیم ہوگا اور ہر ایک کے نزدیک یہ قابلِ مذمت، لائقِ ملامت اور یکسر مسترد کئے جانے کے قابل ہے، لیکن حقیقت یہ کہ ہے جب نری عقل اس طرح آزاد ہوتی ہے کہ کوئی ادنیٰ سی قید و بند بھی اپنے اوپر لاگو نہیں کرتی اور ہر وہ شخص جو اس جیسی جدت پسند و آزاد خیال عقل کا پورے طمطراق کے ساتھ علم بردار ہو تو کیا اس کے پاس اس خالص عقلی دلیل اور اس گمراہ شخص کا کوئی جواب ہے؟ اور کیا آج کل کی روشن خیالی بلا دین اسلام سے نورِ ہدایت لئے محض عقلی دلائل کی بنیاد پر اس بدترین سوچ و فکر پر رد کر سکتی ہے۔ ہر گز نہیں! آپ کو خالص عقل کی بنیاد پر کبھی بھی اس سوچ و فکر کا جواب مل سکا ہے نہ مل سکے گا، کیوں کہ جب نری عقل کی بنیاد پر اس کا جواب تلاش کیا جائے گا تو وہی صورتحال سامنے آئے گی، جو آج ہم سنتے ہیں کہ ایک گروہ اسی نعرہ کو از سرِ نو دوہرا رہا ہے جسے قیروانی باطنی صدیوں قبل لگا رہا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مغربی حکومتیں باقاعدہ اپنے ہاں یہ قوانین پاس کر چکی ہیں کہ انسان ذی رحم محارم اور قریبی رشتہ داروں سے نکاح کر سکتا ہے۔

والعیاذ باللہ العظیم

---

۱۵۶ الفرق بین الفِرق للبغدادی: ۲۹۰، احوال الباطنیۃ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس نری عقل اور آزاد خیالی نے جو گل کھلائے ہیں، اس کا ایک عملی نمونہ چند سال قبل انگلینڈ میں اس وقت دیکھنے میں آیا جب برطانوی پارلیمنٹ نے لواطت وہم جنس پرستی کا قانون ریاستی سطح پر نہ صرف یہ کہ پاس کر دیا بلکہ تمام ارکانِ پارلیمنٹ نے بڑے شدّومدّ کے ساتھ، تالیوں کی گونج میں اسے سراہا۔

اس کا یہ سبب ہرگز نہیں کہ برطانیہ کے تمام دانشور اور سیاستدان اس شنیع وبدترین قانون کے جواز واستحسان پر متفق ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ایک بہت بڑی تعداد وہ بھی تھی جس نے اس کی شدید مذمت کی، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ ان کے پاس اس فعلِ بد کی شناعت وقباحت پر خالص عقلی دلیل نہیں تھی، کیوں کہ اس آزاد خیالی نے دن کو رات بنا کر پیش کیا جس کی رو سے انسان اپنے ذاتی معاملات میں آزاد ہے، جو چاہے کرے، اس کے جملہ حقوق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنی جنسی خواہشات جہاں سے اور جس طرح چاہے پورے کرے، اس پر نہ کوئی جبر ہو سکتا ہے نہ اکراہ، اسی طرح یہ بھی اس کا ذاتی معاملہ ہے کہ جس سے مرضی چاہے اپنے جنسی تعلقات رکھے، قانون اس میں کسی قسم کی کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔

موضوع کی مناسبت سے "وولفنڈن کمیٹی" کی اس قرار داد کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا، جسے برطانوی پارلیمنٹ نے اسی موضوع کے حوالے سے سوچ بچار اور ریسرچ کا کہا تھا، اس نے پارلیمان کے حکم پر جو قرارداد پیش کی اس میں پوری ڈھٹائی سے اس شنیع وقبیح فعل کو جائز ومباح قرار دیا، کمیٹی کی طرف قرار داد کا یہ اقتباس بعینہ ملاحظہ ہو:

> Unless a deliberate attempt is made by society acting through the agency of the law to equate this fear of crime with that of sin there must remain a realm of private morality and immorality which is in brief and crude terms not the law's business.[۱۵۷]

جس سے مراد یہ ہے کہ:

جب تک قانون کے ذریعہ کام کرنے والی سوسائٹی اس بات کی جانی بوجھی اور سوچی سمجھی کوشش نہ کرے کہ

[۱۵۷] S. Friedman, Legal Theory, London, 5th Edition, 1967, p.461.

toobaa-elibrary.blogspot.com

معاشرے میں جرم کا خوف گناہ کے خوف کے برابر ہو جائے، اس وقت تک پرائیویٹ اخلاق اور بداخلاقی کی حکمرانی باقی رہے گی، جو مختصر اور صاف لفظوں میں قانون کے دائرہ کار سے باہر ہے۔ (ترجمہ ماخوذ از علوم القرآن)

اب آپ ان بے چاروں اور لاچاروں کو دیکھیے، ایک طرف اس کے جواز کا قانون پاس کر رہے ہیں اور دوسری طرف برملا اعتراف کر رہے ہیں کہ ان جیسی رسوا کن قبیح حرکات اخلاق اور مروت کی رو سے بہر طور سراسر غلط اور ہر ایک کے نزدیک قابل ملامت ہے، لیکن نری عقل اور آزاد خیالی کے آگے اپنے آپ کو بے بس پاتے ہیں، جس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے آپ میں آزاد ہے، نجی زندگی میں جو مرضی چاہے کرے، قانون کے ہاتھ اتنے لمبے نہیں کہ اس کے نجی معاملات تک پہنچ سکے، اور اس کا منشاء یہ ہے کہ ہر اس مذموم و قابلِ مذمت کام کو جائز و مباح قرار دے دیا جائے جس کا معاشرے میں چلن اور رواج ہے، چاہے وہ کتنا ہی غلط، بداطوار، شنیع، مخرب اخلاق اور قابلِ ملامت ہو۔

اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے اپنے قوانین کو دینی افکار و اخلاقی اقدار سے بالاتر ہو کر نری عقل کے سپرد کر دیا ہے، جب کہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پوری دنیا میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کی عقل کو خالصتاً آزاد کہا جا سکے، اور وہ عقل پرستی جسے یہ خالصتاً آزادی سمجھ رہے ہیں، وہ دراصل آزادی نہیں بلکہ خواہشاتِ نفسانیہ اور سفلی جذبات کی غلامی ہے، اور تاریخ سب سے بڑی شاہد ہے کہ جب بھی عقل دین اسلام کے دائرہ کار سے باہر نکلی اور وحی کے نور سے بے نیاز ہوگئی تو اسے نفسانی خواہشات نے اچک لیا اور وہ سفلی جذبات کی غلام ہوگئی، اور اس بات میں دورائے نہیں کہ نفس کی غلامی سے بڑھ کر بدترین غلامی اس آسمان تلے کوئی نہیں ہو سکتی۔

عقل کا دائرۂ کار

لہٰذا اب دنیا بھر میں عقل کے لئے صرف دو راستے بچ جاتے ہیں، تیسرے کی کوئی گنجائش نہیں، اور وہ یہ ہے کہ یا تو عقل اللہ تعالیٰ اور اس کے مبعوث کردہ پیغمبروں کی مطیع و فرمانبردار بن کر رہے یا چھوٹی موٹی تمناؤں و خواہشات کی نذر اور فکری بے راہ روی و نظریاتی فریب کا شکار ہو جائے، جس کی طرف قرآن حکیم میں ان الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہے:

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ كَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُم [۱۵۸]

۱۵۸ محمد: ۱۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

اب بتاؤ کے جو لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن راستے پر ہوں، کیا وہ ان جیسے ہو سکتے ہیں، جن کی بدکاری ہی ان کے لیے خوشنما بنادی گئی ہو، اور وہ اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلتے ہوں؟[۱۵۹]

کون ہے وہ جس نے انسان کی بدکاری کو خوشنما بنا کر پیش کیا؟ بلاشبہ وہ عقل ہی تو ہے جس نے وحی الٰہی سے اعراض کیا اور خواہشات کے سیلاب میں بہہ گئی اور گمراہی و فسق و فجور کے سمندر میں غرق ہوکر ہلاک ہوگئی، جیساکہ ایک اور جگہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ
بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ [۱۶۰]

اور اگر حق ان کی خواہشات کے تابع ہوجاتا تو آسمان اور زمین اور ان میں بسنے والے سب برباد ہوجاتے۔ نہیں، بلکہ ہم ان کے پاس خود ان کے لیے نصیحت کا سامان لے کر آئے ہیں، اور وہ ہیں کہ خود اپنی نصیحت سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔[۱۶۱]

یہاں ایک طبقہ وہ بھی ہے، جو صراحت کے ساتھ برملا اعلان کرتا ہے کہ ہماری عقلیں ہماری خواہشاتِ نفسانی اور سفلی جذبات کے تابع ہیں، جن کے خودساختہ اس فلسفہ کو "فریڈمین" نے اپنی معروف کتاب Legal theory میں مختصر الفاظ میں کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

Reason is, and ought only to be, the slave of the passions, and can never pretend to any other office them to serve and obey them words like "good", "bad", "ought", "worthy" are purely emotive, and there cannot be such a thing as ethical or moral science.

جس سے مراد یہ ہے کہ عقل، نفسانی خواہشات اور سفلی جذبات کی مکمل غلام ہے، اور اس کے لئے مناسب بھی یہی ہے کہ وہ اسی کی ہوکر رہے۔ چنانچہ عقل کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں کہ وہ انہی

۱۵۹ آسان ترجمہ قرآن: ۱۵۵۱/۳، محمدؐ (۱۴) مکتبہ معارف القرآن

۱۶۰ المؤمنون: ۷۱

۱۶۱ آسان ترجمہ قرآن: ۱۰۵۲/۲، المؤمنون (۷۱) مکتبہ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

جذبات کے پیچھے چلے اور ماتحت ہو کر رہے، البتہ یہ باتیں کہ "خیر"، "شر"، "مناسب"، "نامناسب" یہ سب لغتیں انہی بشری جذبات کی مرہون منت ہے، جس کی رو سے تا حال سرے سے کوئی ایسی تعلیمات ہے ہی نہیں جنہیں در حقیقت "علم الاخلاق" کا نام دیا جائے۔ (ترجمہ ماخوذ از علوم القرآن)

تو یہ ہے وہ آزاد خیالی۔۔۔ اور اس کے نتائج!

نری عقل کے لائقِ تقلید نہ ہونے کی بنیادی وجہ
اور ڈاکٹر پیٹن کا حقیقت پسندانہ تبصرہ

مذکورہ تفصیل سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ جملہ شعبہائے زندگی میں نری عقل کو حرفِ آخر سمجھنے کا نتیجہ سوائے لاقانونیت کے اور کچھ بھی نہیں۔ جس کے ساتھ نہ مروّت و شرافت چل سکتی ہے، نہ اخلاق و کردار اور نہ ہی تکریمِ انسانیت، اور یہ سب اسی آزاد خیالی و فکری بے راہ روی کا کیا دھرا ہے جس سے باہمی جھگڑے اور فسادات اس شدت سے جڑ پکڑ چکے ہیں، جن کے مابین تطبیق کی صورت بظاہر نظر نہیں آتی، جس کی عام فہم دلیل یہ ہے کہ انسانوں کی عقلوں میں واضح تفاوت ہے، جس چیز کو ایک عقل خیر قرار دیتی ہے، اگلے ہی لمحے دوسری عقل اسے شر سے تعبیر کرتی ہے۔ چنانچہ آج تک کوئی ایسا راستہ دریافت نہیں ہو سکا ہے جو حق کو الگ اور باطل کو الگ کر دے، جس کا اعتراف خود ماہرینِ قانون بھی کرتے ہیں۔

ڈاکٹر پیٹن "Paton" جو قانون کی اصولیات کے حوالے سے مشہور و معروف ہیں، اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے اپنی کتاب "اصول قانون" میں لکھتے ہیں:

What interest should the ideal system protect?

This is a question of values....But however much we desire the help of philosophy it is difficult to obtain.

No agreed scale of values has ever been reached indeed, it is only in religion that we can find basis, and the truths of religion must be accepted by faith intuition and not purely as the result of logical argument.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک مثالی نظامِ قانون میں کون سے مفادات کا تحفظ ضروری ہے، یہ ایک اقدار کا سوال ہے، جس میں فلسفہ قانون کو اپنا کردار ادا کرنا ہوتا ہے، بنیادی طور پر یہ "فطری قانون" (Natural Law) کا مسئلہ ہے، لیکن اس سوال کا جواب جتنا ہم فلسفہ سے حاصل کرنا چاہتے ہیں، اتنا ہی فلسفہ سے اس کا جواب ملنا مشکل ہے، کیوں کہ ابھی تک اقدار کا کوئی متفقہ پیمانہ ہمیں نہیں مل سکا، واقعہ یہ ہے کہ صرف مذہب ایسی چیز ہے کہ جس میں ہمیں ایسی بنیاد مل سکتی ہے، لیکن مذہب کے حقائق کو اعتقاد یا وجدان کے ذریعے تسلیم کرنا ضروری ہے، نہ کہ خالص منطقی دلائل کے زور پر۔ (ترجمہ ماخوذ از علوم القرآن)

یہی وہ حق موقف ہے جس پر ڈاکٹر پیٹن نے موضوع کے حوالے سے بڑی بحث و تمحیص کے بعد روشنی ڈالی ہے، جسے قرآن کریم نے چودہ سو سال قبل بیان کیا، قرآن اس حقیقت کا برملا اعلان پوری صراحت سے ان الفاظ میں کرتا ہے:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١١٥﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿١١٦﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ [۱۶۲]

اور تمھارے رب کا کلام سچائی اور انصاف میں کامل ہے۔ اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ وہ ہر بات سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے۔ اور اگر تم زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کے پیچھے چلو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کر ڈالیں گے۔ وہ تو وہم و گمان کے سوا کسی چیز کے پیچھے نہیں چلتے، اور ان کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ خیالی اندازے لگاتے رہیں۔ یقین رکھو کہ تمھارا رب خوب جانتا ہے کہ کون اپنے راستے سے بھٹک رہا ہے، اور وہی ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو صحیح راستے پر ہیں۔ [۱۶۳]

---

۱۶۲ الانعام: ۱۱۵ ۔ ۱۱۷

۱۶۳ آسان ترجمہ قرآن: ۱/۳۱۹، الانعام (۱۱۵ ۔ ۱۱۷) مکتبہ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

نری عقل کی ثالثی اور ابن خلدون کا قول فیصل

سابقہ تفصیل سے یہ بات بجاطور پر ظاہر ہے کہ نری عقل جملہ امورِ زندگی میں ثالث کا کردار ادا نہیں کرسکتی، نیز نری عقل کی بنیاد پر اپنے مصالح وذاتی مفادات کی پیروی کرنا اسلام کی تعلیمات نہیں ہے، اور نہ ہی شرعی اجتہاد کا اس سے کوئی تعلق ہے، بلکہ یہ تو سراسر خواہشات کا اتباع اور نفسانیت کی فرمانبرداری ہے، اور اس ہوا وہوس کو اجتہاد کا نام کسی طور نہیں دیا جاسکتا، اور جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مغربی افکار ونظریات کو اپنے تمام تر ظاہری وباطنی لوازمات کے ساتھ کسی طرح کھینچ تان کر اسلامی لبادہ پہناتے ہوئے اجماع اور اجتہاد کے زمرے میں لے آئیں، تو انہیں خوب سمجھ لینا چاہیے کہ وہ درحقیقت اسلام کی اس بنیاد ہی کو ڈھارہے ہیں جس پر دین قائم ہے اور جس کی وجہ سے وحی کا نزول ہوا اور جس کے لئے یکے بعد دیگر انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں۔

اس مقالہ سے ہمارا قطعی مقصد یہ نہیں کہ عقل کو سراسر فضول وعبث مان لیں اور اس کی فکری صلاحیتوں کو نظر انداز کردیں، بلکہ یہ بدیہی بات ہے کہ عقل اللہ تعالیٰ کی عطاکردہ نعمتوں میں سب سے عظیم الشان نعمت ہے، اور اُن مسائل کے احکامات جاننے کے لئے اس کے سامنے ایک وسیع میدان کھلا ہے، جس کے لئے کوئی نص" صریح وارد نہیں ہوئی، لیکن ظاہر ہے کہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی حد مقرر ہوتی ہے جس پر پہنچ کر بالآخر اس کی انتہا ہوجاتی ہے، انہی میں سے عقل بھی ہے جس کی ایک حد مقرر ہے جس سے وہ ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکتی، اور اس کی ایک انتہا ہے جس کے اُس پار اس کی رسائی ممکن نہیں، اور یہی وہ حد ہے جہاں سے وحی کی ابتداء ہوتی ہے، جو عقل کا ہاتھ پکڑ کر اسے رشد وہدایت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اب اگر اس عقل کو اس کی مقررہ حدود سے اُس پار پرواز کا کہا جائے تو یہ اسے وحی کے قائم مقام اور ایسی چیز کا مکلف بنانے کے مترادف ہے جہاں اس کے پر جل جائیں گے، معروف مؤرخ اور محقق فلسفی علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں کیا خوب کہا ہے:

فاتّهم إدراكك ومداركك في الحصر واتبع ما أمرك الشّارع به من اعتقادك وعملك فهو أحرص على سعادتك وأعلم بما ينفعك لأنّه من طور فوق إدراكك ومن نطاق أوسع من نطاق عقلك وليس ذلك بقادح في العقل ومداركه بل العقل ميزان صحيح

toobaa-elibrary.blogspot.com

فأحكامه يقينية لا كذب فيها. غير أنّك لا تطمع أن تزن به أمور التّوحيد والآخرة وحقيقة النّبوة وحقائق الصّفات الإلهية وكلّ ما وراء طوره فإنّ ذلك طمع في محال. ومثال ذلك مثال رجل رأى الميزان الّذي يوزن به الذّهب فطمع أن يزن به الجبال وهذا لا يدرك. على أنّ الميزان في أحكامه غير صادق لكنّ العقل قد يقف عنده ولا يتعدّى طوره[۱۶۴]

لہٰذا تم اپنے علم اور معلومات کو اس حصر کر دینے میں خطاوار سمجھو (جو کچھ ہم جانتے ہیں تمام موجودات ان میں منحصر ہیں) اور شارع علیہ السلام کے بتائے ہوئے اعتقادات اور اعمال کا اتباع کرو، کیوں کہ وہ تم سے زیادہ تمھارے بھی خواہ اور سود و بہبود کو سمجھنے والے ہیں، ان کا علم تمھارے علم سے بلند اور ایسے ذریعے سے ہونے والا ہے جو تمھاری عقل کے دائرہ سے وسیع تر ہے، اور یہ بات عقل اور اس کی معلومات کے لئے کوئی عجب نہیں ہے، بلکہ عقل در حقیقت ایک صحیح میزان ہے، جس کے احکام یقینی اور جھوٹ سے پاک ہے، لیکن یہ میزان اتنی بڑی نہیں ہے کہ تم اس سے توحید و آخرت کے امور، نبوت و صفات الٰہیہ یا کسی اور ایسی چیز کا وزن کرنے لگو جو عقل کی دسترس سے باہر ہیں، اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص سونا تولنے کا کانٹا دیکھے اور پھر اس سے پہاڑوں کو تولنے کی خواہش کرنے لگے، ظاہر ہے کہ (جب اس میں پہاڑ نہ تل سکیں تو) یہ نہیں کہا جائے گا کہ ترازو جھوٹی ہے، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ہر میزان کی ایک حد ہوتی ہے، جس سے آگے وہ کام نہیں دے سکتی، اسی طرح میزان عقل بھی ایک خاص موقع پر آکر ٹھہر جاتی ہے، اور اپنی حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ (ترجمہ ماخوذ از علوم القرآن)

خلاصہ یہ کہ قرآن و سنت کی نصوص صریحہ کے ہوتے ہوئے نری عقل کے پیچھے چلنا اجتہاد کے زمرے میں نہیں آتا، بلکہ اجتہاد اس جہدِ مسلسل کا نام ہے، جس میں حکم شرعی قرآن و سنت سے استنباط کر کے معلوم کیا جائے، پس جب کبھی عصرِ حاضر میں ہم اجتہاد کی ضرورت پر زور دیتے ہیں، تو ہماری قطعی یہ مراد نہیں ہوتی کہ اجتہاد کو نری عقل کے سپرد کر دیا جائے اور اسے مطلق العنان چھوڑ دیں کہ وہ خود خیر و شر اور اچھائی برائی میں تمیز کرے، پھر ہم اس فکر سے نتائج حاصل کریں، اور خواہی نہ خواہی نصوصِ شرعیہ کو لقمۂ تر

۱۶۴ مقدمۃ تاریخ ابن خلدون: ۵۸۲/۱، الکتاب: ۱، الباب: ۶، الفصل: ۱۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

بنالیں، چہ جائے کہ ہم ان نصوصِ شرعیہ کو عفت و پاکدامنی کا اولین ذریعہ سمجھیں۔

شریعت کی نظر میں جو اجتہاد معتبر ہے وہ یہ ہے کہ ہم حق تک رسائی کے لئے نصوص وحی کی طرف رجوع کریں، اس سے ہدایت ور ہنمائی لینے کے لئے حاجت مند رہیں، اس کے منزّل من السماء احکام کی جانکاری لیں، اور مطمئن رہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہدایت ہی در حقیقت ہدایت ہے، جس کی تفسیر کے لئے مقرر کردہ اصولوں کی رعایت رکھیں، اور ہر ایک نص کو اس کے محمل پر اتاریں، گھر میں اگر داخل ہونا ہی ہے تو دروازے سے آئیں نہ کہ دیوار پھلانگ کر۔

معتبر اجتہاد کا دائرہ کار

عند الشَّرع معتبر اجتہاد کے معنیٰ جاننے کے بعد اب ہم اس قابل ہیں کہ عصرِ حاضر میں اس کا طریقہٴ کار متعیّن کریں، کیوں کہ ایک طبقہ وہ بھی ہے جسے اجتہاد کے معنی میں کوئی غلطی نہیں ہوئی، لیکن عصرِ حاضر میں وہ اجتہاد کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ ابتداء تا انتہاء تمام ہی فقہی احکام کا از سر نو استنباط کیا جائے، اور اسے عملی طور پر الف باء سے شروع کیا جائے، اور متقدمین فقہاء نے کتاب الطہارۃ سے کتاب الفرائض تک جو بھی احکام بیان کئے ہیں، ان میں شکوک وشبہات پیدا کئے جائیں، مجمع علیہ مسائل میں ان کے اجماع کی پرواہ کی جائے نہ متفق علیہ مسائل میں ان کے اتفاق کو خاطر میں لایا جائے، جیسا کہ قرآن کریم ابھی ابھی نازل ہوا ہے اور سنّتِ مطہّرہ آج کل کی پیداوار ہے، جن کی تفسیر کے حوالے سے چودہ صدیوں میں کوئی غور وفکر ہوا، نہ اس سلسلے میں کوئی بحث مباحثہ ہوا، نہ کوئی کتاب لکھی گئی ہے، اور نہ ہی ان نصوص کی تحقیق میں اب تک کوئی راہ یاب ہوا۔ یہ وہ رجحان ہے جو مطلق اجتہاد سے کوسوں دور ہے، جس کی چند وجوہ ہیں:

۱۔ فقہاءِ امت نے قرآن وسنت کی تفسیر اور ان سے احکام ومسائل کے استنباط واستخراج میں جس قدر جہد مسلسل اور سعی پیہم صرف کی ہے، بڑی سے بڑی قربانیاں دی ہیں، اور اپنا گراں قدر علمی ورثہ چھوڑا ہے، اس کا منشاء یہی تھا کہ اس رجحان کا سرے سے خاتمہ ہو جائے، لیکن فی زمانہ ان فقہاء متقدمین اور ان کی تحقیقات وتدقیقات سے واضح تغافل برتا جا رہا ہے، جو بتوفیقِ الٰہی اور خیر القرون کے قریب ہونے کی وجہ سے ورع وتقویٰ کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے، اور انہیں علوم وفنون پر اس قدر دسترس تھی کہ یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ نصوص کے مغز اور ان کے حقیقی معانی تک

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہیں پہنچ سکے، بالخصوص اس عہد پُر فتن میں اس طرح کی علمی و عملی استعداد و صلاحیت کا فقدان بدیہی طور پر ظاہر ہے جس کا انکار سوائے جاہل اور ہٹ دھرم آدمی کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔

۲۔ آج کل یہ فکر بھی چل پڑی ہے کہ ملتِ اسلامیہ گذشتہ چودہ صدیوں سے ایک بہت بڑے خلا میں مبتلا ہے، کیوں کہ اسلامی احکام میں سے کچھ بھی نازل نہیں ہوا، لہٰذا اب ضروری ہے کہ جدید طرز پر اجتہاد کی راہ ہموار کی جائے، حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دیا جائے۔ یہ فکر جہاں حقیقت حال کے بالکل خلاف ہے وہیں اس سے لادینیت کی بو آتی ہے اور شکوک و شبہات پنپتے ہیں، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے اب تک جن احکام و مسائل میں توارث و تعامل چلا آرہا ہے، وہ بھی بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں، اس فکر کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم اپنی نسلِ نو کو اندھے کنویں میں ڈال دیں، جس سے ان کا یقین متزلزل ہو کر رہ جائے گا۔

اور یہ اس لئے کہ ماضی قریب میں اس طرح کے اجتہاد کے بلند و بانگ دعوے بڑے زور و شور سے سامنے آئے، لیکن آج تک کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو اجتہاد کی یہ نوع ایجاد کر سکا ہو، جس سے تمام احکامِ شرعیہ کا از سرِ نو استنباط و استخراج کیا جا سکے، اور کتاب الطہارت سے کتاب الفرائض تک جملہ احکامِ شرعیہ کی تشریح اس نوع کے اجتہاد سے کی جائے اور ایک جامع و مدوّن کتاب سامنے آئے، جیسے علامہ ابن قدامہ کی "المغنی" یا علامہ سرخسیؒ کی "المبسوط" یا "شرح المہذّب" جیسی کتبِ فقہ۔

حاصل یہ کہ یہ فکری بے راہ روی جہاں ایک طرف فقہاءِ امت کے فرمودات پر شکوک و شبہات کا بیج بوتی نظر آتی ہے، وہیں دوسری طرف از خود بھی اتنا دم خم نہیں رکھتی کہ اپنے اس جدید نوعیت کے اجتہاد سے تمام ابوابِ فقہ سے متعلق مسائل کا استقصاء کر سکے۔ جس کا لامحالہ نتیجہ یہی ہے کہ مسلمان اپنے جملہ دینی امور میں بھول بھلیوں میں پڑے رہیں، گویا کہ اسلام نے انہیں کسی تاریک وادی میں دھکیل دیا ہے، اور دین کی تکمیل نہیں ہوئی۔

اور اگر لوگوں کے دلوں میں شک کا یہ بیج بو دیا گیا تو ایک وقت آئے گا کہ رفتہ رفتہ شعائرِ اسلام کو کھرچ کھرچ کر اپنی زندگی سے نکال دیں گے، ہر خوشنما شر کو جائز و مباح سمجھیں گے، آزاد خیالی اور انارکی کی ساری حدود پھلانگ جائیں گے اور غیر اقوام و کفار کے پھیلائے ہوئے فکری ارتداد کی رو میں بہ جائیں گے۔

اب تک کی گفتگو سے یہ بات واضح ہے کہ عصرِ حاضر میں معتبر اجتہاد یہ نہیں ہے کہ ہم جملہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

امورِ زندگی میں نری عقل کو اپنے اوپر مسلط کردیں، اور ان تمام فقہی خدمات کو مہمل اور لایعنی سمجھیں، جو ملت اسلامیہ نے اب تک صرف کی ہیں، نیز فقہ اسلامی کی کھال ہڈیوں سمیت کھینچ لی جائے اور متوارث چلے آئے متفق علیہ امور میں شبہات کو ہوا دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس پُرفتن دور میں جب سے دنیا بھر کے اکثر خطوں میں سامراجی نظریات کی بوچھاڑ ہوئی ہے، ہم اجتہاد کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے، کیوں کہ یہ اجتہاد نہیں بلکہ ان نظریات کو اسلام کا لبادہ اوڑھانے کے مترادف ہے۔

اس بات میں دورائے نہیں کہ جب سے یورپ کا صنعتی انقلاب برپا ہوا، زندگی کے طور طریقے یکسر بدل چکے ہیں، اور یہ انقلاب انسانی زندگی کے ہر گوشہ پر اس شدت سے اثرانداز ہوا ہے جس کی نظیر ماضی میں نہیں ملتی، گویا اس وجہ سے حالات نے بالکل پلٹا کھالیا ہے۔ سیاست ہو یا معیشت، ملازمت ہو یا تجارت، غرضیکہ زندگی کا ہر شعبہ میں ایسے نت نئے مسائل اور جدید مباحث وقوع پذیر ہوچکی ہیں، جن کا صریح ذکر قرآن وسنت میں نہیں ملتا، اور نہ متقدمین فقہاء کی کتابوں میں کہیں ان کا ذکر ہے، جس کے بعد حتمی طور پر ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کتاب وسنت کے مقرر کردہ اصولوں اور فقہاء کے نزدیک مسلمہ قواعد کی روشنی میں ان مسائل سے متعلقہ احکام پر اس طرح غور وفکر کریں کہ جہاں فقہاء کے رسوخ فی العلم، دینی اقدار اور ان کے مزاج ومذاق کی رعایت ہو، وہیں اہلِ زمانہ کی ضرورتوں کا بھی لحاظ رکھا جائے، یہ ہے وہ اجتہاد جو عصرِ حاضر میں عندالشَّرع معتبر ومطلوب ہے۔

اجتہاد کا عملی طریقۂ کار

اس اجتہاد کا عملی طریقہ کار یہ ہے کہ اس اقدام کے لئے فقہ اسلامی کو مستند بنیاد کی حیثیت دے دی جائے، پھر عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق تین پہلوؤں سے اس فقہ کی تدوین کے لئے جدوجہد کی جائے۔

فقہ کی تدوین کا پہلا پہلو

فقہ کی تدوین کا پہلا پہلو، جسے ہم "ناحیۃ الاضافۃ/نسبت کا پہلو" کہہ سکتے ہیں، اور نسبت کے طریقے سے فقہِ اسلامی کی تدوین کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف صرف جدید مسائل سے متعلقہ احکام، مباحث اور معاملات سمیت ان نوایجاد چیزوں کو منسوب کیا جائے جو صرف عصرِ حاضر میں پائی جاتی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں اور قدیم کتابوں میں جن کا ذکر نہیں ملتا، یا اتنا مختصر تذکرہ ملتا ہے جو عصرِ حاضر کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا، جس کی چند مثالیں شیئرز کمپنیز، بینکوں کے معاملات، ایکسپورٹ امپورٹ، طویل المدتی تجارتی معاہدات اور بڑی بڑی ملوں اور ان سے وابستہ عملہ کے احکام وغیرہ ہیں۔ ان مسائل میں دو اصولوں کی رعایت از حد ضروری ہے:

تدوینِ فقہ کے دو اساسی اصول

ایک تو یہ کہ کتبِ فقہ میں کسی بھی ایسی چیز کے ذکر سے اجتناب کیا جائے جس کے عدمِ جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے، کیوں کہ فقہاء نے ان تمام مسائل کا استقصاء بخوبی کیا ہے جن کی صورتیں ان کے دور میں رائج تھیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے استقراء سے جو چیز بھی باہر نکلی وہ حرام ہوگئی، بلکہ اس کے حل کے لئے ہم قرآن وسنت اور آثار سمیت فقہ میں مقررہ اصول وقواعد کی طرف رجوع کریں گے اور استنباط کے وضع کردہ اصولوں کی روشنی میں اس کا حکم معلوم کرنے کی کوشش کریں گے، جس کی ایک مثال یہ ہے کہ فقہاءِ کرام نے شرکتِ عقد کی چار اقسام ذکر کی ہیں:

۱) شرکۃ المفاوضہ ۲) شرکۃ الصنائع ۳) شرکۃ الوجوہ ۴) شرکۃ العنان

جبکہ فی زمانہ شرکت کی دیگر انواع بھی ظاہر ہوئیں جو شرکت کی ان چار اقسام میں سے کسی بھی قسم کے تحت داخل نہیں ہوتیں، جیسے "شرکۃ المساہمہ" جسے ایک "شخصِ معنوی" کے طور پر جانا جاتا ہے، جس پر مذکورہ ہر چہار قسموں سے متعلقہ فقہاءِ کرام کی بیان کردہ خصوصیات منطبق نہیں ہوتیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ شرکت ناجائز ہوگئی، کیوں کہ شرکت کی اقسام کا چار قسموں میں منحصر ہونا اللہ ورسول نے بیان نہیں کیا، بلکہ انہیں فقہاءِ کرام نے اپنے زمانے میں رائج شدہ معاملات کے مدِ نظر وضع کیا، پس اگر شرکت کی ایک اور قسم بھی نکل آئی، جس کی بنیاد میں کوئی ایسی بات نہیں جو قرآن وسنت کے وضع کردہ اصولوں کے معارض ہو، تو ہم صرف اس وجہ سے اس پر حرمت کا حکم نہیں لگادیں گے کہ وہ کتب فقہ میں مذکور ان چار قسموں میں سے کسی ایک قسم میں بھی داخل نہیں ہورہی، بلکہ اب یہ شرکت کی پانچویں قسم کا درجہ حاصل کرلے گی۔ چنانچہ ضروری ہے کہ دیگر اقسام کی طرح اس کے جملہ متعلقہ ذیلی مسائل پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے اسے بھی فقہ اسلامی کی طرف منسوب کیا جائے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

خلاصہ یہ کہ جب بھی ہم کسی مسئلہ کا حکم تلاش کریں تو اولاً اس بات کا اطمینان کرلیں کہ آیا یہ قرآن وسنت کے منصوص احکام میں سے ہے یا ان احکام میں سے ہے جو فقہاءِ کرام کے استخراج اور استقراء کے نتیجے میں مدوّن ہوئے ہیں۔ اول الذکر قسم پر تو ہم لفظاً و معنیً دونوں کا لحاظ کرتے ہوئے عمل کریں، کیوں کہ وہ شارع کی بات ہے جس کا علم ان تمام معاملات تک محیط ہے جو قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے ہیں، لیکن جہاں تک ثانی الذکر کا تعلق ہے تو اسے وہ درجہ نہیں دیا جائے گا جو اول الذکر شارع کی منصوص بات کا ہے، بلکہ کوئی بھی حکم لاگو کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ پہلے اس بات پر گہرائی سے غور کرلیا جائے کہ اس وقت کے فقہاء نے یہ حکم کن حالات کے پیشِ نظر لگایا تھا۔

دوسرے یہ کہ فقیہ کا کام صرف حکمِ شرعی بتانا نہیں ہے، بلکہ اس کے منصب کے زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ اگر وہ مثلاً کسی چیز کی حرمت کا فتویٰ دے تو لوگوں کی مشکلات کے پیشِ نظر اس کا متبادل حل بھی پیش کرے، خصوصاً معاشی معاملات میں، جس پر سیدنا یوسف علیہ السلام کا یہ قول شاہد ہے جسے قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿٤٨﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ [۱۶۵]

یوسف نے کہا: تم سات سال تک مسلسل غلہ زمین میں اگاؤ گے، اس دوران جو فصل کاٹو، اس کو اس کی بالیوں ہی میں رہنے دینا، البتہ تھوڑا سا غلہ جو تمھارے کھانے کے کام آئے، (وہ نکال لیا کرو)۔ پھر اس کے بعد تم پر سات سال ایسے آئیں گے جو بڑے سخت ہوں گے، اور جو کچھ ذخیرہ تم نے ان سالوں کے واسطے جمع کرر کھا ہوگا، اس کو کھا جائیں گے، ہاں البتہ تھوڑا سا حصہ جو تم محفوظ کرسکو گے (صرف وہ بچ جائے گا) پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگوں پر خوب بارش ہوگی، اور وہ اس میں انگور کا شیرہ نچوڑیں گے۔

حضرت یوسف علیہ وعلی نبینا السلام نے اس موقع پر صرف تعبیر بتانے اور قحط سالی کے سات

---

۱۶۵ یوسف: ۴۷-۴۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

سالوں سے متعلق پیش گوئی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اولاً اس مشکل سے نکلنے کا حل بیان کیا پھر ان سالوں کی آمد سے متعلق آگاہ کیا، حقیقی معنی میں فقہ اور دین کی سمجھ اسے ہی کہتے ہیں۔

فقہ کی تدوین کا دوسرا پہلو

فقہ اسلامی کی تدوین کا دوسرا پہلو وہ ہے جو اہل زمانہ کی حوائج وضروریات کو پورا کرنے میں معین ومددگار ہے، یہ وہ گوشہ ہے جو علت کی تبدیلی سے احکام میں تبدیلی کا موجب بنتا ہے، اب چونکہ زمانے کے بدلنے سے علت میں تغیر واقع ہوتا ہے لہٰذا حکم بھی خود بخود بدل جائے گا، کیوں کہ اس کا دارومدار اسی علت پر ہے۔ جیسے ایک وقت تھا کہ فقہاءِ کرام کنویں کے پانی اور کھیتوں کو پانی دینے کے لئے مملوکہ نہر سے پانی کی بیع کی حرمت کا فتویٰ دیتے تھے، جس کی علت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کتاب الخراج میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ **مجھول لا یعرف** کہ یہ پانی ایسا مجہول ہے جس کی مقدار معلوم نہیں۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس دور میں یہ معاملہ اسی طرح تھا، کیوں کہ اس وقت کوئی ایسا معیار مقرر نہیں تھا جس کے ذریعے استعمال شدہ پانی کی وہ مقدار معلوم کی جاسکے جس سے کھیتوں کو سیراب کیا گیا، لیکن چونکہ آج دنیا بھر میں ایسے آلے ایجاد ہو چکے ہیں جس کے ذریعے بسہولت پانی کی مقدار معلوم کی جاسکتی ہے، تو امام ابو یوسفؒ کی بیان کردہ علتِ جہالت ختم ہوگئی جو فی زمانہ اس بیع کے جواز کو مستلزم ہے، اس طرح کی بہت سی مثالیں فقہ اسلامی میں بکھری ہوئی ہے۔

احکام کا مدار علتوں پر ہے حکمتوں پر نہیں

تاہم اس مقام پر اس بات پر متنبہ کرنا ضروری ہے جس سے عموماً لوگ غافل ہیں، اور وہ یہ کہ اسلامی احکام کا مدار علتوں پر ہے حکمتوں پر نہیں ہے، جس سے علماءِ راسخین بخوبی واقف ہیں، لہٰذا اس کی شرح کی چنداں حاجت نہیں، البتہ اس بات کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ اکثر لوگ علت اور حکمت میں فرق نہیں سمجھتے، جس کے باعث ان کے زعم میں اگر کسی حکم کی کوئی حکمت موجود ہے، تو وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اس حکمت کے فوت ہونے سے حالات بدل جاتے ہیں، چاہے وہ علت دائمی اور غیر تغیر پذیر ہی ہو، علت اور حکمت میں فرق بیان کرنے کے لئے ہم یہاں ایک عام فہم مثال پیش کرتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہر ایک دیکھتا ہے کہ حکومت نے سڑکوں اور شاہراہوں کی چورنگیوں پر آٹومیٹک سگنل نصب کرر کھے ہیں، جو کبھی سرخ ہو جاتے ہیں، کبھی سبز، اور تمام گاڑیوں کے لئے یہ ضابطہ بنادیا گیا ہے کہ وہ سرخ سگنل پر رک جائیں اور سبز سگنل پر چل پڑیں۔

چلتی گاڑیوں کے روکنے کی حکمت پر اگر غور کریں تو وہ یہی ہے کہ ایکسیڈنٹ سے بچا جا سکے، لیکن حکم کی جو علت ہے وہ سرخ سگنل ہے، پس رکنے سے متعلق حکمت کے گرد دائر نہیں ہوگا بلکہ یہاں علت کا اعتبار ہوگا۔ چنانچہ اگر گاڑی سگنل پر آئی اور اس نے سرخ سگنل دیکھا تو وہاں ایکسیڈنٹ کا خطرہ ہو یا نہ، بہر صورت اس پر رُکنا واجب ہے۔ اب ڈرائیور کو یہاں یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ سگنل پر رکنے کا حکم تو لوگوں کو ایکسیڈنٹ سے بچانے کے لئے ہیں، پس یہاں چوں کہ ایکسیڈنٹ کا خطرہ نہیں لہٰذا ریڈ سگنل کو نظر انداز کرتے ہوئے نکل جاؤ۔

اس مثال میں رکنے کا حکم بہر حال باقی رہے گا، گو کہ اس خاص صورت میں اس کی کوئی حکمت نظر نہیں آرہی، اس لئے کہ ریڈ سگنل جو اس کی علّت ہے، پائی جارہی ہے۔

اب چونکہ علّت کے بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے، لہٰذا اگر قانون میں مثلاً تبدیلی ہو جائے اور ریڈ سگنل تو ہو جائے چلنے کا، اور گرین سگنل ہو جائے رکنے کا، تو اس وقت حکم بدل جائے گا (اور گرین سگنل پر رکنے اور ریڈ سگنل پر چلنے کا حکم لاگو ہوگا) کیوں کہ علت بدل گئی، اسی طرح احکامِ شرعیہ صرف اس وجہ سے نہیں بدل سکتے کہ ایک دو آدمیوں کے زعم میں اس کی کسی خاص صورت میں جو مصلحت پوشیدہ ہے یا اس حکم کی انہوں نے کوئی حکمت سوچ رکھی ہے تو وہ نہیں پائی جارہی، کیوں کہ یہی تو ہے نصوص کے مقابلے میں نری عقل کو اپنے اوپر مسلط کرنے کا نظریہ، جو سراسر باطل ہے اور اس کا تفصیلی رد ہم پہلے کر چکے ہیں۔

پس حکم کی حقیقی علت کو جاننا، پھر اس کے محل کی باریکی سے جانچ اور متعلقہ مسائل میں جملہ جزئیات کی تحقیق کرنا انتہائی حساس معاملہ ہے، جو صرف اسی شخص کے سزاوار ہے جسے نہ صرف یہ کہ علمِ فقہ میں رسوخ ہو بلکہ دیگر علومِ اسلامیہ میں بھی بھرپور دسترس ہو۔ اور حکم لگانا صرف اسی کے لئے جائز ہے جو قرآن وسنت سے پوری بصیرت کے ساتھ واقف ہو اور مکمل احتیاط اور دور اندیشی سے کام لے تاکہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار نہ دے دے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تدوینِ فقہ کا ایک اور اہم پہلو

فقہ میں مزید بہتری لانے کا ایک پہلو زمانے کی حوائج وضروریات کی رو سے ہے، اور وہ یہ ہے کہ عہدِ حاضر کے ذوق کو سامنے رکھتے ہوئے کتبِ فقہ کو ترتیب دیا جائے، کیوں کہ قدیم فقہی ذخیرہ کتب میں عنوانات کی کمی، فہرستوں کے اختصار، اسلوب کے ٹھیٹھ پن اور لمبی چوڑی تفصیلات کے باعث مسئلہ تلاش کرنے میں کافی مشکل پیش آتی ہے، اس لئے ہم پر لازم ہے کہ ہم ایسی نئی نئی کتابیں تالیف کریں جن میں متعلقہ مسائل تک پہنچنا اور ان سے استفادہ کرنا سہل وآسان ہو جائے، اور قدیم کتابوں کو منظم ومرتب اور نمبرات وتفاصیل کے ساتھ شائع کیا جائے، ان کے لئے اضافی فہرستیں ترتیب دی جائیں، اور ظاہر ہے کہ یہ ایسا بدیہی معاملہ ہے جس کے لئے مزید شرح اور دلیل کی ضرورت نہیں۔

مذکورہ تینوں پہلوؤں سے عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق اسلامی فقہ کی ترقی کے امکانات روشن ہیں، اور یہ مؤلفین کے لئے تالیفی خدمات، محققین کے لئے تحقیق، اور جفاکش وباہمت لوگوں کے لئے کام کا ایک بہت بڑا میدان ہے۔

۳۔ اجتہاد کا اہل کون ہے؟

عہدِ حاضر میں عند الشرع معتبر ومطلوب اجتہاد، اس کے میادین، طریقۂ کار اور دائرۂ کار پر تفصیلی گفتگو کے بعد اب میں آپ حضرات کو ایک انتہائی اہم سوال کی طرف لے جانا چاہتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ اجتہاد کا اہل کون ہے؟ اور اس کے لئے مطلوبہ استعداد اور صلاحیت کا کیا معیار ہے۔؟

کتبِ اصولِ فقہ کی طرف اگر ایک نظر ڈالی جائے تو اصولِ فقہ کے مدونین نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، لیکن اس وقت ان تمام جزئیات وتفصیلات سے بحث کرنا ہمارے موضوع کا حصہ نہیں، اور ہمارے محققین اساتذہ نے اس موضوع پر بڑی وضاحت سے گفتگو کی ہے اور موضوع کا بہت حد تک حق ادا کر دیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اجتہاد کے لئے قرآن وسنت کے علوم پر کامل درجہ کی دسترس اور قابلِ قدر ملکہ ہونا بنیادی شرائط میں سے ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کیا ہر مسلمان اجتہاد کا اہل ہے؟

بعض معاصرین بڑے شدّومدّ سے یہ اعتراض کرتے نظر آتے ہیں کہ اجتہاد ایک دینی حق ہے، لہٰذا یہ نہیں کہ کسی مسلمان کو یہ حق دیا جائے اور کسی کو نہ دیا جائے، بلکہ اس پر تمام مسلمانوں کا برابر حق ہے، لہٰذا اسے علماء ہی کی جماعت کے ساتھ مخصوص کرنا قرینِ انصاف نہیں، پس ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مستند مصادر و مراجع سے احکام کا استنباط و استخراج کرے۔

اس دعوے پر ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اسلام ایک بین الاقوامی دین ہے جو کسی رنگ و نسل اور زبان کے ساتھ خاص نہیں، جس کا پیغام دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے، اس میں نصرانیت کی طرح کسی کی اجارہ داری قائم ہوسکتی ہے، نہ ہندوؤں کی طرح کسی کی طبقاتی وامتیازی حیثیت کا عنصر ہوسکتا ہے، پس اگر اجتہاد کا حق علماء ہی کی ایک مخصوص جماعت کو دے دیا جائے گا تو اس سے اسلام میں بھی نصرانیت وہندومت کی طرح اجارہ داری اور امتیازی سلوک کا دروازہ کھل جائے گا، جو اپنی مذہبی کتابوں کی تشریح کا حق صرف اسی کو دیتے ہیں جو ان کے انتظامی معاملات میں باقاعدہ رکن کی حیثیت رکھتا ہو، جو ایسے لوگ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں جنہیں قرآن وحدیث سے بنیادی واقفیت تو کجا، عربی زبان کا ایک لفظ بھی نہیں آتا، اور نہ وہ قرآن وحدیث کی ایک سطر کی بھی صحیح معنی میں قراءت کرسکتے ہیں، اس کے باوجود وہ اس بات پر مصر ہیں کہ اجتہاد ان کے ایسے بنیادی اسلامی حقوق میں سے ہے، جسے پسِ پشت نہیں ڈالا جاسکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اجتہاد کے لبادہ میں قرآن وحدیث کی نصوص میں تحریف کے لئے پر تول رہے ہیں، جو قرآن وسنت کے علم کو اجتہاد کے لئے بنیادی شرط کے طور پر سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے، اور کبھی اسے نصرانیت کی اجارہ داری سے تشبیہ دیتے نظر آتے ہیں، تو کبھی ہندومت میں موجود طبقاتی تقسیم سے، دراصل یہ وہ لوگ ہیں جو نہ نصرانیت کی اجارہ داری کا مفہوم جانتے ہیں، نہ ہی ہندومت میں موجود طبقاتی تقسیم کا۔

اس ضمن میں بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اجتہاد انسانیت کے ان بنیادی حقوق میں سے ہو ہی نہیں سکتا جسے ہر انسان کے لئے تختۂ مشق بنا دیا جائے، بلکہ یہ خالص علمی دنیا ہے جس کے لئے کامل درجہ کی استعداد اور ابھرتی ہوئی صلاحیت درکار ہوتی ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے مریضوں کے علاج معالجہ کے لئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

میڈیکل فیلڈ میں ایک مخصوص صلاحیت چاہیے ہوتی ہے، جب علم طب و دیگر فنونِ عصریہ میں صلاحیت واستعداد کی شرط کو اجارہ داری اور امتیازی سلوک قرار نہیں دیا جاتا تو کیا صرف اللہ و رسول کی شریعت اور اس میں اجتہاد کرنا ہی رہ گیا ہے، جسے ہر کس و ناکس کے لئے تختۂ مشق بنا دیا جائے، اگر دیگر فنون کی طرح اس میں بھی قابلیت کا ایک معیار مقرر کیا گیا ہے، تو اسے اجارہ داری اور حقوق انسانی پر حملہ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟۔

اجتہاد کا منصفانہ اسلامی قانون اور ادیانِ باطلہ کی اجارہ داری

اس معاملے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ نصرانیوں کے ہاں جو اجارہ داری ہے وہ ان کا ایک مخصوص اجتماعی نظام ہے جس میں پہلے ہی عہدے مقرر ہیں، جن کے وظائف و فرائض کا تعین بھی کر دیا گیا ہے، جس کی رو سے ہر منصب اور اس سے متعلقہ وظائف کے لئے کچھ افراد مخصوص ہوتے ہیں، اور یہ منصب ان افراد میں سے صرف ان ہی کو سپرد کرتے ہیں، جس کے بعد متعلقہ تمام تر ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی ہے، غرض یہ کہ ان کے اس نظام میں کوئی شخص اپنے علم و فضل اور ورع و تقویٰ کی بنیاد پر داخل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کسی خارجی آدمی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان کے مذہبی معاملات اور کتبِ مقدسہ کی تفسیر میں رائی زنی کرے، اگرچہ اس کا علم ان کے اجارہ دارانہ نظام کے اراکین سے کہیں بڑھ کر اور اس کے پاس موجودہ دلائل ان سے کہیں زیادہ قوی ہوں۔

دینِ اسلام میں اس طرح کی کوئی اجارہ داری نہیں ہے، لہٰذا ہر وہ شخص جو قرآن و سنت سے متعلق مطلوبہ استعداد و قابلیت کا حامل ہو، اجتہاد اور نصوصِ شرعیہ کی تشریح و تفسیر کر سکتا ہے، جس میں نہ یہ ضروری ہے کہ کچھ مخصوص لوگ ہی اس کے مجاز ہوں اور نہ یہ کام کسی ایسے مخصوص طبقہ کے سپرد ہے جن کا اس کام کے لئے اوروں نے باقاعدہ کوئی تقرر کیا ہو۔

مزید برآں نصاریٰ کا "بابویہ" (پاپائیت) نظام بالآخر ایک آدمی پر آکر ختم ہو جاتا ہے، جسے pope (پوپ) کہا جاتا ہے، جو ان کے مذہبی عقائد کی تشریح اور مقدس کتابوں کی تفسیر کے لئے مقرر ہوتا ہے، اور اسے مقررہ ستر آدمیوں کی کمیٹی منتخب کرتی ہے، جنہیں یہ لوگ cardinals (کرڈینلز) کہتے ہیں، ان جملہ مذہبی معاملات میں یہ بالکل آخری عہدہ ہے، جس کی اتباع ہر عیسائی پر واجب ہے اور کوئی اس کی مخالفت نہیں کر سکتا، چاہے اس کا علم کتنا زیادہ ہو یا اس کی معلومات کثیر ہوں۔ برطانیہ کا ویکیپیڈیا اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی تشریح کچھ اس طرح کرتا ہے۔[۱۶۶]

عقائد سے متعلقہ جملہ امور میں "پوپ" کی حیثیت "حاکمِ اعلیٰ" کی ہے، ہر وہ استدلال غلطی متصور ہوگا، جسے کنیسہ کی مقررہ عاملہ کمیٹی غلطی قرار دے، اور یہ غلطی پر اس جہت سے محمول ہوگا کہ اسے کلیسا کی کمیٹی کی طرف سے اس طرح کے اختیارات ہیں کہ وہ pope شارع وحاکم ہونے کی حیثت سے مقرر ہے۔

علماءِ اسلام اور نصاریٰ رہنماؤوں میں فرق

اس تفصیل سے ہم علماءِ اسلام اور پاپائیت کے نصاریٰ رہنماؤوں کے درمیان فرق بسہولت جان سکتے ہیں، جس میں اولین فرق یہ ہے کہ حقیقی معنی میں جو علماءِ اسلام ہیں، ان میں سے ایک نے بھی کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اسے کسی مسئلے میں حکم لگانے یا فتویٰ دینے میں غلطی سرزد نہیں ہوسکتی، نہ کسی مجتہد کا یہ خیال ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور اجتہاد نہیں کرسکتا اور نہ اسلامی تاریخ میں کبھی یہ اجارہ داری قائم کی گئی کہ اجتہاد کا نظام کسی خاص ادارے یا آرگنائزیشن کے ماتحت ہو، بلکہ اسلامی نظریہ میں اجتہاد کی صرف ایک ہی اساسی شرط ہے اور وہ ہے وسیع پیمانے پر گہرائی اور گیرائی کے ساتھ علمی قابلیت وصلاحیت اور ورع وتقویٰ اور عملی دنیا میں چوٹی کا مقام اور بلند مرتبہ... چنانچہ اسلامی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جس میں بھی یہ شرط پائی جاتی تھی، ائمہ مجتہدین نے پوری وسعتِ ظرفی اور شرح صدر کے ساتھ نہ صرف انہیں قبول کیا بلکہ دنیا کے ہر خطے اور شہر کے مسلمانوں نے اس منصب کے لیے انہیں تسلیم کیا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلامی میں بلا کسی نسبی ووطنی امتیاز کے لاتعداد مجتہدین گزرے ہیں، بلکہ اسلامی تاریخ میں کتنے ہی ایسے غلام گزرے ہیں جو اجتہاد کی دنیا میں اپنے علمی مقام اور مجتہدانہ صلاحیت کی بنیاد پر بڑے بڑے آزاد اہلِ علم پر سبقت لے گئے اور کتنے عجمی اہلِ علم ایسے ہیں جن کے علوم وفنون اور ورع وتقویٰ کو عرب علماء نے سلام پیش کیا، اسلامی تاریخ اس طرح کی روشن اور قابلِ فخر مثالوں سے بھری ہوئی ہے جن کے بیان کی حاجت اس لیے نہیں کہ ہر ایک اس سے بخوبی واقف ہے۔

یہ ہے وہ بنیادی فرق جو نصاریٰ کے نظامِ پاپائیت اور مسلم علماء کے درمیان ہے، جس کا حاصل یہ

۱۶۶۔ وکیپیڈیا: pope

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے اسلام میں اجتہاد سے قطعی طور پر یہ مراد نہیں ہو سکتا کہ اس کے لئے علم شرط ہے نہ کوئی استعداد و صلاحیت (Merit)، بلکہ اس کے لیے بڑا ہی وسیع علم درکار ہے جسے اصولیین نے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے اس لیے نہیں کہ "باب الاجتہاد" پر کسی ایک مخصوص جماعت ہی کا کتبہ نصب کر دیا جائے، بلکہ یہ ایک ایسے شخص کا محتاج ہے جو اس کے طریقہ کار و دائرہ کار سے واقف ہو اور اس کی مشکل گھاٹیوں کو سر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، لہٰذا اجتہاد کو کسی ایسے شخص کے حوالے کر دینا جو اس کے مالہ و ماعلیہ سے واقف ہے نہ اس کی گھاٹیاں سر کر سکتا ہے تو یہ ایسے ہی ہوگا جیسے کسی بچے کے ہاتھ میں بم اور بارود تھما دیا جائے اور وہ اسے کھلونا سمجھ بیٹھے۔

اخیراً حتمی طور پر یہ عقلی نتیجہ اخذ ہو جاتا ہے، جو نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجموعہ احادیث میں منقول ہے، جن میں سے دو حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں:

عن عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو بن العاص رضی الله عنه قال سَمِعْتُ النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيه وَسَلَّمَ يقُولُ إِنَّ اللهَ لَا يَنْزِعُ العِلْمَ بَعْدَ أَنْ أَعْطَاكُمُوهُ انْتِزَاعًا وَلكِن يَنْتَزِعُه مِنْهُمْ مَعَ قَبْضِ العُلَمَاءِ بِعِلْمِهِمْ، فَيَبْقَى نَاسٌ جُهَّالٌ، يُسْتَفْتَوْنَ فَيُفْتُونَ بِرَأْيِهِمْ فَيُضِلُّونَ وَيُضَلُّونَ[۱۶۷]

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: اللہ تعالیٰ اہلِ علم کو علم عطا کرنے کے بعد واپس نہیں لیں گے، بلکہ علم کو واپس لینے کی صورت یہ ہوگی کہ ان میں موجود علماء کو مع ان کے علم کے اٹھالیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ ان میں جاہل لوگ رہ جائیں گے جو اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنْ نَزَلَ بِنَا أَمْرٌ لَيْسَ فِيهِ بَيَانٌ: أَمْرٌ وَلَا نَهْيٌ، فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ تُشَاوِرُونَ الْفُقَهَاءَ وَالْعَابِدِينَ، وَلَا تُمْضُوا فِيهِ رَأْيَ خَاصَّةٍ[۱۶۸]

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ

۱۶۷ صحیح البخاری: ۱/..، کتاب الاعتصام، باب ما یذکر من ذم الرأی والتکلیف فی القیاس

۱۶۸ مجمع الزوائد للھیثمی: ۱/۱۷، ویقول الھیثمی عن الحدیث "رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ موثوقون من اھل الحدیث"

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہمیں کوئی ایسا معاملہ درپیش ہو جس کے بارے میں (شریعت کی طرف سے کوئی) امر آیا ہو نہ نہی آئی ہو تو آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبادت گزار فقہاء سے مشاورت کرو اور اس میں اپنی ذاتی رائے پر عمل مت کرو۔

مذکورہ ہر دو احادیث میں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ افتاء و اجتہاد کے منصب پر ایسا شخص ہی فائز ہو سکتا ہے جو کمال درجہ علم اور غایت درجہ ورع و تقویٰ کا حامل ہو، نیز یہ بات وضاحت کے ساتھ مذکور ہے کہ اگر یہ دونوں شرائط مفقود ہیں تو وہ بجز لازمی و متعدّی گمراہی کے اور کچھ نہیں، بالخصوص دوسری حدیث میں مسائل میں اجتہاد کی یہ تین شرائط ذکر کی گئیں ہیں:

۱۔ اجتہاد فقہاء کی طرف سے ہو، فقہاء سے مراد وہ علماء ہیں جو علم فقہ میں بھرپور دسترس رکھتے ہوں۔

۲۔ اجتہاد کرنے والے فقہاء عبادت گزار اور ورع و تقویٰ کے حامل ہوں۔

۳۔ اجتہاد ان کے درمیان باہمی مشاورت سے ہو۔

جہاں تک علم کا تصور ہے تو ہم نے ذکر کیا کہ اس کا شرط ہونا تو بدیہی ہے، جبکہ عبادت و ریاضت اور خشیت و للّٰہیت اور ورع و تقویٰ بھی ایک مجتہد کے لئے ضروری ہے، کیوں کہ نہ صرف یہ کہ اجتہاد میں اس کا واضح طور پر اثر ہوتا ہے بلکہ دینی ذوقِ سلیم کے لیے اس کی ودیعت کردہ فکری کارکردگی، اور حق و باطل میں تمیز کرنے کے لئے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ ایک متقی و عالم ربانی اللہ و رسول کے احکام میں رائے زنی کی صورت میں اٹکل پچو و اندازہ سے کام نہیں لیتا بلکہ پیش آمدہ مسئلے میں صحیح حکم تک علی وجہ البصیرت پہنچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور اس قدر اپنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے، بالآخر من جانب اللہ راہ یاب ہو جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ [۱۷۹]

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے ساتھ تقوی کی روش اختیار کرو گے تو وہ تمہیں (حق و باطل کی) تمیز عطا کر دے گا

۱۷۹۔ الانفال: ۲۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۱۷)اور تمھاری برائیوں کا کفارہ کردے گا، اور تمہیں مغفرت سے نوازے گا، اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے۔

عبادت وتقویٰ کے غایت درجہ مؤثر ہونے پر ترمذی میں مروی یہ حدیث قابل ذکر ہے:

قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَخَصَ بِبَصَرِهِ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ: هٰذَا أَوَانُ يُخْتَلَسُ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتّٰى لَا يَقْدِرُوا مِنْهُ عَلَى شَيْءٍ فَقَالَ زِيَادُ بْنُ لَبِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ: كَيْفَ يُخْتَلَسُ مِنَّا وَقَدْ قَرَأْنَا الْقُرْآنَ فَوَاللهِ لَنَقْرَأَنَّهُ وَلَنُقْرِئَنَّهُ نِسَاءَنَا وَأَبْنَاءَنَا، فَقَالَ: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا زِيَادُ، إِنْ كُنْتُ لَأَعُدُّكَ مِنْ فُقَهَاءِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ هٰذِهِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ عِنْدَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى فَمَاذَا تُغْنِي عَنْهُمْ؟[۱۷۰]

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ، دریں اثناء آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی، اور فرمایا کہ یہ وہ وقت ہے کہ لوگوں سے علم اچک لیا جائے گا، حتی کہ اس میں ان کے پاس کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، اس پر زیاد بن لبید انصاری نے عرض کیا: ہم سے علم کیسے اچک لیا جائے گا؟ حالانکہ ہم نے قرآن پڑھ لیا ہے اور واللہ اسے پڑھتے ہی رہیں گے، اور اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی ضرور پڑھائیں گے، تو آپ نے فرمایا، تیری ماں تجھ پر روئے، کاش کہ میں تجھے اہلِ مدینہ کے فقہاء میں شمار کرتا، تورات اور انجیل تو یہودیوں کے پاس بھی تھی، اس نے انہیں کیا فائدہ دیا؟

دینی وعصری علوم میں پیدا کردہ خلیج کے منفی اثرات

اس طرح ایک ایسی جماعت ضروری ہے، جو فی زمانہ اجتہاد کے اہم اہم پہلوؤں پر غور وفکر کے لئے وقف ہو اور معاشیات واقتصادیات، تجارت، ملازمت، صناعت، حکومت وسیاست اور روز مرہ زندگی میں لوگوں کے طرق وعادات سے پوری جانکاری رکھتے ہوں، کیوں کہ آج اکثر معاملات اس پر موقوف ہیں، لیکن علماء دین وشریعت کے لئے اس پر دسترس حاصل کرنا اکثر آسان نہیں ہوتا، جس کی دو وجوہ ہیں:

ا۔ سامراجی استعمار نے مسلم ممالک کے اکثر خطوں میں پوری منصوبہ بندی کے تحت دین و دنیا اور تعلیم وتربیت کے ہر دو نظاموں کے درمیان ایک خلیج پیدا کر دی ہے۔

۱۷۰۔ جامع الترمذی

toobaa-elibrary.blogspot.com

چنانچہ قرآن وسنت کی تعلیم اس طرح رائج ہے کہ عصری علوم سے اس کا کوئی واضح تعلق نہیں، جبکہ دوسری طرف عصری علوم پر اس قدر زور صرف کیا جارہا ہے کہ ان کا دین سے بالکل تعلق نہیں، نتیجہ یہ کہ جو کوئی ثانی الذکر نظام سے فارغ التحصیل ہوتا ہے تو وہ دین و شریعت کے علوم سے بالکل کورا ہوتا ہے، چاہے اسے دنیاوی علوم میں کتنی ہی دسترس ہو اور جو اول الذکر نظامِ تعلیم کی تکمیل کرتا ہے، اسے عصر حاضر کے تقاضوں سے اس قدر واقفیت نہیں ہوتی، چاہے قرآن وسنت علومِ فقہ و دیگر علوم پر اسے کتنا ہی کمال درجہ حاصل ہوجائے۔

۲۔ فی زمانہ تمام ہی علوم اور فنون کا دامن بے حد وسیع ہو چکا ہے، اور ہر ایک کی اس قدر فروع و جزئیات ہیں کہ کوئی فردِ واحد اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کر سکتا، جس کے باعث ہمارا یہ دور مکمل طور پر بانجھ پن کا شکار ہے اور صورتِ حال یہ ہے کہ اب کسی بھی علم کے کسی خاص شعبہ میں تخصص و اسپیشلائزیشن کا رواج ہو گیا ہے، ان حالات میں کسی عالم سے یہ توقع وابستہ رکھنا مناسب نہیں ہے کہ وہ پورے دین پر دسترس رکھتا ہو، چاہے وہ علم و تقویٰ میں اس قدر بلند درجہ رکھتا ہو کہ ایک وقت میں جملہ علوم میں مہارتِ کاملہ کا حامل ہو، جہاں ایک طرف قرآن وسنت کے علوم و معارف میں درجہ اجتہاد پر فائز ہو، وہیں دوسری طرف دنیاوی علوم پر بھی پوری واقفیت اور کامل دسترس رکھتا ہو۔

ایسے وقت میں فقہاء کی باقاعدہ ایک جماعت کی ضرورت حتمی طور پر سامنے آتی ہے، جو مسائل مجتہد فیہا میں اہلِ زمانہ کی مشکلات کا مداوا کرے اور علمی دنیا کے ایسے ماہرین سے مدد لیں جو اپنے اپنے موضوعات میں متخصصین ہیں، بالخصوص اس جہت سے جیسے ہم نے سابقہ گفتگو میں اہمیت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ فقیہ کا فرضِ منصبی اس پر ختم نہیں ہو جاتا کہ وہ حکمِ شرعی بتائے اور بس! بلکہ اس کے لئے مناسب ہے کہ لوگوں کے مسائل و مشکلات کا عملی حل اور بہتر متبادل بھی پیش کرے، جس کے بارے میں صحیح معنوں میں علم اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ متعلقہ علوم کے ماہرین سے مدد نہ لی جائے۔

حاصل یہ ہے کہ عصرِ حاضر میں معتبر و مطلوبہ اجتہاد کسی کی انفرادی کوششوں کے نتیجے میں ظاہر نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وقت کے چوٹی کے علمائے ربانیین سر جوڑ کر بیٹھیں اور اجتماعی جدو جہد کریں۔ جس کا عملی طریقۂ کار یہ ہو سکتا ہے کہ ہر اسلامی مملکت میں عبادت گزار و پرہیز گار فقہاء کی ایک جماعت ہو جو قرآن وسنت کے علوم پر دسترس رکھتے ہوں اور ان کے ساتھ معیشت، میڈیکل، قانون اور سیاست کے ماہرین کو جوڑ دیا جائے جو ان تمام جدید اور نووارد مسائل سے متعلق جس میں نصِ شرعی موجود

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہیں اپنی سعیِ پیہم اور جہدِ مسلسل صرف کریں، جس سے ان شاء اللہ تعالیٰ جملہ احکامِ شرعیہ اپنے اپنے مصادر و مراجع سے محقق انداز میں نکل آئیں گے۔

جس کے بعد ان کے حاصل کردہ نتائج کو علمی حلقوں کے سامنے نقد و تبصرہ کے لیے عمومی انداز میں پیش کر دیا جائے جو ہمیشہ چوکس رہیں اور اس پر اس طرح نظرِ ثانی کریں کہ ان کی نظر میں اگر کوئی اشکال ہو سکتا ہے تو اسے آگے پیش کریں۔

اجتہاد اور پارلیمنٹ

بعض حلقوں کی طرف سے اجتہاد کے انتظامی ڈھانچہ کی تشکیل کے معاملے میں ایک اور رائے سامنے آئی، جس کا ذکر بھی یہاں ضروری ہے اور وہ یہ کہ فی زمانہ جمہوری نظام میں پارلیمنٹ کی حیثیت ایسی ہو گئی ہے، جیسے وہ پوری قوم کے اجتماعی ضمیر کی گویا نمائندگی کر رہی ہے، جس کے باعث جمہوری نظام کے تمام ہی قوانین کے وضع کرنے میں وہ مختارِ کل ہونی چاہیے، چونکہ وہ قوم کے تمام ہی معاملات کے کرتے دھرتے اور سیاہ و سفید کے مالک ہوتے ہیں، اس لیے شریعت کے معاملات میں اجتہاد بھی انہی کے سپرد کر دیا جائے، اور اس معاملے میں بھی پارلیمنٹ ہی کا حکم بایں طور قابلِ تسلیم مانا جائے گویا یہ پوری قوم کی دل کی آواز ہے، لیکن یہ طرزِ فکر بالکل غلط ہے، جس کی وجہ اجتہاد کے حقیقی مفہوم سے تغافل اور اس کی شرائط سے لاعلمی ہے، جس کی چند وجوہ ہیں:

۱۔ یہ بات ہم پوری وضاحت سے ثابت کر چکے ہیں کہ زندگی کے جملہ معاملات میں نری عقل کو حاکم بنانے کا نام اجتہاد نہیں، بلکہ احکام شرعیہ کی معرفت میں اپنی جہدِ مسلسل صرف کرنے کا نام اجتہاد ہے، نیز ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ اس کے لئے ایک مخصوص علمی معیار درکار ہوتا ہے جبکہ زمانۂ حاضر میں ارکانِ پارلیمنٹ فقہ فی الدین اور ورع و تقویٰ کے مدِ نظر منتخب ہوتے ہیں اور نہ ہی قرآن و سنت سے واقفیت کی بنیاد پر، لہٰذا ان کو منصبِ اجتہاد سپرد کرنا تکلیف مالا یطاق ہے اور شریعت کا ایک حساس معاملہ ایسے شخص یا ادارہ کے سپرد کرنے کے مترادف ہے، جو اس کا اہل نہیں۔

۲۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے اپنی حکمت بالغہ کے پیشِ نظر اجتہاد کو کسی ادارے کے سپرد نہیں کیا، جیسے کہ نصرانیت میں مذہبی امور اکلیر وس (clergy) نامی ادارہ کے سپرد ہے، اور اسلام کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس حتیاط میں حکمت یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اداروں میں فساد کا برپا ہونا ایک لازمی امر ہے، جبکہ اب تو اکثر اوقات اپنے پاور کی بنیاد پر بعض نااہل لوگ ادارے پر اپنا کنٹرول قائم کرلیتے ہیں، اس طرح عہدوں کے معاملے میں سفارشیں اور اقرباء پروری و ہمسایہ نوازی کا عام چلن ہے، جیسے نصرانیت میں پاپائیت کے حوالے سے تاریخ اس بات کی شاہد ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر اوقات "pope" کے منصب پر فساق وفجار اور بد اطوار لوگوں کا راج رہا ہے، یہاں تک کہ یہ منصب چوروں، ڈاکوؤں اور لٹیروں کے سپرد رہا، لیکن چوں کہ وہ "pope" تھے اس لئے مذہبی امور میں انہیں اسی طرح معصوم گردانا گیا اور ان کے سب سے زیادہ مقدس اور اعلیٰ منصب پر اجتہاد اور مذہبی امور جیسے حساس کام کا مکمل کنٹرول انہی کے پاس رہا، اور ستم یہ کہ وہ اس میں اس حد تک بااختیار تھے کہ کسی کو ان کے آگے چوں وچرا کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

اجتہادی مسائل میں امّت مسلمہ کے اجتماعی ضمیر کی اہمیت

اس کے قطعی برخلاف اسلام نے اجتہاد کو کسی خاص ادارے کے سپرد نہیں کیا بلکہ اس کے لئے صلاحیت وقابلیت (merit) کی شرط لگائی اور بس! چنانچہ اسلام کے نزدیک صدارتِ عظمیٰ اور اقتدارِ اعلیٰ کسی ایک مخصوص آدمی یا ادارے کے سپرد نہیں، بلکہ اجتہاد کے معاملے میں صحیح اور سقیم کی تعیین کے لئے صرف ایک معیار مقرر ہے اور وہ من حیث المجموع امت کا اجتماعی ضمیر ہے، پس ہر وہ اجتہاد جو علماء اور عامۃ الناس میں حدِ تعامل تک پہنچ جائے بس وہ معتبر اجتہاد ہے، جبکہ ہر وہ اجتہاد جسے امت کا اجتماعی ضمیر مسترد کردے اور جس پر تعامل جاری نہ ہوسکے تو یہی اس کے باطل اور عند الشرع ناقابل عمل ہونے کے لئے کافی ہے۔

چنانچہ مِلَل ونِحَل کی کتابیں اس طرح کے مسترد کردہ اجتہادی مسائل کی مثالوں سے بھری ہوتی ہیں، کتنے ہی باطل وفاسد نظریات تھے جو اجتہاد کے روپ میں سامنے آئے، جسے اس وقت کے کچھ جذباتی لوگوں اور جدت پسندوں نے وقتی طور پر سہارا دیا، لیکن من حیث المجموع امت کے اجتماعی ضمیر نے انہیں یکسر مسترد کردیا، جس کی وجہ سے فتنہ پھوٹ پڑا اور فساد برپا ہوا، مگر رفتہ رفتہ گردشِ ایام سے بالآخر وہ ماند پڑ گئے، حتیٰ کہ وہ تاریخ کی کتابوں میں اس طرح دفن ہوگئے کہ اب ان کا وجود تک نہیں ملتا۔

دنیا بھر میں رائج اور شائع وذائع مذاہبِ اربعہ ہی کو لے لیجئے، جن پر امتِ مسلمہ صدیوں سے عمل

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرتی آرہی ہے، کتنے ہی ممالک ہیں جہاں ان میں سے ایک نہ ایک مذہب پر غایت درجہ اہتمام کے ساتھ عمل کیا جاتا ہے، حالانکہ کسی ملک کے قانون نے اب تک ان میں سے کسی مذہب کو ملکی قانون کی حیثیت سے نافذ کیا، نہ کسی خاص گروہ یا کمیٹی نے اسے مقرر کیا، لیکن یہ اسلام میں اس طرح جاری وساری ہے جیسے کہ رگوں میں خون دوڑتا ہے، جس کو تا حال کسی نے مسترد کیا نہ یہ فنا ہوئے۔ جلیل القدر عالم ربانی حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ مجتہد کی صفات بیان کرنے کے دوران تحریر فرماتے ہیں:

وخصلة رابعة نتلوها وهي أن ينزل له القبول من السَّماء فأقبل إلى علمه جماعات من العلماء من المفسّرين والمحدثين والأصوليين وحفاظ كتب الفقه ويمضى على ذلك القبول والإقبال قرون متطاولة حتّى يدخل ذلك في صميم القلوب[۱۷۱]

(اجتہاد کے معتبر ہونے کی) چوتھی علامت، جسے ذکر کرنا اہمیت کا حامل ہے، یہ ہے کہ اس کی مقبولیت آسمان سے نازل ہو جائے، جس کے نتیجے میں مفسرین، محدثین، اصولیین اور کتبِ فقہ کے حاملین فقہاء اسے شرفِ قبول بخشیں، اور اس کی مقبولیت اور تلقی بالقبول ہوناصدیوں تک متواتر چلتا رہے، یہاں تک کہ مسلمانوں کے دلوں کی گہرائی میں اتر جائے۔

فقہ اسلامی میں اجتہاد کا فطری تواتر اور چلن ہی یہی ہے، لیکن اگر اسے کسی رسمی ادارے پارلیمنٹ یا جرگے کے سپرد کر دیا جائے گا تو اس کے ارکان اجتہاد کی ضروری شرائط کا لحاظ نہیں کریں گے، جس سے یہ حساس معاملہ اس قدر گمبھیر شکل اختیار کر سکتا ہے جس کی تاریخ اسلام میں شاید ہی کوئی مثال ہو، بلکہ یہ اسلام کے نظامِ تشریعی کی روح کے خلاف ہے جو قصداً و عمداً پاپائیت کا باب کھولنے اور اجتہاد کو ایسے اکلیروس (clergy) جیسے ادارے کے بمنزلہ بنانے کے مترادف ہے جو اجتہاد کو اپنی منشاء کے مطابق جہاں مرضی موڑ دیں گے اور اجتہاد کا اہم باب حکومت کے کنٹرول میں جا کر ہوس اور سیاسی اغراض ومقاصد کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔

جہاں تک اس دلیل کا تعلق ہے کہ پارلیمنٹ کے منتخب ارکان پوری قوم کی طرف

---

۱۷۱ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف:۸۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے نمائندگان کی حیثیت رکھتے ہیں تو یہ ایک ایسا مسترد شدہ نظریہ ہے جو تاریخ کی کتابوں میں دفن ہوچکا، اور اس کے علاوہ اس کی کوئی حیثیت نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے... جس کا ہر ایک کھلے آنکھوں مشاہدہ کر سکتا ہے کہ یہ صرف پارٹیوں کے منتخب ارکان ہی کی اپنے دل کی آواز ہوتی ہے، بلکہ اکثر اوقات تو صرف ایک ہی آدمی کے دل کی آواز ہوتی ہے، لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ پارلیمنٹ کو امت مسلمہ کے اجتماعی ضمیر کی آواز اور ترجمان ادارہ قرار دیا جاسکے۔

خلاصۂ کلام

ہماری اس تفصیلی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ عصرِ حاضر میں اجتہاد اجتماعی سطح پر ہونا چاہیے نہ کہ کسی خاص اداراتی سطح پر، بلکہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسی جماعت کے سپرد ہو جو تنظیمی ہو نہ ریاستی، بلکہ وقت کے صفِ اول کے علماء کرام اور ماہرین کی ایک کمیٹی کے سپرد ہو، جو اپنے خالص دینی تشخص اور تخلیقی صلاحیتوں کو روبکار لاتے ہوئے خالص علمی انداز میں عصر حاضر کے نوادر و جدید مسائل کا جائزہ لیں اور اپنی فقہی آراء لوگوں کے درمیان عام کریں، جس سے ان کے علم اور تقویٰ پر مسلمانوں کا اجتماعی ضمیر مطمئن ہو اور مؤثر انداز میں تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو جائے، یہی ہے وہ فطری طریقہ جس سے مجتہدین کی مقتدر آراء کا اسلامی مملکت میں نفاذ عمل میں آسکتا ہے۔

اور اگر کوئی اسلامی حکومت ریاستی وسائل سے شرعی اجتہاد کے لئے کوئی کمیٹی بنانا چاہے اور اس کے لئے کسی مؤقر ادارے کی بنیاد ڈالے، تو اس کے لئے مندرجہ ذیل نکات کو ملحوظ رکھنا انتہائی ضروری ہیں:

۱۔ یہ ادارہ علمی مواد کی تیاری کے معاملے میں بالکل آزاد ہو، جس پر کسی قسم کا کوئی خارجی کنٹرول ہو نہ سیاسی دباؤ۔

۲۔ اس ادارے کے اراکین خالص علم اور ورع و تقویٰ کی بنیاد پر منتخب کیے جائیں، جن کا انتخاب سیاسی یا علاقائی کوٹے کی بنیاد پر نہ ہو۔

۳۔ یہ ادارہ اپنی تحقیق کے عقلی و نقلی دلائل دیگر علمی حلقوں کے غور و فکر اور نقد و تبصرہ کے لئے برسرعام پیش کرے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴۔ ادارے کے لئے لازم ہے کہ مختلف علمی حلقوں کی طرف سے اگر کوئی علمی اشکال سامنے آئے تو اس میں غور وفکر کرے اور جہاں کہیں ضرورت ہو اپنی سابقہ آراء اور کتبِ فتوٰی کی طرف مراجعت کرے۔

۵۔ یہ ادارہ استنباط واستخراج اور اجتہاد کے اصول وضوابط وضع کرے اور انہی اصولوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اپنی کاوشیں روبکار لائے اور ان سے سر مو انحراف نہ کرے، جن میں سے بعض اصول یہاں ذکر کر دیے گئے ہیں، جبکہ دیگر اصول وضوابط کتبِ اصول فقہ میں بالتفصیل موجود ہیں جن کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے۔

یہ بات انتہائی خوش آئند ہے کہ عالم اسلام میں شریعتِ اسلامیہ کی عملی تنفیذ کی طرف بہت تیزی سے رجحان بڑھ رہا ہے، نیز اسلامی ریاستوں کے مابین اتحاد واتفاق اور باہمی مفاہمت کی شکلیں سامنے آرہی ہیں، ان موافق حالات میں یہ بخوبی ممکن ہے کہ ایک "عالمی فقہی مجلس شورٰی" کا قیام عمل میں آئے، جن کے ارکان اپنے اپنے اسلامی ممالک کے اہل علم متدین ومتقی لوگوں کی طرف سے نمائندگی کریں اور مختلف ممالک میں قائم فقہی جماعتوں کی علمی آراء انہی کے سپرد ہوں۔

تاہم اس طرح کی عالمی مجلسِ شورٰی کی بنیاد رکھنے اور اس سے خاطر خواہ نتائج حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ذکر کیے گئے جملہ امور کی غایت درجہ اہتمام کے ساتھ رعایت رکھی جائے، کیوں کہ یہ مجلسِ شورٰی اپنی عملی کارکردگی کو اس وقت تک ممکن نہیں بناسکتی جب تک کہ ان شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا، اور اگر ان میں سے ایک شرط بھی فوت ہوگی تو نہ صرف یہ کہ ان کی ساری عملی جدوجہد اکارت ہوسکتی ہے بلکہ مختلف قسم کے فتنوں اور مسلمانوں کے درمیان مزید تفرقہ بازی کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے، اللہ نہ کرے ایسا ہو!!!

toobaa-elibrary.blogspot.com

جمود و ترقی کی شرعی حدود اور عصر حاضر کے قوانین سے ایک موازنہ

جامعۃ الامام محمدؒ بن سعود الاسلامیۃ

کی زیرِ نگرانی فقہ اسلامی کانفرنس کے لئے تحریر کیا گیا ایک مقالہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

جمود و ترقی کی شرعی حدود

اور عصرِ حاضر کے قوانین سے ایک موازنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شریعتِ اسلامیہ کی عملی تنفید کے حوالے سے ایک مسئلہ جو اکثر مسلمانوں کے دلوں میں خلجان پیدا کرتا ہے، یہ ہے کہ اگر ہم قرآن و سنت، اجماع اور تواتر سے چلے آئے شریعتِ اسلامیہ کے مصادر و مراجع پر اکتفاء کر کے بیٹھ جائیں اور یہ تسلیم کرلیں کہ چاہے کیسے ہی حالات ہوں، ان سے ہمارے نکلنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں، اور شریعتِ مطہرہ نے (العیاذ باللہ) ترقی پذیر بدلتی دنیا اور زمانہ کے آگے ہمارے ہاتھ پیر باندھ رکھیں ہیں، یا یہ کہ انسانی زندگی ترقی و تغیر پذیر ہوتی ہے، ایک حال پر قائم رہتی ہے، اور نہ ہی کسی مخصوص رہن سہن و طور طریقے پر جاکر ٹھہرتی ہے، بلکہ انسانی زندگی کا ہر دن نو بہ نو لوازمات و ضروریات، نت نئے رجحانات، بدلتے اقدار و روایات، جدید سے جدید تر طور طریقے اور مختلف قسم کے علوم و فنون لے کر طلوع ہوتا ہے، بلاشبہ یہ نت نئے انداز جہاں انسان کی انفرادی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں وہیں اجتماعی زندگی پر بھی اس کے اثرات واضح طور پر محسوس کیے جاتے ہیں۔

چوں کہ انسان انہیں اپنانا پسند کرتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ کوئی ضابطہ و قانون مقرر ہو، تاکہ انسانی زندگی کے لئے ان نت نئے انداز و اطوار کو اختیار کرتے ہوئے زمانے کے ساتھ ساتھ چلنے کی راہیں ہموار ہوں اور یہ نہ ہو کہ اس کی زندگی ایک تنگ دائرے میں اس طرح محدود ہو کر رہ جائے کہ وہ اپنی عملی دنیا میں بالکل منجمد ہو اور اپنے ہاتھ پیر اس طرح باندھ چکا ہو کہ ہر قسم کی ترقی و عروج سے قطعی طور پر قاصر اور کسی قسم کی پیش قدمی اور آگے بڑھنے کے بجائے بالکل ساکت و بے سُدھ ہو کر رہ جائے۔

ان حالات میں ایک انسان جبکہ اس کے سامنے سارے کے سارے ایسے اوامر و احکام ہوں جن میں کوئی حرکت ہے نہ تبدیلی، کیسے اور کب تک منجمد حالت میں قائم رہ سکتا ہے؟ اور کیا اس کے لئے ممکن ہے کہ وہ انہی منجمد و غیر تغیر پذیر احکام و اوامر پر ٹھیٹھ طریقے سے قائم رہے اور ساتھ ہی ساتھ زمانہ کے ساتھ بھی چلے جو از خود برابر اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، یہ اکتاتا ہے نہ اچاٹ ہوتا ہے، اس میں خلل آتا ہے نہ ہی کوئی انقطاع۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ کچھ خلاصہ ہے اس نظریے کا جو ہم دنیا کے مختلف خطوں اور شہروں میں مختلف لوگوں سے سنتے آرہے ہیں، جو عصرِ حاضر کی شریعتِ اسلامیہ کے ساتھ ساتھ مبینہ تطبیق کو مشکل سمجھتے ہیں، اور مخالفت کرتے نظر آتے ہیں، آپ اس بات کو مختلف اسالیب، دل موہ لینے والی تعبیرات اور مزین الفاظ کے ساتھ سنتے رہتے ہیں، جس سے جذبات فوراً ہی بے قابو ہو جاتے ہیں اور قوت فکر جواب دینے لگتی ہے۔

ہم اس مختصر مقالہ میں کوشش کریں گے کہ اس عمومی طور پر پائے جانے والے شبہ سے متعلق گفتگو کریں اور علمی طور پر اس کا جائزہ لیں کہ یہ شبہ کہاں تک درست ہے۔ واللہ الموفّق

تغیر پذیری کا قانون اور ممکنہ تین صورتیں

اس موضوع کے حوالے سے بنیادی مسئلہ قانون کے تغیر پذیر ہونے اور نہ ہونے کا ہے، جس کی رو سے ہم یہ سوال قائم کر سکتے ہیں کہ کیا یہ مناسب ہے کہ قانون ایک طرف بالکل منجمد و غیر تغیر پذیر ہو کر رہ جائے؟ یا یہ مناسب ہے کہ وہ ہر قسم کی تبدیلی کو قبول کرلے؟ تو یہاں ۳ ممکنہ صورتیں ہیں، چوتھی کوئی نہیں:

۱۔ اول یہ کہ ہر معاملے میں قانون بالکل منجمد و ساکت ہو کر رہ جائے، کسی صورت میں بھی کوئی تبدیلی قبول نہ کرے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ قانون میں وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ تبدیلی ہوتی رہے، اور قانون کی کتاب بغیر کسی حکم کے استثناء کے ہر قسم کی اصلاح و ترمیم کے لئے ہر وقت کھلی رہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ قانون کو دو قسموں پر منقسم کر دیا جائے، ایک وہ جو تبدیلی کو قبول کرے اور دوسری وہ جو تبدیلی کو قبول نہ کرے۔

اس موضوع میں غور و خوض کے لئے ضروری ہے کہ ہم مذکورہ تین قسموں میں سے کوئی ایک قسم اختیار کریں۔ جہاں تک پہلی صورت ہے کہ جملہ احکام میں سے ایک حکم میں قانونی طور پر جمود ہو تو اس بارے میں کوئی دو رائے نہیں کہ اس طرح کے قانون پر عمل درآمد کا کوئی راستہ نہیں، جو تغیر دوراں کے آگے کسی قسم کی تبدیلی کا قطعی متحمل نہیں۔

اور آپ نے علماءِ اسلام میں سے کسی کو یہ دعویٰ کرتے نہیں سنا ہوگا کہ شریعتِ مطہرہ قانون کی اس قسم کے تحت داخل ہے، جبکہ ہمیں فقہاء کی کتابوں میں بکثرت یہ کلیہ ملتا ہے کہ الاحکام تتغیر بتغیر

toobaa-elibrary.blogspot.com

الزمان (زمانہ بدلنے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں) نیز یہ کلیہ من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل (جو اپنے زمانے کے لوگوں کے احوال سے واقف نہ ہو، وہ جاہل ہے) پوری صراحت سے بانگِ دہل یہ اعلان کررہاہے کہ شریعتِ اسلامیہ اس جیسے جمودِ مطلق سے مکمل بری ہے۔

جہاں تک دوسری صورت ہے تووہ یہ ہے کہ قانون ابتداء تاانتہاء ہر قسم کی اصلاح وترمیم کو قبول کرتا ہے اور احکام میں سے کوئی حکم اس سے مستثنیٰ نہ ہو، تو درحقیقت یہ بھی ہراس شخص کے نزدیک قابلِ رد ہے جو تھوڑی سی بھی عقلِ سلیم یادرست زاویۂ فکر رکھتا ہے، اور وہ اس لئے کہ انسان کو بعض ایسی اخلاقی اقدار کی بہرحال ضرورت ہے جس میں تاابد کوئی تبدیلی نہ ہو، جیسے عدل وانصاف، برابری ورحم دلی، امانت ودیانت، صدق وصفائی وغیرہ اور ہم ان گرانقدر اقدار وروایات کو روز افزوں تغیر پذیر نفسانی خواہشات کے سپرد کردیں گے تو یہ لا دینیت کی طرف ایک انتہائی خطرناک اقدام ہوگا، جس کے بعد انسانیت کی اخلاقی واجتماعی ہلاکت یقینی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قانون دانوں کو اس بات کا مکمل اعتراف ہے کہ انسانی زندگی کی بقاء کے لئے ضروری ہے کہ کچھ ایسے قوانین مستقل بنیادوں پر نافذ ہوں جو کسی حال میں تبدیل نہ ہوسکیں، چنانچہ "جسٹس کارڈوز" جو ایک معروف امریکی جج اور قانون دانوں کے درمیان بڑا مقام رکھتا ہے، اپنی کتاب The Growth of the Law میں لکھتا ہے کہ عصرِ حاضر میں قانون کے اہم ترین تقاضوں میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے پاس قانون کا ایک مدوّن فلسفۂ حیات ہو، جس میں ہمارے لئے یہ ممکن ہوسکے کہ تغیر پذیر وغیر تغیر پذیر امور میں سے باہمی طور پر متصادم ضروریات ولوازمات کے درمیان راہِ اعتدال قائم کرسکیں۔

اصولِ قانون (Principle of Law) کے معروف قلم کار پروفیسر رسکو پاؤنڈ اپنی کتاب Interpretation of legal history میں ایک اور قانون دان کا قول نقل کرتا ہے کہ:

> یہ انتہائی ضروری ہے کہ قانون مضبوط بنیادوں پر استوار ہو لیکن یہ مناسب نہیں کہ اس میں جمود ہو، یہی وجہ ہے قانون دانوں میں جو لوگ دانشور وذی شعور ہیں، انہوں نے بڑی خوبی سے ایسے اصول وضع کیے ہیں جو (قانون کے) تغیر پذیر ہونے اور نہ ہونے کے درمیان دائر ہوں۔

غور فرمائیے! دنیا کے معروف قانون دان اس بات پر کس قدر زور دے رہے ہیں کہ واقعتاً کچھ قوانین ایسے ضرور ہونے چاہیے جو کسی حال میں بھی تبدیلی کو قبول نہ کریں، کیوں کہ ان قوانین کا تغیر پذیر ہونا دنیا کو ایک ایسی لاقانونیت کی طرف لے جاسکتا ہے جس کا کوئی ذی عقل وشعور شخص قطعاً حامی نہیں ہوسکتا،

toobaa-elibrary.blogspot.com

جبکہ ہم ان کے ساتھ تو مکمل اتفاق کرتے ہیں کہ مذکورہ تین قسموں میں سے اول الذکر ہر دو قسمیں ایسی ہیں، جو نوعِ انسانیت کے لئے انتہائی مضر ہیں اور انسان کی صلاح و فلاح کے لئے ایسے قوانین کا نفاذ ضروری ہے جو تیسری قسم میں سے ہو اور وہ یہ ہے کہ ان قوانین میں سے بعض غیر تغیر پذیر ہوں جو قطعی طور پر تبدیل نہ ہوں، جبکہ بعض تغیر پذیر ہوں جو حالات اور وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہیں۔

اتنی بات جاننے کے بعد سب سے اہم قضیہ یہ ہے کہ تغیر پذیر و غیر تغیر پذیر کا درمیانی فرق کرنے کا کوئی معیار قائم ہو، لیکن بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ کونسا معیار اور پیمانہ ہے جس کے بل بوتے پر ہم تغیر پذیر قوانین واحکام اور غیر تغیر پذیر قوانین واحکام کے مابین فرق معلوم کر سکیں؟

اس ضمن میں جو لادین اور دہریہ صفت عناصر ہیں وہ اس اہم معاملے کو نری عقل کے سپرد کر دیتے ہیں، یہ وہ اس بارے میں قولِ فیصل کا درجہ رکھتی ہے کہ کونسے قوانین تغیر پذیر ہونے چاہیے اور کونسے نہیں۔

مگر مشکل یہ ہے کہ لوگوں کی عقلیں مختلف و متفاوت ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی قانون پر یہ حکم لگاتا ہے کہ اس میں تبدیلی نہیں ہونی چاہیے تو اسی لمحے ایک اور عقلمند کھڑا ہو جاتا ہے کہ جی اس میں تو کافی ترمیم و اصلاح کی گنجائش ہے، یہی وجہ ہے کہ جب سے انسانیت نے ہوش سنبھالا ہے، یہ مشکل ترین مسئلہ اور معرکۃ الآراء ہو چکا ہے اور اہل عقل کے درمیان اختلاف کا پیش خیمہ رہا ہے۔

جس کی ایک واضح سی مثال ہے جیسے زنا، جس کی شناعت و قباحت پر تمام ادیان و مذاہب متفق ہیں اور کوئی عام سا آدمی بھی اس کو اچھا نہیں سمجھتا، یہاں تک کہ اکثر دہریے و مادّہ پرست لوگ بھی اس کی مذمت کرتے ہیں، لیکن جب یہی تجدد پسند عقل معیارِ حق و باطل ٹھہرا تو جانبین کی رضامندی کی صورت میں اس شنیع و بدترین حرکت کو بھی اس نے جائز و مباح قرار دے دیا اور یہ اس لئے ہوا کہ عقل مجرد جیسے ہی دینی اقدار، اسلامی طرز فکر اور اخلاقی و معاشرتی قیود و بند سے آزاد ہوئی اسے اس شنیع و قبیح فعل میں کوئی برائی سرے سے نظر ہی نہیں آئی الا یہ کہ فریقین میں سے کوئی ایک اسے ناپسند کرتا ہو۔

یہی وہ فکر ہے جسے آج ”عقلیت“ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور یہ زمانہ حاضر کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جب کبھی بھی انسان اپنی پریشانیوں و مشکلات کو قاضی بناتا ہے تو مصیبت بالائے مصیبت اور مشقت در مشقت ہوتی چلی جاتی ہے،، ایک وقت تھا جب کہ ایک فرقہ ”باطنیہ“ کے نام سے وجود میں آیا، جس کا فکری رہنما و سرغنہ عبید اللہ بن حسن قیروانی تھا، علامہ بغدادی کی معروف تصنیف ”الفرق بین الالفرق“ میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کا تذکرہ ملتا ہے، انہوں نے ان کے بعض متبعین کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:

وَما الْعجب من شیء کالعجب من رجل یدعی الْعقل ثمَّ یکون لَه اخت اَوْ بنت حسناء وَلَیسَت لَه زَوْجَة فِی حسنها فیحرمها علی نفسه وینکحها من اجنبی وَلَو عقل الْجَاهل لعلم انه أَحَق باخته وبنته من الاجنبی [۱۷۲]

اس سے زیادہ تعجب کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ لوگ عقل کا دعویٰ کرنے کے باوجود اس قسم کی بے عقلیاں کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک حسین وجمیل بہن یا بیٹی موجود ہے، اور خود ان کی بیوی ایسی حسین نہیں ہوتی، اس کے باوجود وہ اپنی بہن یا بیٹی کو اپنے اوپر حرام سمجھ کر اس کو ایک اجنبی شخص کے حوالے کر دیتے ہیں، اگر یہ جاہل عقل سے کام لیتے تو انہیں احساس ہوتا کہ ایک اجنبی کے مقابلہ میں اپنی بہن اور بیٹی کے وہ خود زیادہ حق دار تھے۔

ظاہر ہے کہ اس بدتر اور غلیظ تر نظریے پر ہر وہ شخص تھو تھو کرے گا جسے تھوڑا سا بھی ذوق سلیم ہوگا اور ہر ایک کے نزدیک یہ قابل مذمت، لائق ملامت اور یکسر مسترد کئے جانے کے قابل ہے، لیکن حقیقت یہ ہے جب نری عقل اس طرح آزاد ہوتی ہے کہ کوئی ادنیٰ سی قید وبند بھی اپنے اوپر لاگو نہیں کرتی اور ہر وہ شخص جو اس جیسی جدت پسند وآزاد خیال عقل کا پورے طمطراق کے ساتھ علم بردار ہو تو کیا اس کے پاس اس خالص عقلی دلیل اور اس گمراہ شخص کا کوئی جواب ہے؟ اور کیا آج کل کی روشن خیالی بلا دین اسلام سے نور ہدایت لئے محض عقلی دلائل کی بنیاد پر اس بدترین سوچ وفکر پر رد کر سکتی ہے، ہرگز نہیں! آپ کو خالص عقل کی بنیاد پر کبھی بھی اس سوچ وفکر کا جواب مل سکا ہے نہ مل سکے گا، کیوں کہ جب نری عقل کی بنیاد پر اس کا جواب تلاش کیا جائے گا تو وہی صورت حال سامنے آئے گی، جو آج ہم سنتے ہیں کہ ایک گروہ اسی نعرہ کو از سر نو دوہرا رہا ہے جسے قیروانی باطنی صدیوں قبل لگا رہا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مغربی حکومتیں باقاعدہ اپنے ہاں یہ قوانین پاس کر چکی ہیں کہ انسان ذی رحم محارم اور قریبی رشتہ داروں سے نکاح کر سکتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم

اس نری عقل اور آزاد خیالی نے جو گل کھلائے ہیں، اس کا ایک عملی نمونہ چند سال قبل انگلینڈ میں اس وقت دیکھنے میں آیا، جب برطانوی پارلیمنٹ نے لواطت وہم جنس پرستی کا قانون ریاستی سطح پر نہ صرف یہ

۱۷۲۔ الفرق بین الفرق للبغدادی: ۲۹۰، احوال الباطنیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہ پاس کر دیا بلکہ تمام ارکانِ پارلیمنٹ نے بڑے شدّ و مدّ کے ساتھ اور تالیوں کی گونج میں اسے سراہا۔

اس کا یہ سبب ہرگز نہیں کہ برطانیہ کے تمام دانشور اور سیاستدان اس شنیع و بدترین قانون کے جواز واستحسان پر متفق ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ایک بہت بڑی تعداد وہ بھی تھی جس نے اس کی شدید مذمت کی، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ ان کے پاس اس فعلِ بد کی شناعت وقباحت پر خالص عقلی دلیل نہیں تھی، کیوں کہ اس آزاد خیالی نے دن کورات کے طور پر پیش کیا جس کی رو سے یہی طے پایا کہ انسان اپنے ذاتی معاملات میں آزاد ہے، جو چاہے کرے، اس کے جملہ حقوق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنی جنسی خواہشات جہاں سے اور جس طرح چاہے پوری کرے، اس پر نہ کوئی جبر ہوسکتا ہے نہ اکراہ، اسی طرح یہ بھی اس کا ذاتی معاملہ ہے کہ جس سے مرضی چاہے اپنے جنسی تعلقات رکھے، قانون اس میں کسی قسم کی کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔

موضوع کی مناسبت سے وولفنڈن کمیٹی کی اس قرار داد کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا، جسے برطانوی پارلیمینٹ نے اسی موضوع کے حوالے سے سوچ بچار اور ریسرچ کا آرڈر دیا تھا، اس نے پارلیمان کے حکم پر جو قرار داد پیش کی، اس میں پوری ڈھٹائی سے اس شنیع وقبیح فعل کو جائز ومباح قرار دیا، کمیٹی کی طرف سے پیش کردہ قرار داد کا یہ اقتباس بعینہٖ ملاحظہ ہو:

Unless a deliberate attempt is made by society acting through the agency of the law to equate this fear of crime with that of sin there must remain a realm of private morality and immorality which is in brief and crude terms not the law's business.

جس سے مراد یہ ہے کہ:

> جب تک قانون کے ذریعہ کام کرنے والی سوسائٹی اس بات کی جانی بوجھی اور سوچی سمجھی کوشش نہ کرے کہ معاشرے میں جرم کا خوف گناہ کے خوف کے برابر ہو جائے، اس وقت تک پرائیویٹ اخلاق اور بداخلاقی کی حکمرانی باقی رہے گی، جو مختصر اور صاف لفظوں میں قانون کے دائرہ کار سے باہر ہے۔ (ترجمہ ماخوذ از علوم القرآن)

اب آپ ان بے چاروں اور لاچاروں کو دیکھیے، ایک طرف اس کے جواز کا قانون پاس کر رہے ہیں اور دوسری طرف برملا اعتراف کر رہے ہیں کہ ان جیسی رسواکن قبیح حرکات اخلاق اور مروت کی رو سے بہر طور سراسر غلط اور ہر ایک کے نزدیک قابل ملامت ہے، لیکن نری عقل اور آزاد خیالی کے آگے اپنے آپ کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

بے بس پاتے ہیں، جس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے آپ میں آزاد ہے، نجی زندگی میں جو مرضی چاہے کرے، قانون کے ہاتھ اتنے لمبے نہیں کہ اس کے نجی معاملات تک پہنچ سکے، اور اس کا منشاء یہ ہے کہ ہر اس مذموم و قابلِ مذمت کام کو جائز و مباح قرار دے دیا جائے جس کا معاشرے میں چلن اور رواج ہے، چاہے وہ وہ کتنا ہی غلط، بداطوار، شنیع، مخرب اخلاق اور قابلِ ملامت ہو۔

اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے اپنے قوانین کو دینی افکار و اخلاقی اقدار سے بالاتر ہو کر نری عقل کے سپرد کر دیا ہے، جب کہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پوری دنیا میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کی عقل کو خالصتاً آزاد کہا جا سکے، اور وہ عقل پرستی جسے یہ خالصتاً آزادی سمجھ رہے ہیں، وہ دراصل آزادی نہیں بلکہ خواہشات نفسانیہ اور سفلی جذبات کی غلامی ہے، اور تاریخ سب سے بڑی شاہد ہے کہ جب بھی عقل دین اسلام کے دائرہ کار سے باہر نکلی اور وحی کے نور سے بے نیاز ہوگئی تو اسے نفسانی خواہشات نے اچک لیا اور وہ سفلی جذبات کی غلام ہوگئی، اور اس بات میں دو رائے نہیں کہ اس آسمان تلے نفس کی غلامی سے بڑھ کر بدترین غلامی کوئی نہیں ہو سکتی۔

لہٰذا اب دنیا بھر میں عقل کے لئے صرف دو راستے بچ جاتے ہیں، تیسرے کی کوئی گنجائش نہیں، اور وہ یہ ہے کہ یا تو عقل اللہ تعالیٰ اور اس کے مبعوث کردہ پیغمبروں کی مطیع و فرمانبردار بن کر رہے یا چھوٹی موٹی تمنّاؤں و خواہشات کی نذر ہو جائے اور فکری بے راہ روی و نظریاتی فریب کا شکار ہو جائے، جس کی طرف قرآن حکیم میں ان الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہے

أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِۦ كَمَن زُيِّنَ لَهُۥ سُوٓءُ عَمَلِهِۦ وَٱتَّبَعُوٓا۟ أَهْوَآءَهُم [۱۷۳]

اب بتاؤ کے جو لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن راستے پر ہوں، کیا وہ ان جیسے ہو سکتے ہیں جن کی بدکاری ہی ان کے لیے خوشنما بنا دی گئی ہو، اور وہ اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلتے ہوں؟

کون ہے وہ جس نے انسان کی بدکاری کو خوشنما بنا کر پیش کیا؟ بلاشبہ وہ عقل ہی تو ہے جس نے وحی الٰہی سے اعراض کیا، اور خواہشات کے سیلاب میں بہہ گئی، اور گمراہی و فسق و فجور کے سمندر میں غرق ہو کر ہلاک ہوگئی، جیسا کہ ایک اور جگہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

وَلَوِ ٱتَّبَعَ ٱلْحَقُّ أَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ ٱلسَّمَٰوَٰتُ وَٱلْأَرْضُ وَمَن

۱۷۳۔ محمد:۱۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

فِيهِنَّ بَلْ أَتَيْنَٰهُم بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَن ذِكْرِهِم مُّعْرِضُونَ [۱۷۴]

اور اگر حق ان کی خواہشات کے تابع ہوجاتا تو آسمان اور زمین اور ان میں بسنے والے سب برباد ہوجاتے۔ نہیں، بلکہ ہم ان کے پاس خود ان کے لیے نصیحت کا سامان لے کر آئے ہیں، اور وہ ہیں کہ خود اپنی نصیحت سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

یہاں ایک طبقہ وہ بھی ہے جو صراحت کے ساتھ برملا اعلان کرتا ہے کہ ہماری عقلیں ہماری خواہشاتِ نفسانی اور سفلی جذبات کے تابع ہیں، جن کے خود ساختہ اس فلسفہ کو "فریڈمین" نے اپنی معروف کتاب Legal Theory میں مختصر الفاظ میں کچھ اس طرح بیان کیا ہے

Reason is, and ought only to be, the slave of the passions, and can never pretend to any other office them to serve and obey them words like "good", "bad", "ought", "worthy" are purely emotive, and there cannot be such a thing as ethical or moral science.

جس سے مراد یہ ہے کہ عقل نفسانی خواہشات اور سفلی جذبات کی مکمل غلام ہے، اور اس کے لئے مناسب بھی یہی ہے کہ وہ اسی کی ہو کر رہے، چنانچہ عقل کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ انہی جذبات کے پیچھے چلے اور ماتحت ہو کر رہے، البتہ یہ باتیں کہ "خیر"، "شر"، "مناسب"، "نامناسب" یہ سب لغتیں انہی بشری جذبات کی مرہون منت ہے، جس کی رو سے تا حل سرے سے کوئی ایسی تعلیمات ہے ہی نہیں جنہیں در حقیقت "علم الاخلاق" کا نام دیا جائے۔ (ترجمہ ماخوذ از علوم القرآن)

تو یہ ہے وہ آزاد خیالی۔۔۔ اور اس کے نتائج!

مذکورہ تفصیل سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ جملہ شعبہائے زندگی میں نری عقل کو حرف آخر سمجھنے کا نتیجہ سوائے لاقانونیت کے اور کچھ بھی نہیں۔ جس کے ساتھ نہ مروّت و شرافت چل سکتی ہے، نہ اخلاق و کردار اور نہ ہی تکریم انسانیت، اور یہ سب اسی آزاد خیالی و فکری بے راہ روی کا کیا دھرا ہے جس سے باہمی جھگڑے اور فسادات اس شدت سے جڑ پکڑ چکے ہیں، جن کے مابین تطبیق کی صورت بظاہر نظر نہیں آتی، جس کی عام فہم دلیل

۱۷۴؎ المؤمنون: ۷۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ ہے کہ انسانوں کی عقلوں میں واضح تفاوت ہے، جس چیز کو ایک عقل خیر قرار دیتی ہے، اگلے ہی لمحے دوسری عقل اسے شر سے تعبیر کرتی ہے، چنانچہ آج تک کوئی ایسا راستہ دریافت نہیں ہوسکا ہے جو حق کو الگ اور باطل کو الگ کردے، جس کا اعتراف خود قانون دان بھی کرتے ہیں، ڈاکٹر "پیٹن" Paton جو قانون کی اصولیات کے حوالے مشہور مصنفین میں سے ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

What interest should the ideal system protect? This is a question of values....But however much we desire the help of philosophy it is difficult to obtain.

No agreed scale of values has ever been reached indeed, it is only in religion that we can find basis, and the truths of religion must be accepted by faith intuition and not purely as the result of logical argument. ل[175]

ایک مثالی نظام قانون میں کون سے مفادات کا تحفظ ضروری ہے، یہ ایک اقدار کا سوال ہے، جس میں فلسفہ قانون کو اپنا کردار ادا کرنا ہوتا ہے، بنیادی طور پر یہ "فطری قانون" Natural Law کا مسئلہ ہے، لیکن اس سوال کا جواب جتنا ہم فلسفہ سے حاصل کرنا چاہتے ہیں، اتنا ہی فلسفہ سے اس کا جواب ملنا مشکل ہے، کیوں کہ ابھی تک اقدار کا کوئی متفقہ پیمانہ ہمیں نہیں مل سکا، واقعہ یہ ہے کہ صرف مذہب ایسی چیز ہے کہ جس میں ہمیں ایسی بنیاد مل سکتی ہے، لیکن مذہب کے حقائق کو اعتقاد یا وجدان کے ذریعے تسلیم کرنا ضروری ہے، نہ کہ خالص منطقی دلائل کے زور پر۔ (ترجمہ ماخوذ از علوم القرآن)

یہی وہ حق موقف ہے جس پر ڈاکٹر پیٹن نے موضوع کے حوالے سے بڑی بحث وتمحیص کے بعد روشنی ڈالی ہے، جسے قرآن کریم نے چودہ سو سال قبل بیان کیا، قرآن اس حقیقت کا برملا اعلان پوری صراحت سے ان الفاظ میں کرتا ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾
وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ

[175] Paton: Jurisprudence, Chapter 5, P.121, Oxford 1967

toobaa-elibrary.blogspot.com

وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعۡلَمُ مَنۡ یَّضِلُّ عَنۡ سَبِیۡلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ [۱۷۶]

اور تمھارے رب کا کلام سچائی اور انصاف میں کامل ہے۔ اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ وہ ہر بات سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے۔ اور اگر تم زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کے پیچھے چلو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کر ڈالیں گے۔ وہ تو وہم و گمان کے سوا کسی چیز کے پیچھے نہیں چلتے، اور ان کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ خیالی اندازے لگاتے رہیں۔ یقین رکھو کہ تمھارا رب خوب جانتا ہے کہ کون اپنے راستے سے بھٹک رہا ہے، اور وہی ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو صحیح راستے پر ہیں۔ [۱۷۷]

دنیا کا کوئی بھی ذی شعور شخص اس بات میں کوئی شک نہیں کر سکتا کہ اس کائنات کا خالق اس کے مصالح سے زیادہ واقف امور اس کے خیر و شر سے سب سے زیادہ باخبر ہے، پس اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس کے ابدی قوانین و احکام جن کی ہر زمانے میں حفاظت ضروری ہے تو اس کے جاننے کا اس علاوہ کوئی راستہ نہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کیا جائے۔

چنانچہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے قدیم کلام یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کے واسطے سے ہمیں جو بھی کرنے یا نہ کرنیکے کام تعلیم فرمائے ہیں، چاہے وہ دائمی اور سدا بہار احکام ہیں جن پر لیل و نہار کے حوادثات اور زمانے کے شب و روز کبھی اثر انداز نہیں ہو سکتے، کیوں کہ یہ کسی فلسفی یا دانشور کا نظریہ نہیں ہے، جو مستقبل کے بارے میں قطعی لاعلم ہے، بلکہ یہ سمیع و علیم کا مقدس کلام ہے جو کا کسی زمان و مکان کے ساتھ مخصوص نہیں، جس کی رو سے وہ ذات کبھی ہمیں ایسے امر کا مکلف نہیں بنا سکتی، جس کی رعایت کسی زمانے میں ممکن ہو، کسی زمانے میں نہیں۔

جبکہ وہ امور جو تغیر زمان و مکان سے فطرتاً تبدیل ہوتے ہیں، شریعت اسلامیہ نے ہمیں دائمی نص صریح کے ساتھ مکلف نہیں بنایا، بلکہ ہمارے لیے کچھ ایسے اصول و قواعد وضع کیے، جن کی روشنی میں ہم ہر زمانے کے حالات کے پیش نظر اس کے مناسب حال احکام مستنبط کر سکتے ہیں جس کا دائرہ حد درجہ وسیع اور جس کا میدان عقل و شعور، فکر و تدبر، گہرائی و گیرائی، اجتہاد و استنباط کی صورت میں کشادہ ہے، اور شرعی طور پر

۱۷۶ الانعام: ۱۱۵-۱۱۷

۱۷۷ آسان ترجمہ قرآن: ۱/۳۱۹، الانعام (۱۱۵-۱۱۷) مکتبہ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقرر کردہ دائرہ کار میں رہتے ہوئے عصر حاضر کے جدید تقاضے اس سے حتی المقدور حصہ لیتے رہتے ہیں اور شریعت مطہرہ انہیں ان کا حصہ بحسن وخوبی ادا کرتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شریعت الاسلامیہ میں تغیر پذیر و غیر پذیر قوانین و احکام میں واضح امتیاز قائم کرتی ہے جس کی رو سے وہ تمام احکام جو قرآن وسنت سے منصوص ہیں یا اجماع سے ثابت ہیں تو وہ ایسے دائمی احکام ہیں جو زمان ومکان کے تغیر سے نہیں بدلتے، تاہم جو احکام ماخذ و مصادر میں منصوص نہیں ہیں، تو ان کی تحقیق اور اجتہاد کا دروازہ اس شخص کے لئے کھلا ہوا ہے جو اس کی اہلیت رکھتا ہے۔

شریعت اسلامیہ کی عصر حاضر میں تطبیق صرف انہی امور میں تصلب اور جمود کا تقاضا کرتی ہے جن میں انسانیت کی صلاح وفلاح اور بنی آدم کی عظمت و شرافت کے اسرار ورموز پنہاں ہیں اور یہ وہ فطری اقدار ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس طرح ابدی و دائمی بنایا ہے کہ جو کسی قسم کی حالات کے تغیر اور وقت بدلنے سے نہیں بدلتے، کیوں کہ ان کی تبدیلی ایسی لاقانونیت کا پیش خیمہ ثابت ہوگی، جس پر آج تک ہر وہ آزاد خیالی وفکری حریت کا لیکچر دینے والا نوحہ کناں ہے، جو ایک وقت تک عقلی وفکری آزادی کا علمبردار رہا، جس نے سوائے ضلالت و گمراہی اور تباہی و بربادی کے کچھ نہیں دیا، اللہ عزوجل نے انہی جیسے لوگوں کے بارے بالیقین سچ فرمایا:

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا [۱۷۸]

اور کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے، اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا، اور جس کا معاملہ حد سے گزر چکا ہے۔[۱۷۹]

اور فرمایا:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ [۱۸۰]

اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہش کے پیچھے چلے؟ بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔[۱۸۱]

---

۱۷۸ الکہف:۲۸

۱۷۹ آسان ترجمہ قرآن:۲/۹۰۳، الکہف(۲۸)، مکتبہ معارف القرآن

۱۸۰ القصص:۵۰

۱۸۱ آسان ترجمہ قرآن:۲/۱۱۸۵، القصص(۵۰)، مکتبہ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

لیکن اگر ہم ان تمام امور زندگی کے تغیر پذیر ہونے نہ ہونے کو اللہ سبحانہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں، جن کو مستدل و مبرھن کر کے پیش کیا گیا، تو نری عقل اور محض رائے زنی کی اس دائرے کار میں کوئی گنجائش نہ رہے اور انسان کے لئے اللہ عزوجل کے حضور سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہے، چاہے اس کی عقل اسے قبول کرے یا نہ کرے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا [۱۸۲]

اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کر دیں تو نہ کسی مومن مرد کے لیے یہ گنجائش ہے نہ کسی مومن عورت کے لیے کہ ان کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے۔ (۳۱) اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا [۱۸۳]

نہیں، (اے پیغمبر) تمھارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں، پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کے آگے مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کر دیں۔

اس مقالہ سے ہمارا قطعی مقصد یہ نہیں کہ عقل کو سراسر فضول و عبث مان لیں اور اس کی فکری صلاحیتوں کو نظر انداز کر دیں، بلکہ یہ بدیہی بات ہے کہ عقل اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سب سے عظیم الشان نعمت ہے، اور ان مسائل کے احکامات جاننے کے لئے اس کے سامنے وسیع میدان کھلا ہے، جس کے لئے کوئی نص صریح وارد نہیں ہوئی، لیکن ظاہر ہے کہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی حد مقرر ہوتی ہے جس پر پہنچ کر بالآخر اس کی انتہا ہو جاتی ہے، انہی میں سے عقل بھی ہے جس کی ایک حد مقرر ہے جس سے وہ ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکتی، اور اس کی ایک انتہا ہے جس کے اُس پار اس کی رسائی ممکن نہیں، اور یہی وہ حد ہے

---

۱۸۲ الاحزاب: ۳۶

۱۸۳ النساء: ۶۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

جہاں سے وحی کی ابتداء ہوتی ہے، جو عقل کا ہاتھ پکڑ کر اسے رشد وہدایت کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اب اگر اس عقل کو اس کی مقررہ حدود سے اس پار پرواز کا کہا جائے تو یہ اسے وحی کے قائم مقام اور ایسی چیز کا مکلف بنانے کے مترادف ہے جہاں اس کے پر جل جائیں گے، معروف مؤرخ اور محقق فلسفی علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں کیا خوب کہا ہے:

فاتّهم إدراكك ومدركاتك في الحصر واتبع ما أمرك الشّارع به من اعتقادك وعملك فهو أحرص على سعادتك وأعلم بما ينفعك لأنّه من طور فوق إدراكك ومن نطاق أوسع من نطاق عقلك وليس ذلك بقادح في العقل ومداركه بل العقل ميزان صحيح فأحكامه يقينية لا كذب فيها. غير أنّك لا تطمع أن تزن به أمور التّوحيد والآخرة وحقيقة النّبوة وحقائق الصّفات الإلهية وكلّ ما وراء طوره فإنّ ذلك طمع في محال. ومثال ذلك مثال رجل رأى الميزان الّذي يوزن به الذّهب فطمع أن يزن به الجبال وهذا لا يدرك. على أنّ الميزان في أحكامه غير صادق لكنّ العقل قد يقف عنده ولا يتعدّى طوره[۱۸۴]

لہٰذا تم اپنے علم اور معلومات کو اس حصر کر دینے میں خطاوار سمجھو (جو کچھ ہم جانتے ہیں تمام موجودات ان میں منحصر ہیں) اور شارع علیہ السلام کے بتائے ہوئے اعتقادات اور اعمال کا اتباع کرو، کیوں کہ وہ تم سے زیادہ تمہارے بہی خواہ اور سود و بہبود کو سمجھنے والے ہیں، ان کا علم تمہارے علم سے بلند اور ایسے ذریعے سے ہونے والا ہے جو تمہاری عقل کے دائرہ سے وسیع تر ہے، اور یہ بات عقل اور اس کی معلومات کے لئے کوئی عجب نہیں ہے، بلکہ عقل در حقیقت ایک صحیح میزان ہے، جس کے احکام یقینی اور جھوٹ سے پاک ہے، لیکن یہ میزان اتنی بڑی نہیں ہے کہ تم اس سے توحید و آخرت کے امور نبوت وصفات الٰہیہ یا کسی اور ایسی چیز کا وزن کرنے لگو، جو عقل کی دسترس سے باہر ہیں، اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص سونا تولنے کا کانٹا دیکھے اور پھر اس سے پہاڑوں کو تولنے کی خواہش کرنے لگے، ظاہر ہے کہ (جب اس میں پہاڑ نہ تل سکیں تو) یہ نہیں کہا جائے گا کہ ترازو جھوٹی ہے، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ہر میزان کی ایک حد ہوتی ہے، جس سے آگے وہ کام نہیں دے سکتی، اسی طرح میزان عقل بھی ایک خاص موقع پر آکر ٹھہر جاتی ہے، اور اپنی حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ (ترجمہ ماخوذ از علوم القرآن)

۱۸۴ مقدمہ ابن خلدون: ۴۴۱-۴۴۴، الکتاب: ۱، الباب: ۶، الفصل: ۱۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

حدود و تعزیرات سے متعلقہ سوڈان
کے قوانین پر ایک سرسری نظر

سنہ ۱۹۸۳ء میں مقررہ اداروں کے التماس پر سزاؤں سے متعلق سوڈانی قوانین میں ہونے والی غلطیوں کی تصحیح کے حوالے سے پیش کی گئی تجاویز، جو ان قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالنے کے لئے ایک اہم پیش رفت کے طور پر زیر غور آئیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حدود و تعزیرات سے متعلقہ سوڈان کے قوانین پر ایک سرسری نظر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

۱۹۸۳ء میں اسلامی جمہوریہ سوڈان کی طرف سے پاس کئے گئے قانون برائے حدود و تعزیرات پر نظر ثانی اور انہیں قرآن و سنت، فقہ اسلامی اور سوڈان کے حالاتِ حاضرہ کے قریب سے قریب تر بنانے کی غرض سے مجھ سے مراجعت کی گئی ہے۔

چوں کہ اس غرض کے لئے مقررہ انتہائی محدود وقت اس قانون کی چھان پھٹک اور ہر ہر دفعہ میں غور و فکر کے لئے یقیناً ناکافی ہے لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ من حیث المجموع قانون میں موجود بعض عمومی نوعیت کے قابل غور پہلوؤں پر اپنی رائے کا اظہار کروں، نیز حدود و قصاص اور دیات سے متعلق قوانین کے موضوع پر خصوصیت سے کچھ معروضات پیش کروں:

عمومی نوعیت کے قابل غور پہلو

۱۔ قطع نظر اس کے ماخلف موجودہ سیاسی امور کے، (بشرطیکہ اگر اس طرح کے کوئی سیاسی مفادات ہو) موضوع کی مناسبت سے ترتیب دیے گئے قانونی مسودہ سے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بایں طور قانونی حیثیت دینے کے لئے کہ یہ عین شرعی احکام کے مطابق ہو، اور وہاں رائج الوقت قانون کے نظام کے تحت بھی داخل ہو، بڑی کاوش کی گئی ہے، شک نہیں کہ ابتدائی طور پر یہ کاوش قابل تعریف اور لائقِ تحسین ہے، لیکن اس کے مطالعہ کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے کہ:

یہ گرانقدر کاوش قانونی مسودہ کی ترتیب و تدوین اور جس قدر جلد ممکن ہو سکے اس کی تنفیذ کے خیال کے پیشِ نظر اس میں بے حد عجلت سے کام لیا گیا ہے، جس کے باعث یہ قانون تطبیق و تنفیذ کے تقاضے پورے کرنے سے بہت حد تک محروم ہے اور اسے شرعی تقاضوں کے مطابق ڈھالنے، خلاف مقصود مبہم تعبیرات، بعض لازمی و ضروری فوائد و قیود کے حذف اور فقہی احکام میں قانونی اصطلاحات کے استعمال

toobaa-elibrary.blogspot.com

سمیت دیگر غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔

۲۔ تاہم اس قانون میں موجود غلطیوں سے یہ جواز پیدا نہیں ہوتا کہ اسے کالعدم قرار دے دیا جائے یا اسے مکمل مسترد کر دیا جائے، کیوں کہ بہر حال ابتدائی طور پر یہ ایسی اسلامی بنیادوں پر ترتیب دیا گیا ہے، جن سے نہ صرف یہ کہ سوڈان بلکہ کسی بھی اسلامی مملکت کو مفر نہیں، غور و خوض کے بعد اس قانون میں دو باتوں کی اشد ضرورت محسوس کی گئی ہے، جو یہ ہیں:

(الف) اس میں موجود بعض شقوں کی درستگی یا انہیں جدید خطوط پر استوار کرنا۔

(ب) قانونی عبارت میں بعض احکام شرعیہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے کچھ شقوں کا مزید اضافہ کرنا۔

۳۔ جہاں تک مواد کی اصلاح کا تعلق ہے، تو اس حوالے سے آنے والی سطور میں قانون میں موجود غلطیوں کی نشاندہی اور ان کے دور کرنے کے لئے کچھ معروضات پیش کی گئی ہیں۔

۴۔ اور جہاں تک قانونی عبارت میں بعض امور کے اضافے کا تعلق ہے تو ان میں مندرجہ ذیل امور خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

(الف) حدود و قصاص کے قائم کرنے کی صورت کیا ہونی چاہیے؟ جیسے چوری ثابت ہونے کی صورت میں ہاتھ کاٹتے وقت ان تمام طبی تقاضوں کا لحاظ ضروری ہے، جنہیں ماہر ڈاکٹر تجویز کرے اور جس سے چور کے جانی نقصان کا خطرہ نہ رہے اور اگر اس قسم کا کوئی خدشہ ہو، مثلاً چور بیمار ہو یا موسم ناخوشگوار ہو، جس سے حد قائم کرنے کی وجہ سے مجرم کی جان جانے کا خطرہ ہو تو حد کو اس خطرہ کے ٹل جانے تک مؤخر کیا جائے گا۔

اس طرح ایک تعزیری حد کوڑے مارنے کی بھی ہے، جس کی تنفیذ کے وقت یہ ضروری ہے کہ اسے قانونی حیثیت سے اس طرح جاری کیا جائے، جس طرح شریعتِ مطہرہ نے اسے مقرر کیا ہے، مثلاً مجرم کے کپڑے نہ اتارے جائیں اور جلّاد اسے درمیانی درجے کی طاقت سے مارے، نیز دیگر شرعی احکام بھی فوت نہ ہونے پائے، خاص اسی مقصد کے لئے پاکستان میں مستقل قانون سازی کی گئی ہے، جو ۱۹۸۹ء میں صادر شدہ بعنوان ''کوڑے مارنے کا قانون'' معروف ہے، اس حوالے سے اس قانون سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔

اسی طرح ایک سزا قصاص بھی ہے، جس کے نفاذ کے لئے قانونی عبارت میں اسی طرح صراحت

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہونا ضروری ہے جس طرح کہ شریعتِ اسلامیہ نے اسے مقرر کیا ہے۔

(ب) ان موانع کی تفصیل، جن کی موجودگی میں شرعاً حد یا قصاص کا حکم نہیں لگایا جاسکتا یا اگر کسی وجہ سے لگایا جاچکا ہے تو اسے نافذ نہیں کیا جاسکتا۔

(ج) قتل کی سزا کی صورت میں اس کی انواع واقسام کے اختلاف سے معافی اور صلح کے احکام کی تفصیل۔

(د) حدود، قصاص اور دیات کے ثابت کرنے کی کیا صورتیں ہیں؟ متعلقہ احکام کی تفصیل۔

(ہ) مقررہ وقت میں ان تمام تفصیلات کو پیش کرنا، کسی ایک شخص کے بس کی بات نہیں ہے، کہ وہ مقررہ مواد کی اصلاح اور مذکورہ امور کی روشنی میں اسے جدید خطوط پر استوار کرے، البتہ اس قانون میں موجود صریح غلطیوں اور ان سے خلاصی کی نشاندہی میں نے کردی ہے۔

لہٰذا گزارش یہی ہے کہ فقہ اور قانون کے جید علماء و ماہرین قانون سمیت فنی باریکیوں کے جانکار لوگ قوانین حدود و قصاص اور تعزیرات کو درست شرعی بنیادوں پر استوار کریں، تو ان ترامیم کے بعد قانونی مسودہ مکمل طور پر تیار ہوجائے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ ھو الموفق المعین

محمد تقی عثمانی

جسٹس وفاقی شرعی عدالت عظمیٰ اسلامی جمہوریہ پاکستان

ونائب رئیس دار العلوم کراچی

toobaa-elibrary.blogspot.com

سوڈان کے سزاؤں سے متعلق قوانین پر ایک سرسری نظر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

قوانین برائے حدود تعزیرات بابت ۱۹۸۳ء

یہ قوانین دو قسم پر ہیں۔

(۱) حدود: یہ وہ سزائیں ہیں جو چوری، ڈاکہ، زنا، تہمت اور شراب پینے پر عائد ہوتی ہیں۔

(۲) تعزیرات: جن کی اکثر شقیں انگریزی قوانین سے ماخوذ ہیں۔

مذکورہ ہر دو قسموں سے متعلق معروضات ہم اگلی سطور میں پیش کریں گے۔ واللہ الموفق المعین۔

(۱) حدود سے متعلق سزائیں

چوری کی حد

آرٹیکل ۳۲ (۲) کی رو سے چوری کی موجبِ حد تعریف اس طرح کی گئی ہے:

موجب حد چوری کا مجرم وہ شخص کہلائے گا جو کسی دوسرے کی ایسی مملوکہ چیز غلط ارادے سے لے جو: ۱۔ مال متقوم ہو، ۲۔ اس کی قیمت نصاب کے برابر مال سے کم ہو، ۳۔ وہ چیز اس شخص کی اپنی جگہ (تحویل) میں ہو، ۴۔ اس کی رضامندی نہ ہو۔

اس تعریف میں چند خامیاں ہیں، جن کا ذکر اگلے نکات میں کیا جا رہا ہے۔

(۱) اس تعریف سے یہ لازم آتا ہے کہ محض کسی کا مال لے لینا سرقہ ہے، اس میں "خُفْیَۃً" (دوسرے سے چھپا کر لینے) کی قید نہیں لگائی گئی جبکہ تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ شریعت میں موجب حد سرقہ "حد" وہی ہے جس میں چور دوسرے سے چھپ چھپا کر کسی کا مال لے، چنانچہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

استاذ عبد القادر عودہ رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں:

الركن الاول (لتحقق جريمة السرقة الحدية) الاخذ خفية، ومعنى الاخذ خفية هو ان يؤخذ الشيئ دون علم المجنى عليه ودون رضاه، كمن سرق امتعة شخص من داره في غيبته او اثناء نومه[۱۸۵]

(موجبِ حدِّ سرقہ کا) پہلا رکن چھپا کر لینا ہے، اور چھپا کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ بغیر دوسرے کے علم اور اس کی رضامندی کے اس کی کوئی چیز لے لی جائے، جیسے کوئی شخص کسی کے گھر سے کوئی چیز ایسے وقت میں چُرائے جبکہ وہ گھر میں نہ ہو، یا ہو تو مثلاً سو رہا ہو۔

لہٰذا اگر کوئی شخص اس طرح کسی کا مال لے لے کہ اسے چوری کا علم ہو مثلاً دھوکے و فراڈ اور اچک کر یا چھین کر مثلاً لے لے، ایسی صورت میں اہلِ سنت کے مذاہب میں سے کسی ایک مذہب میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، بلکہ تعزیر کی جائے گی، لیکن مذکورہ آرٹیکل اس پر بھی قطعِ ید کا حکم لگاتا ہے جو درست نہیں۔

(۲) اسی طرح اس کی تعریف میں یہ قید بھی نہیں لگائی گئی کہ چوری کیا گیا مال "مُحرَز" (مسروق منہ کی حفاظت و نگرانی میں) ہو، بلکہ صرف اسی پر اکتفاء کیا گیا ہے کہ اس کی "حَیِّز" (تحویل) میں ہو، حالانکہ کسی چیز کا کسی کی تحویل میں ہونا عام ہے، بنسبت اس کے کہ اس کی حِرز (مسروق منہ کی حفاظت و نگرانی) میں ہونا، کیوں کہ یہ ممکن ہے کہ کوئی چیز کسی کی "حَیِّز" میں تو رکھی ہو مگر اس کی حفاظت و نگرانی میں نہ ہو، حالانکہ مال کے باقاعدہ "مُحرَز" میں ہونے کی قید متفقہ طور پر ہر چہار مذاہب کے ہاں معتبر ہے، جس میں کسی کا اختلاف ہمارے علم میں نہیں، چنانچہ استاذ عبد القادر عودہ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

يشترط جميع فقهاء الامصار الذين تدور عليهم الفتوى ان كون المال محرزا الوجوب القطع في سرقته، ولا يخالفهم في ذلك الا الظاهريون وطائفة من اهل الحديث — الخ[۱۸۶]

---

۱۸۵ التشریع الجنائی الاسلامی: ۵۱۸/۲

۱۸۶ التشریع الجنائی الاسلامی: ۵۵۴/۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

دنیا بھر کے فقہاء، جن کی طرف فتاویٰ کے لئے رجوع کیا جاتا ہے، نے یہ قید لگائی ہے کہ چوری کے جرم میں ہاتھ کٹنے کے لئے مال کا محرز (مسروق منہ کی حفاظت و نگرانی میں) ہونا ضروری ہے، جس میں سوائے ظواہر اور بعض اہلِ حدیث کے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اس کے شرط ہونے پر دلیل وہ حدیث ہے جسے صحاح ستہ میں سے پانچ نے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ لَا قَطْعَ فِيْ ثَمَرٍ وَّلَا كَثَرٍ "پھلوں میں اور گَثَر[۱۸۷] میں "قطع ید" نہیں ہے"، جبکہ امام نسائی اور ابوداؤد رحمہا اللہ نے عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے، جنہوں نے اپنے والد اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ؟ فَقَالَ: مَنْ أَصَابَ بِفِيهِ مِنْ ذِي حَاجَةٍ غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَمَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ مِنْهُ فَعَلَيْهِ غَرَامَةُ مِثْلَيْهِ وَالْعُقُوبَةُ وَمَنْ سَرَقَ مِنْهُ شَيْئًا بَعْدَ أَنْ يُؤْوِيَهُ الْجَرِينُ فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ[۱۸۸]

رسول اللہ ﷺ سے درختوں پر لٹکے ہوئے پھل (بلا اجازت کھانے) کے بارے میں سوال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا، جو کوئی کھائے وہ حاجت مند ہونا چاہیے، مگر چھپا کر نہ لے جائے تو کوئی حرج نہیں اور جو چھپ چھپا کر کچھ لے جائے اس پر دوگنا جرمانہ ہے اور سزا ہے اور جب میوہ یا پھل پکنے کے بعد سوکھنے کے لئے کھلیان میں ڈالا جائے اور وہاں سے چرا کر کوئی لے جائے اور اس کی قیمت اتنی بیٹھتی ہو جتنی کہ ایک ڈھال کی ہوتی ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اب چوں کہ درخت پر موجود پھل اس کے مالک کی حَيِّز (تحویل) میں تو ہے مگر اس کی حِرْز (حفاظت و نگرانی) میں نہیں ہے۔ لہٰذا اگر اسے کوئی چوری کرلے تو اس پر قطع ید کی حد نہیں آئے گی۔ علامہ خرشی فرماتے ہیں:

---

۱۸۷ صاحب مرقاۃ نے اس سے جُمَّارُ النَّخْلِ مراد لیا ہے، جس کا معنی صاحب معجم الوسیط و قاموس الوحید نے یہ لکھا ہے کہ اس کی واحد جُمَّارَۃٌ ہے جس سے مراد کھجور کے درخت کا گوند ہے، جو چربی کی طرح سفید ہوتا ہے۔

۱۸۸ سنن ابی داؤد

toobaa-elibrary.blogspot.com

وَكَذٰلِكَ لَا قَطْعَ عَلٰى مَنْ سَرَقَ الثَّمَرَ الْمُعَلَّقَ عَلٰى أَصْلِ خِلْقَتِهٖ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ عَلَيْهِ غَلَقٌ فَهَلْ يُقْطَعُ سَارِقُهٗ حِيْنَئِذٍ أَمْ لَا؟ قَوْلَانِ نَكَتَ الثَّانِيْ مَنْصُوْصٌ وَالْأَوَّلُ مُخَرَّجٌ[۱۸۹]

اس طرح اس شخص کو قطعِ ید کی سزا نہیں ہوگی جو پھل کو اسی اصلی حالت میں چوری کرے جب کہ وہ (درخت پر) لٹکا ہوا ہو، ہاں! اگر باغ پر تالا لگا ہو تو ایسی صورت میں ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں؟ تو اس میں دو قول ہیں۔ دوسرا قول منصوص ہے، اور پہلا قول (استنباط کر کے) نکالا گیا ہے۔

(۳) یہ تعریف محض مال لے لینے کو موجب حدِ سرقہ قرار دیتی ہے، چاہے چور اسے مالک کی تحویل سے نکالے یا نہیں، فقہاءِ امت کی ایک بہت بڑی جماعت ان جیسی نصوص کی تطبیق اس طرح دیتی ہے کہ حدِ سرقہ تب ہی متحقق ہوگی جب کہ چور اس چیز کو مالک کی حَیِّز (تحویل) سمیت حِرْز (حفاظت ونگرانی) سے بھی باہر نکال لائے اور مالکیہ کا مختار مذہب بھی یہی ہے، علامہ خرشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مِنْ شُرُوْطِ الْقَطْعِ أَنْ يُّخْرِجَ النِّصَابَ مِنْ حِرْزِ مِثْلِهٖ فَلَا قَطْعَ عَلٰى مَنْ نَقَلَ النِّصَابَ دَاخِلَ الْحِرْزِ مِنْ مَكَانٍ لِآخَرَ فِيْهِ وَلَمْ يُخْرِجْهُ أَوْ أَخْرَجَهٗ مِنْ حِرْزٍ غَيْرِ مِثْلِهٖ وَلَا يُشْتَرَطُ إِلَّا إِخْرَاجُ الْمَتَاعِ مِنَ الْحِرْزِ وَلَوْ لَمْ يَخْرُجِ السَّارِقُ مِنَ الْحِرْزِ۔۔۔ الخ[۱۹۰]

قطعِ ید کی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ چوری کے لئے مقررہ نصاب کے برابر کوئی چیز چور مالک کی حِرْز سے باہر نکال لائے، پس اگر حِرْز میں رہتے ہوئے ایک جگہ سے دوسری جگہ کوئی چیز محض منتقل کر دے اور باہر نہیں نکالے یا (موقع واردات پر) اسی طرح کی کسی اور حرز سے نکال دے تو اسے قطعِ ید کی سزا نہیں ہوگی، (واضح رہے کہ) حفاظتی حصار سے سامان نکالنے کی شرط ہے اگرچہ چور اب تک حفاظتی حصار سے نہ نکلا ہو، الخ

استاد عبدالقادر عودہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اما اذا ضبط قبل ان یخرج المسروق من الحرز او قبل ان یؤدی فعله الی

---

۱۸۹ الخرشی علی مختصر خلیل: ۱۰۱/۸

۱۹۰ شرح مختصر خلیل الخرشی: ۹۷/۸، باب السرقۃ دار الفکر بیروت

toobaa-elibrary.blogspot.com

اخراجه فلاقطع عليه، الافی رای الظاهريين وحدهم، لانهم يعتبرون السرقة تامة بمجرد تناول الجانی للشیئ المسروق، ولانهم لايعتبرون الحرز[۱۹۱]

اس صورت میں جبکہ چور چیز کو تحویل سے نکالنے یا اس کو باہر نکال کر اپنی کارروائی مکمل کرنے سے پہلے ہی پکڑ لیا جائے، تو اس کو قطع ید کی سزا نہیں ہوگی سوائے اہل ظواہر کی رائے کے، اس لئے کہ ان کے نزدیک چوری کی گئی چیز کو اٹھاتے ہی چوری کا تحقق ہو جاتا ہے، جس کے مدِ نظر وہ تحویل کا اعتبار نہیں کرتے۔

مناسب یہ ہے کہ ذکر کردہ نقائص کو دور کر کے ان الفاظ کے ذریعے اس تعریف کو درست کیا جائے، چنانچہ (مالکیہ میں سے) ابن عرفہ رحمہ اللہ موجبِ حدِ سرقہ کی یہ تعریف کرتے ہیں:

اَلسَّرِقَةُ أَخْذُ مُكَلَّفٍ حُرًّا لَا يَعْقِلُ لِصِغَرِهٖ أَوْ مَالًا مُحْتَرَمًا لِغَيْرِهٖ نِصَابًا أَخْرَجَهٗ مِنْ حِرْزٍ بِقَصْدٍ وَأَخَذَ خُفْيَةً لَا شُبْهَةَ لَهٗ فِيْهِ[۱۹۲]

کسی آزاد مکلف شخص کا ایسے بچہ کو اٹھا لینا جو اپنی کم سنی کی وجہ سے سمجھ بوجھ نہ رکھتا ہو یا حد نصاب تک پہنچے ہوئے دوسرے کے قابلِ احترام مال کو قصداً اس کی حفاظت سے باہر نکال لائے اور اس طرح چپکے سے لے کہ اس میں شبہ کی گنجائش نہ ہو، چوری کے زمرے میں آتا ہے۔

سوڈانی سزاؤں کے قانون میں تیسری فصل کے آرٹیکل ۴۹ اور ۵۰ میں مکلّف ہونے کی قید از خود نکل گئی ہے، لہٰذا اس شرط کے ذکر کی چنداں حاجت نہیں۔ اسی طرح غیر عاقل بچے کا چوری کرنا بھی امام مالک رحمہ اللہ کے علاوہ کسی مسلک میں قطع ید کو ثابت نہیں کرتا، شاید قانون ساز نے امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب نہیں لیا، بلکہ جمہور کا مذہب اختیار کیا ہے کہ قطعِ ید صرف مال کے چوری کرنے سے ہی ثابت ہوگا، پس ان کے قول "لصغرہ" (کم سنی کی وجہ سے) کی بھی ضرورت نہیں رہتی، جہاں تک مالِ محترم کی قید ہے تو مالِ متقوم ہونے کی شرط لگانے کے بعد اس شرط کی بھی ضرورت نہیں رہتی، ہماری ذکر کردہ وہ تمام صورتیں جن میں قطعِ ید کی سزا (ان شاء اللہ) واجب نہیں ہوگی، کو قانون میں موجبِ حدِ سرقہ کو واضح کرنے کے لئے ایک جامع ومانع تعریف کی شکل میں اس طرح بخوبی بیان کیا جا سکتا ہے:

---

۱۹۱ التشریع الجنائی الاسلامی: ۸/۵۲۳

۱۹۲ مواہب الجلیل للحطاب: ۶/۳۰۶، باب القذف، دار الفکر، بیروت

toobaa-elibrary.blogspot.com

يعد مرتكبا جريمة السرقة الحدية كل من ياخذ خفية بسوء قصد مالا متقوماً مملوكا للغير لا تقل قيمته من النصاب ويخرجه من حرز شخص دون رضاه

موجب حد سرقہ کے جرم کا مرتکب وہ شخص شمار کیا جائے گا جو کسی کے ایسے مال کو چوری کرے جو:۱۔ قیمتی ہو، ۲۔ قابلِ انتقال ہو، ۳۔ دوسرے کی ملکیت میں ہو، ۴۔ چوری کے مقررہ نصاب کے بقدر ہو، ۵۔ چھپ چھپا کر لیا جائے، ۶۔ بدنیتی سے ہو، ۷۔ مالک کی حِرْزْ سے باہر نکال لائے، ۸۔ مالک کی رضامندی شامل نہ ہو۔ اس طرح یہ تعریف جامع ومانع ہونے کے لحاظ سے مکمل طور پر مقصود کو حاوی ہوگی۔

چوری کا نصاب

آرٹیکل ۳۲۰(۳) کی عبارت کچھ اس طرح ہے:

لأغراض هذه المادة يعتبر النصاب ربع دينار ذهبا او ثلاثة دراهم من الفضه اوما يعدل قيمتها بالعملة السودانية

اس آرٹیکل سے متعلقہ مقاصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ چوری کا نصاب سونے کے چوتھائی دینار یا چاندی کے تین دراہم یا اس کی قیمت کے برابر سوڈانی کرنسی ہو۔

جیسا کہ یہ بات معلوم ہے کہ چوری کے نصاب کی تعیین میں فقہاء کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے، حتی کہ فقہاء سے منقول اقوال کی تعداد بیس تک جا پہنچتی ہے، جسے علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (۱۰۶/۱۲) میں بالتفصیل ذکر کیا ہے۔

جبکہ یہ قانون اس باب میں حنابلہ کے قول کو اختیار کرتا ہے، جسے علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے "المغنی" میں جلد ۱۰، صفحہ ۲۴۲ پر ذکر کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ہاں! یہ بات الگ ہے کہ ہم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کو اس باب میں زیادہ صحیح سمجھتے ہیں، اور وہ ہے دس دراھم یا ایک دینار، اور یہ قول متعدد احادیث وآثار سے مؤید ہے، اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ فی زمانہ اسے اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ عہدِ حاضر میں سونے چاندی کی قیمتیں بہت کم ہوگئی ہیں، جس کے باعث چوتھائی دینار شیٔ تافہ (گری پڑی چیز) شمار ہوتی ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ عصرِ حاضر میں مقداروں کا جو پیمانہ مقرر کیا گیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے، اس کا اطلاق ایک گرام سونے سے کم پر نہیں ہوتا۔

مقدارِ نصاب کے حوالے سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں ایک دینار یا دس دراہم مقرر ہیں، جن کی مالیت ان فقہاءِ کرام کے زمانے میں ایک سی ہوتی تھی، جبکہ فی زمانہ ان دونوں میں بہت بڑا تفاوت آچکا ہے، بالخصوص جبکہ دس دراہم سے متعلقہ احادیث ان کے اور ایک دینار کے درمیان حرفِ تردید کے ساتھ وارد ہوئی ہیں [۱۹۳] اور بعض میں صرف ایک دینار کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ [۱۹۴] لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ حدود کے باب میں احتیاط اور انہیں رفع کرنے کی غرض سے ان دونوں میں جس کی مالیت زیادہ ہو، اسے ہی اختیار کرلیا جائے، یہی وجہ ہے کہ پاکستانی قانون میں مقدارِ نصاب ایک دینار ہی مقرر کی گئی ہے جو ۴.۴۵۷ گرام سونے کی مقدار کے برابر ہے۔

مصر کے علماء کی ایک جماعت نے چوری کا نصاب چالیس دراہم مقرر کیے ہیں، اور یہ وہ مقدار ہے جو اسلامی فوجداری مسودۂ قانون میں بطورِ قانون کبھی نافذ نہیں ہوئی، مقرر کردہ یہ عدد بھی علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے فتح الباری میں ذکر کردہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے قول کی ترجمانی کرتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک شاذ قول ہے، اور یہ اس کے بالکل خلاف ہے جسے ابن ابی شیبہ نے حماد سے اور انہوں نے ابراہیم سے روایت کیا ہے، رحمہم اللہ، وہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ نے فرمایا "لا تقطع الید الا فی ترس او جحفۃ، کہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر یہ کہ لوہے کی ڈھال یا چمڑے کی ڈھال (کی مالیت کے بقدر چوری کی صورت) میں، پھر فرماتے ہیں کہ میں نے ابراہیم سے کہا "کم قیمتہ؟ کہ اس کی کتنی قیمت مقرر ہے؟ تو انہوں نے کہا "دینار" کہ ایک دینار کے بقدر اس کی قیمت ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۷۵/۹)، اسی طرح کی روایت امام عبدالرزاق الصنعانی رحمہ اللہ نے اپنی "مُصَنَّف" میں جلد ۱۰ / ۲۳۴ پر ذکر کی ہے، اور معمر عن حماد عن ابراہیم کے طریق سے نکالا ہے، فرماتے ہیں "تقطع ید السارق فی الدینار او قیمتہ" چور کا ہاتھ دینار یا اس کی قیمت کے بقدر (چوری کرنے کی صورت) میں کاٹ دیا جائے گا۔

---

۱۹۳ اخرجہ الترمذی فی جامعہ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ قَالَ: لَا قَطْعَ إِلَّا فِي دِينَارٍ أَوْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ وقال الترمذی وَهُوَ حَدِيثٌ مُرْسَلٌ رَوَاهُ الْقَاسِمُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَالْقَاسِمُ لَمْ يَسْمَعْ مِنَ ابْنِ مَسْعُودٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ

۱۹۴ مواہب الجلیل للحطاب: ۳۰۶/۶، باب القذف، دار الفکر بیروت

toobaa-elibrary.blogspot.com

پس دیگر تمام روایات کی مخالفت کرتے ہوئے چالیس درہم کی مقدار مقرر کرنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ لہٰذا ہماری گزارش یہی ہے کہ مقدارِ نصاب ایک دینار کے بقدر ہی مقرر کیا جائے، چنانچہ یہ آرٹیکل اس طرح بیان کرنے سے درست ہوسکتا ہے۔

لأغراض هذه المادة يعتبر النصاب اربعةٌ فاصل اربعة خمسة سبعة (۴.۴۵۷) جراماً من الذهب اوما يعادل قيمته،

اس آرٹیکل کے بامقصد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ نصاب ۴.۴۵۷ گرام سونے یا اس کی قیمت کے مساوی ہے۔

قطعِ ید کی شرائط کی تفصیل

سزاؤں کا قانون موجبِ حدِ سرقہ کو صرف دو صورتوں میں ثابت کرتا ہے، جن میں ایسے شبہات کی کوئی تفصیل نہیں ہے جن سے شریعت میں حد ساقط ہوجاتی ہے۔

گزارش یہ ہے کہ اس قانون میں بعض ایسی تفصیلات کا ذکر انتہائی ضروری ہے جو فیصلہ کرتے وقت پہلے ہی قاضی کے پیشِ نظر رہیں اور ایسا نہ ہو کہ ہر ہر فیصلے میں کتبِ فقہیہ کی طرف مراجعت کی ضرورت رہے، وگرنہ اس بات کا خدشہ ہے کہ قاضی کی طرف سے ایسی صورتوں میں بھی قطعِ ید کا حکم صادر ہوجائے، جن صورتوں میں شریعتِ اسلامیہ میں حدِ سرقہ ثابت نہیں ہوتی۔

حدِ سرقہ سے متعلق پاکستانی قانون میں اس طرح کی کچھ تفاصیل موجود ہیں، مناسب ہوگا کہ انہی سے مدد لے لی جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں سوڈان کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور ان دیگر مذاہب کو اختیار کرتے ہوئے جن کو پاکستانی قانون میں نہیں اپنایا گیا، ممکنہ حد تک درستگی کردی جائے۔

اس حوالے سے انگریزی زبان میں ترتیب دیے گئے پاکستانی قانون کا ترجمہ ہم یہاں نقل کررہے ہیں۔

پاکستانی قانون کے آرٹیکل ۲ (د) کی شرح

۱۔ اَلْحِرْزُ: ہر وہ طریقہ جو سامان کی حفاظت کے لئے اختیار کیا جاتا ہو، جس کی رو سے ہر وہ سامان جو کسی

toobaa-elibrary.blogspot.com

گھر میں رکھا گیا ہو، چاہے گھر کا دروازہ بند ہو یا نہ ہو، اسی طرح ہر وہ سامان جو الماری یا صندوق میں ہو یا ہر وہ سامان جس کے نزدیک کوئی گارڈ ہو، چاہے وہ اجرتی گارڈ ہو رضا کارانہ محافظ، بہر کیف "مُحْرَزْ" (مالک کی حفاظت ونگہبانی میں) شمار ہوگا۔

۲۔ اگر کوئی گھر ایسا ہے جس میں صرف ایک ہی خاندان رہتا ہے تو اس پورے گھر کو ایک "حرز" شمار کیا جائے گا، اور اگر کوئی گھر ایسا ہے کہ اس میں دو خاندان یا اس سے زائد رہتے ہیں تو ہر خاندان کے زیر سکونت گھر کا حصہ ایک مستقل "حرز" سمجھا جائے گا۔

پاکستانی قانون کا آرٹیکل ۵ موجبِ حدِ سرقہ کی تعریف میں واقع ہوا ہے۔

اس آرٹیکل میں " اَخذ" (لینے) سے مراد یہ ہے کہ چور چوری کا ارتکاب کرے، اور اسے یقین ہو کہ مسروق منہ (جس کا مال چوری کیا جارہا ہے) نہ تو دیکھ رہا ہے اور نہ ہی یہ جانتا کہ وہ کیا کچھ کر رہا ہے۔

دن کی روشنی (جس میں طلوعِ شمس سے قبل کا ایک گھنٹہ اور غروبِ شمس کے بعد کے دو گھنٹے بھی شامل ہیں) میں خفیہ طور پر چوری کے ارتکاب کے لئے یہ ضروری ہے کہ چھپ چھپا کے کارروائی کا تسلسل، چوری کئے گئے سامان کو مالک کی حفاظت سے نکالنے سے لے کر جرم کے مکمل ہونے تک برابر جاری رہے، البتہ رات میں صرف کارروائی شروع کرتے وقت جرم کا خفیہ ہونا کافی ہے، یہ ضروری نہیں کہ جرم کے مکمل ہونے تک چھپ چھپا کے کارروائی کا تسلسل رہے۔

آرٹیکل ۸

اگر موجبِ حدِ سرقہ جرم کا ارتکاب دو شخص یا اکثر مل کر کریں اور چوری کیا گیا کل مال اتنا ہو کہ ان میں سے "حرز" میں داخل ہونے والے ہر شخص کا حصہ نصاب (کی مقررہ مقدار) تک پہنچ جائے تو ہر وہ شخص جو حِرزْ میں داخل ہوا، اس پر حد جاری کی جائے گی، چاہے اس نے چوری کیا گیا سامان بنفسِ نفیس اٹھایا ہو یا نہ۔

آرٹیکل ۱۰

ان صورتوں میں چوری پر قطعِ ید کی سزا جاری نہیں ہوگی۔

(اَلف) سوڈانی قانون کے آرٹیکل ۳۲۳ کے تحت جو موجود ہیں۔

(ب) میزبان کے گھر اگر مہمان چوری کا ارتکاب کرے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(ج) اگر مزدور اپنے مالک کے گھر چوری کرے، جبکہ مالک نے اسے گھر میں آنے کی اجازت دی ہو۔

(د) اگر چوری کیا گیا مال مندرجہ ذیل چیزوں میں سے ہو۔

گھاس پھونس، مچھلی، پرندہ، کتا، خنزیر، نشہ آور شرابیں، موسیقی کے آلات سمیت وہ اشیاء جو جلد خراب ہو جاتی ہیں، الّا یہ کہ فریزر میں رکھی گئی ہوں۔

(ہ) اگر چور چوری کئے گئے مال میں حصہ دار ہو، جبکہ اس کا حصہ نکال کر بقیہ حصہ نصابِ سرقہ تک نہ پہنچتا ہو۔

(و) اگر چور اپنے قرض دار کے گھر چوری کرے، جبکہ اس کے قرض کے بقدر رقم منہا کرنے کے بعد چوری شدہ مال حدِ نصابِ سرقہ تک نہ پہنچتا ہو۔

(ز) اگر زور زبردستی یا شرعی اضطراری حالت میں کوئی چوری کرے۔

(ح) اگر چور پکڑے جانے سے پہلے از خود چوری سے توبہ کرے اور چوری کردہ مال اگلے کو واپس کر دے، اور بنفسِ نفیس اپنے آپ کو قانونی اداروں کے حوالے کر دے۔

آرٹیکل ۱۱

آنے والی صورتوں میں بھی حد جاری نہیں کی جائے گی۔

(الف) جب کہ موجبِ حدِ سرقہ کا اس کے علاوہ کوئی ثبوت نہ ہو کہ مجرم نے از خود اقرار کیا ہے، اور وہ اپنے اقرار سے ہاتھ کٹنے سے پہلے رجوع کرلے۔

(ب) جب کہ موجبِ حد چوری گواہوں کی شہادت سے ثابت ہوا اور تمام گواہ یا کوئی ایک گواہ شہادت سے اس طرح رجوع کرے جس کے بعد موجب حد سرقہ سے متعلق گواہی کا نصاب ناقص رہ جائے۔

(ج) اگر مسروق منہ (جس سے مال چرایا گیا ہے) حد قائم ہونے سے پہلے پہلے چوری کے مبینہ دعوے سے رجوع کرے۔

(د) جبکہ چور کا بایاں ہاتھ یا انگوٹھا، ۲ انگلیاں یا بائیں ہاتھ کا اکثر حصہ، یا دایاں پاؤں یا یہ اعضاء اپنے فطری و طبعی وظائف بوجہ شل ہونے یا جذام وغیرہ کے پہلے ہی پورے نہ کرتے ہو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تاہم (الف) میں مذکور حد کی صورت میں جج کے لئے یہ گنجائش ہے کہ وہ ملزم کے غیر موجب حد چوری کی صورت میں متعلقہ اداروں کو نئے سرے سے مقدمہ پیش کرنے کے آرڈر جاری کرے، (تاکہ جج کے لئے مزید غور وخوض کا موقع میسّر آسکے۔)

"(ب)"، "ج" اور "د" کی صورت میں قاضی دی گئی شہادتوں اور ثبوتوں کی بنیاد پر تعزیری سزا جاری کرسکتا ہے۔

یہ وہ تفاصیل ہیں جو چوری کی حد قائم کرنے کے لئے پاکستانی قانون میں مقرر کی گئی ہے، ہم یہی مناسب سمجھتے ہیں کہ سزا سے متعلق سوڈان کے قوانین میں بھی مناسب مقامات میں یہی مواد داخل کردیا جائے۔

۲۔ڈاکہ زنی کی سزا

سوڈانی سزاؤں کا قانون (صادر شدہ ۱۹۸۳ء) ڈاکہ زنی (الحرابہ) کی حد کے احکام کے بارے میں (نہب (چھینا جھپٹی) اور استزاز (جیب کتری) کے عنوان سے) ذکر کیا گیا ہے، اور یہ آرٹیکل ۳۳۲، ۳۳۳ اور ۳۳۴ ہے، اور ڈاکہ زنی کے بجائے چھینا جھپٹی کی اصطلاح کو اختیار کیا گیا ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ "حَرَابَۃٌ" ایک شرعی اور قرآنی اصطلاح ہے، جس کا ایک خاص مفہوم ہے، جو انگریزی قانون میں مستعمل اصطلاحات مثلاً چوری، چھینا جھپٹی، جیب کتری وغیرہ سے یقیناً مختلف ہے، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ "حَرَابَۃٌ" کو اس کی باقاعدہ تعریف اور متعلقہ احکام کے ساتھ مستقل حیثیت سے ذکر کیا جائے، جو اصطلاحی طور پر یقیناً چھینا جھپٹی اور جیب کتری کے تحت داخل نہیں ہے، اس طرح چھینا جھپٹی اور جیب کتری ایسے جرائم کے طور پر اپنی جگہ باقی رہیں گے جو موجبِ حد نہیں ہوتے، بلکہ اس کے مجرم کو ڈاکہ زنی کی شرائط نہ پائے جانے کی بناء پر تعزیری سزا دی جاتی ہے۔

پھر آرٹیکل ۳۳۲ ڈاکہ زنی کے لئے طاقت کے استعمال کو ایسی صورت میں بھی موجبِ حد قرار دیتا ہے، جبکہ چور اس مال کو چھیننے کی غرض سے ڈاکہ زنی کا ارتکاب کرے، جسے وہ عام حالت میں چپکے سے چوری کرتا، لیکن اگر فقہاء کے نزدیک دیکھا جائے تو آرٹیکل کی یہ تشریح ڈاکہ زنی کے زمرے میں نہیں آتی، چنانچہ علامہ خرشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لان اخذہ ثم علم بہ فقاتل لینجو بہ ثم نجا فانہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

سارق ان اطلع علیہ بعد الخروج من الحرز[۱۹۵]

(ڈاکہ زنی) یہ نہیں کہ اگر چور مال کو لے لے، پھر اسی اثناء میں اگلے کو اس کا پتہ چل جائے، تو اب چور اس سے (بچنے کے لئے) مزاحمت کرے، تاکہ اس سے چھٹکارا پائے، پھر وہ چھٹکارا بھی پالے (کامیاب ہوجائے) تو ایسا شخص چور ہے (ڈاکو نہیں)، جبکہ تحویل سے مال باہر نکل جانے کے بعد اس پر مطلع ہو۔

پس تجویز یہ ہے کہ "حرابۃ" (ڈاکہ زنی) کی تعریف (مالکیہ کے مذہب کے مطابق) اس طرح کی جائے:

یعتبر مرتکبا جریمة الحرابة کل من یستعمل القوة علی غیرہ بقصد اخذ مالہ المحرز، فیتحامل علیہ بذلک القصد، او بسبب لہ موتا، او اذی، او حجزا غیر مشروع او خوفا من موت عاجل، او اذی عاجل۔

ہر وہ شخص ڈاکہ زنی کے جرم کا مرتکب قرار پائے گا جو کسی کے مال کو اس کی حفاظت سے نکالنے کی غرض سے طاقت کا استعمال کرے، اور اس غرض سے اس پر حملہ آور ہو یا اس کی موت یا تکلیف یا غیر قانونی بندی بنانے یا ایسا خوف وہراس پھیلانے جس سے فوری موت یا فوری تکلیف واقع ہوجاتی ہو، کا سبب بنے۔

نیز ڈاکہ زنی کی سزا کے حوالے سے مقرر کردہ آرٹیکل ۳۳۴ ہے، لیکن اس کی رو سے قاضی کو ڈاکہ زنی کی سزاؤں کی تمام ہی صورتوں میں اختیار دیا گیا ہے، جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس میں تمام ہی مذاہب کے فقہاء کی رائے اس کے خلاف ہے، کیوں کہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ تو اس میں قاضی کے کسی قسم کے اختیار کے قائل ہی نہیں، بلکہ ان کے ہاں ڈاکہ زنی کی صورت حال کے اختلاف سے سزائیں بھی اسی طرح مختلف ہیں، تاہم مالکیہ کے مذہب میں قاضی کو اختیار حاصل ہے، لیکن وہ بھی اس حد تک کہ دوران مزاحمت ڈاکو مسروق منہ کو قتل کردے تو قاضی یا تو صرف ڈاکو کے قتل کے احکامات جاری کرے یا قتل اور پھانسی دونوں کے، گویا ان دو صورتوں میں اسے اختیار ہے۔[۱۹۶]

پس اگر اس باب میں مالکیہ کا مذہب ہی لے لیا جائے تو اس آرٹیکل میں اس طرح تصحیح کی جاسکتی ہے۔

---

۱۹۵ الخرشی علی مختصر الخلیل: ۱۰۵/۸

۱۹۶ التشریع الجنائی الاسلامی لعبد القادر عودہ: ۲/ ۶۴۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۔ جو شخص ڈاکہ زنی کا مرتکب ہوا سے مندرجہ ذیل طریقہ کار کے مطابق سزا سنائی جاسکتی ہے:

الف) اگر ڈاکہ زنی کے دوران ڈاکو سے کوئی قتل کا جرم سرزد نہیں ہوتا تو اسے ۱) پھانسی یا ۲) پھانسی مع سولی یا ۳) دایاں ہاتھ و بایاں پیر کاٹنا یا ۴) دوسرے شہر میں عمر قید۔

(ب) اگر وہ ڈاکہ زنی کے دوران کسی کو قتل بھی کر دے تو (۱) اسے پھانسی دی جائے یا (۲) پھانسی مع سولی دی جائے۔

۲۔ اگر کسی مزاحمت کار کو عمر قید کی سزا سنانے کے بعد جیل ہوگئی، پھر ایک سال گزرنے کے بعد قاضی کو اس سے اس طرح پکی و سچی توبہ کا علم ہو جائے جس سے اس کا اغلب گمان یہی ہو کہ اب وہ دوبارہ اس قسم کی حرکت نہیں کرے گا، تو ایسی صورت میں بھی قاضی کو اختیار ہے کہ وہ اس کی رہائی کے احکامات جاری کر دے۔

۳۔ اگر یہ جرم کسی خاتون سے سرزد ہو تو اسے سولی نہیں دی جائے گی اور نہ کسی دوسرے ملک میں قید کیا جائے گا۔[۱۹۷]

۳۔ زنا کی حد

سزاؤں کے قانون میں آرٹیکل ۳۱۶ زنا کی تعریف پر مشتمل ہے، اس میں زنا کی جو تعریف کی گئی ہے اس پر شرعی اعتبار سے کوئی گرفت یا اشکال کی بات نہیں، کیوں کہ یہ امام مالک رحمہ اللہ کی رائے پر مبنی ہے۔ البتہ تعریف میں دبر میں وطی کے حوالے سے ذکر کرنے کے بعد "دُوْنَ رِبَاطٍ شَرْعِيٍّ" (کوئی شرعی تعلق نہ ہو) کے کلمہ سے اشکال ہو سکتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ اعتراض درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ قید بیوی کے ساتھ ساتھ لواطت کے عمل کو پہلے ہی خارج کر دیتی ہے، جو کسی کے نزدیک بھی موجبِ حد نہیں۔

لیکن ہماری تجویز یہ ہے کہ "دُوْنَ رِبَاطٍ شَرْعِيٍّ" کا کلمہ اس عبارت سے بدل دیا جائے:

"دون نکاح شرعي أو شبهة" (نکاح شرعی یا شبہ میں جماع نہ ہوا ہو) تو بات بالکل درست ہو جائے گی۔

---

۱۹۷ الخرشی علی مختصر خلیل: ۱۰۵/۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

پھر آرٹیکل میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ اگر چار گواہ یا مجرم کا اقرار یا حمل ہو تو اس سے زنا ثابت ہو جائے گا۔

جہاں تک گواہوں کا تعلق ہے تو حد ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ مذکر، مسلمان اور عادل ہوں، جس میں چاروں ائمہ میں سے کسی کا اختلاف نہیں، یہ شرائط قانون کا حصہ ہے، لیکن جہاں تک حمل کی بات ہے تو اس میں مالکیہ کے مذہب کے مطابق قانون تشکیل دیا گیا ہے، لیکن ائمہ ثلاثہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ رحمہم اللہ کے نزدیک حمل، زنا ثابت کرنے کے اسباب میں شمار نہیں ہوتا، کیوں کہ ممکن ہے کہ حمل کی کوئی اور وجہ ہو مثلاً زبردستی کی گئی ہو وغیرہ، اور حدود میں اصل یہ ہے کہ ''الحدود تندرء بالشبھات'' (شبہات کی وجہ سے حدود کالعدم ہو جاتی ہیں۔) تاہم چونکہ ہر دو طرف دلیل شرعی موجود ہے اور مسئلہ بھی مجتہد فیہ ہے لہٰذا اس میں توسع ہے، البتہ ہماری تجویز یہی ہے کہ احتیاط کرتے ہوئے حدود کے باب میں جمہور کا قول اختیار کیا جائے۔ چنانچہ تصحیح کے بعد اب عبارت یوں ہوگی۔

یثبت الزنا بشھادۃ اربع شھود ذکور مسلمین عدول علی واقعۃ ادخال الذکر او الحشفۃ فی الفرج او الدبر، او باقرار صریح غیر مرجوع فیہ

اگر چار مذکر، مسلمان اور عادل مرد کسی کے آلہ تناسل یا حشفہ (اس کے اگلے حصے) کے عورت کے اگلے یا پچھلے حصے میں داخل کرنے کے واقعہ پر گواہی دے دیں، یا زانی از خود اقرار کرلے جس پر دوبارہ رجوع بھی نہ کرے تو اس سے زنا ثابت ہو جائے گا۔

پھر زنا کی سزا آرٹیکل ۳۱۸ میں اس طرح ذکر کی گئی ہے:

من یرتکب جریمۃ الزنا یعاقب بالاعدام
اذا کان محصنا وبالجلد مائۃ جلدۃ اذا کان بکرا

جو کوئی زنا کا ارتکاب کرے اور وہ مُحْصَن (شادی شدہ ہو اور بیوی کے ساتھ خلوتِ صحیحہ کر چکا ہو) ہو تو اسے پھانسی کی سزا دی جائے گی، اور اگر کنوارا ہو تو اسے سو کوڑے مارنے کی سزا ہوگی۔

مذکورہ عبارت میں مُحْصَن کی سزا صرف پھانسی ذکر کی گئی ہے، اور قانون دانوں کے عرف میں پھانسی سے مراد یہی ہوتا ہے کہ مجرم کو سولی پر لٹکایا جائے، لیکن زانی محصن کی سزا شریعتِ اسلامیہ میں ''رجم''

toobaa-elibrary.blogspot.com

(سنگساری) ہے، جسے قانون میں صراحت سے ذکر کرنا ضروری ہے۔

پاکستانی قانون کے آرٹیکل ٦ (الف) صادر شدہ ۱۹۷۹ء میں ذکر کردہ زنا کی سزا کی عبارت یہ ہے:

اگر زانی یا زانیہ محصن ہو یا محصنہ، اسے سرعام اس طرح سنگسار کر دیا جائے کہ وہ مر جائے۔

پھر اسی قانون میں آرٹیکل ۱۷ کی عبارت اس طرح ہے:

رجم کی سزا مندرجہ ذیل طریقہ کے مطابق دی جائے گی۔

اولاً سارے گواہ جو کوئی ان میں سے حاضر ہو، پتھر ماریں گے، اس کے بعد دیگر حاضرین پتھر ماریں گے، اور سنگساری کے دوران ہی مجرم کو گولیاں ماردی جائیں گی اور مجرم کے مرتے ہی گولیاں اور سنگساری روک دی جائے گی۔

تجویز یہ ہے کہ یہی تعبیر سوڈانی قانون میں بھی اختیار کی جائے۔

جیل اور جلاوطنی کی سزا

سوڈانی قوانین میں سے آرٹیکل ۳۱۷ (۲) یہ بتاتا ہے کہ کنوارے مرد کو سو کوڑوں کی سزا دینے کے بعد: ۱) جیل ہوگی، ۲) ایک سال تک جلاوطنی کی سزا ہوگی۔

اس قانون میں جمہور کا مذہب اختیار کرتے ہوئے کوڑوں پر جلاوطنی کا اضافہ کیا گیا ہے، جبکہ یہاں قانون ساز یہ بھی کرسکتا ہے کہ حنفیہ کا مذہب اختیار کرے، جن کے ہاں حد کے ساتھ جلاوطنی سزا کا حصہ نہیں ہے۔

لیکن اگر قانون ساز اس باب میں جمہور ہی کا مذہب اختیار کرے تو عبارت کو اور اچھے انداز میں اس طرح ڈھالا جاسکتا ہے:

کنوارے مرد کو کوڑوں کی سزا کے ساتھ اس کے شہر کے علاوہ کسی اور شہر میں جیل کی سزا ہوگی۔

اس طرح یہ وہم نہیں ہوگا کہ جیل کے علاوہ جلاوطنی بھی مستقل حیثیت سے قانون کا حصہ ہے۔

جنسی جرائم کے اڈوں کا حکم

اس عنوان کے تحت آرٹیکل ۳۱۸ (الف) میں یہ مذکور ہے کہ جو کوئی جنسی اڈے چلائے گا،

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسے سو کوڑے، جرمانہ اور جیل کی سزا ہوگی، اس عبارت کے آخر میں قانون یہ ذکر کیا گیا ہے کہ:

دوبارہ ارتکاب جرم کی صورت میں مجرم کو پھانسی اور سولی یا برعکس ہاتھ پیر (دایاں ہاتھ و بایاں پیر یا اسی طرح بایاں ہاتھ و دایاں پیر) کاٹ دیے جائیں گے۔

گویا دوسری دفعہ ارتکاب جرم کی صورت میں ڈاکہ زنی والا قانون جاری کر دیا گیا ہے، جبکہ برعکس اعضاء کاٹنا اور سولی شرعی حدود میں سے ہیں، جنہیں شارع نے ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کے جرائم کے لئے خاص کیا ہے۔ میرے علم میں فقہاء میں سے کوئی ایک فقیہ بھی ایسے نہیں ہیں جنہوں نے ڈاکو یا لوٹ مار کرنے والے مجرم کے علاوہ کسی اور کے لئے یہ حد لگانے کی اجازت دی ہو، لہٰذا حدود کے باب میں احتیاط لازم ہے، جیسا کہ معروف حدیث بھی وارد ہے:

من بلغ حدا فی غیر حد فھو من المعتدین [۱۹۸]

"جو شخص (شریعت کی مقرر کردہ حد کے علاوہ (کسی اور) حد تک پہنچا تو وہ حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہوگا۔

جنسی جرائم کے ادارے چلانے کے لئے شریعت نے یہ سزا مقرر نہیں کی لہٰذا اس طرح کے جرائم میں "تعزیر" کا راستہ اختیار کیا جائے گا، اور "تعزیر" کی صورت میں حدود کو بطور سزا مقرر کرنا مناسب نہیں ہے، لہٰذا گزارش یہ ہے کہ "سولی اور برعکس اعضاء کاٹنے" کی عبارت کو حذف کر دیا جائے البتہ پھانسی کی سزا چونکہ بہت سے فقہاء نے جائز قرار دی ہے، اس لئے اسے باقی رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

غیر مسلم کا دھوکا دے کر زنا کرنا

سوڈانی سزاؤں کا آرٹیکل ۴۲۵ یہ کہتا ہے کہ:

ا۔ وہ شخص جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہوئے دھوکہ دے کر کسی غیر شادی شدہ عورت سے شرعی طریقے سے شادی کرے، جس سے عورت یہ سمجھتی ہے کہ اس سے شرعی نکاح ہوا ہے اور اسی اعتقاد کی بنیاد پر اس سے معاشرت برتے اور اسے اپنے اوپر قدرت دے، تو ایسے شخص کو شرعی طور پر مقررہ زنا کی سزا سنائی جائے گی۔

---

۱۹۸ السنن الکبریٰ للبیہقی: ۳۲۷/۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۔ مجرم کے غیر مسلم ہونے کی صورت میں عدالت مجرم کے دین میں مقررہ سزا سنائے گی اور کوئی سزا نہ ہونے کی صورت میں مجرم کو کوڑے، جرمانہ اور جیل کی سزا سنائی جائے گی۔

اس موقع پر سزا میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق کیا گیا ہے، جبکہ دوسری طرف آرٹیکل ۳۱۷ میں زنا کی صورت میں ان کے درمیان فرق نہیں کیا گیا، اور شریعت کی مقرر کردہ سزا کے مطابق (قطع نظر اس کے کہ مجرم مسلم ہے یا غیر مسلم) محصن ہونے کی صورت میں زانی کی سزا رجم اور غیر محصن ہونے کی صورت میں کوڑوں کی سزا مقرر کی گئی ہے۔

اس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ اگر غیر مسلم بغیر دھوکہ دہی سے زنا کا مرتکب ہو تو اسے محصن ہونے کی صورت میں رجم اور غیر محصن ہونے کی صورت میں کوڑوں کی سزا ہو، اور اگر کسی عورت کو دھوکہ دے کر زنا کا مرتکب ہو تو ایسی صورت میں اسے حد نہ لگائی جائے، بلکہ اس کے اپنے دین کے مطابق مقررہ سزا سنائی جائے یا صرف تعزیر کی جائے، اس میں مسلم و غیر مسلم کی تفریق کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی۔

اس معاملے میں جس بات کی رعایت رکھی جانی چاہیے، اس میں اصل یہ ہے کہ مسلم ملک میں غیر مسلم اقلیتوں کو اپنی عبادات و رسومات بجالانے کا پورا حق ہے، اور ان کے ذاتی نوعیت کے معاملے مثلاً نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ میں بھی انہیں اپنے دین کی بجا آوری کا پورا حق ہے، تاہم اسلامی ریاست پر لازم ہے کہ ان کے ذاتی نوعیت کے معاملات میں قوانین کا اجراء کرے اور ان کے لئے ان کے دین کے مقررہ احکام کے مطابق عدالتی فیصلے کیے جائیں، لیکن جہاں تک ملک کے عمومی قوانین ہیں جن میں دیگر جرائم سمیت اسٹریٹ کرائم بھی شامل ہیں، جن کا ان کے ذاتی نوعیت کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے، تو ایسی صورت میں یہ ضروری ہے کہ قانون ایک ہی ہو جو ان کے ادیان و ملل کے اختلاف کے باوجود تمام شہریوں پر برابر جاری کیا جائے اور ان معاملات میں مجرم کے مذہب کے اختلاف سے سزاؤں پر کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے۔

۴۔ تہمت کی حد

آرٹیکل ۳۳۴ میں تہمت کی تعریف کا ذکر ہے، گو کہ اس تعریف کا مأخذ وہاں مذکور نہیں، مگر یہ مالکیہ کے مذہب پر مبنی ہے، اس کے علاوہ تعریف کے آخر میں اس شرط کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے، جو مقذوف پر لگائی گئی تہمت کو ثابت نہیں کرتی، لہٰذا اس آرٹیکل کے آخر میں آگے آنے والی شرط کا اضافہ کر دیا جائے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

موجب حد زنا کو ثابت کرنے کے ذرائع میں سے کسی ایک ذریعہ سے اپنی لگائی گئی تہمت کو ثابت کیے بغیر اس شخص کو زنا سے متہم کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے تہمت باندھے۔

سوڈانی سزاؤوں کے قانون میں آرٹیکل ۴۳۴ میں یہ ذکر ہے کہ:

جو کوئی تہمت باندھنے کے جرم کا مرتکب ہوگا، اسے اسی کوڑوں کی سزا سنائی جائے گی، جبکہ مقذوف اس کے حق میں مسلمان ہو، اور دیگر حالات میں کوڑوں اور جرمانے یا جیل کی سزا ہوگی۔

یہ آرٹیکل دو وجہ سے قابلِ غور ہے:

ا۔ یہ آرٹیکل مقذوف کے لیے مسلمان ہونے کے علاوہ کوئی شرط لاگو نہیں کرتا۔ اور نہ ہی اپنے علاوہ کے لئے حد قذف میں محصن ہونے کی شرائط کا کوئی لحاظ کرتا ہے، باوجودیکہ امتِ مسلمہ کے تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ حد محصن پر تہمت لگانے سے ہوتی ہے گو کہ ان میں احصان کی شرائط کا اختلاف اپنی جگہ پر ہے، لہٰذا ہماری تجویز یہ ہے کہ آرٹیکل میں ذکر کردہ "مسلمان" کی قید کو "محصن" کی قید سے بدل دیا جائے، پھر بھلے ہی آرٹیکل کی تشریح میں محصن کی شرح مالکیہ کے مذہب میں ذکر کردہ تعریف کے مطابق کردی جائے، جو یہ ہے کہ مقذوف مذکر، عاقل، بالغ، مسلمان اور اس وطی سے پاک دامن ہو جو حد ثابت کرتی ہے، اور مقذوفہ ایسی مسلمان، عاقلہ جو وطی کی قدرت دے، اور ایسی وطی سے پاک دامن ہو جو حد کو ثابت کرتی ہے۔[۱۹۹]

۲۔ اس آرٹیکل میں مسلمان کے قذف کی سزا اور غیر مسلم کے قذف کی سزا میں فرق کیا گیا ہے حالاں کہ جمیع فقہاء کے مذاہب کے مطابق یہ تفریق قذف کے احصان کی صورت میں اسلام کی شرط پر مبنی ہے، پس متفق علیہ اور درست بات یہ ہے کہ حد قذف مسلمان کے تہمت لگانے کی صورت میں ثابت ہوتی ہے، اور جہاں تک غیر مسلم کا زنا کی تہمت باندھنا ہے تو اس سے مراد تعزیر کو ثابت کرنا ہے، حد کو نہیں۔

لیکن بالعموم پورے خطہ اور بالخصوص جنوبی سوڈان کے مخصوص حالات کے پیشِ نظر یہ بھی ممکن ہے کہ اس معاملہ میں مسلم و غیر مسلم میں فرق نہ کیا جائے، خصوصاً اگر اس زاویے سے بھی غور کریں کہ سول

۱۹۹ یہ شروط امام حطاب کی کتاب مواھب الجلیل ۶/۲۹۶۔۳۰۰ سے لی گئی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور فوجداری قوانین میں مذاہب کے اختلاف کی بنیاد پر فرق کرنا ویسے بھی مناسب نہیں، کیوں کہ اگر آرٹیکل میں تفریق کا یہ دروازہ چوپٹ کھول دیا گیا تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ دیگر قوانین میں بھی غیر مسلموں کی طرف سے دباؤ کا سامنا ہوگا، جس سے ایک بڑا فتنہ کھڑا ہو سکتا ہے۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے سوڈانی حکومت کے لئے گنجائش ہے کہ وہ غیر مسلم قاذف (زنا کی تہمت باندھنے والے) پر بھی تعزیراً وہی سزا لاگو کرے جو ایک مسلمان قاذف کے لئے بطور حدِ قذف مقرر ہے، کیوں کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک جرم کی شدت وخفت کے لحاظ سے تعزیری سزا مطلقاً امام کی رائے پر موقوف ہے، لہٰذا اس کے لئے جائز ہے کہ وہ کوڑوں کی جتنی تعداد مقرر کرلے، چاہے حد کی مقررہ مقدار سے زیادہ ہی ہو۔[۲۰۰]

لہٰذا ہماری تجویز یہ ہے کہ آرٹیکل میں ان الفاظ سے ترمیم کرلی جائے:

۴۳۴:

۱۔ جو زنا کے جرم کا مرتکب ہوا سے حد کے طور پر اسّی (۸۰) کوڑوں کی سزا دی جائے جب کہ مقذوف محصن یا محصنہ ہو۔

تشریح

اس آرٹیکل کو بامقصد بنانے کے لئے محصن سے ایسا آدمی مراد لیا جائے جو عاقل، بالغ، مسلم اور موجب حد حرام وطی سے پاک دامن ہو اور محصنہ سے مراد ایسی عورت لی جائے جو عاقلہ، مسلمان، جماع پر قدرت دے سکنے والی اور موجبِ حد حرام وطی سے پاک دامن ہو۔

۲۔ اگر مقذوف غیر مسلم ہو اور فقرہ اولیٰ کی تشریح کے مطابق اس میں اسلام کے علاوہ احصان کی تمام شروط پائی جاتی ہوں اور وہ قذف کا مرتکب ہو تو اسے تعزیراً کوڑوں کی سزا سنادی جائے گی جن کی تعداد اسّی (۸۰) سے کم نہ ہو۔

---

[۲۰۰] شرح الدردیر مع الصاوی: ۴/۵۰۵، التاج والاکلیل للمواق: ۶/۳۱۹، یہ ابوثور کا مذہب ہے، جیسے کے فتح الباری: ۱۲/۱۷۸ پر روایت امام ابویوسف مذکور ہے، عمدۃ القاری: ۱۱/۱۷۸، حنفیہ میں سے امام طحاوی نے اسے اختیار کیا ہے، ملاحظہ ہو شرح معانی الآثار: ۲/۷۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

قذف (زنا کی تہمت) کا دعویٰ

پھر یہاں ایک اور پہلو سے بحث کرنا ضروری ہے، جن کی طرف سوڈانی سزاؤوں کے قانون میں تعرض نہیں کیا گیا اور وہ یہ ہے کہ حد قذف کے لئے شرط یہ ہے کہ مقذوف (جس پر زنا کی تہمت باندھی گئی ہے) از خود مقدمہ دائر کرے، اس کے کسی دوسرے کو شکایت کرنے کی صورت میں دوسرے کی طرف سے دائر کمپلینٹ کو بنیاد بنا کر اسے قذف کے دعوٰی کے قائم مقام بنانا جائز نہیں، اور اس طرح اگر گواہ اللہ تعالیٰ کو وکیل بنا کر اپنی گواہیاں پیش کردے تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی کیوں کہ ظاہر ہے کہ گواہی دعوٰی دائر ہونے سے پہلے قابلِ قبول نہیں ہو سکتی، کیوں کہ دعوٰی مقذوف کی کمپلینٹ کے بغیر دائر نہیں ہو سکتا، اور یہ معاملہ تمام فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے، جس میں کوئی اختلاف ہمارے علم میں نہیں۔[۱۰۱]

لہٰذا ہماری تجویز یہ ہے کہ آرٹیکل ۴۳۴ آنے والے جملہ سے تبدیل کردیا جائے۔

۳۔ اس آرٹیکل کے تحت کوئی سزا لاگو نہیں ہوگی الا یہ کہ جب مقذوف از خود مطالبہ کرے کہ قاذف کو سزا دی جائے۔

لعان

نیز قانون میں اس اہم مسئلہ سے متعلق کوئی وضاحت نہیں کہ شوہر اپنی بیوی پر تہمت لگائے، تو ایسی صورت میں لعان واجب ہوتا ہے، جیساکہ قرآن کریم میں سورۃ النور میں اس کی صراحت موجود ہے، اور تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے، لہٰذا ہماری تجویز یہ ہے کہ آرٹیکل ۴۳۴ میں اس جملہ کا اضافہ کردیا جائے:

۴۔ اگر شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت باندھے یا اس کے بچے کے نسب کی نفی کرے تو حد قذف کی سزا نہیں دی جائے گی، بلکہ اگر عورت مطالبہ کرے تو ایسی صورت میں لعان واجب ہوگا۔

۱۰۱؎ مواہب الجلیل للحطاب: ۳۰۵/۶، التشریع الجنائی الاسلامی لعبد القادر عودہ: ۴۸۰/۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵۔ قتل

آرٹیکل ۲۴۸ قتلِ عمد کی تعریف پر مشتمل ہے اور یہ تعریف دراصل انگریزوں کے وضع کردہ قانون سے ماخوذ ہے، جو اگرچہ شافعی و حنبلی مذاہب کی رو سے شریعتِ اسلامیہ کے منافی نہیں، تاہم ہمارے نزدیک اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ فقہاء کرام کی تعبیر کو اختیار کیا جائے، کیوں کہ وہ زیادہ دقیق اور مختصر ہے، جو یہ ہے:

القتل العمد احداث موت شخص بالقصد بما یؤدی الی الهلاك غالبا

جانتے بوجھتے قتل کرنا قصداً کسی شخص کے اس طرح مارنے کا اقدام ہے
جو غالب طور پر اس کی ہلاکت کی طرف لے جاتا ہو۔

قتل شبہ عمد

جہاں تک قتل شبہ عمد کا تعلق ہے تو سوڈانی سزاؤوں کے قوانین میں اس کی وہی تعریف ذکر کی گئی ہے جو انگریزی قوانین میں culpable homicide (مستوجبِ سزا قتلِ نفس) کے عنوان سے جانا جاتا ہے، اور یہ فاش غلطی ہے، جس کی شریعت اسلامیہ میں کوئی وجہ نہیں پائی جاتی۔

جبکہ اس غلطی کے سنگین نتائج میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی کی اشتعال انگیزی کے بسبب قتل کے ارتکاب کو ایک ایسا عذر شمار کر لیا گیا ہے، جو قتل کو عمد سے شبہ عمد کی طرف نکال دیتا ہے، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ محض اشتعال انگیزی شریعت مطہرہ میں کسی بھی قسم کے جرم کے لئے بطور سبب معتبر نہیں، نہ اس کا اثر مجرم سے سزا کو ختم کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اور نہ سزا میں تخفیف کی صورت میں، بلکہ اشتعال انگیزی کے بسبب قتل میں تخفیف (اسے عمد سے شبہ عمد کی طرف لے جانے) کا نظریہ انگریزی قوانین کا وضع کردہ ہے، جس کا شریعت اسلامیہ کے مصادر و مراجع میں کہیں بھی ذکر نہیں۔

ہماری رائے یہ ہے کہ اس آرٹیکل کو یکسر حذف کر دیا جائے، اور اس کے بجائے ایک نیا آرٹیکل لایا جائے، جس میں قتلِ شبہِ عمد کو اسی طرح متعارف کروا دیا جائے، جیسا کہ شریعت اسلامیہ نے اسے مقرر کیا ہے۔ اور وہ اس طرح ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

قتل شبہ عمد دشمنی کی غرض سے کسی شخص کو قتل کا اقدام ایسے فعل سے کرنے کا نام ہے جو اکثر حالات میں اس کی ہلاکت کی طرف نہ لے جاتا ہو۔

قتل کی سزائیں

آرٹیکل ۲۵۱ سے ۲۵۶ تک قتل کی مختلف اقسام کی سزاؤں کا صراحت سے ذکر ہے، جن میں شرعی نقطۂ نظر سے متعدد غلطیاں ہیں۔ جیسے آرٹیکل ۲۵۱ میں یہ تحریر کیا گیا ہے کہ:

جو کوئی جان بوجھ کر کسی کو قتل کرے تو اسے پھانسی کی سزا دی جائے گی یا اگر مقتول کے ولی کے نزدیک قابل قبول ہو تو دیت دی جائے گی۔

یہ آرٹیکل مندرجہ ذیل وجوہ سے قابلِ غور ہے:

۱۔ انگریزی قوانین کی اصطلاح میں پھانسی سے مراد سولی لیا جاتا ہے، لہٰذا بہر حال یہ ضروری ہے کہ پھانسی کو قصاص کے لفظ سے بدل دیا جائے۔ اور واضح رہے کہ حنفیہ کے نزدیک قصاص تلوار سے لیا جاتا ہے، جبکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قاتل کو اسی طریقے سے قصاصاً قتل کرنے کا حکم ہے جس طریقے سے اس نے قتل کا ارتکاب جرم کیا۔

۲۔ پھانسی کے کلمہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ دوسری سزاؤں کی طرح قصاص لینے کا استحقاق بھی حکومتِ وقت کو ہے، لیکن درست بات یہ ہے کہ مقتول کا ولی ہی قصاص لینے کا حقدار ہے۔ لہٰذا مقتول کے ولی کے دعویٰ دائر کئے بغیر قاتل پر سزا کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

۳۔ آرٹیکل میں دیت کو قصاص کی نعم البدل سزا کے طور پر ظاہر کیا گیا ہے۔ جس کے واجب ہونے کے لئے مقتول کے ولی کی رضامندی کی شرط لگائی گئی ہے، دراصل یہاں بدل صلح اور دیت کے مابین خلط ہو گیا ہے، جس میں بدلِ صلح کے احکام کو دیت پر منطبق کر دیا گیا ہے، اور بدلِ صلح کو سرے سے ذکر ہی نہیں کیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ بدلِ صلح وہ عوض ہے جس پر فریقین قصاص کے بدلہ اتفاق کرلیں، اور بدلِ صلح میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ یہ عوض دیت کے برابر بھی ہو، بلکہ دیت کی اپنی مقدار سے کم زیادہ ہوسکتا ہے، اور یہ بدلِ صلح بھی اس حیثیت سے واجب ہوتا ہے کہ مقتول کا ولی بہر حال شرعاً قصاص لینے

toobaa-elibrary.blogspot.com

کا حق دار رہتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ وہ بدلِ صلح لے کر اپنے اس شرعی حق سے دستبردار ہو جائے۔

جبکہ دیت، قتلِ عمد کی صورت میں اس وقت واجب ہوتی ہے جب کہ موانعِ شرعیہ میں سے کسی مانع کے پائے جانے کی وجہ سے قصاص لینا ممکن نہ ہو یا شرعی اسباب میں سے کسی سبب کے باعث وہ از خود ہی ساقط ہو جائے۔ مثلاً قاتل مقتول کا باپ ہو یا ولی مجہول ہو وغیرہ، پس ایسی صورت میں قصاص کی جگہ دیت واجب ہوتی ہے۔ اور دیت کو قصاص کا قائم مقام بنانے کے لئے مقتول کے ولی کی رضامندی شرعاً ضروری نہیں ہوتی (اور اس کو قصاص لینے کا کوئی حق نہیں رہتا بلکہ) یا تو دیت لے لے یا معاف کر دے۔

۴۔ مزید برآں اس آرٹیکل میں قصاص معاف کرنے سے متعلق بھی کوئی وضاحت نہیں، حالاں کہ ولی کے لئے شرعاً یہ جائز ہے کہ قاتل کو بلا کسی عوض کے ویسے ہی معاف کر دے، قصاص کا مطالبہ کرے، نہ ہی دیت کا اور نہ ہی کسی بدل صلح کا۔

۵۔ ولی کے قاتل کو مطلق معافی دے دینے کی صورت میں قاتل کسی قسم کی سزا کا مستحق نہیں ہو گا اور اسے رہائی دے دی جائے گی، لیکن اگر امام یہ محسوس کرے کہ اس طرح قاتلوں کی مطلق معافی سے فتنہ کو ہوا ملے گی اور جرائم پیشہ افراد و دہشت گردوں کو حوصلہ ہو گا اور ان کی ہمتیں مزید بڑھ جائیں گی تو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ ملکی و علاقائی حالات و واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے تعزیراً جو چاہے مناسب سزا دے دے، اس شرعی ضابطہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے سوڈانی قوانین میں اس بات کی گنجائش ہونی چاہیے کہ قاتل کے ولی کی طرف سے مطلق معافی کی صورت میں قاضی تعزیراً کوئی مناسب سزا تجویز کر دے۔

ٹارگٹ کلنگ کی سزا

آرٹیکل ۲۵۲ میں مختلف قتل کی اقسام میں سے ٹارگٹ کلنگ کے طور پر ہونے والے قتل عمد کو مستقل حیثیت سے بیان کیا گیا ہے، جس کی سزا پھانسی قرار دی گئی ہے، حالانکہ شریعت اسلامیہ میں (اصطلاحی طور پر) قتل، قتل میں کوئی فرق نہیں ہے جب تک کہ وہ عمداً ہو، لہٰذا اس اصول کی روشنی میں ٹارگٹ کلنگ کی صورت میں بھی قصاص یا بدلِ صلح یا دیت ہی کا حکم لگایا جائے گا، جیسا کہ تفصیل گذر چکی۔

ہاں! اگر ولی، مقتول کو قصاص سے معافی دے دے یا مال و متاع پر قاتل سے صلح کر لے، تو ایسی صورت میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

قاضی جہاں تک مناسب سمجھے، قاتل کو تعزیراً کوئی سزا دے سکتا ہے، اور صرف اسی خاص صورت میں قاضی کے لئے جائز ہے کہ ٹارگٹ کلنگ کا ارتکاب کرنے والے کو تعزیراً پھانسی کی سزا سنا دے، اور اس آرٹیکل میں (ٹارگٹ کلنگ کی صورت میں پھانسی کی سزا سے) اگر قانون ساز کی مراد ہی یہ ہے (کہ ولی کی معافی کی صورت میں قاضی تعزیراً پھانسی دے سکتا ہے) تو بہتر یہ ہے کہ آرٹیکل ۲۵۱ کے آخر میں جہاں قتل عمد کی تعزیری سزا کا بیان ہے، اسے ذکر کر دیا جائے۔

بلکہ تجویز یہ ہے کہ ۲۵۲ کو حذف کر دیا جائے اور اس کی جگہ ۲۵۱ کو اس طرح ذکر کر دیا جائے:

۲۵۱:

۱) جو شخص قتل عمد کا ارتکاب کرے تو ولی کے مطالبہ کی صورت میں اس سے قصاص لیا جائے گا۔

۲) اسی آرٹیکل کے پہلی شق میں ذکر کردہ تفصیل کی بنیاد پر جو قاتل قصاص کا مستحق ٹھہرے، تو ولی کے لئے جائز ہے کہ:

(الف) فریقین کی باہمی رضامندی سے مقرر کردہ مال پر قاتل سے صلح کرلے

یا

(ب) قاتل کو بلا معاوضہ معاف کر دے۔

مذکورہ ہر دو صورتوں میں قصاص سے مقتول کے ولی کا حق ساقط ہو جائے گا، لیکن قاضی کے لئے جائز ہے کہ وہ تعزیراً قاتل کو قید، یا کوڑے یا جرمانے کی سزا دے، اور ٹارگٹ کلنگ کی صورت میں قاضی کے لئے جائز ہے کہ وہ تعزیراً پھانسی کی سزا سنا دے۔

نیز جہاں تک قصاص کا اہم مسئلہ ہے تو اس کے تفصیلی احکام کتبِ فقہ میں موجود ہیں، مناسب یہ ہے کہ ان میں سے ضروری احکام متن کی حیثیت سے قانون کا حصہ بنایا جائے، بالخصوص قصاص کے موانع اور وہ امور جن کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے، نیز قصاص کی ولایت، صلح، اس کی معافی اور اس کے نفاذ کی کیفیت وغیرہ سے متعلق احکام، کیوں کہ فی زمانہ ججز کو انگریزی قوانین کی مشق ہوتی ہے، جن کے نظریات اس معاملے میں شرعی قوانین سے میل نہیں کھاتے۔

قتل شبہ عمد کی سزا

جو کوئی قتل شبہ عمد کا ارتکاب کرے، اس کو پھانسی کی سزا یا دیت لاگو ہوگی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ آرٹیکل شریعت اسلامیہ کی رو سے بوجوہ محلِ نظر ہے:

ا۔اس آرٹیکل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قتل شبہ عمد کی مقررہ ہر دو سزاؤوں میں سے ایک کا تعین کرنا قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے، چاہے تو دیت لاگو کردے، چاہے تو پھانسی کی سزا سنادے، یہ فاش غلطی ہے، کیوں کہ قاضی شبہ عمد کی صورت میں شرعاً دیت ساقط کرنے کا مجاز نہیں کہ اس کے بدلے پھانسی کی سزا سنادے۔

۲۔امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک شبہ عمد کی صورت میں دیت عاقلہ پر واجب ہے، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ چونکہ شبہ عمد کے قائل ہی نہیں ہے، لہٰذا اس کی سزا بھی ان کے نزدیک قتل عمد کی طرح قصاص ہی ہے، اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ مجرم کا بذات خود دیت برداشت کرنے کا ہر چہار ائمہ میں کوئی ایک بھی قائل نہیں، گو کہ علامہ ابن سیرین، زہری، حارث عکلی، ابن شبرمہ، قتادہ اور ابو ثور رحمہم اللہ جیسے اکابر مجتہدین اس کے بھی قائل ہیں (کہ دیت مجرم پر ہی ہوگی)، جسے علامہ ابن قدامہ نے اپنی کتاب المغنی ۹/۴۹۱ پر ذکر کیا ہے۔

ہماری رائے اس بارے میں یہ ہے کہ ایسے علاقے جہاں ایک منظم قبائلی نظام ہو اور لوگ باہمی ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوں تو ایسی صورت میں انہیں عاقلہ میں شمار کرلیا جائے، لیکن جہاں باہمی معاونت کا اس طرح سلسلہ نہ ہو، وہاں ساری دیت مجرم پر ہی لاگو ہو، ہمیں چوں کہ سوڈان کے حالات کا علم نہیں لہٰذا اگر وہاں اس طرح کا قبائلی نظام ہے جیسا ہم نے ابھی ذکر کیا تو ایسی صورت میں بہتر یہی ہے کہ جمہور کے قول کے مطابق عاقلہ پر ہی دیت ہو، وگرنہ مجرم پر ہو۔

۴۔ قتل عمد کی طرح شبہ عمد کی صورت میں بھی معافی کے احکام بدستور اسی طرح جاری ہوں گے جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا، کیوں کہ شریعت اسلامیہ میں ولی کے لئے جائز ہے کہ ساری دیت یا دیت کا کچھ حصہ معاف کردے، لیکن اس آرٹیکل میں معافی کے احکام سے علی الاطلاق کوئی بحث نہیں کی گئی۔

۵۔جب مقتول کا ولی دیت معاف کردے، تو شبہ عمد کی صورت میں بھی قاتل پر شریعت کی طرف سے مقررہ سزا معاف ہوجائے گی، البتہ جج کے لئے بدستور یہ جائز ہے کہ وہ حالات و واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی رائے سے تعزیراً کوئی سزا دے دے۔ لیکن اس صورت میں بھی صرف قید یا کوڑے ہی سزا دے سکتا ہے، تاہم بعض فقہاء کے بقول پھانسی کی سزا بھی دے سکتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مذکورہ وضاحت کے پیش نظر اس آرٹیکل میں اس طرح تصحیح کی جا سکتی ہے۔

۲۵۳:

۱۔ جو کوئی قتل شبہ عمد کا ارتکاب کرے تو ولی کے مطالبہ کی صورت میں اگر اس کے عاقلہ ہیں تو ان پر دیت ہوگی ورنہ خود اسی پر ہوگی۔

۲۔ یہ بھی جائز ہے کہ مقتول کا ولی دیت یا اس کا کچھ حصہ معاف کر دے۔

۳۔ دو نمبر جزء میں ذکر کردہ صورتحال میں جج کے لئے جائز ہے کہ وہ مجرم کے لئے تعزیراً گرفتاری یا کوڑوں کی سزا سنائے۔

بچے کا قتل

آرٹیکل ۲۵۴ میں ذکر ہے:

باجودیکہ ۲۵۲، ۲۵۱ اور ۲۵۳ کے تمام آرٹیکلز میں جو کچھ ذکر کیا گیا:

۱۔ اگر کوئی عورت وضع حمل کی وجہ سے عقلی یا نفسیاتی طور پر مغلوب ہو کر وضع حمل کے وقت یا بچہ ہونے سے آٹھ ایام کے دوران اپنے نومولود بچہ کے قتل کا سبب بنے تو اس کو پھانسی کی سزا نہیں دی جائے گی۔

۲۔ باپ اگر اپنے بچہ کو قتل کر دے تو اسے پھانسی نہیں دی جائے گی۔

۳۔ والدین میں سے ہر ایک کی جہت سے جو بھی اصول (دادا، دادی، نانا، نانی اور اس سے اوپر پردادا پردادی وغیرہ) ہیں، (سزا کے حکم میں) باپ ہی کے قائم مقام ہیں۔

۴۔ اس آرٹیکل کے دوسرے جزء سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قانون میں باپ کے اپنے بچے کے قتل کی صورت میں جمہور کا مذہب اختیار کیا گیا ہے، اور باپ سے قصاص لینے میں امام مالک رحمہ اللہ کا قول اختیار نہیں کیا گیا، کیوں کہ ان کے نزدیک باپ سے بھی قصاص ہے، ظاہر ہے کہ جمہور کا مذہب اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں، گو کہ یہاں مالکیہ کا قول اختیار کرنے کی بھی گنجائش ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہو جائے کہ یہ قتل شبہ عمد کی قبیل سے بایں طور نہیں تھا کہ باپ دراصل اسے

toobaa-elibrary.blogspot.com

تادیباً سزا دے رہا تھا یا قطعی طور پر یہی ثابت ہو جائے کہ اس کا ارادہ قتل ہی کا تھا، توباپ کو بیٹے کے بدلے قتل کیا جائے گا۔

لیکن عین اسی وقت یہ قانون باپ اور ماں کے درمیان فرق بھی کر رہا ہے، جب کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ علاقۂ جزئیت قصاص سے مانع ہے، جس (جزئیت) میں ظاہر ہے کہ والدین میں سے ہر ایک برابر ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں، اور ذکر کردہ آرٹیکل کے پہلے جز میں ایک مخصوص حالت میں صرف ماں کے حق میں ان فقہاء کی رائے لی گئی ہے، جس کی کوئی وجہ تخصیص ہم نہیں سمجھتے، لہٰذا ضروری ہے کہ قانون ساز مذکورہ ہر دو مذاہب میں سے جس ایک کو بھی اختیار کرے، باپ اور ماں ہر ایک کے حق میں تمام صورتوں میں بلا امتیاز اختیار کرے۔

پیٹ کے بچے پر جرم اور اس کی سزا

آرٹیکل ۲۶۲ اور ۲۶۷ پیٹ کے بچے کے جرم سے متعلق عورت کے حمل ساقط کرا دینے سے بحث کرتا ہے، اور اس کی پوری عبارت میں یہی ذکر ہے کہ مجرم پر دیت لاگو ہوگی، جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کی سزا مکمل دیت قرار دی گئی ہے، حالاں کہ پیٹ کے بچے میں کامل دیت شرعاً اس وقت واجب ہوتی ہے جب کہ بچہ ماں کی کوکھ سے جدا ہو جائے، اور پھر مجرم کے ہاتھوں اس کی موت ہو، اس کے علاوہ اس میں قتل کے جرم کی جتنی بھی صورتیں ہیں ان سب میں "غُرّہ" واجب ہوتا ہے، جو پانچ اونٹ یا مکمل دیت کے دسویں حصے کا نصف ہی بنتا ہے، واجب ہوگا، پس ضروری ہے کہ اس کے مطابق آرٹیکل کی تصحیح کر دی جائے۔

تعزیری (صوابدیدی) سزائیں

سوڈانی قوانین کے تمام آرٹیکلس اور عبارتیں حدود، قصاص اور دیت ہی سے متعلق ہیں، اور اس میں ان قوانین سے کوئی بحث نہیں کی گئی جن میں شرعاً کوئی سزا متعین طور پر مقرر نہیں، بلکہ شریعت اسلامیہ میں یہ سزائیں امام کی صوابدید پر ہیں، جس کی رو سے ہر مجرم کی مجموعی حالت کے پیش نظر قاضی کوئی بھی تعزیری سزا سناتا ہے، گذشتہ ایک طویل زمانے سے اسی پر عمل چلا آ رہا ہے، لیکن اگر اس زمانے میں اس اختیار کا دروازہ چوپٹ کھول دیا جائے تو تغیر دوراں کے باعث ایک بڑے فتنہ کا پیش خیمہ بن سکتا ہے، لہٰذا فقہ اسلامی کے نقطہ نظر سے فی زمانہ رائے یہی ہے کہ یہ اختیار صرف قانون ساز ہی کو حاصل ہو، جو جرائم کی ہر ہر نوع کے مدنظر تعزیری سزاؤں کو پہلے ہی وضع کر دے، جس کے مطابق قاضی فیصلہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

صادر کرے، اور اس کا اختیار افراط و تفریط سے بالاتر ہو کر معتدل رہے۔

اسی اصل کو مدنظر رکھتے ہوئے تعزیرات کے باب میں ہماری یہ گذارشات ملحوظ رکھی جائیں:

۱۔ قاضی پر یہ لازمی ہو کہ بیک وقت جیل، جرمانہ اور کوڑوں کی سزا سنائے، کسی طور مناسب نہیں، جیسا کہ سزاؤں سے متعلق قوانین کی بعض عبارتوں سے معلوم ہو رہا ہے، بلکہ مناسب یہ کہ اسے مکمل قاضی ہی کے سپرد کر دیا جائے، جسے اس کا بہر حال اختیار ہو کہ چاہے تو ایک ہی سزا واقع کرے، مجملہ ان میں سے دو یا سب ہی کو واقع کرے۔

۲۔ یہ بھی جائز نہیں کہ حدود والی سزائیں تعزیرات سے متعلق جرائم کی صورتوں پر بھی لاگو کر دی جائیں، جیسے آرٹیکل ۴۵۷ میں ہر قسم کے جرائم پیشہ گروہ پر حرابۃ (ڈاکہ زنی) اور قطع طریق والی سزا لاگو کر دی گئی ہے، اگرچہ اس حرابہ کی تعریف صادق ہی نہ آتی ہو، پس غیر حدود والے جرائم میں حدود والی سزاؤں کا اجراء جائز نہیں، لہٰذا مناسب یہی ہے کہ ان سزاؤں کو دیگر تعزیری سزاؤں سے بدل دیا جائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

محمد تقی عثمانی

جسٹس وفاقی شرعی عدلیہ پاکستان

toobaa-elibrary.blogspot.com

مفتیان کرام کے لئے

مجوّزہ عہد نامہ

رابطۃ العالم الاسلامی کے ذیلی ادارے مجمع الفقہ الاسلامی کی سیکریٹریٹ کی طرف سے مجھ سے مطالبہ کیا گیا کہ میں عہد نامہ کا ایک مسودہ تیار کروں، جس میں وہ تمام اصول وضوابط، شرائط اور آداب ذکر کروں، جن کی رعایت کرنا فتویٰ صادر کرتے وقت مفتیان کرام کے لئے ضروری ہے، یہ مسودہ ایک کانفرنس کے لئے تیار کیا گیا تھا جسے رابطۃ العالم الاسلامی نے مکہ مکرمہ میں بتاریخ ۲۳ تا ۲۸ رجب ۱۴۲۹ھ بمطابق ۲۶ تا ۳۱ جولائی ۲۰۰۸ء کو منعقد کیا، تاکہ یہ صیاغۃ المؤتمر کمیٹی کے سامنے پیش ہو، اور وہ کانفرنس کے روبرو ایک عہد نامہ تجویز کرسکے، صیاغۃ المؤتمر نے اس کے مجمع الفقہی کے مختلف اراکین کی طرف سے تحریر کردہ مقالہ جات کا بغور جائزہ لینے کے بعد اس مقالہ کو نہ صرف یہ کہ کانفرنس کے اختتامی مقالہ کی حیثیت سے منظوری دی بلکہ میری طرف سے پیش کردہ عہد نامہ کے تجویز کردہ طریقہ کار کو سراہا، میں پُر امید ہوں کہ یہ مقالہ تشنگانِ علم کے لئے فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔

محمد تقی عثمانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

مفتیان کرام کے لئے مجوّزہ عہد نامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ أَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ، امابعد!

عالمی رابطۃ العالم الاسلامی کی ایماء پر اس کے ذیلی ادارے مجمع الفقہ الاسلامی کی طرف سے منعقد کردہ اس کانفرنس میں ہم شریک ہیں، جو فتویٰ کے اصول وضوابط وضع کرنے کی غرض سے ۲۴ تا ۲۸ رجب ۱۴۲۹ھ بمطابق ۲۶ تا ۳۱ جولائی ۲۰۰۸ء کو مکۃ المکرمۃ میں انعقاد پذیر ہے، اس موضوع پر پیش کیے جانے والے تمام مقالہ جات کے بغور جائزہ لینے اور مکمل بحث ومباحثہ کے بعد، ان مفتیان کرام کے لیے جو مختلف اسلامی ممالک میں فتاویٰ صادر فرماتے ہیں، ایک میثاق ہونے کی حیثیت سے مجمع الفقہ الاسلامی مندرجہ ذیل نکات کے بالتاکید بیان کرنے پر زور دیتی ہے۔

(۱) اس منصب سے وابستہ حضرات کو ہر لحظہ یہ استحضار رکھنا ضروری ہے کہ "فتویٰ نویسی" کا منصب انتہائی حساس نوعیت کا ہے، یہ محض ذاتی رائے کے اظہار، خالص عقل کی بنیاد پر حکم لگانے، یا نفسانی خواہشات وجذبات پر عمل درآمد کا نام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ اپنے بندوں کی اجتماعی وانفرادی زندگی کے لیے ان شرائع واحکام سے متعلق رہنمائی کا نام ہے، جو ان کی دنیاوی واخروی دائمی سعادت کے ضامن ہیں، اس منصب کی حساسیت اور مہابت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ درحقیقت اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ کی نیابت میں اسلامی احکام سے آگہی دینا اور آسمان وزمین اور تمام جہانوں کے خالق ومالک کی طرف سے "دستخط ثبت کرنا" ہے، جیسے کہ امام ابن القیم الجوزیہؒ نے فتویٰ نویسی کے منصب کو اسی سے تعبیر کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

وَإِذَا كَانَ مَنْصِبُ التَّوْقِيعِ عَنِ الْمُلُوكِ بِالْمَحَلِّ الَّذِي لَا يُنْكَرُ فَضْلُهُ وَلَا يُجْهَلُ قَدْرُهُ وَهُوَ مِنْ أَعْلَى الْمَرَاتِبِ السَّنِيَّاتِ فَكَيْفَ بِمَنْصِبِ التَّوْقِيعِ عَنْ رَبِّ الْأَرْضِ

toobaa-elibrary.blogspot.com

وَالسَّمَوَاتِ؟ فَحَقِيقٌ بِمَنْ أُقِيمَ فِي هٰذَا الْمَنْصِبِ أَنْ يُعِدَّ لَهُ عُدَّتَهُ وَأَنْ يَتَأَهَّبَ لَهُ أُهْبَتَهُ وَأَنْ يَعْلَمَ قَدْرَ الْمَقَامِ الَّذِي أُقِيمَ فِيهِ وَلَا يَكُونُ فِي صَدْرِهِ حَرَجٌ مِنْ قَوْلِ الْحَقِّ وَالصَّدْعِ بِهِ فَإِنَّ اللّٰهَ نَاصِرُهُ وَهَادِيهِ وَكَيْفَ هُوَ الْمَنْصِبُ الَّذِي تَوَلَّاهُ بِنَفْسِهِ رَبُّ الْأَرْبَابِ فَقَالَ تَعَالَى وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ (النساء: ۱۲۷) وَكَفَى بِمَا تَوَلَّاهُ اللّٰهُ تَعَالَى بِنَفْسِهِ شَرَفًا وَجَلَالَةً إِذْ يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ (النساء: ۱۷۶) وَلْيَعْلَمِ الْمُفْتِي عَمَّنْ يَنُوبُ فِي فَتْوَاهُ، وَلْيُوقِنْ أَنَّهُ مَسْئُولٌ غَدًا وَمَوْقُوفٌ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ [۲۰۲]

اگر بادشاہوں کی نیابت میں دستخط کرنے کا منصب اس قدر بلند درجہ کا حامل ہے جس کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے اور اس کی قدر و منزلت کسی سے مخفی نہیں ہے، جب یہ منصب اس قدر بلند مرتبہ اور عظیم القدر ہے تو ربُّ السموٰات والارض کی طرف سے "دستخط" کا منصب کیوں کر بلند نہ ہو گا؟ لہٰذا ہر اس شخص کے لیے جو اس منصب پر فائز ہے، ضروری ہے کہ وہ ابھرتی ہوئی استعداد کا حامل اور قابل قدر صلاحیت رکھتا ہو اور جس مسند پر وہ براجمان ہے اس کی قدر و منزلت سے واقف ہو، برملا حق و سچ بات کہنے میں اس کے دل میں کسی بھی قسم کی رعایت یا خوف نہ ہو کیوں کہ بلاشبہ اللہ اس کا معین و مددگار اور ہادی و رہبر ہے، اور کیسے نہ ہو گا؟ جبکہ رب الارباب نے بنفس نفیس یہ مقدس منصب اس کے سپرد کیا ہے، بقول اللہ عزوجل شانہ کے:

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ [۲۰۳]

اور (اے پیغمبر) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں شریعت کا حکم پوچھتے ہیں۔ (۷۴) کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں حکم بتاتا ہے، اور اس کتاب (یعنی قرآن) کی جو آیتیں جو تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ [۲۰۴]

اور اس منصب کی جلالت قدر اور شرف و منزلت کے لیے یہی کافی ہے کہ اسے خود اللہ تعالیٰ نے سپرد فرمایا

۲۰۲؎ اعلاء الموقعین عن رب العالمین: ۱/۱۱

۲۰۳؎ النساء: ۱۲۷

۲۰۴؎ آسان ترجمہ قرآن: ۱/۳۱۹، النساء (۱۲۷) مکتبہ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے، جیسا کہ وہ خود اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ[۲۰۵]

(اے پیغمبر) لوگ تم سے (کلالہ کا حکم) پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں حکم بتاتا ہے۔[۲۰۶]

چنانچہ مفتی کو اس ذات کا استحضار رکھنا چاہیے کہ جس ذات نے اسے شرعی احکام بتانے کا نائب بنایا ہے اور اس بات کا یقین کامل رکھے کہ کل قیامت کے دن اس سے سوال ہوگا اور اسے اللہ کے حضور کھڑا ہونا ہے۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی یہ حدیث اس منصب کی حساسیت ونزاکت کو بیان کرنے کے لیے کافی ہے، جس میں آپ نے فرمایا "أَجْرَؤُكُمْ عَلَى الْفُتْيَا أَجْرَؤُكُمْ عَلَى النَّارِ (جو شخص فتویٰ دینے پر جتنا جری و جلد باز ہوگا، وہ جہنم کی طرف اتنا ہی جرأت کرنے والا ہوگا) یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین واکابرین فتویٰ دینے کے معاملے میں انتہائی حساس اور ہیبت زدہ رہتے تھے اور بیشتر مواقع پر سائل کو کسی اور مفتی کی طرف رجوع کے لیے کہہ دیتے تھے تاکہ وہ اس منصب سے عہد برآں رہیں۔ عبد الرحمن ابن ابی لیلیٰ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سو بیس انصاری صحابہ کی زیارت کی ہے، انہیں دیکھا کہ ان میں سے کسی ایک سے مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ دوسرے کے پاس بھیجتا اور دوسرے سے پوچھا جاتا تو وہ تیسرے کے پاس بھیجتا، اس طرح سائل کئی اصحاب کے پاس چکر کاٹتے ہوئے دوبارہ پہلے صحابی کے پاس آپہنچتا۔

(۳) فتویٰ صحیح علم کی بنیاد پر دینا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّأَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ[۲۰۷]

کہہ دو کہ: میرے پروردگار نے تو بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی۔ نیز ہر قسم کے گناہ کو اور ناحق کسی سے زیادتی کرنے کو، اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی

۲۰۵؎ النساء:۱۷۶

۲۰۶؎ آسان ترجمہ قرآن:۱/۳۱۷، النساء(۱۷۶) مکتبہ معارف القرآن

۲۰۷؎ الاعراف:۳۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

چیز کو شریک مانو جس کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے، نیز اس بات کو کہ تم اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاؤ جن کی حقیقت کا تمہیں ذرا بھی علم نہیں ہے۔ [۲۰۸]

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ کا علم نہ ہونے کے باوجود فتویٰ دینے والے پر یہ وعید ارشاد فرمائی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا [۲۰۹]

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس طرح علم نہیں اٹھائے گا کہ اپنے بندوں سے اسے اٹھالے، بلکہ علم اٹھانے کی صورت یہ ہوگی کہ علماء ہی کو اٹھالے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا بڑا بنالیں گے جن سے مسئلہ دریافت کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دے دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اور ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَفْتٰى بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ اِثْمُهُ عَلٰى مَنْ اَفْتَاهُ [۲۱۰]

جو شخص بغیر علم کے فتویٰ صادر کرے گا، اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہی ہوگا۔

لہٰذا وہ صحیح علم جو فتویٰ نویسی کے لئے مطلوب ہے، دو قسم پر ہے:

۱) وہ علم جو شریعت مطہرہ کے مصادر و مراجع کی بنیاد پر تواتر سے چلا آرہا ہے۔

۲) جس واقعہ وحادثہ کے بارے میں پوچھا جائے، اس کے متعلقات کا ضروری علم۔

پس شرعی مسئلہ سے متعلق صرف وہی متبحر مفتی فتویٰ دے سکتا ہے جس نے ذی علم وذی استعداد،

---

۲۰۸ آسان ترجمہ قرآن: ۱/۴۵۲، الاعراف (۳۳)، مکتبہ معارف القرآن

۲۰۹ صحیح البخاری: (۱۰۰)، کتاب العلم، قدیمی کتب خانہ

۲۱۰ سنن ابی داود: سنن ابن ماجۃ: (۵۳) المستدرک للحاکم: ۱/۱۸۴، حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے، جبکہ علامہ ذہبی نے سکوت کیا ہے، اس میں ایک راوی عثمان بن یسار الطنبذی بھی ہیں، جن کے بارے میں دارقطنی نے کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ "مجہول متروک" کہ یہ راوی مجہول اور متروک ہے، لیکن ابن حبان نے انہیں قابل اعتماد راوی قرار دیا ہے، جیسے کے علامہ مزی کی تھذیب الکمال: ۲۲/۱۷۰ میں ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

متقی پرہیزگار اساتذہ کرام کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کر کے کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع اور قیاس کو بنیاد بناتے ہوئے سلف صالحین کے طرز پر تفقہ فی الدین کا وافر حصہ پایا ہو، جیسے کہ اس شخص کے لئے فتویٰ دینا جائز نہیں جو سائل کو پیش آمدہ واقعہ اور حادثہ سے متعلق ضروری علم سے ناواقف ہو یا حکم شرعی اس نامعلوم علم یا فن کے جاننے پر موقوف ہو، یہی وجہ ہے کہ مفتیان کرام کو ان علوم سے اس طرح کافی حد تک مناسبت و معرفت ضروری ہے جو حکم پیش آمدہ واقعہ و حادثہ کا ایسا واضح تصور اجاگر کرے جس میں ادنیٰ خفاء نہ ہو اور جس سے شرعی حکم بیان کیا جاسکے، چاہے وہ میڈیکل ہو، کیمیا ہو، فلکیات ہو، معاشیات ہو یا دیگر عصری علوم ہوں۔

۳) فتویٰ کی بنیاد قرآن کریم، سنت رسول، اجماع اور مقررہ شرائط پر پورا اترنے والے قیاس اور سلف صالحین کے مذاہب میں سے کسی مذہب پر ہو۔ اور یہی وہ اصول ہیں جن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے اس وقت عہد لیا، جب انہیں یمن کا گورنر بنا کر بھیجا، اور ان سے یہ سوال کیا کہ "كَيْفَ تَقْضِيْ إِذَا عُرِضَ لَكَ قَضَاءٌ" جب تیرے سامنے فیصلہ کا مرحلہ آئے تو تو کیسے فیصلہ کرے گا؟ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "أَقْضِيْ بِكِتَابِ اللّٰهِ" کہ میں کتاب اللہ کی مدد سے فیصلہ صادر کروں گا، تو آپ نے فرمایا "فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ؟" اگر تجھے کتاب اللہ میں وہ نہ ملے تو؟ انہوں نے کہا "فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے! تو آپ نے فرمایا اگر تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں بھی نہ ملے تو؟ انہوں نے عرض کیا "أَجْتَهِدُ بِرَأْيِيْ وَلَا آلُوْ" اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوئی بھی کوتاہی نہیں کروں گا۔ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا يَرْضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ"[۱۱۲] تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے اس کے رسول کے رسول (قاصد) کو ایک ایسے عمل کی توفیق بخشی جس سے اللہ کے رسول کو برابر خوشی ملتی رہے گی۔

نیز دارمی نے شریح سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ پیغام بھیجا کہ:

---

۱۱۲ یہ حدیث امام ابوداؤد نے کتاب القضاء (۳۵۹۲) پر، جبکہ امام ترمذی، دارمی اور امام احمد رحمہم اللہ نے اپنی مسانید ذکر کی ہیں، بعض محدثین نے حارث بن عمرو اور ان کے اساتذہ کے مجہول ہونے کے باعث اسے ضعیف کہا ہے، لیکن ہر دور میں علماء کرام کے حلقے میں اسے تلقی بالقبول حاصل رہی، مزید تفصیل کے لئے علامہ ابن القیم الجوزی رحمہ اللہ کی اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۱۸۳ دیکھیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

عَنْ شُرَيحٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَتَبَ إِلَيهِ: إِنْ جَاءَكَ شَيْءٌ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَاقْضِ بِهِ وَلَا تَلْفِتْكَ عَنْهُ الرِّجَالُ فَإِنْ جَاءَكَ مَا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَانْظُرْ سُنَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فَاقْضِ بِهَا فَإِنْ جَاءَكَ مَا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ وَلَمْ يَكُنْ فِيهِ سُنَّةٌ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فَانْظُرْ مَا اجْتَمَعَ عَلَيهِ النَّاسُ فَخُذْ بِهِ فَإِنْ جَاءَكَ مَا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ وَلَمْ يَكُنْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَتَكَلَّمْ فِيهِ أَحَدٌ قَبْلَكَ فَاخْتَرْ أَيَّ الْأَمْرَينِ شِئْتَ إِنْ شِئْتَ أَنْ تَجْتَهِدَ بِرَأْيِكَ ثُمَّ تَقَدَّمْ فَتَقَدَّمْ وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَتَأَخَّرَ فَتَأَخَّرْ وَلَا أَرَى التَّأَخُّرَ إِلَّا خَيرًا لَكَ[۲۱۲]

اگر تجھے مسئلہ کا حل کتاب اللہ میں مل جائے تو اس سے فیصلہ کر، لوگ تجھے اس سے بالکل ہٹا ہوا نہ پائیں اور اگر کتاب اللہ میں تجھے نہ ملے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں بھی نہ ہو تو اس پر عام مسلمانوں کا اجماع دیکھ لو اور اس کو لے لو اور اگر کتاب اللہ میں ملے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ہو اور نہ ہی اس مسئلہ کے بارے میں تم سے پہلے کسی نے کوئی کلام کیا ہو تو اب دو باتوں میں سے جسے چاہے اختیار کرلے، اگر تو یہ چاہے کہ اپنی رائے سے اجتہاد کرلے تو کر گذر، اور اگر یہ چاہے کہ توقف کرلے (اجتہاد نہ کرے) تو رک جا، اور میں (اجتہاد سے) رک جانے ہی کو تیرے حق میں بہتر سمجھتا ہوں۔

۴) شرعی احکام کے استنباط کے وقت اس بات کا ہر آن استحضار رکھنا کہ اس سے مقصود وصول الی الحق اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے، ذاتی رجحانات اور خواہشات کی پیروی مقصود نہ ہو، من جملہ ان خواہشات میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں کی امنگوں کے مطابق فتویٰ صادر کر کے ان سے بالواسطہ یا بلاواسطہ مالی فائدہ اٹھانا یا ان سے داد و تحسین وصول کرنا وغیرہ، لہٰذا فتویٰ نویسی کے لیے یہ ضروری ہے کہ جب کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اولاً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع، استعانت اور ہدایت کا خواستگار رہے اور پھر فتویٰ وہی دے جو شرعی نص کے عین مطابق ہو، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَ

---

۲۱۲ سنن الدارمی: ۱/۵۵ (۱۶۹) مقدمہ، باب الفتیا وما فیہ من الشدۃ

toobaa-elibrary.blogspot.com

يَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ [۲۱۳]

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے ساتھ تقویٰ کی روش اختیار کرو گے تو وہ تمہیں (حق و باطل کی) تمیز عطا کر دے گا (۱۷) اور تمھاری برائیوں کا کفارہ کر دے گا، اور تمہیں مغفرت سے نوازے گا، اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے۔[۲۱۴]

۵) اس بات کا پختہ اعتماد اور یقین رکھنا کہ وہ شرعی احکام جو نصوص قطعیہ پر مبنی اور "دلالت" اور "ثبوت" کے درمیان دائر ہیں، یہ وہ احکام ہیں جنہیں نصوص شرعیہ نے کسی زمانے اور جگہ کے ساتھ مخصوص و مقید نہیں رکھا بلکہ وہ سدا بہار، دائمی و ابدی احکام ہیں، کسی حال میں بھی تبدیل نہیں ہو سکتے اور جن سے جان چھڑانے کے لیے کسی بھی قسم کی حیلہ بازی، خالص تحریف فی الدین، شرعی ذمہ داریوں کا طوق اتار پھینکنے، دین اسلام کی حدود کو پامال کرنے اور فسق و فجور، ضلالت و گمراہی کا دروازہ چوپٹ کھولنے کے مترادف ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا [۲۱۵]

اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کر دیں تو نہ کسی مومن مرد کے لیے یہ گنجائش ہے نہ کسی مومن عورت کے لیے کہ ان کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے۔ (۳۱) اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔[۲۱۶]

۶) لوگوں کے عُرف اور ان کے احوال کو جاننا واجب ہے جو درحقیقت بعض احکام شرعیہ کے لیے علت کے درجے میں ہیں۔ چنانچہ بہت سے ایسے احکام ہوتے ہیں جو عرف اور لوگوں کے احوال کے اختلاف سے تبدیل ہو جاتے ہیں اور جن احکام کی بنیاد عرف پر ہے، ان پر عرف کی بنیاد پر حکم لگانا کوئی معاذ اللہ شرعی حکم میں تغیر پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ یہ بھی شریعت ہی کی پیروی ہے جس نے از خود ان احکام کو عرف کے ساتھ جوڑا ہے، یہی وجہ ہے کہ عمومی حالت میں ہر زمان و مکان کے

---

۲۱۳ الانفال: ۲۹

۲۱۴ آسان ترجمہ قرآن: ۱/۵۳۱، الانفال (۲۹) مکتبہ معارف القرآن

۲۱۵ الاحزاب: ۳۶

۲۱۶ آسان ترجمہ قرآن: ۳/۱۲۹۶، الاحزاب (۳۶) مکتبہ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

لئے یہ بات متعین ہے کہ ثبوت واقعی کے ساتھ قطعی الدلالۃ نصوص صریحہ کے مدمقابل عرف کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

۷) اس بات کا یقین کامل رکھنا کہ قرآن وسنت پر مبنی شریعت اسلامیہ ہی دین محکم ہے جو انسانیت کی دنیاوی واخروی فلاح وبہبود کا ضامن ہے اور ان کی مصلحت وخیر خواہی کے اسرار اسی کے دامن سے وابستہ ہے، جس کی رو سے کسی بھی ایسی نام نہاد مصلحت کی بنیاد پر فتویٰ دینے کا قطعی جواز نہیں جو صریح وقطعی نصوص کے خلاف ہو، قطعی وصریح نصوص کو پس پشت ڈال کر اور ایک بشر کے مقرر کردہ مصالح کو بنیاد بنا کر فتویٰ دینا درحقیقت اس کج رو خواہشات اور ذاتی رجحانات کا اتباع ہے، جن سے بچانے کے لیے انبیاء ورسل مبعوث ہوئے اور یہی وہ خواہشات ورجحانات ہے، جن کے تقاضوں سے اللہ کے بندوں کو فریب زدہ ہونے سے بچانے کے لیے شریعت مطہرہ نازل ہوئی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے:

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ [۲۱۷]

پھر (اے پیغمبر) ہم نے تمہیں دین کی ایک خاص شریعت پر رکھا ہے، لہٰذا تم اسی کی پیروی کرو، اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلنا جو حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔[۲۱۸]

ہاں! ان امور میں حکمت ومصلحت کا بالکل اعتبار ہے، جن کے بارے میں شرعی مصادر ومراجع کسی بھی حکم سے خاموش ہے، اور انہوں نے از خود اس طرح کے معاملات علماء اور متقی ودین دار حکام کے سپرد کیے ہیں، لہٰذا اس طرح کے امور میں ایک مفتی پر واجب ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں جو کوئی معتبر حِکَم ومصالح کی رعایت رکھی جاسکتی ہے رکھے، تاکہ عوام کو سہولت ہو۔

۸) اس عقیدہ پر کامل ایمان کہ اسلام ایک انتہائی معتدل دین ہے، جس کے دائیں طرف کوئی ادنیٰ جھکاؤ ہے نہ بائیں طرف کوئی میلان، بلکہ یہ افراط وتفریط سے مبرا منزہ ایک پاکیزہ دین ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

۲۱۷ الجاثیۃ:۱۸

۲۱۸ آسان ترجمہ قرآن: ۱۵۲۲/۳، الجاثیہ (۱۸) مکتبہ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ [۲۱۹]

اور (مسلمانو) اسی طرح تو ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو، اور رسول تم پر گواہ بنے۔ [۲۲۰]

جس کے غایت درجہ اعتدال کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ وہ مشقت اور سہولت و آسانی کے بین بین احکام کو بخوبی جمع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ [۲۲۱]

اللہ کسی بھی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں سونپتا، اس کو فائدہ بھی اسی کام سے ہوگا جو وہ اپنے ارادے سے کرے، اور نقصان بھی اسی کام سے ہوگا جو اپنے ارادے سے کرے۔ (مسلمانو: اللہ سے یہ دعا کیا کرو کہ) اے ہمارے پروردگار اگر ہم سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو ہماری گرفت نہ فرمایئے۔ اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ ڈالیے جیسا آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیے جسے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ [۲۲۲]

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ (۱۵۶) اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰۗىِٕثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ

۲۱۹ البقرہ: ۱۴۳

۲۲۰ آسان ترجمہ قرآن: ۱/۱۰۱، البقرۃ (۱۴۳) مکتبہ معارف القرآن

۲۲۱ البقرہ: ۲۸۶

۲۲۲ آسان ترجمہ قرآن: ۱/۱۷۷، البقرۃ (۲۸۶) مکتبہ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [۲۲۳]

اپنا عذاب تو میں اسی پر نازل کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں۔ اور جہاں تک میری رحمت کا تعلق ہے وہ ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ (۷۳) چنانچہ میں یہ رحمت (مکمل طور پر) ان لوگوں کے لیے لکھوں گا جو تقوی اختیار کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھیں (۷۴) جو اس رسول یعنی نبی امی کے پیچھے چلیں جس کا ذکر وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے (۷۵) جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دے گا، برائیوں سے روکے گا، اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا، اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے وہ طوق اتار دے گا جو ان پر لدے ہوئے تھے۔ (۷۶) چنانچہ جو لوگ اس (نبی) پر ایمان لائیں گے اس کی تعظیم کریں گے اس کی مدد کریں گے، اور اس کے ساتھ جو نور اتارا گیا ہے اس کے پیچھے چلیں گے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے۔ [۲۲۴]

هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ښ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ [۲۲۵]

اس نے تمہیں (اپنے دین کے لئے) منتخب کرلیا ہے، اور تم پر دین کے معاملے میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ اپنے باپ ابراہیم کے دین کو مضبوطی سے تھام لو، اس نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا، اور اس (قرآن) کو بھی، تاکہ یہ رسول تمہارے لئے گواہ بنیں، اور تم دوسرے لوگوں کے لئے گواہ بنو۔ لہٰذا نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھو، اور وہ تمہارا رکھوالا ہے، دیکھو! کتنا اچھا رکھوالا، اور کتنا اچھا مددگار۔ [۲۲۶]

---

۲۲۳ الاعراف: ۱۵۷

۲۲۴ آسان ترجمہ قرآن: ۱/۴۹۶، الاعراف (۱۵۷) مکتبہ معارف القرآن

۲۲۵ الحج: ۷۸

۲۲۶ آسان ترجمہ قرآن: ۲/۱۰۳۷، الحج (۷۸) مکتبہ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور فرمایا:

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوا فِيْ دِيْنِكُمْ [۲۲۷]

اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو۔ [۲۲۸]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّيْنِ فَاِنَّمَا اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّيْنِ [۲۲۹]

دین میں غلو کرنے سے بچتے رہو، کیوں کہ تم سے پہلے گذرے ہوئے
لوگوں کو دین میں غلو کرنے کے عمل نے ہلاک کر دیا۔

ایک اور حدیث میں فرمایا:

اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ وَلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَه فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا
وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ [۲۳۰]

بیشک دین آسان ہے، اور جو کوئی دین میں شدت اختیار کر (کے اس پر غلبہ حاصل کر) نا چاہتا ہے، دین اس پر غالب آجاتا ہے، لہٰذا راہ سداد وصواب اختیار کرو، اور قریب قریب چلتے رہو، بشارت قبول کرو، اور صبح وشام وآخرِ شب کے اوقات سے (اپنی طاعت وعبادت اور دوسرے کاموں میں) مدد حاصل کرو۔ (از کشف الباری)

ایک اور جگہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا [۲۳۱]

سہولت پیدا کرو، تنگی مت پیدا کرو، (لوگوں کو) خوشخبری دو، نفرتیں مت پھیلاؤ۔

---

۲۲۷ النساء:۱۷۱

۲۲۸ آسان ترجمہ قرآن:۱/۳۱۵، النساء (۱۷۱) مکتبہ معارف القرآن

۲۲۹ سنن ابن ماجۃ:۲/۳۴۷(۳۰۲۹) کتاب المناسک، باب قدر حصی الرمی، مکتبہ رحمانیہ

۲۳۰ صحیح البخاری:۱/۱۰، کتاب الایمان، باب الدین یسر قدیمی کتب خانہ

۲۳۱ صحیح البخاری:(۶۹) کتاب العلم، باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ

toobaa-elibrary.blogspot.com

پس مفتی پر واجب ہے کہ جن امور میں عمومِ بلویٰ ہونے کے باعث دلائل متعارض ہیں، ان میں لوگوں کے لیے سہولت پیدا کرے، امام سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَنَا الرُّخْصَةُ مِنْ ثِقَةٍ فَأَمَّا التَّشْدِيدُ فَيُحْسِنُهُ كُلُّ أَحَدٍ[۲۳۲]

ہمارے نزدیک تو علم کا مفہوم پورے اعتماد کے ساتھ رخصت دے دینا ہے،

رہی شدت پسندی، وہ تو ہر ایک کو اچھی لگتی ہے۔

دوسری جانب مفتی کے لیے یہ بھی واجب ہے کہ جن امور میں قطعی نصوص وارد ہیں، ان میں بتکلف آسانی و سہولت پیدا کر کے شرعی حدود پامالی کا مرتکب نہ ہو۔

(۹) ایسے نو وارد و جدید مسائل جن میں کتاب اللہ و سنت رسول اور متواتر چلی آئی فقہ سے کوئی نص صریح ثابت نہیں ہے، ان میں وقت کے عبادت گزار و پرہیز گار فقہاء سے مشورہ کرنا از حد ضروری ہے، جس کی دلیل حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس میں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یَا رَسُولَ اللّٰہ! إِنْ نَزَلَ بِنَا أَمْرٌ لَيْسَ فِيهِ بَيَانٌ أَمْرٌ وَلَا نَهْيٌ فَمَا تَأْمُرُنَا؟ یا رسول اللہ! اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ در پیش ہو جس میں (شریعت کی طرف سے) حکم ہو نہ ہی منع، تو اس صورت میں آپ ہمیں کیا حکم دیں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تُشَاوِرُونَ الْفُقَهَاءَ وَالْعَابِدِينَ وَلَا تُمْضُوا فِيهِ رَأْيَ خَاصَّةٍ[۲۳۳] عبادت گزار فقہاء سے مشاورت رکھو، اور اس میں بطور خاص اپنی رائے پر عمل مت کر گزرو۔

اس طرح خطیب بغدادی نے اپنی سند اور الفاظ سے یہ حدیث روایت کی ہے:

اجْمَعُوا لَهُ الْعَابِدِينَ مِنْ أُمَّتِي وَاجْعَلُوهُ شُورَى بَيْنَكُمْ وَلَا تَقْضُوهُ بِرَأْيٍ وَاحِدٍ[۲۳۴]

اس مسئلے کے لیے میری امت کے عبادت گزار لوگوں کو جمع کرو اور ان کی باہمی شوریٰ تشکیل دو اور فرد واحد

---

۲۳۲ المجموع شرح المہذب: ۱/۶۵۰، المقدمۃ، باب آداب الفتوی والمفتی، فصل فی احکام المفتیین، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۳۳ المعجم الاوسط للطبرانی: ۲/۱۷۲، باب الالف، من اسمہ احمد علامہ ہیثمی مجمع الزوائد: ۱/۱۴۲ (۸۳۴)، کتاب العلم، باب الاجماع میں فرماتے ہیں کہ اس کے رجال اہل صحیح میں سے اور قابل اعتماد ہیں؟

۲۳۴ الفقیہ والمتفقہ للخطیب: ۲/۷۳-۲/۲۷۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی رائے مت چلنے دو۔

نیز دارمی نے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایسے نو پیش آمدہ معاملہ کے بارے میں دریافت کیا جو نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ ہی سنت رسول میں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: يَنْظُرُ فِيهِ الْعَابِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ [۴۳۵] مسلمانوں میں جو جو لوگ عبادت گزار ہیں، وہ اس میں غور و فکر کریں گے۔

پس فقہی امور میں خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم سمیت سلف صالحین کا یہی داب اور طریقہ رہا ہے کہ ان میں مسلسل مشاورت کی فضا بنی رہتی تھی۔ امام دارمی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اس موضوع پر تمام ہی آثار نقل کیے ہیں، حتیٰ کہ اس پر تابعین کی نکیر واقع ہوئی ہے جو فتویٰ دینے میں سب سے جداگانہ موقف اختیار کرتا ہے اور کسی اور سے مشورہ کیے بغیر اپنی تنہا رائے رکھتا ہے، جیسے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ:

إِنَّ أَحَدَهُمْ لَيُفْتِي فِي الْمَسْأَلَةِ وَلَوْ وَرَدَتْ عَلَى
عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَجَمَعَ لَهَا أَهْلَ بَدْرٍ [۴۳۶]

اگر ان میں سے کوئی کسی مسئلے میں فتویٰ دیتا اور اگر وہ مسئلہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر بھی پیش کیا گیا ہوتا، تب بھی وہ سارے اہل بدر کو جمع فرمادیتے۔

(۱۰) ایسے اجتماعات، کانفرنسز اور مجالس کی حوصلہ افزائی کرنا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور فرامین اور خلفاء راشدین و سلف صالحین کے مبارک طریقوں پر عمل پیرا ہونے کی حیثیت سے نووارد و جدید مسائل میں اجتماعی فکر کے اجاگر کرنے کا سبب بنے، اور ان اجتماعات کی طرف سے صادر ہونے والی قرار دادوں پر سفارشات کو اس طرح احترام کی نظر سے دیکھنا، نہ کہ دیگر فقہاء پر فتویٰ نویسی کا دروازہ بند کر دیا جائے، اس طرح کے اجتماعات اور کانفرنسز بلاشبہ نو پیش آمدہ مسائل میں ایک مثبت راہ ہموار کرتی ہیں اور معتمد فقہاء میں سے ارا کین کی کثرت اور دلائل

---

۴۳۵ سنن الدارمی: ۱/ ۴۷ (۱۱۹)، باب اتباع السنة

۴۳۶ المدخل الکبیر للبیہقی: ۴۳۴ (۸۰۳)

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی قوت کے پیش نظر رجحان کا پتہ چلتا ہے۔

(۱۱) حکم شرعی کے آگے کسی قسم کے ذاتی رجحانات، خارجی اثرات، سیاسی محرکات یا عوامی میلانات کو خاطر میں لانے سے قطعی گریز کرنا، یہ دباؤ چاہے مستفتی کی طرف سے ہو یا عوامی نوعیت کا ہو یا ریاستی جانب سے ہو، کیوں کہ فتویٰ دینا خالصتاً اللہ تبارک و تعالیٰ کے پیغام کی تبلیغ ہے، اور ان لوگوں کے حق میں جو اس فریضے کو بغیر کسی دباؤ میں آئے و متاثر ہوئے نبھاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ [۲۳۷]

اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگ پیدا کردے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا، اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے جو مومنوں کے لیے نرم اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے۔ اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے جو وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا، بڑے علم والا ہے۔ [۲۳۸]

ذاتی دباؤ کی صورتیں یہ بھی ہیں کہ مفتی کی طبیعت غیظ و غضب یا غم و فکر یا حزن و ملال یا بے انتہا خوشی و مسرت یا گھبراہٹ یا مرض یا بھوک و پیاس یا بال بچوں کی فکر وغیرہ سے یکسو ہو، اس بات میں اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے: لا یقضین احدکم و ھو غضبان [۲۳۹] تم میں سے کوئی اس حال میں فیصلہ نہ کرے کہ غصہ سے بھرا ہوا ہو۔

ایسے شاذ فتوے دینے سے گریز کرنا، جو جمہور فقہاء امت کے خلاف ہوں، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي أَوْ قَالَ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ضَلَالَةٍ،

۲۳۷؎ المائدہ: ۵۴

۲۳۸؎ آسان ترجمہ قرآن: ۱/۳۵۲، المائدہ (۵۴) مکتبہ معارف القرآن

۲۳۹؎ صحیح البخاری: (۷۱۵۸) باب ھل یقضی القاضی او یفتی وھو غضبان

toobaa-elibrary.blogspot.com

وَيَدُ اللهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شَذَّ إِلَى النَّارِ [۲۴۰]

شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو، یا فرمایا، امت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہی پر جمع نہیں فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اجتماعیت کے ساتھ ہے اور جو شخص اس سے الگ ہوگا، تنہا جہنم میں جا گرے گا۔

إِنَّ أُمَّتِي لَا تَجْتَمِعُ عَلَى ضَلَالَةٍ فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ [۲۴۱]

نیز حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: ”بے شک میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی، لہٰذا تم جہاں کہیں اختلاف دیکھو تو سواد اعظم (جو ان میں نسبتاً بڑی جماعت ہو) کی اتباع اپنے اوپر لازم کرلو۔

تحقیق یہ ہے کہ بعض فقہاءِ کرام کے ایسے تفردات بھی ہیں، جنہیں جمہور علماء نے نہیں لیا بلکہ اس پر نکیر کی ہے، لہٰذا ان تفردات کو بے جا آسانیاں پیدا کرنے اور رخصتوں کا جواز بنانے کے لیے استعمال کرنا ایک ایسا عمل ہے جس کی متقدمین و متاخرین سب ہی علماء نے شدید مذمت کی ہے۔ جبکہ علامہ امام اوزاعی رحمہ اللہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے:

من اخذ بنوادر العلماء خرج من الاسلام [۲۴۲]

جس شخص نے علماء کی نادر آراء کو لیا، اسلام سے خارج ہوگیا۔

اسی طرح علامہ حافظ ذہبیؒ نے فرمایا:

وَمَنْ تَتَبَّعَ رُخَصَ الْمَذَاهِبِ وَزَلَّاتِ الْمُجْتَهِدِينَ قَدْ رَقَّ دِينُهُ كَمَا قَالَ الْأَوْزَاعِي

۲۴۰ جامع الترمذی: ۲/۳۹، کتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعة، قال أبو عیسی هذا حدیث غریب من هذا الوجه. و سلیمان المدنی هو عندی سلیمان بن سفیان وقد روی عنه أبو داود الطیالسی و أبو عامر العقدی وغیر واحد من أهل العلم قال ابو عیسی و تفسیر الجماعة عند أهل العلم هو أهل الفقه والعلم والحدیث

۲۴۱ سنن ابن ماجة: ۱/۴۱۹، (۳۹۵۰) ابواب الفتن، باب السواد الأعظم قال البوصیری فی مصباح الزجاجة: ۴/۱۶۹ هذا إسناد ضعیف لضعف أبی خلف الأعمی واسمه حازم بن عطار رواه عبد بن حمید ثنا یزید بن هارون أنبا بقیة بن الولید بن معاذ فذکره ورواه أبو یعلی الموصلی ثنا داود بن رشید ثنا الولید فذکره بإسناده ومتنه. وقد روی هذا الحدیث من حدیث أبی ذر وأبی مالک الأشعری وابن عمر وأبی نصرة وقدامة بن عبد الله الکلابی وفی کلها نظر قاله شیخنا العراقی رحمه الله

۲۴۲ تذکرة الحفاظ للذهبی، ۱/۱۸۰، ترجمة الامام ابی عمرو عبد الرحمن بن عمر الاوزاعی

toobaa-elibrary.blogspot.com

أَوْ غَيْرُهُ مَنْ أَخَذَ بِقَوْلِ الْمَكِّيِّينَ فِي الْمُتْعَةِ وَالْكُوفِيِّينَ فِي النَّبِيذِ وَالْمَدَنِيِّينَ فِي الْغِنَاءِ وَالشَّامِيِّينَ فِي عِصْمَةِ الْخُلَفَاءِ وَنِكَاحِ التَّحْلِيلِ بِمَنْ تَوَسَّعَ فِيهِ وَشِبْهِ ذٰلِكَ فَقَدْ تَعَرَّضَ لِلْانْحِلَالِ [۲۴۳]

جو شخص مختلف مذاہب کے ذریعے رخصتیں اور آسانیاں تلاش کرتا ہے حالانکہ مجتہدین سے اس میں غلطی سرزد ہوئی ہے جس سے ان کا مذہب بہت ہلکا ہو کر رہ گیا ہے جیسے کہ علامہ اوزاعی رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا کہ جو شخص متعہ کے مسئلے میں مکہ والوں کا اور نبیذ کے مسئلے میں کوفیوں، گانے کے مسئلے میں مدینہ والوں کا اور خلفاء کرام کی عصمت کے مسئلے میں شامیوں کا مذہب اختیار کرے تو اس نے شر ہی شر جمع کر لیا، نیز بیوع و معاملات کے باب میں ربوٰی کے مسئلے میں ان لوگوں کا قول اختیار کیا جو اس میں حیلے بہانے ڈھونڈتے ہیں اور طلاق و حلالہ میں نکاح محض وغیرہ جیسے مسائل میں اس کی اتباع کی جو بے جا توسع کا قائل ہے، تو اس نے حرام کو حلال بنانے کی جسارت کی۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَوْ أَنَّ رَجُلًا عَمِلَ بِكُلِّ رُخْصَةٍ يَعْمَلُ بِمَذْهَبِ أَهْلِ الْكُوفَةِ فِي النَّبِيذِ، وَأَهْلِ الْمَدِينَةِ فِي السَّمَاعِ وَأَهْلِ مَكَّةَ فِي الْمُتْعَةِ لَكَانَ فَاسِقًا. وَقَالَ مَعْمَرٌ: لَوْ أَنَّ رَجُلًا يَأْخُذُ بِقَوْلِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ فِي السَّمَاعِ - يَعْنِي الْغِنَاءَ - وَإِتْيَانِ النِّسَاءِ فِي أَدْبَارِهِنَّ، وَبِقَوْلِ أَهْلِ مَكَّةَ فِي الْمُتْعَةِ وَالصَّرْفِ، وَبِقَوْلِ أَهْلِ الْكُوفَةِ فِي الْمُسْكِرِ؛ كَانَ أَشَرَّ عِبَادِ اللهِ تَعَالَى. وَقَالَ سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ: لَوْ أَخَذْتَ بِرُخْصَةِ كُلِّ عَالِمٍ - أَوْ قَالَ زَلَّةِ كُلِّ عَالِمٍ - اجْتَمَعَ فِيكَ الشَّرُّ كُلُّهُ [۲۴۴]

اگر کوئی شخص جا بجا رخصت پر عمل کرتے ہوئے نبیذ کے مسئلے میں اہل کوفہ کا قول، سماع و گانے کے مسئلے میں اہل مدینہ کا قول، اور متعہ کے مسئلے میں اہل مکہ کا قول اختیار کرے تو وہ فاسق ہو گیا جبکہ حضرت معمر نے فرمایا: ”اگر کوئی شخص سماع یعنی گانے اور عورتوں کے پچھلے حصے کی راہ سے جماع کرنے کے مسئلے میں مدینہ والوں کا قول اور متعہ اور بیع صرف کے مسائل میں مکہ والوں کا قول اور اسی طرح نشہ آور اشیاء کے مسائل

۲۴۳؎ سیر اعلام النبلاء للذہبی: ۱/۵۳، مقدمۃ الکتاب، دار الحدیث، القاہرہ

۲۴۴؎ لوامع الانوار البہیۃ للسفارینی: ۲/۴۶۶، تقلید احد الائمۃ الاربعۃ، موسسۃ الخافقین، دمشق

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں کوفہ والوں کا قول اختیار کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے بدترین شمار ہوگا۔ نیز سلیمان تیمی رواح فرماتے ہیں اگر تو ہر ایک عالم کی دی گئی رخصت یا یوں کہا کہ ہر عالم کی لغزش پر عمل کرنا شروع کردے گا تو سارے ہی شر تجھ میں جمع ہو جائیں گے۔

عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا یکون اماما فی العلم من اخذ بالشاذ ولا اماما فی العلم من روی عن کل احد ولا یکون اماما من حدث بکل ما سمع[۲۴۵]

علم (کی دنیا) میں کوئی ایک امام بھی ایسا نہیں ہے، جو شاذ قول کو لے اور نہ علم (کی دنیا) میں کوئی ایسا امام ہے جو ہر ایک سے روایت کرنے لگے اور نہ ہی کوئی ایسا امام ہے جو ہر وہ بات بیان کرتا ہو جو اس نے (کہیں سے) سن لی ہو۔

یہ وہ روایتیں ہیں جو ایسے شاذ اور نادر اقوال کے بارے میں ہیں، ان شاذ و نادر اقوال کے بارے میں ان فقہاء کرام کی آراء، اور یہ اقوال بھی وہ ہیں جو انتہائی معتمد کبار فقہاء کی طرف سے صادر ہوئے، جو اپنے وقت میں بلند مرتبہ علماء و فقہاء اور چوٹی کے متقی و شب زندہ دار تھے جب ان کے شاذ و نادر اقوال کو رد کر دیا گیا تو ان لوگوں کے شاذ و نادر اقوال کی حیثیت ہی کیا ہے؟ جنہیں علم و فقہ سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں، جو ادھر ادھر کی رائی زنی، نفسانی جذبات، ذاتی رجحانات یا غیروں کی ثقافت و تہذیب کو بنیاد بنا کر جو منہ میں آتا ہے بک دیتے ہیں، جس کا اسلام جیسے مقدس دین سے کسی قسم کا کوئی جوڑ ہی نہیں بیٹھتا، پس دلیل کی رو سے جو سب سے زیادہ راجح قول ہو اسے لینا اور شریعت اسلامیہ کے حقیقی مصادر و مراجع اور اس کے بامعنی مقاصد کے لحاظ سے جو حجت سب سے زیادہ قوی ہو اسے اختیار کرنا، ایک فقیہ کی اولین ذمہ داری اور واجبات میں سے ہے۔

(۱۳) اس فکر کو اجاگر کرنے کے لیے نشریاتی وسائل بروئے کار لانا کہ بغیر غور و فکر اور تحقیق کیے الل ٹپ فتاویٰ صادر کرنے سے اہل علم گریز کریں، اور انہیں جاری کرنے و نشر کرنے سے پہلے معتمد فقہاء کرام کی مجلس شوریٰ سے تصدیق کروائیں، تاکہ وہ اس مقدس راستے سے ضلالت و گمراہی پھیلانے کا سبب نہ بنیں۔

(۱۴) ایسے خروج عن المذہب سے روکنے کو راجح قرار دینا جو ایک وقت میں دو مذاہب کے مرکب

---

۲۴۵ جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر: ۳/۳۵ (۹۷۷)

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہونے کا پیش خیمہ ہو۔ کیوں کہ یہ وہ صورت ہے جس کی اجازت متبوعہ مذاہب کے فقہاء میں سے کسی نے نہیں دی۔

(۱۵) اسلام کے دعویدار کے بارے میں تکفیری فتووں سے حد درجہ اجتناب کرنا، جس کی رو سے کسی ایسے مسلمان کو کافر کہنا تب تک جائز نہیں جب تک کہ ماثبت من الدین بالضرورۃ سے متعلق اس سے کسی ایسے فاسد عقیدہ کا ثبوت نہ ملے جو شک اور تاویل کو قبول نہ کرے، کیوں کہ مسلمانوں میں سے کسی مسلمان کو کافر قرار دینا سب سے بڑا بہتان ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعید ارشاد فرمائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدُهُمَا[۲۴۶]

جب کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کو اس طرح پکارتا ہے کہ "اے کافر!" تو بتحقیق ان میں سے کسی ایک نے اسلام کا انکار کیا۔

جیسے کہ اس شخص کی تکفیر سے مداہنت برتنا جائز نہیں، جو دین میں ثابت شدہ قطعی و یقینی عقائد کا انکار کرے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعوی کرنا وغیرہ۔

(۱۶) فتویٰ کی عبارت کو اس طرح پختگی کے ساتھ اور جم کر لکھنا کہ تحریر انتہائی واضح، بلاوجہ اختصار سے خالی اور بے جا اطناب و تطویل سے پاک ہو، تاہم حکم سے متعلق اس کی تمام شروط و قیود کا استقصاء از حد ضروری ہے، تاکہ اس میں کوئی ایسی بات مفہوم نہ ہو جو غلط ہو یا جنہیں ہدف بناتے ہوئے مسلم مخالف قوتیں مسلمانوں کے درمیان فتنہ برپا کرنے کے لیے انہیں استعمال کر سکیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا[۲۴۷]

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سیدھی سچی بات کہا کرو۔[۲۴۸]

---

۲۴۶ صحیح البخاری: (۶۱۰۳) کتاب الادب، باب من اکفر اخاہ بغیر تاویل

۲۴۷ الاحزاب: ۷۰

۲۴۸ آسان ترجمہ قرآن: ۱۳۰۹/۳، الاحزاب (۷۰) مکتبہ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۷) ایسی غیر محتاط اور گمراہ کن فتوے بازی سے قطعی طور پر بری رہنا جو ناحق خونریزی کی فضا ہموار کریں اور اس بات پر پختہ ایمان رکھنا کہ معصوم جانوں کی حفاظت شریعت مطہرہ کے ایسے عظیم القدر مقاصد میں سے ہے جو اضطراری و جان کنی کی حالت میں حرام کھانے تک کی رخصت دے کر انسانیت کی جانبری کرتا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۗ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم بَعْدَ ذَٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ [۲۴۹]

جو کوئی کسی کو قتل کرے، جبکہ یہ قتل نہ کسی اور جان کا بدلہ لینے کے لیے ہو اور نہ کسی کے زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے ہو، تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی کی جان بچالے تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کی جان بچالی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پیغمبران کے پاس کھلی ہدایات لے کر آئے، مگر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتیاں ہی کرتے رہے ہیں۔ [۲۵۰]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ:

فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ - قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَحْسِبُهُ قَالَ - وَأَعْرَاضَكُمْ - عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَسَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ أَلَا فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ يُبَلَّغُهُ أَنْ يَكُونَ أَوْعَى لَهُ مِنْ بَعْضِ مَنْ سَمِعَهُ فَكَانَ مُحَمَّدٌ إِذَا ذَكَرَهُ يَقُولُ: صَدَقَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ: أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ مَرَّتَيْنِ [۲۵۱]

بے شک تمھاری جانیں اور تمھارے اموال (امام محمد فرماتے ہیں میرا گمان یہ ہے کہ آپ نے یہ بھی ساتھ

---

۲۴۹ المائدہ: ۳۲

۲۵۰ آسان ترجمہ قرآن: ۱/۳۳۹، المائدہ (۳۲) مکتبہ معارف القرآن

۲۵۱ صحیح البخاری: ۲/۶۳۱، باب حجۃ الوداع، قدیمی کتب خانہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں کہا تھا "تمھاری عزت وآبرو") تم پر اسی طرح حرام ہے جس طرح کہ تمھارے اس ملک میں، تمھارے اس مہینے میں، تمھارے اس دن کی حرمت (مسلّم) ہے، اور تم اپنے رب سے اس حال میں ملوگے کہ وہ تم سے تمھارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا، خبردار! میرے بعد گمراہی کی طرف مت نکل جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، خوب سمجھ لو! جو حاضر ہے، چاہیے کہ وہ غائب تک پہنچادے، کیوں کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جسے بات پہنچائی جائے وہ اس شخص سے بھی زیادہ اس بات کا پاس ولحاظ رکھتا ہے جو (براہ راست) سنتا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذرا بتاؤ! کیا میں نے تمھیں (اللہ کا پیغام) پہنچادیا؟ اس طرح دو مرتبہ دریافت فرمایا۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے ہیں:

إِذَا التَقَى المُسْلِمَانِ بِسَيْفَيهِمَا فَالقَاتِلُ وَالمَقْتُولُ فِي النَّارِ»، فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ هٰذَا القَاتِلُ فَمَا بَالُ المَقْتُولِ قَالَ: «إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ[۲۵۲]

جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لیے ایک دوسرے کے مدمقابل آئیں گے تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے، تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قاتل کا تو ہے لیکن مقتول کیوں؟ تو آپ نے فرمایا: وہ بھی تو اپنے ساتھی کو مارنے پر تلا ہوا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک اور روایت نقل کرتے ہیں:

مَا أَطْيَبَكِ وَأَطْيَبَ رِيحَكِ، مَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ حُرْمَةً مِنْكِ، مَالِهِ، وَدَمِهِ[۲۵۳]

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ کعبہ کا طواف فرمارہے تھے، دریں اثناء آپ کعبہ کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں: کیا تیرا تقدس ہے! اور کیا مہکتی ہوئی تیری خوشبو ہے! کیا تیرا بلند مرتبہ ہے! اور بلند تر تیری عظمت وبڑائی ہے! لیکن اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے! اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مؤمن کی حرمت، جان ومال (عزت وآبرو) تجھ سے کئی گنا بڑھ کر ہے۔

---

۲۵۲ صحیح البخاری: ۹/۱، کتاب الایمان، باب المعاصی من امر الجاہلیۃ، قدیمی کتب خانہ
۲۵۳ سنن ابن ماجۃ: ۔۔۔ (۳۹۳۲)، باب حرمۃ المؤمن ومالہ، وقال البوصیری فی مصباح الزجاجۃ: ۱۶۴/۴: "ھذا اسناد فیہ مقال "نصر بن محمد ضعفہ ابو حاتم، وذکرہ ابن حبان فی الثقات

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۱۸) مفتی کا اپنی رائے سے رجوع کرنا ایسی صورت میں واجب ہے جب کہ اس کے صادر کردہ فتویٰ کے خلاف کوئی واضح دلیل اس کے سامنے آجائے اور اس کی رائے کے خلاف شرعی دلیل کھل کر سامنے آنے کے بعد اس کا اپنی مرجوح رائے پر ڈھٹائی کے ساتھ جمے رہنا اس کے منصب کے خلاف اور جائز نہیں، کیوں کہ اس کی عزت ہی اسی میں ہے کہ وہ اس سے رجوع کرے اور غلط بات پر اڑا نہ رہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا [۲۵۴]

اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے، اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے، اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کردیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے، اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ [۲۵۵]

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

---

۲۵۴ النساء: ۱۱۵

۲۵۵ آسان ترجمہ قرآن: ۱/۲۹۷، النساء (۱۱۵) مکتبہ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقاصدِ شرعیہ اور

عصرِ حاضر کے تقاضے

ماہ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ بمطابق فروری ۲۰۱۰ء کو مصر کے وزارت اوقاف برائے مذہبی امور کی طرف سے منعقدہ اعلیٰ سطحی اجلاس کے بائیسویں کنونشن میں

مقاصد الشريعة وقضايا العصر

کے عنوان پر فی البدیہہ کی گئی تقریر

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقاصدِ شرعیہ اور عصرِ حاضر کے تقاضے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ، اَمَّا بَعْدُ!

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حد درجہ شکر بجالانے کے بعد میں ان حضرات کا بھی انتہائی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس مبارک اجتماع کا انعقاد کیا جو ان شاء اللہ تعالیٰ موضوع کے حوالے سے شعور و آگہی اجاگر کرنے کا ایک عظیم ذریعہ ثابت ہوگا، فی الوقت اس مختصر گفتگو کے دوران میں یہ چاہتا ہوں کہ مقاصد شرعیہ کی نسبت سے جو اس اجلاس کا موضوع ہے، ایک انتہائی اہم نکتہ کی وضاحت کروں اور وہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یقیناً ہمارے دین کا جو بھی حکم مشروع فرمایا، وہ کسی نہ کسی حکمت و مصلحت پر مبنی ہے جس میں دو رائے نہیں، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ حکم و مصالح اور مقاصد جیسے کلمات ہمارے عرف میں حد درجہ مبہم ہیں، لہٰذا جو کوئی نری عقل سے اپنے روز مرہ امور زندگی کا جائزہ لیتا ہے تو وہ کسی بھی چیز کے حوالے سے یہ گمان کرنے لگتا ہے کہ اس کے مصالح و مقاصد ہیں، جبکہ دوسری کسی اور چیز کو دیکھتا ہے تو یہ خیال کرتا ہے کہ اس میں نہ تو کوئی مصلحت ہے اور نہ ہی یہ مقاصد حیات میں سے ہے، حالانکہ حقیقت کچھ اور ہے اور وہ یہ ہے کہ نری عقل جو اپنی ذات میں وحی الٰہی سے مستنیر نہیں ہے، ایک ایسا معیار (standard) ہرگز قائم نہیں کر سکتی جس پر دینی یا بین الاقوامی سطح پر اعتماد کر لیا جائے کہ یہ عقل جن مصالح و مقاصد حیات کو متعین کرے، بس وہی در حقیقت قابل اعتماد ہے۔

دوسرے یہ کہ ہر چیز کو مقاصد شرعیہ میں سے مان لیا جائے، یہ بھی علی الاطلاق ممکن نہیں ہے بلکہ لازمی طور پر اس کی کچھ حدود اور مسلم ضوابط ہیں، مثلاً انسانی جان کی حفاظت کو ہی لے لیجیے، کسے شک ہے کہ اس کی حفاظت اہم ترین شرعی مقاصد میں سے ہے لیکن کوئی قاتل اس شرعی مقصد سے استدلال کر کے یہ استدعا نہیں کر سکتا کہ اس کی جان بخشی کر دی جائے۔ قریب قریب یہی حال تمام مقاصد شرعیہ کا ہے، یہاں

toobaa-elibrary.blogspot.com

سب سے اہم اور بنیادی سوال جو قابل غور ہے، یہ ہے کہ ان مقاصد کا درست سمت میں تعین کون کرے گا؟ اور وہ حدود کون متعین کرے گا، جو ان مقاصد کو اپنے حدود اور صحیح سمت میں چلائے؟ مان لیں کہ اسی کی حد بندی نری عقل کے سپرد ہے اور حضرت انسان کی قوت ادراک اس مقصد کے حصول کے لیے کافی ہے، تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ من جانب اللہ کسی رسول کو مبعوث کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور نہ ہی کوئی آسمانی صحیفہ یا کتاب نازل کرنے کی حاجت ہے، جو بلاشبہ بدیہۃ البطلان ہے۔

مذکورہ دلیل سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ان مقاصد کو متعین کرنے اور ان کی حد بندی کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی نصوص کی طرف رجوع کیا جائے، اور اس مقصد کے لیے صرف انہی کو معیار قرار دیا جائے، جس کی رو سے ہمیں ہرگز یہ روا نہیں کہ نصوص صریحہ کی صورت میں ثابت قرآن وسنت جیسے ابدی ہدایت کے سرچشموں کے مدمقابل اپنے تئیں بعض کھوکھلے اور بے اصل مقاصد وضع کریں، اور نہ یہ جائز ہے کہ ذاتی طور پر اختراع کردہ ان مقاصد ومصالح کو شریعت کا بنیادی ماٴخذ قرار دیتے ہوئے ان پر نصوص کا لیبل چسپاں کردیں، حق تو یہ ہے کہ تمام مخلوقات سے متعلقہ مقاصد ومصالح کا حقیقی دار ومدار نصوص شرعیہ پر ہی ہے، چنانچہ اللہ اور اس کے رسول نے جسے حکمت ومصلحت قرار دیا صرف وہی معتبر ہیں، نہ کہ وہ جنہیں ہم محض اپنی رائے سے حکمت ومصلحت خیال کرلیں اور وہ تمام علماء جو مقاصد شرعیہ کے باب میں چوٹی کے اکابرین شمار ہوتے ہیں، مثلاً علامہ شاطبی، امام غزالی، حجۃ الاسلام شیخ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شیخ طاہر بن عاشور رحمہم اللہ، ان سب کا اس قاعدہ کلیہ پر اتفاق ہے کہ اسلامی احکام کا دار ومدار علتوں پر ہے، حکمتوں پر نہیں ہے، اور یہی وہ نکتہ ہے جسے میں قدرے وضاحت سے بیان کرنا چاہتا ہوں اور موضوع کی مناسبت سے اگلی ہماری تمام تر گفتگو اسی بنیاد پر ہوگی۔

ذرا غور فرمائیے! یہ مرتد کی سزا کا مسئلہ ہے، نہ جانے کیوں اس قضیہ کو اس جیسے وقت میں ہوا دی جارہی ہے؟ کیا ہم اس سے کئی اہم دیگر احکام شرعیہ کی عملی تطبیق سے عہدہ برآ ہوچکے ہیں اور اس دور میں ہمارے پاس سوائے مرتد کی سزا کے قضیہ کے کوئی اور مسئلہ بچا ہی نہیں کہ اب ہم اپنی علمی توانائیاں اسی ایک قضیہ پر صرف کردیں؟

میری گزارش یہ ہے کہ اس ایک مسئلہ پر بحث ومباحثہ کے بجائے ہم آگے بڑھیں اور شراب اور خنزیر جیسی معاشرتی برائیوں کے سدباب کی عملی تطبیق پر اپنی سعی پیہم اور جہد مسلسل صرف کریں اور اسلام

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے شرعی نظام زکوٰۃ وصدقات ودیگر اہم امور کی تطبیق کو ممکن بنائیں، پھر کہیں جاکر ہمارے لئے اس قضیہ پر بحث کرنا سود مند ہوسکے گا، کیوں کہ یہ مسئلہ فقہ اسلامی اور قرآن وحدیث کے صف اول کے ماہرین کی جانب سے گہرائی سے غور وفکر کا محتاج ہے اور ہم اتنا کہہ کر اس تحقیقی موضوع سے ہاتھ صاف نہیں کرسکتے کہ اس سے متعلق جتنی بھی احادیث وارد ہوئی ہیں، درست نہیں ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع پر سترہ کے قریب صحیح احادیث دلالت النص سے ثابت ہیں، لیکن ان احادیث کا حقیقی مصداق کیا ہے؟ اس تحقیقی موضوع کے حوالے سے فقہاء کرام کے کیا کیا مذاہب ہیں؟ یہ ایک ایسا مستقل موضوع ہے جس پر فقہاء کرام اور تفسیر وحدیث پر عبور رکھنے والے متخصصین کی ایک مجلس کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت بھی اس وقت ہے جبکہ ہمیں درپیش اس سے زیادہ اہم مسائل کی تحقیق سے ہم صحیح معنوں میں عہدہ برآ ہوجائیں۔

موضوع کی مناسبت سے یہ مختصر گزارشات تھیں جو میں عرض کرنا چاہتا تھا۔ اقول قولی ھذا استغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین

toobaa-elibrary.blogspot.com

تاخیر سے شفق غائب ہونے والے علاقوں میں مغرب عشاء ایک ساتھ پڑھنے کے مسئلہ میں مجمع الفقہی کی قرارداد

بتاریخ ۲-۵ ذوالحجہ ۱۴۲۸ھ بمطابق ۱۲-۱۵ دسمبر ۲۰۰۷ء کے دورانیہ میں
وزارت حج کی طرف سے مکہ مکرمہ میں منعقدہ بتیسویں اجلاس کے لئے
"ندوۃ الحج الکبریٰ" کو پیش کیا گیا مقالہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

تاخیر سے شفق غائب ہونے والے علاقوں میں مغرب عشاء ایک ساتھ پڑھنے کے مسئلہ میں مجمع الفقہی کی قرارداد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تجویز نامہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیّٖنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ أَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ، اَمَّا بَعْدُ!

دنیا کے نقشہ پر وہ ممالک جو ۴۸ اور ۶۶ درجے شمالی و جنوبی عرض بلد کے ہر دو خطوط کے درمیان درمیان واقع ہیں، ان خطوں کے اوقات نماز کا مسئلہ علمی حلقوں میں موضوع بحث رہا ہے، یہی وجہ ہے رابطۃ العالم الاسلامی کے ذیلی ادارے مجمع الفقہی نے اپنی کانفرنس کے انیسویں اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے مسئلے کی وضاحت کے لیے میرے سامنے یہ مطالبہ رکھا کہ میں ایک نقشہ تیار کروں جس میں بالتفصیل اس مسئلہ پر روشنی ڈالوں، چنانچہ میں نے ان کی اس فرمائش کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ایک تجویز نامہ پیش کیا تھا، مجمع الفقہ الاسلامی کی طرف سے مقررہ اجلاس میں پیش کردہ قرارداد کا حاصل یہ ہے:

> جب اوقات نماز کی علامات ظاہر ہو جائیں، لیکن اس شفق کو غائب ہونے میں تاخیر ہو رہی ہو، جس (کے غائب ہونے) سے غالب طور پر عشاء کی نماز کا وقت داخل ہو جاتا ہے، تو ایسی صورت میں مجمع الفقہی کی رائے یہ ہے کہ نمازِ عشاء کی ادائیگی کا وجوب اسی وقت ہوگا جو شرعی طور پر متعین مقرر ہے۔ لیکن جس کسی کو عشاء کا وقت داخل ہونے کا انتظار اور اپنے وقت پر اس کی ادائیگی میں مشقت کا سامنا ہو، جیسے طلبہ کرام، اسٹاف اور لیبر وغیرہ کے ورکنگ ڈیز، تو ان کے لیے اُن نصوص پر عمل کرتے ہوئے جن میں اس امت سے حرج کو رفع کرنے کے عنوان سے احادیث آئی ہیں، جمع بین الصلوتین جائز ہوگا، منجملہ ان میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مسلم شریف وغیرہ میں مروی یہ صحیح حدیث بھی ہے، جس میں راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہری ماحول میں بلاکسی اندیشہ و بارش وغیرہ کے عذر کے ظہر و عصر اور مغرب وعشاء کو جمع فرمایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

عنہما سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ علیہ السلام نے اپنے اس عمل سے یہ تاثر دیا کہ ان کی امت کسی قسم کے حرج میں مبتلا نہ ہو۔

قرار داد کا ثمرہ

جیسے کہ مذکورہ عبارت سے واضح ہے، یہ ہے کہ (ان شہروں میں جہاں شفق غائب ہو جاتی ہو، چاہے دیر سے ہی ہو) دو نمازوں کو جمع کرنے کے باب میں رخصت ہے، اور یہ مناسب ہے کہ لوگوں کے حالات کو دیکھتے ہوئے اس رخصت کو صرف انہی تک محدود رکھا جائے، چنانچہ قرار داد میں یہ واضح طور پر لکھا ہے کہ جس کسی کو اگلی نماز کے وقت کے انتظار اور بروقت ادائیگی کی فکر سے بہت زیادہ دشواری کا سامنا ہو تو صرف وہی دونوں جماعتوں کو جمع کر سکتا ہے، اور اگر یہ حکم تمام مساجد و عوامی مراکز کے لیے ہوتا تو اس میں خصوصیت سے طلبہ کرام، اداروں کے اسٹاف اور لیبر کا ذکر بالکل نہ آتا اور یہی معنی اسی عبارت سے اور زیادہ واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے کہ "یہ رخصت اس سے مشروط ہے کہ تمام شہروں میں ہر قسم کے لوگوں کے لیے سال بھر کے ہر زمانے میں یہ رخصت نہیں ہے، اس لیے کہ ایسی صورت میں جمع کرنے کی رخصت کا حکم (بلا استثناء سب پر لاگو ہونے کی وجہ سے) عزیمت میں بدل جائے گا" اس عبارت میں یہ پوری صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ عوامی مراکز و مساجد میں عشاء کی نماز اپنے وقت پر ہی ادا کی جائے گی، چاہے عشاء کے لیے کتنا ہی انتظار کرنا پڑے، کیوں کہ جو فقہاء جمع بین الصلوتین کے باب میں رخصت کے قائل ہیں، وہ بھی صرف انہی لوگوں پر یہ حکم لاگو کرتا رہے، جنہیں مخصوص حالات میں عشاء کا انتظار کرنا مشقت میں مبتلا کرتا ہے جبکہ اس قرار داد کے آخری جملہ میں یہ کہا گیا ہے کہ "مجمع الفقہ الاسلامی کی رائے یہ ہے کہ ان مخصوص حالات میں نسبی تقدیر کو لینا بطریق اولیٰ جائز ہوگا، مقصود اس سے یہ ہے کہ وہ افراد جن کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ جمع بین الصلوتین کے مسئلے میں رخصت کے پہلو سے مستفید ہوں، تو ان کے لیے یہ بدرجہ اولیٰ جائز ہے کہ وہ ایک وقت میں دونوں نمازیں پڑھنے کے بجائے ہر ایک کو اپنے اپنے وقت میں پڑھ کر انہیں صورۃً اس طرح جمع کریں کہ عشاء کی نماز مغرب کے متصل بعد نہ پڑھیں، بلکہ تھوڑا سا ٹھہر کر عشاء کو اس قدر مؤخر کرلیں کہ عشاء کا وقت کم از کم ان جگہوں میں داخل ہو جائے جہاں عشاء کا وقت ان ایام میں مقرر ہے، جن میں شفق غائب نہیں ہوتی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرارداد کی مذکورہ عبارت سے یہی معنیٰ سمجھ آتا ہے، نیز جمع بین الصلوتین کے اس مسئلے میں انہوں نے مخصوص افراد ہی کو رخصت کا محور بنایا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ عوامی مراکز و مساجد کے لیے یہ حکم نہیں ہے، اس لیے کہ ان کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث جو رخصت پر مبنی ہے، جس میں انہوں نے فرمایا:

جَمَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِيْنَةِ فِي غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ[۲۵۶]

جسے مسلم نے انہی الفاظ سے اور دیگر محدثین نے اور الفاظ سے روایت کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث فقہاء کے مابین ہمیشہ ہی موضوع بحث رہی ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اہل علم حضرات میں سے کسی نے (دلیل کے طور پر) نہیں لی۔[۲۵۷] علامہ عینی رحمہ اللہ نے امام خطابی رحمہ اللہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اکثر فقہاء اس حدیث کے (بطور دلیل) قائل نہیں ہیں،[۲۵۸] چنانچہ ان میں سے بعض نے اسے جمع صوری پر محمول کیا ہے، جسے نہ صرف یہ کہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اپنے اس قول سے راجح قرار دیا ہے اور فرمایا "والجمع الصوری اولیٰ"[۲۵۹] کہ صورۃً جمع کرنا ہی زیادہ اولیٰ ہے، بلکہ اکثر فقہاء و محدثین نے عمرو بن دینار کی ابن الشعثاء جابر بن زید رضی اللہ عنہ سے اور ان کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی صحیح بخاری میں ذکر کردہ اُس حدیث کے مد نظر بھی جمع صوری ہی کو راجح قرار دیا ہے، جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيًا جَمِيْعًا وَسَبْعًا جَمِيْعًا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (ظہر عصر کی) ایک ساتھ آٹھ اور (مغرب عشاء کی) ایک ساتھ سات (رکعتیں) پڑھی، جس پر حضرت عمر بن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ اے ابو شعثاء! میرے خیال میں انہوں نے ظہر کی نماز آخر وقت میں پڑھی ہوگی اور عصر کی نماز اول وقت میں پڑھی ہوگی اسی طرح مغرب کی نماز آخر وقت میں پڑھی

۲۵۶ صحیح مسلم: ۱/۲۴۵، باب جواز الجمع بین الصلوتین فی السفر، ایچ ایم سعید

۲۵۷ اول کتاب العلل

۲۵۸ عمدۃ القاری: ۵/۴۷ (۵۴۳)، باب تاخیر الظہر الی العصر

۲۵۹ فتح الباری: ۲/۲۴ (۵۴۳)، باب تاخیر الظہر الی العصر

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوگی اور عشاء کی نماز اول وقت میں پڑھی ہوگی، تو اس پر ابوالشعثاء نے ان کی تائید کی اور کہا کہ "أَنَا أَظُنُّ ذٰلِكَ"[۲۶۰] میرا بھی یہی خیال ہے، قابل غور بات یہ ہے کہ ابوالشعثاء چونکہ از خود اس حدیث کے راوی ہے، اس لیے ان کی تفسیر سب سے زیادہ قابل اعتبار ہوگی، جس کی رو سے یہی کہا جائے گا کہ نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا مراد نہیں ہے، بلکہ انہیں اپنے اپنے وقتوں میں صورتاً جمع کرنا مراد ہے، وہ اس طرح کہ ظہر اپنے آخر وقت میں پڑھے اور عصر اپنے اول وقت میں پڑھے، اسی طرح مغرب اپنے آخر وقت میں پڑھے اور عشاء اپنے اول وقت میں پڑھے، مقصد یہ کہ ہر دو اول نمازوں کو دوسری نماز کے بعد معمولی وقفہ سے اس طرح پڑھے کہ دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں ادا ہوں، نہ کہ ایک وقت میں۔

تاہم مجمع الفقہ الاسلامی نے اپنی اس قرارداد میں ان مخصوص افراد کے لیے رخصت کا پہلو اختیار کیا ہے، جن کے لیے عشاء کی نماز اپنے وقت میں پڑھنا متعذر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض سلف سے حضر میں بھی جمع بین الصلوتین کا جواز منقول ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَقَدْ ذَهَبَ جَمَاعَةٌ مِنَ الْأَئِمَّةِ إِلَى الْأَخْذِ بِظَاهِرِ هٰذَا الْحَدِيثِ فَجَوَّزُوا الْجَمْعَ فِي الْحَضَرِ لِلْحَاجَةِ مُطْلَقًا لٰكِنْ بِشَرْطِ أَنْ لَا يُتَّخَذَ ذٰلِكَ عَادَةً وَمِمَّنْ قَالَ بِهِ ابْنُ سِيرِينَ وَرَبِيعَةُ وَأَشْهَبُ وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَالْقَفَّالُ الْكَبِيرُ وَحَكَاهُ الْخَطَّابِيُّ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنْ أَصْحَابِ الْحَدِيثِ وَاسْتَدَلَّ لَهُمْ بِمَا وَقَعَ عِنْدَ مُسْلِمٍ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ مِنْ طَرِيقِ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ لِمَ فَعَلَ ذٰلِكَ قَالَ أَرَادَ أَنْ لَا يُحْرِجَ أَحَدًا مِنْ أُمَّتِهِ[۲۶۱]

ائمہ کی ایک جماعت نے اس حدیث کے ظاہر کو لیا ہے، اور انہوں نے حضر میں بھی ضرورت کے وقت مطلقاً جمع کرنے کو جائز قرار دیا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اسے معمول نہ بنایا جائے، اور جن اکابر فقہاء نے جمع کا قول اختیار کیا ہے، ان میں علامہ ابن سیرین، ربیعہ، اشہب، ابن المنذر اور قفال کبیر رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شامل ہیں، نیز علامہ خطابی رحمہ اللہ نے بھی یہی قول مختلف محدثین سے نقل کیا ہے، اور ان کا استدلال اس روایت سے ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے نقل فرمایا ہے، جس میں

---

۲۶۰ صحیح مسلم: (۱۱۴۴) کتاب صلوۃ المسافرین، باب الجمع بین الصلوتین فی الحضر

۲۶۱ فتح الباری: ۲/۲۴، قولہ باب تاخیر الظہر الی العصر، دار المعرفۃ، بیروت

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ لِمَ فَعَلَ ذٰلِكَ؟ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا (دو نمازیں جمع کرنے کا عمل) کیوں کیا؟ قَالَ أَرَادَ أَنْ لَا يُحْرِجَ أَحَدًا مِنْ أُمَّتِهِ تو انہوں نے فرمایا کہ آپ اپنی امت میں کسی کو حرج میں مبتلا نہیں کرنا چاہتے تھے۔

حاصل یہ ہے کہ اس قرار داد میں عام حالات میں جمہور فقہاء کا قول اختیار کیا گیا ہے جبکہ شدید مشقت کی صورت میں ان فقہاء کے قول پر عمل کرتے ہوئے رخصت کا پہلو اختیار کیا ہے۔

زیر بحث مسئلہ میں مزید غور و فکر کی تجویز

ابتدائی طور پر یہ تفصیل بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے، لیکن اکثر جو بات محض تجویز کی حیثیت سے نہ کہ فتوی کے طور پر، بار بار دل میں آتی ہے یہ ہے کہ مذکورہ حدیثِ باب سے "رخصت" پر جو استدلال کیا گیا ہے، وہ محض حرج کو دور کرنے کی غرض سے ہے، کیوں کہ یہ ممکن ہے کہ دنیا کے نقشہ میں انتہائی شمال کی جانب واقع بعض مقامات ایسے بھی ہوں، جن میں شفق احمر کے غائب ہونے کے بعد نماز عشاء کی ادائیگی میں موسم گرما میں مہینوں تک مستقل حرج اور مشقت کی کیفیت رہتی ہے، اور شفق احمر کے غائب ہونے اور طلوع فجر کے مابین معمولی وقت بچ جاتا ہے، جس میں رات کے وقت نیند شدید متاثر ہوتی ہو، حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنے اس قول میں رات کی نیند اپنی نشانیوں میں سے قرار دی ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ [۲۶۲]

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی، تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو، اور دن کو ایسا بنایا جو تمہیں دیکھنے کی صلاحیت دے، اس میں یقیناً ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور سے سنتے ہوں۔ [۲۶۳]

وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُم مِّن فَضْلِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ

---

۲۶۲ یونس: ۶۷

۲۶۳ آسان ترجمہ قرآن: ۲/۶۵۱، یونس (۶۷) مکتبہ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ[۲۶۴]

اور اس کی نشانیوں کا ایک حصہ تمھارا رات اور دن کے وقت سونا اور اللہ کا فضل تلاش کرنا ہے۔

یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو بات سنتے ہوں۔[۲۶۵]

لہٰذا وہ لوگ جو ان جیسے علاقوں کے باسی ہیں، اگر وہ شفق کے غائب ہونے کے بعد تک وقت کا انتظار کر کے نمازِ عشاء کا اہتمام کریں تو ان کے لیے رات کی نیند کی کوئی سبیل ہی نہیں ہوگی اور یہ مشقت کسی ایک فرد کے علاوہ دوسرے فرد کے لیے نہیں بلکہ یہ ایسے مقامات کے تمام باسیوں کے لیے ایک عام حرج ہے، اس لیے زیرِ بحث موضوع کے حوالے سے اکثر یہ خیال آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضر کی حالت میں جو ایک دفعہ دونوں نمازوں کو جمع کیا وہ اپنی اس امت سے حرج اور مشقت کو دور کرنے کی غرض سے تھا، جن کا اس مبارک زمانے میں کوئی تصور بھی نہیں تھا۔

لیکن اگر دوسری جانب یہ دیکھا جائے کہ نماز منجملہ عبادات میں سے سب سے زیادہ مہتم بالشان عبادت ہے اور یہ دین کا ستون ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا[۲۶۶]

بیشک نماز مسلمانوں کے ذمے ایک ایسا فریضہ ہے جو وقت کا پابند ہے۔[۲۶۷]

لہٰذا ضروری ہے کہ اس مسئلے میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مجموعہ احادیث کو مدنظر رکھتے ہوئے بغیر مرض اور بارش وغیرہ کے عذر کے جمع بین الصلوتین کے مسئلے میں رخصت کا پہلو اختیار کرنے کی فقہاء نے گنجائش نہیں دی، لہٰذا مناسب یہی ہے کہ ناقابلِ تحمل مشقت کی صورت میں ہی رخصت پر عمل کیا جائے۔

نیز اس مسئلہ میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ "حرج" (مشقت) کا لفظ مجمل ہے، اور اگر فتاویٰ میں بھی

---

۲۶۴ روم: ۲۳

۲۶۵ آسان ترجمہ قرآن: ۳/۱۲۴۲، روم (۲۳) مکتبہ معارف القرآن

۲۶۶ النساء: ۱۰۳

۲۶۷ آسان ترجمہ قرآن: ۱/۲۹۳، النساء (۱۰۳) مکتبہ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس لفظ کو اسی اجمال کے ساتھ استعمال کیا جائے گا تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ اس کی تفسیر ہر ایک اپنی رائے اور مرضی سے کرے گا اور بلا کسی شدید حرج کے بھی رخصت ہی کو لے گا۔

اسی کے پیش نظر میری تجویز یہ ہے کہ اس مسئلے کے حل کے لیے باقاعدہ ایک اجلاس رکھا جائے، جس میں ان مقامات کے اہل علم حضرات کو مدعو کیا جائے جو وہاں کے رہائش پذیر حضرات کے احوال سے مکمل واقفیت رکھتے ہوں جو اس مشقت اور حرج کی بھی صحیح معنوں میں حد بندی کریں جس کا انہیں وہاں سامنا ہے، بالخصوص اس اجلاس میں ایسے ماہرین کو بھی مدعو کیا جائے جو علم فلکیات میں یدِ طولیٰ رکھتے ہوں، پھر یہ حضرات باہمی مشورے سے اس مجموعی وقت کا درست طریقے سے تعین کریں جو شفق کے غائب ہونے کے بعد رات کا وقت بچتا ہے، جس کے بعد اگر یہ ثابت ہو جائے کہ واقعتاً تمام ہی نمازیوں کو اپنے اپنے وقت میں نماز پڑھنے میں حرج اور مشقت کا سامنا ہے تو ایسی صورت میں بہر حال اس قرارداد پر مزید نظر ثانی کرتے ہوئے ابتلائے عام کے باعث سب ہی کے لئے رخصت دینے کے معاملے میں بحث و تحقیق کی راہیں کھلی ہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم، وھو الموفق للسداد والصواب

محمد تقی عثمانی

رکن مجمع الفقہ الاسلامی زیر نگرانی رابطہ العالم الاسلامی

و

نائب رئیس جامعہ دارالعلوم کراچی

toobaa-elibrary.blogspot.com

تعلیم و تربیت

اور

تعمیرِ فکر

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

پاکستان میں رائج دینی تعلیم

پر ایک طائرانہ نظر

یہ مقالہ ۱۹۷۶ء میں "الموتمر العالمی الاول للتعلیم الاسلامی" (پہلی انٹرنیشنل عالمی تعلیمی کانفرنس) میں پیش کیا گیا، جو "جامعۃ الملک عبدالعزیز" (مکہ مکرمہ) کے زیر نگران انعقاد پذیر ہوئی۔

یہ در حقیقت وہ رپورٹ ہے جو احقر نے "جامعۃ الملک عبدالعزیز" (مکہ مکرمہ) کی عالمی تعلیمی کانفرنس کے لیے لکھی تھی، جسے وہاں شائع کر کے تقسیم کیا گیا اور جو کانفرنس کی متعدد تجاویز کے لیے بنیاد بنی، اصل رپورٹ عربی میں تھی، مولانا حسین احمد نجیب نے اسے اردو میں منتقل کیا ہے۔

محمد تقی عثمانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

پاکستان میں رائج دینی تعلیم پر ایک طائرانہ نظر

اس بات سے دو رائے نہیں کہ تعلیم اور اس کے سلیبس کا مسئلہ ان اہم ترین مسائل میں سے ایک ہے، جو عصر حاضر میں امت مسلمہ کو درپیش ہیں، اور شک نہیں کہ دنیا کے اسلامی خطوں میں پھیلی ہوئی اس تباہی و بربادی کا بنیادی سبب یہی وہ سیکولر نظام تعلیم ہے، جس کا خمیازہ ہم قریباً دو صدیوں سے بھگت رہے ہیں، جسے کفار اور ان کے ہمنواؤں نے مسلمانوں کے درمیان رائج کرنے کے لیے بڑی منصوبہ بندی سے تانے بانے بنے۔

اسی اہم موضوع پر "المؤتمر العالمی الاول للتعلیم الاسلامی" (پہلی انٹرنیشنل عالمی تعلیمی کانفرنس) کے عنوان سے "جامعة الملك عبدالعزیز" کی طرف سے مکہ مکرمہ میں ۱۹۷۶ء میں ایک عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا، جس میں شرق و غرب کے کبار اہل علم اور ارباب نظر نے بڑی تعداد میں شرکت کی، زیر نظر مقالہ میں نے اسی کانفرنس کے لیے تحریر کیا، جس میں پاکستان میں رائج دینی تعلیم کے حوالے سے میں نے تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اور اس کے نظام و سلیبس میں (وقت کے تقاضوں کے مطابق) اصلاح کے قبول کرنے کی گنجائش کے حوالے سے گفتگو کی، الحمد للہ تعالیٰ عالم اسلامی اور بالخصوص عرب دنیا کے اہل علم اور ارباب فکر کی طرف سے اسے سراہا گیا، اور اس مقالے کو تلقی بالقبول حاصل ہوئی۔ اولاً ۱۳۹۹ھ میں مکتبہ دار العلوم کراچی سے طبع ہو کر منصہ شہود آیا۔ اب جب کہ دوبارہ میں نے اسے عربی مقالات کے اس مجموعہ میں شامل کرنے کا ارادہ کیا تو یوں محسوس ہوا کہ مدارس دینیہ کے حوالے سے اس میں موجود بہت سی معلومات قدیم ہو چکی ہیں۔ اور موجودہ تغیر پذیر حالات کے پیش نظر اس تبدیلی کی ضرورت ہے۔ لہٰذا میں نے اس مقالہ پر نظر ثانی کی اور عہد حاضر کی کئی معلومات کا اضافہ کیا اور ان باتوں کو حذف کر دیا، جن کی موجود حالات میں کوئی ضرورت نہیں تھی۔

میں دعا کرتا ہوں اللہ سبحانہ و تعالیٰ اسے خالص اپنی رضا کا ذریعہ بنائے اور امت مسلمہ کو اس سے نفع یاب فرمائے اور میرے لئے آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

محمد تقی عثمانی

نائب رئیس دار العلوم کراچی نمبر ۱۴

۱-۷-۱۴۳۳ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

پاکستان میں رائج دینی تعلیم پر ایک طائرانہ نظر

پاکستان ایک واضح مسلم اکثریتی مملکت ہے جس کی آبادی کروڑوں نفوس پر مشتمل ہے، ۱۹۴۷ء سے پہلے یہ خطہ برصغیر ہند کا ایک حصہ تھا۔ برصغیر ہند ایک عظیم مملکت تھی جس میں مسلمان، ہندو، عیسائی، یہودی، سکھ اور بدھ وغیرہ بے شمار اقوام بستی تھیں۔ یہ خطہ صدیوں تک مغل مسلمان حکمرانوں کی عملداری میں رہا پھر ان سے انگریزی سامراج کے چنگل میں چلا گیا اور تقریباً دو سو سال تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑا رہا۔

مغربی سامراج کے خلاف برصغیر ہند میں آزادی کی تحریک شروع ہوئی تو ہندوستان کے مسلمانوں نے انگریز حکمرانوں سے اپنے لیے ایک ایسی علیحدہ اور مستقل مملکت کا پرزور مطالبہ کیا، جس میں مسلمانوں کو مکمل خود مختاری حاصل ہو اور کسی بھی غیر مسلم قوم کی اس میں کسی قسم کی شرکت نہ ہو۔ سندھ، پنجاب، بلوچستان اور شمالی مغربی سرحدی علاقے مسلمان اکثریت کے خطے تھے، چنانچہ مسلمانوں کے اس مطالبہ کو تسلیم کر کے مسلم اکثریت کے یہ خطے ان کے حوالے کر دیے گئے، انہی علاقوں پر مشتمل اس وفاق کو پاکستان کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس طرح ۱۹۴۷ء میں دنیا کے سیاسی نقشے پر ایک نئی اسلامی مملکت ابھر کر سامنے آئی، یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی تعلیمی زندگی کی تاریخ غیر منقسم ہندوستان کی تعلیمی تاریخ سے مربوط ہے۔ مغل مسلم حکمرانوں کے عہد میں برصغیر ہندوستان علم و ہنر کا بہت بڑا مرکز تھا۔ اس عہد میں جو نظام تعلیم رائج تھا وہ "درس نظامی" کے نام سے مشہور ہے۔ اس نظام تعلیم نے برصغیر ہندوستان میں ہزاروں اہل علم و معرفت اور ماہرین صنعت و فنون پیدا کئے۔ اولاً اس تعلیمی نظام کے بارے میں کچھ ضروری معلومات پیش کی جاتی ہیں، تاکہ ہماری آئندہ آنے والی معروضات بسہولت سمجھی جاسکیں:

درس نظامی

درس نظامی ملا نظام الدین شہید سالوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۶۱ھ بمطابق ۱۷۴۷ء) کے نام نامی سے منسوب ہے۔ آپ عظیم مسلمان فلسفی "رسائل الارکان"، "فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت" اور "شرح سلم العلوم" جیسی بلند پایہ کتب کے مؤلف اور بحرالعلوم علامہ عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے، آپ لکھنؤ کے ایک مضافاتی قصبہ سہالہ میں ۱۰۸۸ھ میں پیدا ہوئے۔ وحید

toobaa-elibrary.blogspot.com

عصر شیخ غلام نقشبندی لکھنویؒ (متوفی ۱۱۲۶ھ) شیخ امان اللہ بنارسی رحمہ اللہ جیسے عظیم اساتذہ اور ماہرین تعلیم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور علوم وفنون میں گہری بصیرت حاصل کی۔ فراغت تعلیم کے بعد اپنے والد ماجد علامہ بحرالعلوم رحمہ اللہ تعالیٰ کی مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے، آپ کی زیر نگرانی اس مدرسہ نے تمام علوم وفنون میں اپنے دور میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام حاصل کر لیا اور ہندوستان میں سب سے بڑا علمی مرکز قرار دیا گیا۔

ملا نظام الدین سہالوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مدرسہ کے لیے تعلیم کا ایک نظام اور نصاب مرتب کیا اور اس کا باقاعدہ عملی تجربہ کرنے کے بعد اس نظام تعلیم کی نتیجہ خیز خصوصیات کے پیش نظر ہندوستان کے باقی تمام مدارس نے بھی اسی کو اپنا لیا اور ہندوستان پر انگریزی سامراج کے تسلّط تک ہندوستان کے تمام تعلیمی اداروں میں یہی نظام تعلیم بنیادی حیثیت سے نافذ تھا۔

نمبر شمار	مضمون (Subject)	درسی کتاب	مصنف کا نام	زمانہ تالیف یا مؤلف کا زمانہ وفات
۱	التصریف والاشتقاق العربي	میزان الصرف	محمد بن مصطفی بن الحاج حسن	۹۱۱ھ
۲		المنشعب	ایضاً	
۳		پنج گنج	ایضاً	
۴		صرف میر	میر سید شریف الجرجانی رحمہ اللہ	۸۱۶ھ
۵		علم الصیغہ	مولانا المفتی عنایت احمد	۱۲۷۷ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

۶		الفصول الاکبریہ[۲۶۸]	القاضی محمد اکبر	غیر معروف
۷	النحو العربی	نحو میر (فارسی)	میر سید شریف الجرجانی رحمہ اللہ	۸۱۶ھ
۸		شرح مائۃ عامل	ملا محمد صادق	۱۱۹۰ھ
۹		ھدایۃ النحو	ابوحیان النحوی	
۱۰		الکافیۃ	الامام جمال الدین ابن الحاجب النحوی	۶۴۰ھ
۱۱		شرح الجامی علی الکافیۃ	مولانا شیخ عبدالرحمن الجامی	۸۵۰ھ
۱۲		شرح ابن عقیل علی الفیۃ ابن مالک (صرف فعل کی بحث)	امام عبداللہ بن احمد المعروف بابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ	۹۹ھ
۱۳	بلاغتِ عربی	تلخیص المفتاح	علامہ جلال الدین القزوینی خطیبِ دمشق	۳۹ھ
۱۴		مختصر المعانی شرح تلخیص المفتاح	سعد الدین التفتازانی	تقریباً ۳۵ھ
۱۵		المطول شرح تلخیص المفتاح	ایضا	
۱۶	علم العروض	عروض المفتاح	ابویعقوب السکاکی	۶۲۶ھ
۱۷	منطق	الصغری والمفتاح	میر سید شریف الجرجانی	۸۱۶ھ
۱۸		ایساغوجی	اثیر الدین الابھری	قبل ۶۶۰ھ

۲۶۸ یہ تمام کتابیں فارسی زبان میں ہے کیونکہ اس وقت رائج زبان یہی تھی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۹		شرح التهذیب للتفتازانی	عبد اللہ الیزدی	
۲۰		شرح الشمسیة	قطب الدین الرازی	سنہ ۷۶۶ھ
۲۱		سلم العلوم	محب اللہ البھاری	سنہ ۱۱۱۹ھ
۲۲		رسالۃ میر زاھد	میر محمد زاھد الھروی	سنہ ۱۱۰۱ھ
۲۳	فلسفہ	شرح المیبذی علی الھدایۃ الحکمۃ	الفاضل کمال الدین المیبذی	سنہ ۶۰۶ھ
۲۴		شرح الصدرا	صدر الدین الشیرازی	سنہ ۸۴۱ھ
۲۵		الشمس البازغۃ	ملا محمود جونپوری	سنہ ۱۰۶۲ھ
۲۶	عربی ادب	المقامات للحریری	ابو قاسم بن علی الحریری	سنہ ۵۱۶ھ
۲۷		دیوان المتنبی	احمد بن حسین ابو الطیب المتنبی	سنہ ۳۵۴ھ
۲۸		دیوان الحماسۃ	ابو تمام الطائی	سنہ ۲۳۲ھ
۲۹		المعلقات السبع	زمانہ جاہلیت کے مشہور اشعار	
۳۰	عقائد	شرح العقائد النسفیۃ	سعد الدین التفتازانی	سنہ ۷۶۸ھ
۳۱		المسامرۃ	کمال الدین بن الھمام رحمہ اللہ	سنہ ۹۰۵ھ
۳۲		حاشیہ الخیالی	شمس الدین الخیالی	سنہ ۸۷۰ھ
۳۳	تاریخ	تاریخ الخلفاء	علامہ جلال الدین السیوطی	سنہ ۹۸۱ھ
۳۴		تاریخ ابی فداء	ابو الفداء الحموی	سنہ ۸۷۶ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳۵	الطب	الموجز	ابوالحسن بن النفیس	۶۷۸ھ
۳۶		القانوچہ (فارسی)	محمد بن عمر چغمینی	نویں صدی
۳۷		حمیات القانون	شیخ ابو علی سینا	۴۲۸ھ
۳۸		شرح الاسباب	برھان الدین نفیس بن عوض	۸۲۸ھ
۳۹	ہیئت	التصریح	امام الدین بن لطف اللہ لاہوری	
۴۰		شرح الچغمینی	موسیٰ بن محمود قاضی زادہ	۸۱۴ھ
۴۱	ہندسہ	بست باب	نصیر الدین المحقق الطوسی	۶۸۲ھ
۴۲		اقلیدس	ابوالحسن ثابت بن قرۃ	۲۸۹ھ
۴۳	مناظرہ	الرسالۃ الرشیدیۃ	شمس الحق بن شیخ عبدالرشید	۱۰۸۳ھ
۴۴	فقہ	نور الایضاح	حسن بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۴۵		مختصر القدوری	ابو حسن قدوری	۴۲۸ھ
۴۶		کنز الدقائق	ابوالبرکات نسفی	۷۱۰ھ
۴۷		شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ	۵۴۳ھ
۴۸		ھدایہ	براہان الدین المرغینانی	۵۷۳ھ
۴۹	اصول فقہ	اصول الشاشی	نظام الدین شاشی	۷۵۴ھ
۵۰		نور الانوار شرح المنار	شیخ احمد ملا جیون	۱۱۰۵ھ
۵۱		مختصر الحسامی	حسام الدین محمد بن محمد بن عمر	۶۴۴ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵۲		التوضیح	صدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود	۷۳۵ھ
۵۳		التلویح	سعد الدین التفتازانی	۷۵۸ھ
۵۴		مسلم الثبوت	محب اللہ البھاری	۱۲۰۰ھ
۵۵	الفرائض	مختصر السراجی	سراج الدین السجاوندی	بعد ۵۹۰ھ
۵۶		الشریفیۃ	سید شریف الدین جرجانی	۸۱۶ھ
۵۷	اصولِ حدیث	شرح نخبۃ الفکر	حافظ ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۵۸	الحدیث	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین عراقی خطیب تبریزی	
۵۹		جامع البخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ
۶۰		صحیح مسلم	امام مسلم بن الحجاج قشیری	۲۶۱ھ
۶۱		جامع الترمذی	امام ابو عیسیٰ ترمذی	۲۷۹ھ
۶۲		سنن ابی داود	امام ابوداود سلیمان ابن اشعث	۲۷۹ھ
۶۳		سنن نسائی	امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی	۲۰۶ھ
۶۴		سنن ابن ماجہ	امام ابوعبداللہ	۲۷۳ھ
۶۵		کتاب الشمائل	امام ابو عیسیٰ ترمذی	۲۷۹ھ
۶۶		شرح معانی الآثار	امام ابو جعفر طحاوی	۳۲۱ھ
۶۷		الموطأ	امام مالک بن انس	۱۷۹ھ
۶۸		الموطأ	امام محمد بن حسن شیبانی	

toobaa-elibrary.blogspot.com

۶۹	تفسیر	تفسیر الجلالین	جلال الدین سیوطی وجلال الدین المحلی	دسویں صدی
۷۰		انوار التنزیل	قاضی عبداللہ بن عمر البیضاوی	۱۹ھ
۷۱		مدارک التنزیل	امام نجم الدین نسفی	۵۳ھ
۷۲	اصول تفسیر	الفوز الکبیر فی اصول التفسیر	امام شاہ ولی اللہ دھلوی	۱۷۲اھ

یہ نظام تعلیم علوم عربیہ، تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد وکلام، فلسفہ ومنطق، ریاضی طب اور ہندسہ وغیرہ تمام علوم کو جامع تھا۔ درس نظامی چونکہ تمام دینی اور دنیاوی علوم پر مشتمل تھا، اس لیے اس نظام تعلیم کے فارغ التحصیل مسلمان طلباء عملی زندگی کے ہر شعبے کی ذمہ داریاں اٹھالینے کی استعداد رکھتے تھے۔ چنانچہ ہر شخص اپنے ذوق اور صلاحیتوں کے مطابق زندگی کے جس شعبہ کو پسند کرکے اختیار کرلیتے اس میں اس کو ترقی کے تمام تر مواقع میسر رہتے تھے۔

غرض یہ کہ اس نظام تعلیم کے زیر تربیت کبار علماء مفسرین، محدثین، فقہاء متکلمین فلاسفہ، ادباء اور مصنفین کی طرح ماہرین طب وسائنس بڑے بڑے آفیسر اور ماہرین قانون بھی پیدا ہوئے۔ یہ لوگ علم و فن کے میدان میں مکمل دسترس رکھتے تھے۔

اس نظام تعلیم کا بنیادی اور اساسی مقصد یہ تھا کہ اس کو پڑھنے والا ہر شخص اپنے دین میں مکمل رسوخ حاصل کرے اور اپنے عقائد میں پختگی پیدا کرکے اپنی عملی زندگی کو دینی بنیادوں پر استوار کرے، نیز اپنے عقائد اور عمل کی صحت ودرستگی کے دلائل سے کما حقہ واقف ہوسکے، تاکہ غیر اقوام کے کھوکھلے نظریات اس کو کسی دھوکہ میں مبتلا نہ کرسکیں اور نہ ہی غلط راستوں پر ڈالنے میں کامیاب ہوسکیں، اس وجہ سے فراغت کے بعد طالب علم بے خوف وخطر طب وسائنس کا شعبہ اختیار کرلے یا فلسفہ ومنطق کا۔ خواہ تفسیر حدیث اور فقہ وقانون کے شعبوں کو اپنالے اس کے راہ راست سے بھٹک جانے کا کوئی اندیشہ نہ ہوتا تھا۔

مذکورہ بالا کتب اس نظام تعلیم کے اسی اساسی اور بنیادی مقصد کی طرف مکمل رہنمائی کرنے کے ساتھ طلباء میں صحیح علمی ذوق بھی پیدا کردیتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ اس نظام تعلیم کا اساسی اور بنیادی مقصد طلباء میں صحیح ذوق پیدا کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظام تعلیم کے ماہرین نے نصابی

toobaa-elibrary.blogspot.com

کتب کے تغیر و تبدل کے بارے میں کسی جمود سے کام نہیں لیا کہ آئندہ بھی انہی مخصوص کتب پر انحصار کیے رکھتے۔ بلکہ یہ ایک زمینی حقیقت ہے کہ ہندوستان کے ارباب مدارس دینیہ اس نصاب "درس نظامی" کو ایک بنیادی سلیبس کے طور پر تو اختیار کیے ہوئے ہیں لیکن حالات و واقعات کے تبدّل و تغیّر کے ساتھ اس میں حذف و اضافہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ البتہ اس ضمن میں اس بات کا ہمیشہ سے ہی خصوصی خیال رکھا گیا کہ "درس نظامی" کی حقیقی روح اور اغراض و مقاصد کسی طور متاثر نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ سلطنت مغلیہ کے زوال تک ہندوستان کے تقریباً تمام مدارس میں "درس نظامی" کی یہی روح سالہاسال تک یوں ہی کار فرما رہی۔

یہاں اس امر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وقت کے مروجہ نظام تعلیم (درس نظامی) میں بعض جدید علوم و فنون کا اشد ہونا ضروری تھا، کیونکہ مغربی فلاسفہ اور سائنس والوں نے فلسفہ و سائنس کی بہت سے جدید موضوعات اور مباحث کا اضافہ کیا تھا، یہ تغیر اگر مسلم حکمرانوں کے عہد میں واقع ہوتا تو یقیناً وہ اس جدید فلسفہ و سائنس کا درس نظامی میں اس انداز سے اضافہ کر دیتے کہ اس سے ان کے نظام تعلیم کی حقیقی روح بھی متاثر نہ ہوتی اور نہ اس کے اغراض و مقاصد کو کوئی نقصان پہنچ پاتا۔

لیکن بدقسمتی سے یہ تغیر اس وقت رونما ہوا جب انگریزی دور حکومت میں برصغیر ہند پر انگریزی سامراج کے مسلط ہو جانے کے بعد انگریز نے یہاں پر ایک جدید نظام تعلیم کے نفاذ کا پروگرام مرتب کیا۔ اور انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس نظام تعلیم کے اغراض و مقاصد کی کچھ پرواہ نہ کی بلکہ اس کے علی الرغم اپنی تمام تر کوشش اس کام میں لگا دی کہ مسلمانوں کے قلوب سے دین اسلام اور اللہ و رسول سے محبت کے ہر پہلو کو محو کر دیا جائے۔ انگریزی سامراجیوں نے فلسفہ و سائنس کے علوم میں اس تغیر کو بہانہ بنا کر تعلیم کے اس نظام کو جو قلوب و اذہان میں ایمان و حکمت کی آبیاری کرتا تھا، سرے سے ہی تبدیل کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ چنانچہ اس نے مدارس میں تعلیم و تربیت کا ایک ایسا جدید نظام نافذ کر دیا، جس نے مسلمانوں کے نظام تعلیم کے اغراض و مقاصد کو ہی الٹ کر رکھ دیا۔ اس جدید نظام تعلیم میں علوم قرآن و سنت اور مسلمانوں کے اسلاف کے تذکروں کو تقریباً سرے سے ختم کر دیا گیا اور صحیح دینی فکر و نظر سے یکسر محروم کر دیا۔

بظاہر انگریزوں کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو جدید علوم سے آراستہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن اس دعوی کے پس پردہ در حقیقت یہ مقاصد کار فرما تھے کہ مسلمانوں کے قلوب میں مغربی علوم و تمدن کے تفوّق کے ذریعہ مغرب کی بالادستی کو راسخ کر دیا جائے، جس کا یقیناً یہ نتیجہ ہو گا کہ مسلمانوں کے اپنے علوم و

toobaa-elibrary.blogspot.com

تمدّن وتہذیب اور قومی تشخص ونظام تعلیم وغیرہ تمام امور ان کی نظروں میں حقیر اور بے معنٰی ہوکر رہ جائیں گے۔ چنانچہ اس جدید نظام تعلیم کے بانی ومرتب لارڈ میکالے نے ہندوستانیوں کے تعلیمی امور پر بحث کے دوران برطانوی دارالعلوم کے ایک اجلاس میں واشگاف الفاظ میں اپنے مقاصد کا یوں اظہار کیا تھا کہ:

> ہمارے لیے یہ اشد ضروری ہے کہ ہم ہندوستانی نوجوانوں کے اذہان وقلوب کو بدل ڈالنے کی کوشش کریں، ہم ان کو ہندوستانی عوام اور اجنبی حکمرانوں کے درمیان رابطہ کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں، ہمیں ان لوگوں کی تربیت اس انداز سے کرنا ہے کہ نسل ورنگ کے اعتبار سے تو یہ ہندوستانی ہی رہیں، لیکن ذہنی وفکری انداز خالصتاً انگریزی ہونا چاہیے۔

اندازہ لگائیے کہ اس جدید نظام تعلیم کی ترویج میں پس پردہ انگریزوں کے مقاصد کس قدر گھناؤنے تھے۔

الغرض یہ جدید نظام یکے بعد دیگرے ہر علاقے میں پھیلتا چلا گیا حتی کہ پورے ہندوستان میں اس کارواج ہوگیا۔ مسلمانوں نے اس خوش فہمی میں اسے خوش آمدید کہا کہ اس طرح جدید علوم اور ٹیکنیکل صنعتوں سے وہ بھی فوائد حاصل کرسکیں گے، اور ان میں بھی دیگر ہندوستانی اقوام کے شانہ بشانہ چلنے کی استعداد پیدا ہوسکے گی۔ دوسری طرف حکومت نے تمام سرکاری ونیم سرکاری ملازمتوں کے لیے صرف اس جدید نظام تعلیم کے تربیت یافتہ افراد کے قبول کیے جانے کا اعلان کرکے درس نظامی کے فارغ التحصیل تمام افراد کے لیے معاش کے دروازے بند کردیے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ہندوستانی باشندوں کی عظیم اکثریت انہی سرکاری تعلیمی اداروں کی جانب اُمڈ پڑی اور ایک انتہائی قلیل تعداد کے سوا پوری قوم نے قدیم طرز کے دینی تعلیمی مدارس کے بارے میں مکمل طور پر سرد مہری بلکہ بے توجہی کا رویہ اختیار کرلیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ درس نظامی کے تحت چلنے والے مدارس کی تعداد روز بروز گھٹتی چلی گئی۔

اس صورت حال نے ہندوستان کے علماءِ کرام کو چونکا دیا۔ ان کو علوم دینیہ کے ضائع ہوجانے کا شدت سے احساس ہونے لگا۔ چنانچہ علوم دینیہ کی حفاظت اور ان کی نشر و اشاعت کے پیش نظر ان حضرات نے درس نظامی کی تعلیم کے لیے نئے مدارس کھولنے کی طرف پوری توجہ دینی شروع کردی، علماء کی ایک جماعت نے ان حضرات کی دعوت پر لبیک کہا، کم آمدنی حتی کہ فقر و تنگ دستی کو گلے سے لگایا اور علوم اسلامیہ کی حفاظت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردیں۔

یہی وہ بڑا سبب ہے جس کی وجہ سے دینی اور دنیاوی، دو الگ الگ شعبوں میں مسلمانوں کا تعلیمی

toobaa-elibrary.blogspot.com

نظام منقسم ہوکررہ گیا۔ نتیجہ یہ ہواکہ سرکاری اسکولوں اور کالجوں نے علوم دینیہ سے بیگانگی کارویہ اختیار کرکے خالصتاً جدید علوم وفنون کی ترویج و تعلیم کو ہی اپنا محور و مقصد قرار دے لیا، اور دینی مدارس نے جدید مروجہ علوم سے قطع نظر کرکے علوم دین اور اس کے مقتضیات ہی کی تعلیم و تعلم کے لیے خود کو وقف کرلیا۔

گو اس دور میں بعض علماء نے ایسے بھی مدارس قائم کیے جن میں جدید وقدیم اور دین دنیا، دونوں علوم کو یکجا کرنے کی ایسی کوششیں کی گئیں جن میں علوم جدیدہ کی تعلیم اس طرح دی جاتی کہ طلباء الحاد کی راہ پر لے جانے والی اور دین سے نفرت پیدا کرنے والی کفار کی دسیسہ کاریوں سے کچھ بھی متاثر نہ ہوسکیں۔ لیکن یہ کام اتنا بڑا تھا کہ اس کے لیے وسیع تر مادی وسائل، قدیم وجدید علوم پر حاوی ماہرین اساتذہ اور علوم جدیدہ کی تعلیم کے لیے نئی کتابوں کی تصنیف و تالیف (کیونکہ موجودہ کتب الحاد اور دین سے دوری پیدا کرنے والے زہر قاتل سے بھری ہوئی ہیں) کی شدید احتیاج تھی، نیز ایسے مدارس کے لیے یہ بھی ایک شدید ضرورت تھی کہ حکومت ان مدارس کی سندات کو باقاعدہ طور پر تسلیم کرلیتی۔ مگر صد افسوس کہ انگریزی سامراج کے دور حکومت میں مسلمانوں کو ان میں سے ایک سہولت بھی میسر نہ آسکی۔ جس کا نتیجہ یہ ہواکہ اس طرح کی کوششیں بارآور نہ ہوسکیں، اس لیے ہندوستان کے علماء کو خالص دینی مدارس کی ترویج وترقی اور اپنے پرانے طریقے کی بقاء کی کوششوں پر مجبور ہونا پڑا۔

بلاشبہ خالص دینی مدارس نے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے عظیم خدمات انجام دی ہیں۔ انگریزوں کی خواہش کے برخلاف اور اس راہ میں پیش آمدہ مشکلات کے باوجود بے شمار ایسے اکابر علماء پیدا کیے، جنہوں نے اپنی وسعت علمی اور تقویٰ وللّٰہیت کے بناء پر تمام دینی موضوعات پر بے شمار تالیفات کیں، پرچم اسلام کی سربلندی کے لیے خود کو فنا کردیا اور کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامے رکھنے اور اللہ و رسول اور مؤمنین کے ساتھ غایت درجہ محبت رکھنے میں متقدمین اسلاف کی یادیں تازہ کردی۔

اِن دینی مدارس کے پیش نظر اگرچہ بنیادی مقصد علوم اسلامیہ کو اسی طرح جوں کا توں محفوظ رکھنا تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے موجود اور قابل عمل رہیں، مزید برآں ان مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والے افراد اپنے اسی بنیادی مقصد پر اکتفاء کرکے نہیں بیٹھ رہے، بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ بیشتر حضرات نے نووارد فنون ونظریات میں بھی اس غرض سے مکمل دسترس حاصل کرلی تاکہ ان کارد پیش کرکے ان شبہات کا ازالہ کیا جاسکے، جن کو یہ اہل باطل اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اچھالتے رہتے تھے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

دینی مدارس نے علوم دینیہ کی بقاء واشاعت، دین پر ہونے والے علمی حملوں کا مکمل دفاع اور جہد مسلسل اور مسلم عوام کی دینی تربیت کی خاطر اس دور میں اپنے تمام تر وسائل اور صلاحیتیں صرف کرڈالیں۔ یہاں کے فارغ التحصیل علماء نے دینی موضوعات پر ہندوستان کی تقریباً ہر زبان میں بے شمار کتابیں تصنیف کرکے اپنے خطبوں اور وعظوں کے ذریعہ تمام خطوں کے گلی کوچوں جامع مساجد، عوام کی منعقدہ تبلیغی مجالس اور دوسرے علمی مباحث کے لیے مختلف تبلیغی وفود کے ذریعہ ان باطل نظریات کا نہایت علمی انداز میں انسداد کردیا۔ الحمدللہ تعالیٰ

قیام پاکستان کے بعد

تقسیم سے پہلے ہندوستان میں قائم مدارس دینیہ کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ سامراجی استعمار سے آزادی کے اس دشوار گذار (دفاعی پوزیشن سے گذرنے کے) مرحلہ تک جس طرح بھی ممکن ہوسکے، علوم اسلامیہ کی بقاء کی جنگ لڑی جائے، لیکن جب ایک آزاد وخود مختار مملکت معرض وجود میں آجائے، اور نیا نظام وضع کرنے کا زریں موقع ہاتھ آئے تو کوشش یہ کی جائے کہ جدید وقدیم علوم وفنون سے آراستہ وپیراستہ ایک ایسا جامع تعلیمی نظام متعارف کرایا جائے جس میں دین اور دنیا ہر دونوں کو اپنا اپنا مقررہ حصہ مل جائے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دوراندیش اکابر علماء کرام تاسیس پاکستان کے بعد اسی نئے تعلیمی نظام کی تنفیذ کے لئے پرامید رہے (جن کی اس حوالے سے پیش کی گئی تجاویز ہم اس سلسلۂ گفتگو کے اخیر میں ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کریں گے) مگر صد افسوس کہ پاکستان اپنے قیام کے اوّل روز سے ہی مسلسل سیاسی بحرانوں اور شدید اقتصادی مشکلات میں گھرا رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کو یہ مہلت ہی نہ مل سکی کہ جدید وقدیم نظام تعلیم کو یکجا کرکے ایک متفقہ جدید نظام تعلیم کی ترتیب میں اپنا کردار ادا کرے۔ چنانچہ دینی مدارس میں آج بھی وہی نظام تعلیم معمولی تغیر کے ساتھ رائج ہے جو ہندوستان میں مسلمانوں کے ہاں رائج چلا آرہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں دو متوازی نظام تعلیم رائج ہیں۔ ایک تو وہ نظام ہے جو سرکاری اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں رائج ہے، جس میں دین کی بعض بنیادی باتوں کی زیادتی کرکے خالصتاً جدید علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور دوسرا قدیم طرز کا نظام تعلیم دینی مدارس میں جاری ہے، جس میں معمولی ترمیمات کے ساتھ درس نظامی ہی کو پڑھایا جاتا ہے، جسے الحمدللہ روز افزوں پذیرائی مل رہی ہے، جو مدارس کے مندرجہ ذیل

toobaa-elibrary.blogspot.com

اعداد و شمار سے واضح ہے:

پاکستان میں دینی مدارس

۱۳۹۲ھ کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں دینی مدارس کی مجموعی تعداد تقریباً آٹھ سو ترانوے ۸۹۳ ہے، پاکستان میں صوبہ وار دینی مدارس، اساتذہ اور طلباء کی تعداد کا اندازہ ذیل کے نقشہ سے لگایا جاسکتا ہے:

صوبہ	تعداد مدارس	تعداد اساتذہ	تعداد پاکستانی طلبہ	غیر ملکی طلباء	کل تعداد طلباء
پنجاب	۵۸۰	۱۴۹۵	۲۸۵۹۳	۵۰۲	۲۹۰۹۵
سندھ	۷۲	۳۱۸	۵۲۴۳	۱۸۸	۵۴۳۱
خیبر پختون خواہ (KP)	۱۰۴	۴۴۵	۸۵۹۰	۹۱۶	۹۵۰۶
جن کے اعداد و شمار حاصل نہیں ہوسکے	۱۱۴	=	=	=	=
مجموعی تعداد	۸۹۳	۲۳۳۱	۴۳۶۳۳	۱۶۰۶	۴۵۲۳۹

اور اس تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا جارہا ہے اور اب یہ مدارس تقریباً ہر ہر شہر اور اطراف میں دینی خدمات میں مصروف عمل ہیں، بڑھتی ہوئی مدارس کی تعداد کے مدنظر ان کے نصاب اور امتحانات کے نظم کو مربوط رکھنے اور ان میں اتحاد و اتفاق کے قیام کی غرض سے ۱۳۷۸ھ میں متعدد ادارے تشکیل دیے گئے، جن میں وفاق الجامعات والمدارس الاسلامیہ بھی ہے،[۲۱۹] اور حنفی علماء کے مدارس کی نمائندگی کرتا ہے، جس کے تحت ۱۴۳۱ھ کے اعداد و شمار کے مطابق ۱۲۷ مدارس رجسٹرڈ ہیں، اور مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

---

۲۱۹ جواب "وفاق المدارس العربیہ پاکستان" کے نام سے موسوم ہے۔ مترجم

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفاق سے ملحقہ مدارس اور جامعات میں زیر تعلیم طلبہ وطالبات کی تعداد ۱۴۳۱ھ کے مطابق اعداد وشمار کے مطابق ۲۰۶۶۷۷ ہو چکی ہیں۔ جیسے پاکستان میں "تنظیم المدارس الدینیہ" جو بریلوی مکتب فکر کی نمائندگی کرتے ہیں اور وفاق المدارس اہل الحدیث سمیت ایک وفاق ان مدارس کا بھی قائم ہے جو جماعت اسلامی کی طرف منسوب ہے۔ اسی طرح ایک اور بورڈ شیعہ مدارس کا بھی ہے، لیکن ان سب میں سب سے بڑی اور کثیر مدارس وطلبہ کی تعداد اول الذکر بورڈ "وفاق الجماعات والمدارس الاسلامیہ" (وفاق المدارس العربیہ پاکستان) ہی کی ہے۔ اور صورت حال یہ ہے کہ ان تمام مدارس کے لیے مستقل بنیادوں پر مالی معاونت کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب دین کا دَرد رکھنے والے مسلمانوں ہی کے تعاون سے چلتے ہیں، اور ان میں اکثر تعداد ان مدارس کی ہے جو کسی بھی قسم کی حکومتی مالی امداد کو قبول نہیں کرتے۔ دوسری طرف یہ مدارس نہ صرف یہ کہ اسلامی علوم پڑھانے پر کسی بھی قسم کی کوئی فیس نہیں لیتے۔ بلکہ ضرورت مند طلبہ کے قیام وطعام کی بھی کفالت کرتے ہیں۔ ان وفاقوں نے اپنے اپنے ملحقہ مدارس کے نصاب کو مرحلہ وار اس طرح تقسیم کیا ہے:

مرحلہ متوسطہ، ثانویہ عامہ، ثانویہ خاصہ، عالیہ، عالمیہ وہ مدارس جہاں عالیہ و عالمیہ کا نصاب پڑھایا جاتا ہے، انہیں وفاقات کی اصطلاح میں "جامعات" سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور گو کہ پرائیویٹ سطح کی اسلامی یونیورسٹیاں ہیں، مگر وفاق کی طرف سے صادر شدہ شہادتِ عالمیہ کی سند سرکاری اداروں میں مساوی M-A تسلیم کی جاتی ہے۔ روز افزوں تغیر پذیر حالات کے پیش نظر یہ وفاقات اپنے مقررہ درس نصاب میں نظر ثانی کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح ۱۴۳۱ھ و ۱۴۳۲ھ کا مقررہ درسی نصاب یہ ہے:

مرحلہ متوسطہ (سیکنڈری)			
پہلا سال (چھٹی جماعت)		دوسرا سال (ساتویں جماعت)	
۱	تعلیم الاسلام	۱	سیرت خاتم الانبیاء (اردو)
۲	معاشرتی علوم	۲	معاشرتی علوم (برائے ساتویں جماعت)
۳	اردو	۳	اردو (برائے ساتویں جماعت)

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴	ریاضی	۴	ریاضی (برائے ساتویں جماعت)
۵	سائنس	۵	سائنس (برائے ساتویں جماعت)
۶	تسہیل المبتدی	۶	پندنامہ (فارسی)
۷	فارسی کا آسان قاعدہ	۷	نام حق (فارسی)
۸	کریما (فارسی)	۸	گلستان باب ۸ (فارسی)
۹	انگریزی		
	مڈل و میٹرک		
	پہلا سال (آٹھویں جماعت)		دوسرا اور تیسرا سال (نویں و دسویں جماعت)
۱	بہشتی گوہر (اردو)	۱	اسلامیات (برائے نویں، دسویں جماعت)
۲	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (اردو)	۲	اردو (برائے نویں، دسویں جماعت)
۳	اردو (برائے آٹھویں جماعت)	۳	انگریزی (برائے نویں، دسویں جماعت)
۴	معاشرتی علوم (برائے آٹھویں جماعت)	۴	ریاضی (برائے نویں، دسویں جماعت)

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵	ریاضی (برائے آٹھویں جماعت)	۵	مطالعہ پاکستان (برائے نویں، دسویں جماعت)
۶	گلستان باب ا تا ۴	۶	سائنس (برائے نویں، دسویں جماعت)
۷	انگریزی (برائے آٹھویں جماعت)		
۸	سائنس (برائے آٹھویں جماعت)		
۹	خلاصة التجوید		

مرحلہ ثانویہ عامہ			
پہلا سال (درجہ اولی)		دوسرا سال (درجہ ثانیہ)	
۱	جمال القرآن (تجوید)	۱	ترجمہ وتفسیر (عم پارہ) (تفسیر)
۲	الطریقۃ العصریۃ (الجزء الاول والثانی) (عربی ادب)	۲	فوائد مکیہ (تجوید)
۳	میزان الصرف ومنشعب، پنج گنج، ارشاد الصرف، علم الصرف کامل	۳	زاد الطالبین (حدیث)
۴	نحو میر شرح مائۃ عامل (نحو)	۴	القراءۃ الراشدۃ (عربی ادب)
۵	صفوۃ المصادر تیسیر الأبواب (صرفی مشق)	۵	معلم الانشاء: الجزء الاول

toobaa-elibrary.blogspot.com

			(عربی ادب)
٦	المنہاج فی القواعد والاعراب، النحو الیسیر، تسہیل النحو (نحوی مشق)	٦	مختصر القدوری (فقہ)
		۷	علم الصیغۃ مع خواص الابواب (صرف)
		۸	علم الصیغۃ مع خواص الابواب (صرف)
		۹	ھدایۃ النحو مع تسہیل الادب (نحو)
		۱۰	تیسیر المنطق (منطق)
		۱۱	ایساغوجی (منطق)
		۱۲	مرقات (منطق)

مرحلہ ثانویہ خاصہ			
پہلا سال (درجہ ثالثہ)		دوسرا سال (درجہ رابعہ)	
۱	سورۃ العنکبوت سے سورۃ	۱	سورہ یونس سے سورۃ العنکبوت

toobaa-elibrary.blogspot.com

	المرسلات تک (تفسیر)		تک (التفسیر)
۲	ریاض الصالحین (الحدیث)	۲	ریاض الصالحین: کتاب الجہاد سے کتاب الدعوات کے آخر تک (الحدیث)
۳	کنز الدقائق: الی کتاب الفرائض (فقہ)	۳	شرح الوقایۃ: الجزءان الآخران (فقہ)
۴	اصول الشاشی (اصول فقہ)	۴	نور الانوار: شروع سے قیاس تک (اصول فقہ)
۵	آسان اصول فقہ	۵	شرح ملا جامی للکافیۃ: مرفوعات کی بحث سے قیاس کی بحث تک (نحو)
۶	الکافیۃ (نحو)	۶	المقامات للحریری (ادبِ عربی)
۷	نفحۃ العرب "حصۂ نثر" (ادبِ عربی)	۷	معلم الانشاء ج۳ (ادبِ عربی)
۸	تعلیم التہذیب (اخلاق)	۸	القطبی (منطق)
۹	شرح التہذیب (منطق)	۹	دروس البلاغۃ (بلاغت)
۱۰	معلم الانشاء الجزء ۴ (انشاءِ عربی)		

toobaa-elibrary.blogspot.com

مرحلہ عالیہ (مساوی بی۔اے)			
پہلا سال (درجہ خامسہ)		دوسرا سال (درجہ سادسہ)	
۱	سورۃ الفاتحہ سے سورۂ یونس تک (ترجمہ و تفسیر)	۱	تفسیر الجلالین: المحلیؒ والسیوطیؒ (تفسیر)
۲	الھدایۃ ج ۱ (فقہ)	۲	الفوز الکبیر (اصول تفسیر)
۳	الحسامی (اُصول فقہ)	۳	مسند امام اعظمؒ (الحدیث)
۴	التاریخ الاسلامی (تاریخِ اسلام)	۴	خیر الاصول (اصول حدیث)
۵	مختصر المعانی (بلاغت)	۵	اَلسراجی (الفرائض)
۶	تلخیص المفتاح (بلاغت)	۶	الھدایۃ ج ۴
۷	الھدیۃ السعیدیۃ (فلسفہ)	۷	التوضیح والتلویح (اصول فقہ)
۸	الانتباھات المفیدۃ لحل الشبہات الجدیدۃ (عقائد)	۸	العقیدۃ الطحاویۃ، شرح العقائد النسفیۃ للتفتازانی (عقائد)
۹	مختارات الأدب (ادبِ عربی)	۹	فہم الفلکیات (الفلکیات)
۱۰	السبع المعلقات (ادبِ عربی)	۱۰	دیوان الحماسۃ (ادبِ عربی)
۱۲	ھدایۃ الحکمۃ (فلسفہ)	۱۱	متن الکافی (ادبِ عربی)

toobaa-elibrary.blogspot.com

مرحلہ عالیہ (مساوی ایم۔اے)			
پہلا سال (موقوف علیہ)		دوسرا سال (دورہ حدیث)	
۱	التبیان فی علوم القرآن	۱	سنن النسائی
۲	تفسیر البیضاوی	۲	سنن ابن ماجہ
۳	شرح نخبۃ الفکر	۳	سنن أبی داود
۴	مشکوۃ المصابیح کاملاً	۴	صحیح مسلم
۵	الھدایۃ ج ۴،۳	۵	صحیح البخاری
		۶	جامع الترمذی
		۷	شمائل الترمذی
		۸	شرح معانی الآثار للطحاوی
		۹	موطا الامام مالک
		۱۰	موطا امام محمد

اس نقشہ سے صاف ظاہر ہے کہ مدارس ہو یا جامعات، درس نظامی اور اس میں موجود مواد کے حوالے سے کبھی بھی جمود کا شکار نہیں رہے۔ بلکہ جیسے جیسے نت نئی ضروریات پیش آتی گئیں، ان میں کمی بیشی یا نئے مواد کا اضافہ ہوتا رہا ہے۔ جیسے کہ اس مقالہ کی ابتداء میں ذکر کردہ درس نظامی کے نصاب کے ساتھ حالیہ وفاق کے نصاب کے موازنہ سے ظاہر ہے، اسی طرح کچھ عصری علوم بھی ان مدارس کے نصاب میں داخل کیے گئے ہیں۔ جس کا مقصد جہاں ایک جانب طلبہ کو عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ہے، وہیں دوسری جانب انہیں اس قابل بنانا ہے کہ یہ اپنی زندگی میں دعوت وارشاد کے پیغام کو کلموا الناس علی قدر عقولھم (لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق بات کرو) کی رو سے عوام الناس کی عقلی سطح کے مطابق احسن

toobaa-elibrary.blogspot.com

انداز میں پہنچائیں۔ لیکن اس مقصد کے حصول کے لیے مندرجہ ذیل نکات کی رعایت از حد ضروری ہے۔

ا۔ مقصدیت کو سامنے رکھنا

ان جامعات اور مدارس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ یہاں سے علوم اسلامیہ میں تفسیر و حدیث اور فقہ سمیت دیگر علوم و فنون جیسے علوم عربیہ وغیرہ میں گہرے مطالعہ کے حامل متخصصین رجال کار تیار کیے جائیں، کیوں کہ ظاہر ہے کہ ایک شخص کا بیک وقت تمام علوم میں متخصص ہونا ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ داخلِ نصاب علومِ عصریہ کی تعلیم کا مقصد انہیں اس میدان میں متخصص بنانا نہیں، بلکہ یہ مقصود کے لیے معاون ہیں، جو اس سے کہیں اوپر ہے۔

ان مدارس کا ہدف صرف ان علوم کا پڑھنا پڑھانا نہیں، بلکہ اسے خالص دینی بنیادوں پر استوار کرنا ہے، اور طلبہ کرام دینی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کامل اتباع کا پابند بنانا ہے۔ اور جملہ گوشہائے زندگی میں اپنے اسلاف کے مسلک و مشرب پر ایسے متخرجین تیار کرنا ہے، جو ان کے اسوہ و تعلیمات پر سختی سے عمل پیرا ہوں، یہاں تک کہ اپنے ظاہری حلیہ اور لباس و پوشاک تک میں ان کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں، اور اپنے اس عظیم مقصد کو قربان کر کے کسی اور تعلیمی سرگرمی کے لیے رضامند نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ادارے ایسے اساتذہ کا انتخاب کرتے ہیں، جو اس معیار پر پورا اترتے ہوں، چاہے وہ دینی علوم کے لیے ہوں یا عصری علوم کے لیے، اور ان کے تقرر کے لیے کڑا معیار اپناتے ہیں، چاہے کتنی ہی دشواری ہو۔

۲۔ علوم عصریہ میں اصلاحات کی ضرورت

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ علومِ عصریہ نہ دین سے متصادم ہے اور نہ ہی دینی علوم سے، بلکہ اکثر ان میں معاون ثابت ہوتے ہیں لیکن عصر حاضر کے جن مدوّنین نے انہیں مدوّن کیا ہے، ان میں اکثریت غیر مسلم رہے ہیں، جنہوں نے خالص عقل کو بنیاد بناتے ہوئے انہیں اس طرح ترتیب دیا ہے، جس کا دین سے دور کا بھی واسطہ نہیں، چنانچہ انہوں نے علوم کے حقائق اور مشاہدہ و تجربہ سے ثابت شدہ امور کو ان کھوکھلے نظریات کے حوالے کر دیا ہے، جو درحقیقت نفسیاتی خواہشات و آراء پر مبنی ہے، جس سے یہ علوم دینی عقائد و احکام سے بایں طور متصادم ہیں کہ ان کے ذریعے طلبہ کے دلوں میں شکوک و شبہات کے بیج

toobaa-elibrary.blogspot.com

بوئے جاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مثبت طرزِ فکر اپناتے ہوئے ان علوم کی اس طرح تدوینِ نو کی ضرورت ہے کہ ان میں کسی بھی قسم کے خلط ولبس کی گنجائش نہ رہے، اور جملہ امور پوری وضاحت کے ساتھ ہو اور ہر ہر چیز کو اس سے وابستہ حق پوری دیانت سے سپرد ہو۔

بلاشبہ یہ بھاری بھرکم کام ہر ہر علم کے ایسے متخصص کی خصوصی توجہات کا محتاج ہے، جو اس کام کی پوری گہرائی سے بصیرت رکھتا ہو، اور زمینی حقائق اور تغیر پذیر نظریات سمیت درست اور غلط کے درمیان صحیح معنوں میں تمیز کر سکے۔

گو کہ فی الحال اس حوالے سے حالات موافق نظر نہیں آرہے۔ تاہم کم از کم اتنا ضرور ہو سکتا ہے کہ تدریسی عملہ اسلام اور دشمنانِ اسلام کے مکر وفریب اور ملحدین وغیر اقوام کی کتب میں موجود شر انگیزی کے سرچشموں سے پوری طرح واقف ہوں، تاکہ وہ اس قابل ہو سکیں کہ متعفن پانی اور شفاف ونتھرے ہوئے پانی میں حقیقی معنوں میں امتیاز کر سکیں۔

طریقۂ تعلیم

دینی مدارس میں طریقہ تعلیم کی خصوصیت یہ ہے کہ طالب علم اپنے سامنے کتاب کھولے رکھتا ہے، روزانہ استاد کسی ایک طالب کو اس کتاب کا کچھ حصہ پڑھنے کا حکم دیتا ہے، طالب علم پڑھتا ہے اور استاذ اور دوسرے طلباء سنتے ہیں۔ اس دوران پڑھنے والے سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو استاذ اس کی اصلاح بھی کرتے جاتے ہیں۔ جب طالب علم عبارت پڑھ لیتا ہے تو استاذ صاحب اس عبارت کے مضمون پر تشریح و تقریر کرنا شروع کرتے ہیں۔، جسے طلباء سنتے رہتے ہیں اور جو لکھنا چاہتا ہے لکھتا رہتا ہے۔ پھر استاذ صاحب کتاب کی اسی عبارت کو دوبارہ پڑھنا شروع کرتے ہیں اور اپنی تشریحی تقریر کے ساتھ اس کی مطابقت کرتے جاتے ہیں۔ جس میں بوقت ضرورت کتاب کے مؤلف پر تنقید بھی ہوتی ہے۔ پھر اس سبق سے متعلق استاذ صاحب طلباء کو سوالات کے ذریعہ اپنے اشکالات حل کرنے کا وقت دیتے ہیں۔ چنانچہ طلباء اپنے اعتراضات و سوالات پیش کرتے ہیں اور استاذ صاحب ان اشکالات کے جو ان کے اذہان کے اعتبار سے مشکل تھے، یا ان کو سمجھنے میں دشواری پیش آتی تھی، وضاحت کے ساتھ جواب دیتے جاتے ہیں نیز اپنی تشریحی تقریر پر ہونے والے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اعتراضات کا جواب دیتے ہیں۔ غرض یہ کہ ہر سبق اس طرح اختتام پذیر ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ ہر طالب علم کے لیے آئندہ پڑھنے والے سبق کا مطالعہ اور پڑھے ہوئے سبق کا اعادہ انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ اسباق ختم ہوتے ہی طلباء چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ہر ٹولی اپنے میں سے ایک قابل طالب علم کو چن لیتی ہے جو گزشتہ پڑھے ہوئے اسباق کا مذاکرہ کراتا ہے۔ وہ تقریر کرتا ہے اور باقی طلباء سنتے ہیں جو بات کسی کو سمجھ میں نہ آئے اسے بار بار پوچھتے ہیں۔ اور بسا اوقات یہ سننے والے طلباء پڑھنے والے کی غلطی پر متنبہ کرکے اس کی درستگی کر دیتے ہیں۔

اور ان مدارس کے متخرجین دینی و عصری تعلیمی اداروں میں علوم دینیہ، افتاء، تصنیف و تالیف، مساجد میں وعظ و نصیحت، اور مختلف علاقوں میں قائم شرعی عدالتوں، دینی اخبارات و جرائد کے مختلف اداروں میں اپنے ذوق و حالات اور علمی استعداد کے مطابق سرگرم عمل ہو جاتے ہیں۔

مدارسِ دینیہ کا تعلیمی نظام، تنقیدی نقطۂ نظر سے

عصری تعلیمی نظام کی ابتداء سے ہی مدارس دینیہ ہدف تنقید بنے نظر آتے ہیں، ان پر ہونے والے اعتراض بعض درست ہے اور بعض غلط، ذیل میں ان کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ کبھی یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مدارس میں مقررہ درسی نصاب قدیم طرز کا ہے، جو عصر حاضر کے تقاضوں سے میل نہیں کھاتا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مدارس اور اہل مدارس کے لئے یہ کوئی عیب کی بات نہیں، اس لئے اس تعلیمی نظام سے مقصود یہ ہے کہ ایک طالب علم علوم اسلامیہ، تفسیر، حدیث، فقہ اور کلام میں مہارتِ تامہ حاصل کرے، اور ان علوم وفنون میں مطلوبہ استعداد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی، جب تک کہ قدیم کتب اور ان کی اصطلاحات اور اسالیب سے مکمل مناسبت نہ ہو، اپنے اسی مقصد کے پیش نظر مدارس دینیہ اپنے نصاب میں انہی قدیم کتب کی درس و تدریس پر کاربند ہیں۔

۲۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ مدارس میں منطق اور فلسفہ پڑھایا جاتا ہے، جس کا رواج اور چلن ختم ہو چکا ہے، اور ان کے نظریات ہوا ہو چکے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ علوم اسلامیہ کے ایک طالب علم کے لئے یہ منطق اور فلسفہ کا پڑھنا پڑھانا از حد ضروری ہے، کیوں کہ قدیم کتب دینیہ، بالخصوص کلام عقائد اور اصول فقہ کی کتابیں یونانی اور فلسفیانہ مصطلحات سے بھری ہوئی ہیں، اگر ان علوم کا طالب علم ان اصطلاحات سے ناواقف ہوگا تو اس کے لئے کیسے ممکن ہوسکے گا کہ وہ علامہ رازی اور زمخشری کی کتب سے استفادہ کرسکے یا امام غزالی کی ''مستصفی'' اور علامہ تفتازانی کی ''تلویح'' سے استفادہ کرسکے، اور یہی نہیں، بلکہ ایک بہت بڑا ذخیرۂ کتب اسی نوعیت کا ہے، جس سے اگر استفادہ نہ کیا جائے تو ایک خیر کثیر سے محرومی کا موجب ہے۔

تاہم اس میں راہ اعتدال پر کاربند رہتے ہوئے ہندوپاک کے اکثر علماء جہاں ان یونانی علوم کے پڑھنے پڑھانے میں مبالغہ کو پسند نہیں کرتے، اور نہ ہی اسے اپنا مقصدِ حقیقی سمجھتے ہیں، وہیں ان کے مطلق خارج نصاب کرنے کے حوالے سے بھی تحفظات کا شکار ہیں، کیوں کہ یہ ہمارے قدیم علمی ورثہ تک رسائی کا ایک عظیم ذریعہ ہے، اور اسی وجہ سے ہماری رائے یہ ہے کہ وفاق اپنے جدید نصاب میں اس موضوع کی کتب کو کم کرے، جو اس کی قدیم نصاب میں داخل تھیں۔

۳۔ اس نظام تعلیم پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اس میں سوال وجواب اور افہام تفہیم کی فضا ہموار نہیں ہوتی، نتیجۃً ایک طالب علم کی ذہنی حریت نہیں مل پاتی جو درحقیقت علمی ثقافت کی اساس ہے۔

حالاں کہ حقیقت اس کے قطعی خلاف ہے، اور یہ اعتراضات بھی انہی بے بنیاد الزامات میں سے ہے، جسے انگریز نے علماءِ دین کے خلاف میدان ہموار کرنے کے لئے ہوا دی تھی، جس میں کبھی صداقت تھی ہی نہیں، کیوں کہ ہر ایک اس نظام تعلیم میں دوران اسباق اس بات کا بخوبی مشاہدہ کرسکتا ہے کہ ان دینی مدارس میں ایک طالب علم اس معاملے میں مکمل طور پر آزاد ہوتا ہے کہ دوران درس جو چاہے سوال کرے، حتیٰ کہ کبھی کبھی یہ سوالات زیادہ اور باہمی مناقشہ بڑھ جاتا ہے، لیکن اس پر استاذ کے ناراض ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ ہمارے تعلیمی ماحول میں جو طالب علم جس قدر زیادہ سوالات کرتا ہے یا مناقشہ کرتا ہے، وہ استاذ کی نظر میں اتنا ہی زیادہ محبوب اور مدرسہ کی نظر میں اسی قدر لائق ستائش ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم یہ ماحول عام دیکھتے ہیں کہ اساتذہ اپنی تقریر یا لیکچر کے بعد طلبہ کے سوالات کا ہدف بنے نظر آتے ہیں، کبھی ایک سوال کا جواب دے رہے ہوتے ہیں تو کبھی دوسرے کا، حتیٰ کہ اگر کوئی استاذ ان سوالات

toobaa-elibrary.blogspot.com

ومناقشات سے راہ فرار اختیار کرنا چاہے تو وہ طلبہ اور مدرسہ انتظامیہ کی نظر میں مقبولیت نہیں پاسکتا، ہاں! یہ ضرور ہے کہ یہ سوالات ومناقشات استاذ کے ادب کے دائرہ میں ہوتے ہیں، جن میں استاذ کی اہانت یا ایذارسانی قطعاً مطلوب نہیں ہوتی، چنانچہ طلبہ اولاً مکمل آزادی کے ساتھ سوالات پوچھتے ہیں اور ثانوی درجہ میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

اس حوالے سے حافظ نذر احمد کی گواہی معتبر مانی جاسکتی ہے، جن کا مدارس دینیہ سے کوئی تعلق بھی نہیں، لیکن انہوں نے اس نظام کے حالات کا تنقیدی مطالعہ کیا، متعدد دینی اداروں کا دورہ کیا، اور ان کے احوال کا قریب سے مشاہدہ کیا، ان کے اسباق میں بیٹھے اور پھر پوری تحقیق سے یہ تحریر فرمایا کہ:

> طلبہ کرام کو درسگاہوں میں مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے کہ وہ جو چاہے سوال کریں، اور یہاں کے ماحول میں اسے استاذ کے ادب کے منافی نہیں سمجھا جاتا، بلکہ یہ ایک شاگرد کی صلاحیت واستعداد کی علامت سمجھا جاتا ہے، لیکن طلبہ کرام اس کے باوجود اپنے استاذ کے ادب واحترام کا غایت درجہ اہتمام کرتے ہیں۔ (مدارس عربیہ کا ایک جائزہ: ۶۱۶)

۴- ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس نظام تعلیم میں اساتذہ کی تدریب وٹریننگ کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا۔

گوکہ یہ اعتراض فی الجملہ درست ہے، لیکن مدارس دینیہ کے منتظمین خاص اس مقصد کے لئے مستقل اداروں کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، کیوں کہ طلبہ دوران طالب علمی ہی اپنے اسباق کے تکرار کی صورت میں اس کی اچھی خاصی مشق کرلیتے ہیں، جیسے کہ ہم نے ذکر کیا کہ مدارس میں باقاعدہ یہ نظم جاری ہے کہ طلبہ ٹولیوں کی شکل میں بیٹھتے ہیں اور جو طالب علم اپنے ساتھیوں کے سامنے درس دوہراتا ہے، اس کی کوشش ہوتی ہے کہ استاذ کی بیان کردہ پوری تقریر دہرائے، پھر دوسرے سننے والے بھی اس درس کو باری باری دوہراتے ہیں، تکرار کے اس عمل کو اور مؤثر بنانے کے لئے باقاعدہ اساتذہ نگرانی بھی کرتے ہیں، اور ان کی غلطیوں پر متنبہ کرتے ہیں، اس طرح ایک طالب علم زمانہ طالب علمی سے ہی تدریس کی مشق کرلیتا ہے۔

۵- اور ایک سوال جو بڑے زور وشور سے پیش کیا جاتا ہے، یہ ہے کہ دینی مدارس تعلیم نسواں کا اہتمام نہیں کرتے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ اعتراض ان مدارس کے ابتدائی زمانے میں تو درست تھا، مگر اب بنات کے مدارس اور جامعات بفضل اللہ تعالیٰ کافی تعداد میں مصروف عمل ہیں، اور ان کی توجہ اور محنت شاقہ کے باعث بہت تیزی سے طالبات کی تعداد میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے، اور وفاق سے ملحقہ جامعات اور مدارس میں طالبات کی تعداد ۱۴۳۱ھ کے اعداد و شمار کے مطابق ۹۱۲۶۷ تک پہنچ چکی ہے۔

۶- کبھی انہیں اس طرح ہدفِ تنقید بنایا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کی دین اور دنیا میں خلیج پیدا کرتے ہیں اور مسلمانوں کے تعلیمی امور کو اس طرح دو حصوں میں بانٹتے ہیں کہ ایک کا دوسرے سے کوئی ربط باقی نہیں رہتا۔

لیکن اس کی وجہ یہ ہرگز نہیں کہ علماء نے یہ تفریق اپنی خوشی سے کی ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے دشمنوں اور سازشی عناصر کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اس پر مجبور ہیں، کیوں کہ جب انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ انگریز نے ان کے نظام تعلیم سے دین کو بالکل خارج کر دیا، تو ان کے لئے دینی علوم کی حفاظت کے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ ہی نہ رہا کہ وہ دینی مدارس کا قیام عمل میں لائیں، گو کہ ابتداء سے ہی ان کا اصل ہدف یہی تھا کہ ایسا نظام تعلیم وضع کریں جو دینی و دنیوی علوم کا جامع ہو، جس سے گذر کر مسلمان ڈاکٹرز اور متقی پرہیزگار انجینئرز بھی اسی طرح نکلیں، جیسے کہ نیک و کار علماء ان سے فارغ ہوتے ہیں، لیکن یہ نظام اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایک اسلامی مملکت نیک و صالح، دینی حمیت و غیرت کی حامل اور اسلامی نظریات کی محافظ ہونے کی حیثیت سے ریاستی سطح پر اس کے لئے اقدامات نہیں کرتی، اور ہماری بدنصیبی ہے کہ تاحال اس کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔

اسی اسلامی نظام تعلیم کی تشکیل کے لئے پاکستان کے علماء نے ۱۳۸۹ھ میں شہر کراچی میں ایک اجلاس بلایا تھا، جس میں نہ صرف یہ کہ جید علماء شریک ہوئے، بلکہ بعض عصری تعلیم کے ماہرین کو بھی مدعو کیا گیا، اجلاس میں شریک اراکین کے طویل غور و خوض کے بعد جو تجاویز پیش کی گئیں، ان کا خلاصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے:

ایک جامع نظام تعلیم کی تشکیل کے لیے تجاویز و معروضات

یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ اسلام زندگی کا ایک کامل نظام حیات ہے اور وہ حکومت و سیاست

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے لے کر تجارت و معیشت تک زندگی کے ہر شعبے کے لیے اپنی مخصوص تعلیمات اور ہدایات رکھتا ہے۔

لہٰذا جس وقت دنیا میں یہ دین عملاً نافذ تھا اس وقت نظامِ تعلیم کا حال بھی یہ تھا کہ اسلام کی تعلیم صرف اسلامیات کے مضمون کی حد تک محدود نہ تھی بلکہ ہر علم و فن کی تعلیم میں اسلام رچا بسا نظر آتا تھا۔ طالب علم فلسفہ پڑھ رہا ہو یا منطق، سائنس کی تعلیم حاصل کر رہا ہو یا حساب و ریاضی کی، طب کی تعلیم میں مشغول ہو یا صنعت و حرفت کی تعلیم میں، غرض ہر علم و فن کے رگ و پے میں اسے اسلامی نظریات اور مفکرین اسلام کے افکار یا کم از کم اسلامی طرزِ فکر سمایا ہوا ملتا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ علم و فن کے خواہ کسی شعبے کو اپنی زندگی کا محور بنالے، وہ ذہنی اور عملی طور پر سچا اور پکا مسلمان ہوتا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں اسلام کے مقابلے میں دوسرے افکار سے مرعوبیت پیدا ہو ہی نہیں سکتی تھی، یہ نظامِ تعلیم اس میں اتنی صلاحیت پیدا کر دیتا تھا کہ وہ ہر نئی تحقیق اور نئے فلسفے سے اس کے صالح اجزاء کو اپنا لے اور غیر صالح کو چھوڑ دے۔

لیکن موجودہ نظامِ تعلیم میں اسلام کی اس ہمہ گیر حیثیت کو سرے سے ختم کر دیا گیا ہے اسلام کو صرف "اسلامیات" کے ایک گھنٹے تک محدود کر دیا گیا ہے، اور اس ایک گھنٹے میں بھی نصاب اور طرزِ تعلیم کے معیار کو اس قدر پست کر دیا گیا ہے کہ اس سے اسلام کی صحیح تعلیم کا ہزارواں حصہ بھی طالب علم کے سامنے نہیں آسکتا۔ اگر اسے اور واضح کرنا چاہیں تو ان مثالوں سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے:

(الف) آج کل ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جو فلسفہ پڑھایا جاتا ہے اس میں یونانی یا نو افلاطونی فلسفے کے بعد طالب علم سیدھا یورپ کے نشاۃ ثانیہ کے بعد کے فلسفے پر پہنچ جاتا ہے اور اس کے ذہن پر یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ نو افلاطونی فلاسفہ سے لے کر ڈیکارٹ تک کا پورا زمانہ فکر اور فلسفے میں جمود کا زمانہ ہے۔ علم و فن کی تاریخ میں بھی اس زمانہ کو تاریک زمانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ دور صرف غیر مسلم یورپ کے لیے تاریک تھا۔ ورنہ یہی وہ دور ہے جس میں مسلمانوں نے آدھی سے زائد دنیا میں علم و فن کے چراغ روشن کیے ہوئے تھے اور خود یورپ کا خطہ اندلس ان کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ اس دور میں مسلمان فلاسفہ اور متکلمین نے فکر اور فلسفے کے میدان میں جو نئی راہیں کھولی ہیں اور اپنی تحقیقات کا جو بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے موجودہ نظامِ تعلیم میں سرے سے ان کا کوئی ذکر ہی نہیں ملتا۔

جدید اسلامی نظامِ تعلیم میں یہ ضروری ہے کہ اس وسیع علمی خلاء کو پر کیا جائے جو مغرب کی تنگ

toobaa-elibrary.blogspot.com

نظری اور تعصب نے مصنوعی طور پر پیدا کیا ہے اور فلسفے کی تعلیم میں مسلمان فلاسفہ اور متکلمین کے افکار کو ان کا صحیح مقام عطا کیا جائے۔

(ب) سائنس کے بارے میں یہ حقیقت آج پوری دنیا میں مان لی گئی ہے کہ سائنس کی موجودہ ترقی اس استقرائی طریقے کی مرہون منت ہے، جس میں صرف قیاس و تخمین کے بجائے مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعے تحقیقات کی جاتی ہیں، لیکن ساتھ ہی مغربی نظام تعلیم نے ہر کس وناکس کے ذہن پر یہ تاثر قائم کرادیا ہے کہ استقرائی طریقہ استدلال کی بنیاد مسلمانوں نے ڈالی تھی، انہوں نے ہی سائنس کا رخ موڑ کر اسے اس راستہ پر ڈالا تھا جس پر آج وہ برق رفتاری سے دوڑ رہی ہے۔ اس کے باوجود ہمارا سائنس کا طالب علم خالد بن یزید، زکریا الرازی، ابن سینا، خوارزمی، ابو ریحان البیرونی، فارابی، ابن رشد کندی ابو محمد خوجسدی، جابر بن حیان اور موسیٰ بن شاکر جیسے عظیم سائنس دانوں سے یکسر ناواقف رہتا ہے۔

(ج) معاشیات کی تعلیم میں طالبِ علم آج صرف یہی جانتا ہے کہ بنیادی طور پر معاشیات کے دو مکتب فکر ہیں۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت۔ اسلام کے معاشی اصول اور قوانین اس کی نگاہوں سے بالکل اوجھل رہتے ہیں اور اس کو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اسلام نے بھی معیشت کے بارے میں ایسا نظام بنایا ہے جو مذکورہ دونوں مکاتب فکر سے الگ ہے، اسی طرح اس کو یہ پڑھایا جاتا ہے کہ علم معاشیات کی بنیاد آدم اسمتھ نے رکھی تھی اور اس سے بہت پہلے کے تمام فقہاء سے لے کر "ابن خلدون اور شاہ ولی اللہ" جیسے مفکرین نے علم معاش کی جو خدمات انجام دی ہیں، ان کو فہرست سے یکسر خارج کر دیا گیا ہے۔

(د) نفسیات کی تعلیم اب بڑے پیمانے پر ہونے لگی ہے لیکن اس سلسلہ میں مسلمانوں کے علماءِ تصوف نے جو نئی نئی راہیں اور نفس انسانی کے عوارض پر جو مفید ترین بحثیں کی ہیں، موجودہ نظام تعلیم میں اس کی کوئی پرچھائی بھی موجود نہیں ہے۔

(ہ) قانون اور اصول قانون کے بارے میں بھی ہمارا نصاب تعلیم سراسر مغربی افکار و نظریات ہی سے بھرا ہوا ہے۔ اصول قانون کی دقیق بحثوں کو جس بے نظیر انداز میں فقہائے اسلام نے اصول فقہ میں مدوّن کیا ہے، اس سے استفادہ کا کوئی موقع طالب علم کو نہیں ملتا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسی طرح جملہ علوم وفنون اہل یورپ اور ان کے افکار کے زیر اثر نظر آتے ہیں، حتیٰ کہ ایک مسلمان طالب علم یہی گمان کرنے لگتا ہے کہ مسلمانوں کا ان علوم کی تدوین واشاعت میں معمولی حصہ بھی نہیں، اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک طالب علم سب ہی کو حقارت اور اہل یورپ کو عظمت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

لہٰذا اسلامی ممالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ درسی نصاب کو اس لادینی تعصب سے پاک کریں اور ہر مضمون کو اس کا وہ حق ادا کردیں جس کا وہ حق دار ہیں۔

دینی ذہنیت اور اسلامی طرزِ فکر

تمام علوم کو اسلامی رنگ میں ڈھالنا، جس سے میری مراد یہ ہے کہ ان تمام علوم کو اس طرح پڑھانا، جس میں یہ تصور پوری طرح روشن ہو کہ یہ علوم نہ تو دین سے کوئی الگ چیز ہے اور نہ ہی اس کے اصول واحکام سے معارض ومتناقض کوئی دوسری چیز ہے۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ علوم اور کائناتی حقائق فی نفسہ دین سے متصادم نہیں ہیں، اور نہ ہی اس سے معارض ہے، بلکہ انیسویں صدی ہجری کے جن مادہ پرستوں Materialists نے انہیں مدون کیا، ان کا مطمح نظر صرف اور صرف مادہ تھا، چنانچہ انہوں نے اسے سر سے پیر تک مادیت کے رنگ میں رنگ دیا اور مختلف قیاس آرائیوں کے نتیجہ میں مسلم زمینی حقائق کو اس طرح خلط ملط کردیا کہ ان میں تمیز کرنا مشکل اور معاملہ کچھ کا کچھ ہوگیا اب طبعی بات ہے کہ جب طالب علم اسے پڑھتا ہے تو وہ اسی رنگ میں رنگ جاتا ہے، اور مادیت کے زیر اثر رہ کر فکری انفعال کا شکار ہو جاتا ہے، اور یہی وہ رنگ ہے جو کبھی ایک مسلم طالب علم کے ذہن کو اس قدر مخدوش کردیتا ہے کہ اسے اپنے حاصل کردہ علم اور عقیدہ کے درمیان ٹکراؤ کی کیفیت معلوم ہوتی ہے، اور وہ ان دو میں سے کسی ایک حال سے خالی نہیں ہوتا یا تو وہ ٹکراؤ کے خوف سے ان نظریاتی مسائل میں غور وفکر کرنے کو سرے سے ترک کردیتا ہے، اور ان علوم کے ذریعے اپنی پوری توجہ محض مادی فائدے حاصل کرنے اور پیسہ کمانے کی طرف مرکوز کردے، یا بابانگ دہل دین اور اس کے احکام کی تکذیب کرے اور یہ خیال راسخ کرے کہ دینی عقائد واحکام (معاذ اللہ) جھوٹ پر مبنی اور من گھڑت ہیں۔

لہٰذا اسلامی ممالک کے لیے آج کے دور کا سب سے بڑا چیلنج ہی یہی ہے کہ وہ ان علوم کی تدوین اور ان کے نصاب کو جدید خطوط پر اس طرح استوار کریں کہ یہ علوم اہلِ مغرب کے ان باطل افکار ونظریات

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے قطعی پاک ہوجائیں، جن کے ذریعے انہوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے کی سازش کی اور خوب سمجھ لینا چاہیے کہ ہم ان علوم میں اہلِ مغرب کی طرف سے کی گئی گرانقدر تحقیقات کا انکار نہیں کرتے، اور نہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان طلبہ ان سے ناواقف رہیں، بلکہ ہمارا مقصود صرف یہ ہے کہ ہر چیز کو اس کا حق دیا جائے اور قیاس آرائی کے آگے حقائق کو مسخ نہ کیا جائے، اور ان علوم پر وہ بوجھ نہ لادا جائے جو اس کے موضوع سے خارج ہے، اور ان علوم کو ٹھوس بنیادوں پر قائم لادینی عناصر اور اس خالص مادی طرزِ فکر سے آزاد کیا جائے، جس کا ان سے دور دور کوئی واسطہ نہیں۔

بلاشبہ ذکر کردہ ایک موثر تعلیمی لائحہ عمل وضع کرنا اگرچہ جان جوکھوں کا کام ہے، لیکن یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اسلامی ممالک اس وقت تک ذہنی انگریزی استعمار اور فکری ثقافتی جنگ سے نہیں نکل سکتے جب تک کہ حتی الوسع اس پر اپنی جدوجہد صرف نہ کریں۔

۳۔ دینی تعلیم

مذکورہ اہم امور کی روشنی میں ہم یہ تجویز دیں گے کہ پرائمری و سیکینڈری لیول تک مسلمانوں کی تعلیم دین اور علوم عصریہ کا ایک حسین امتزاج ہونا چاہیے، جس کے بعد سیکنڈری ایجوکیشن سے فارغ ہونے والا طالب علم قرآن کریم کی تعلیم سمیت عربی لغت کا جاننے والا ہو، اور اسے تفسیر، حدیث، فقہ اور عقائد کا ضروری علم ہو، اور اس مرحلہ میں آکر اسے ان ضروری باتوں کا بخوبی علم ہو جو ایک مسلمان کو اسلامی زندگی گذارنے کے لئے ناگزیر ہے، پاکستان کے علماءِ دین نے سیکنڈری اسکولز کے لئے ایک جامع نصاب بنایا تھا، لیکن یہ نصاب مقامی ضروریات کے مدنظر تجویز کیا گیا تھا، بہرحال ہر اسلامی مملکت اس مقصد کے حصول کے لئے جید علماءِ کرام کا ایک بورڈ بنا سکتی ہے، جو اس خطہ کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے سیکنڈری تعلیم کو نصاب مقرر کریں۔

پھر سیکنڈری تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مختلف شعبوں کے مخصوص کالجز ہونے چاہئے، من جملہ ان میں ایک کالج بطور خاص علوم اسلامیہ کی تعلیم کے لئے مختص ہونا چاہیے، جس میں سوائے دینی و متعلقہ علوم کے سوا کچھ نہ پڑھایا جائے، جہاں تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، مصطلحاتِ حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم عقائد اور علم کلام، فلسفہ منطق، تاریخ وسیرت، علم بلاغت وبیان، تقابل ادیان اور معاشیات کی تعلیم دی جائے۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے ڈپارٹمنٹ ہونا چاہئے، جس سے ایک طالب علم علوم اسلامیہ میں متخصص ہو کر نکلے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴۔ اسکولز و کالجز کا دینی ماحول

اپنے نظام تعلیم کو صحیح معنی میں اسلامی اور قومی انداز میں نافذ کرنے کے لیے جتنی اہمیت نصاب تعلیم کو حاصل ہے، درسگاہوں کے ماحول کا سدھار اس سے کم اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ طلباء کو کسی خاص رنگ میں رنگنے کے لیے اس کا ماحول بڑا موثر ثابت ہوتا ہے، مغربی ممالک میں اسلامیات کی تعلیم اچھے خاصے معیار پر ہوتی ہے لیکن اس کے ذریعے کوئی مسلمان طالب علم پیدا نہیں ہوا، اس کی وجہ اسلامی ماحول کا فقدان ہے۔ لہٰذا نئے نظام تعلیم میں اس امر کو بھی پوری اہمیت دینے کی ضرورت ہے۔ جس کے لئے ہماری مندرجہ ذیل تجاویز ہیں:

(الف) اساتذہ کرام

مسلمان طلباء کو تعلیم دینے کے لیے ایسے اساتذہ کا انتخاب ناگزیر ہے جو ایک طرف اپنے تدریسی مضامین میں ماہر اور اپنے علم وفن کا ذوق رکھنے والے ہوں اور دوسری طرف نظریۂ پاکستان یعنی اسلام سے کما حقہٗ عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔

خاص طور سے اسلامیات کی تعلیم کے لیے اساتذہ کا انتخاب کرتے وقت اس بات کو لازمی شرط قرار دیا جائے کہ وہ اپنی ظاہری عملی زندگی میں اسلامی اقدار کے پابند ہوں کیوں کہ اگر یہ شرط عائد نہ کی جائے تو وہ طلباء کے اندر اسلامی روح پھونکنے میں ناکام رہیں گے۔

(ب) جداگانہ تعلیم

اب تک ہمارے نظام تعلیم کے غیر اسلامی ہونے کی ایک بڑی وجہ مخلوط تعلیم بھی رہی ہے۔ طلباء اور طالبات کو مشترک طور پر ایک ساتھ تعلیم دینا مندرجہ ذیل وجوہ سے غلط اور خطرناک ہے۔

ا) مرد و عورت کا یہ اختلاط ان اسلامی تعلیمات کے یکسر مخالف ہے جن کے سانچے میں ہم اپنے نظام تعلیم کو ڈھالنا چاہتے ہیں۔ امید ہے کہ زیر تبصرہ پالیسی کے فاضل مرتبین جن کی پر خلوص کوشش یہ ہے کہ ہمارا نظام تعلیم اسلامی بنیادوں پر استوار ہو جائے، لادینی تعلیم کی اس خطرناک ترین یادگار کو مٹانے کی طرف خصوصی توجہ دیں گے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲) مخلوط تعلیم کی وجہ سے تعلیم کا معیار بہت پست ہو گیا ہے۔

۳) قدرت نے مرد و عورت کو الگ الگ مقاصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا دونوں کی تعلیم بھی ان کے مقاصد حیات کے لحاظ سے مختلف ہونی چاہیے۔ جو نصاب و نظام مرد کے لیے مفید ہو سکتا ہے، ضروری نہیں ہے کہ وہ عورت کے لیے بھی مفید ہو۔ اس وجہ سے عورتوں کا نظام تعلیم مردوں سے بالکل الگ ہونا چاہیے۔ موجودہ نظام تعلیم میں دونوں یکساں طرز سے تعلیم دی جاتی ہے جو نتائج کے لحاظ سے مفید نہیں ہو سکتی۔

۴) مخلوط تعلیم کی وجہ سے طلباء میں جو اخلاقی گراوٹ مسلسل پیدا ہو رہی ہے وہ اب کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں رہی۔ ان حالات میں ہمارا نظام تعلیم اس وقت تک ہمارے قومی تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا جب تک کہ مرد و عورت کے لیے الگ الگ نصاب اور نظام نہ بنایا جائے۔

(ج) غیر نصابی سرگرمیاں

طلباء کے ماحول کو درست کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کو غیر نصابی سرگرمیوں میں سے کسی ایسی بات کی اجازت نہ دی جائے جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہو۔ ضرورت ہے کہ نئے نظام تعلیم میں رقص و سرور اور دوسری غیر اسلامی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی جائے۔ اس کے علاوہ ایسی غیر نصابی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے جن میں طلباء کو اسلامی معلومات بڑھانے یا اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں مدد ملے۔

(د) یونیفارم

پورے پاکستان میں اگر طلباء کا یونیفارم ایک کر دیا جائے تو اس سے بھی قومی شعور پیدا کرنے میں مدد ملے گی۔ دنیا کی تمام زندہ قومیں اپنی نسلوں میں قومی اور اجتماعی احساس پیدا کرنے کے لیے ان کو اپنے قومی لباس کا پابند بناتی ہیں۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ پاکستان کے طلباء اس شعور سے محروم رہیں۔ اس لیے ان کا یونیفارم پاکستان کا قومی لباس یعنی شیروانی پاجاما یا شلوار اور ٹوپی ہونا چاہیے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(ہ) شعائرِ اسلام کا احترام

درس گاہوں کے ماحول میں اسلامی ارکان وشعائر کے کماحقہ احترام کی مکمل رعایت ہونی چاہیے۔ نمازوں کے اوقات میں نماز کے لیے مناسب وقفے ہونے چاہئیں اور بہتر ہے کہ درس گاہ کی حدود وعمارت میں مسجد کے قیام کو لازمی قرار دیا جائے۔ اگر مستقل عمارت نہ ہو تو نماز باجماعت کے لیے الگ جگہ بنائی جائے اور اس بات کی کوشش کی جائے کہ طلباء جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے عادی بنیں۔ اس طرح ہمارے تعلیمی ادارے ایک خالص دینی ماحول میں ڈھل جائیں گے۔ اِن شاء اللہ

۵۔ تعلیم نسواں

تعلیم نسواں کی اہمیت سے انکار ایک مسلمہ زمینی حقیقت سے انکار کے مترادف ہے، لیکن مروجہ نظام تعلیم کی ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ وہی تعلیم عورتوں کو بھی دی جاتی ہے جو مردوں کے لئے مقرر ہے، حالاں کہ عورتوں کا مقصد تخلیق مردوں کے مقصد تخلیق سے مختلف ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے خواتین کے لئے جداگانہ احکام وضع کئے ہیں، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ خواتین کے لئے مخصوص یونیورسٹیاں ہوں، اور ان کے لئے ایسا نصاب تعلیم وضع کیا جائے جو صرف انہی کے لئے مختص ہو۔

بھلا کون اس سے انکار کرسکتا ہے کہ ایک اسلامی سوسائٹی کی تشکیل میں خاتون خانہ کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے اور حضرت انسان کے لیے ماں کی گود پہلا مدرسہ ہوتا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت سے پہلے بذات خود اسلامی تہذیب میں ڈھلی ہوئی اور بہتر سے بہتر تربیت کرنے والی ہو، اور اس اہم مقصد کے حصول کے لئے باقاعدہ نصاب مقرر ہو جس میں دین، عقائد، اخلاق، آداب، تاریخ، لغت، مبادی علم طب، عمرانیات اور حکمت اور گھرداری سمیت ان علوم کی تعلیم دی جائے جسے حاصل کرنے کے بعد وہ اپنی معاشرتی وگھریلو ذمہ داریاں بخوبی انجام دے سکے۔

یہ ان تجاویز کا ایک مختصر خلاصہ ہے جو پاکستان کے جید علماء نے ہر دو قدیم وجدید طرز تعلیم کو جامع انداز میں تشکیل دینے کی غرض سے وضع کیا، اور حقیقت یہ ہے کہ آج اس طرح کے نظام تعلیم کی اسلامی دنیا کو اشد ضرورت ہے، جس کی عملی تطبیق اس خطہ میں عزیمت واستقامت، جہد مسلسل اور عملی اقدامات کے بغیر ممکن نہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

دینی مدارس کو سرکاری تحویل میں دینے کا مسئلہ

کچھ مسلمان مفکرین اکثر یہ تجویز دیتے نظر آتے ہیں کہ مدارس کی نگرانی کی جانی چاہئے اور انہیں سرکاری تحویل میں دینے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں، لیکن ان حالات میں ہم علماءِ پاکستان اس تجویز کو ہمیشہ سے ہی مسترد کرتے رہے ہیں۔

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ ہمارا بنیادی مقصد اسی طرز تعلیم کی عملی تنفیذ ہے جس کا ذکر ما سبق میں گذرا، جو جدید وقدیم ہر دونوں کو جامع ہو، کیوں دینی مدارس اور عصری تعلیمی اداروں میں کوئی تضاد یا تناقض نہیں ہے، لیکن اس کے لئے بھرپور حکمت عملی کی ضرورت ہے، جس کے لیے یقیناً ایک طویل وقت، غایت درجہ اخلاص اور جہد مسلسل درکار ہے، جو مروجہ نظامِ تعلیم میں ایک بہت بڑے انقلاب کے بعد ہی ممکن ہے، اور اس طرح کا ایک جامع تعلیمی انقلاب رات ورات نہیں آسکتا، بلکہ اس کے لئے وقت بھی لگے گا اور مختلف نوعیت کے تجربات سے بھی گذرنا پڑے گا، اگر ہم مجوزہ جامع نظام تعلیم کی داغ بیل ڈالنے سے پہلے ہی مدارسِ دینیہ کے نظامِ تعلیم کو یکسر ختم کردیں، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک گمشدہ چیز کی تلاش میں ہاتھ آئی چیز بھی ضائع ہوجائے گی، جس کا کوئی بھی عقل مند حامی نہیں ہوسکتا۔

جہاں تک مدارس کو سرکاری تحویل میں دینے کا تعلق ہے، تو واضح رہے کہ موجودہ حالات میں یہ خطرہ سے خالی نہیں، کیوں کہ مدارس دینیہ یورپی استعمار کے زمانہ سے ہی اپنا ایک وجود رکھتے ہیں اور تا حال ان کی جلیل القدر دینی خدمات کا ڈنکا پورے زور وشور سے بج رہا ہے، یہی وہ اسلام کے قلعے ہیں جنہوں نے ہمیشہ سے ہی اسلام کا جھنڈا بلند کئے رکھا اور طاغوتی قوتوں کی سازشوں کے باوجود شمع ہدایت روشن کئے رکھی، جنہیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف ہے اور نہ ہی سازشی عناصر کی سازشوں کا ڈر، جس کی بنیادی وجہ ہی یہی ہے کہ انہوں نے اپنی فکری حریت کی خاطر کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا، اور نہ ہی کبھی سرکاری امداد قبول کی کہ ان کی آزادی پر زد پڑے یا حق کی خاطر بڑی سے بڑی جارحیت سے انہیں روکا جاسکے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اسلامی خطے اگرچہ الحمدللہ سیاسی استعمار سے آزاد ہوچکے ہیں، لیکن آج بھی اسی بدترین فکری استعمار کے نرغے میں ہیں، یہی وجہ ہے تاحال اسلامی شریعت کا عملی نفاذ ممکن نہیں ہوسکا اور اس مقدس مشن کے لئے ہمیشہ ہی سیاسی وخارجی رکاوٹیں رہیں، گوکہ یکے بعد دیگرے

toobaa-elibrary.blogspot.com

حکومتیں بدلتی رہیں، لیکن کسی ایک حکومت کے لئے بھی ممکن نہ ہوسکا کہ وہ شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے لئے سوچ بچار کرتی یا کم از کم نظام تعلیم کو اس کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی فکر کرتی، پھر اس سنگین صورت حال میں مدارس دینیہ بھلا کیسے سرکاری تحویل میں دیے جا سکتے ہیں، جب کہ اکثر حکومتی اراکین وہ ہیں جو اسلامی علوم سے بے بہرہ ہیں، جنہیں دینی تعلیم کے مقتضیات کی کوئی سمجھ بوجھ ہی نہیں، جس کی وجہ سے ظاہر ہے کہ ان کی اس مقدس شعبہ میں مداخلت سوائے ضرر و نقصان کے کچھ نہیں دے سکتی۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہے کہ موجودہ حالات میں مدارس دینیہ کو بہر صورت اپنا تشخص برقرار رکھنا چاہیے اور اپنی حریت پر آنچ نہیں آنے دینی چاہیے، جیسے کہ انگریزی استعمار کے کڑے وقت میں بھی انہوں نے اپنی آزادی پر آنچ نہ آنے دی، تاکہ دین پر استقامت، علوم اسلامیہ کی حفاظت اور حق کی نگہبانی بلا کسی خوف و خطر اور حرص و طمع کے ممکن ہو سکے۔

اس سے ہمارا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ہم اسلامی حکومتوں کی تنقیص کریں، لیکن یہ محض اس حقیقت کا اظہار ہے جو نفس الامر میں واقع ہے، کیوں کہ علوم اسلامیہ کا بقاء اور ان رجال کار افراد کا انہیں باقی رکھنا، جو اظہارِ حق میں سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہیں رکھتے، عالم اسلام کی اہم ترین ضرورت ہے، اور ہم پر واجب ہے کہ اس ذمہ داری کی ادائیگی میں ہر قسم کی رکاوٹ اور آڑ کو ایک طرف کر دیں، اسی وجہ سے پاکستان کے جیّد علماء کرام اس بات پر مصر ہیں کہ مدارس دینیہ کی حریت بہر کیف باقی رہے اور کسی بھی قسم کی بے جا حکومتی مداخلت قبول نہ کی جائے، تاکہ مسلمانوں کی نفاذِ شریعت کا امیدیں بر آنے کے امکانات روشن رہیں اور ایک ایسا جامع نظام تعلیم قائم کرنے کی راہ ہموار ہو سکے جس کا ابھی ذکر کیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں نظاموں کے درمیان جو وسیع خلیج حائل ہو گئی ہے اسے دور کرنے کی ضرورت عرصہ دراز سے محسوس کی جا رہی ہے۔ لیکن جیسا کہ پالیسی کے خلاصہ پیراگراف نمبر ۵ میں کہا گیا ہے کہ "پاکستان کا مقصود نظریاتی اتحاد ہونا چاہیے نظریاتی خلاء نہیں۔" اس لیے اس خلیج کو دور کرنے کے لیے بڑی حکمت کی ضرورت ہے۔ جہاں تک جدید نظام تعلیم میں اسلامی اصلاحات کا تعلق ہے ان کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔

دینی مدارس کے نظام تعلیم کو منظم مربوط اور پاکستان کے لیے زیادہ مفید بنانے کے لیے ہماری تجاویز حسب ذیل ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۱) مدرسہ ایجوکیشن بورڈ

مدارس کو منظم کرنے کے لیے ایک آزاد خود مختار مدرسہ تعلیمی بورڈ کی تشکیل کی جائے لیکن سابقہ تجربات کے پیش نظر اس بورڈ میں حسب ذیل امور کی رعایت کی جائے۔ ورنہ یہ تنظیم قطعی طور پر ناکام ہوجائے گی۔

(الف) یہ بورڈ تمام تر موجودہ بڑے دینی مدارس کے ایسے ذمہ دار علمائے دین پر مشتمل ہو جن پر خود یہ دینی مدارس اور پوری امت علم و فضل اور دینی بصیرت کے لحاظ سے اعتماد کرتی ہو البتہ جدید علوم کے معاملے میں مشورہ لینے کے لیے دو ایسے صاحبان بھی اس کے رکن ہوں جو جدید نظام تعلیم کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔

(ب) ہر دینی مدرسہ اپنے یہاں بنیادی (ایلمنٹری) مرحلے کا اسکول قائم کرے جس میں وہی نصاب پڑھایا جائے جو عام سرکاری اسکولوں میں پڑھایا جارہا ہو۔ اس مرحلے تک جدید و قدیم نظام تعلیم کا فرق بالکل ختم کردیا جائے، البتہ دینی مدارس کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ اپنی ضرورت کے تحت اس نصاب پر کچھ اضافہ کرنا چاہیں تو کرسکیں اور دینی مدارس کے خاص نظام تعلیم میں ان ہی طلباء کو داخلہ دیا جائے جو ایلمنٹری کلاسوں سے فارغ ہوچکے ہیں۔

(ج) دینی مدارس کے خاص نصاب تعلیم کو چار مراحل پر تقسیم کیا جائے علوم ابتدائیہ، علوم ثانیہ، علوم عالیہ اور علوم تخصص، ان مراحل میں بورڈ اپنی صوابدید پر معاشیات، سیاسیات اور جدید فلسفہ کے مضامین شامل کرے۔

(د) بورڈ کو نصاب تعلیم کے تقرر، امتحانات کے انعقاد اور جملہ تعلیمی امور میں مکمل آزادی اور خود مختاری حاصل ہو اور اس معاملے میں وہ کسی ہیئت حاکمہ کا پابند نہ ہو۔ زیر تبصرہ پالیسی میں بعض معیاری کالجوں کو اس قسم کی آزادی دی گئی ہے کہ وہ خود امتحانات لیں اور ڈگری دیں۔ لہٰذا مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کو خود مختار رہتے ہوئے اسناد عطا کرنے کی اجازت دینا ایک معقول تجویز ہے۔

(ہ) موجودہ نظام میں دینی مدارس عوامی تعاون کی بنیاد پر چل رہے ہیں، اگر ان مدارس کی موجودہ آزادی میں کوئی فرق آیا، یا حکومت نے ان کو مالی امداد دی تو یقین ہے کہ عوامی تعاون کا یہ سلسلہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

بالکل بند ہو جائے گا اور ان مدارس کو چلانے کے لیے حکومت کو کروڑوں روپیہ خرچ کرنا پڑے گا، جس کے بارے میں یقین ہے کہ میزانیہ میں اس کی گنجائش نہیں ہو گی۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ دینی مدارس ایک طرف اپنے تعلیمی معاملات میں مکمل طور پر آزاد ہوں اور دوسری طرف ان کا مالی نظام جس طرح آج کل عوامی تعاون کی بنیاد پر چل رہا ہے، اسی طرح چلتا رہے، مرکزی بورڈ کے جملہ اخراجات دینی مدارس کے چندے سے پورے کیے جائیں۔

(و) اس بورڈ کی دی ہوئی اسناد کو سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے اور ابتدائی مرحلے کو میٹرک کے مساوی، ثانوی مرحلے کو انٹر کے مساوی، اعلیٰ مرحلے کو گریجویٹ کے مساوی اور تخصص کو ایم اے کے مساوی قرار دیا جائے۔

(ز) دینی مدارس کے اس بورڈ کے تسلیم کر لینے کے بعد ادیب عالم اور فاضل کے امتحانات اور اسناد کو ختم کر دیا جائے۔

(ح) ملک کے بہت سے دینی مدارس و مکاتب ایسے ہیں کہ جو نہایت محدود پیمانے پر اپنا کام کر رہے ہیں، اپنے محدود و مالی وسائل کی وجہ سے ان کا بورڈ کے پورے نظام میں منسلک ہونا ممکن نہیں ہو گا، لہٰذا جو مدارس بورڈ کے ساتھ منسلک نہ ہو سکیں ان کو رجسٹر کر لیا جائے، لیکن سند کی منظوری کے لیے بورڈ سے ملحق ہونا لازمی ہو۔

یہ نکات اس قدر ناگزیر ہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی فراموش کر دیا گیا تو تنظیم مدارس کے مقصد پر بالکل پانی پھر جائے گا اور یا تو موجودہ خلیج جوں کی توں برقرار رہے گی یا ملک میں ایک خوفناک نظریاتی خلاء پیدا ہو جائے گا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

نظامِ تعلیم و تربیت کی رو سے درپیش ثقافتی جنگ

اور پاکستان میں نفاذِ اسلام کی جدوجہد

یہ مقالہ ذوالقعدہ ۱۴۰۵ھ بمطابق جولائی ۱۹۸۵ء کو ملتقی الفکر الاسلامی کے لئے لکھا گیا، یہ عالمی کانفرنس وزارت برائے مذہبی امور جمہوریہ الجزائر کے تحت الجزائر کے شہر بجایہ میں منعقد ہوئی، چوں کہ مقرر کردہ محدود وقت میں موضوع کے تمام جوانب کا احاطہ کرنا ممکن نہیں تھا، اس لئے طے یہ پایا کہ یہ مقالہ مطبوعہ شکل میں جملہ شرکاء کو مہیا کردیا جائے، دریں اثناء شرکاء مجلس کی طرف سے شدت سے یہ تقاضا سامنے آیا کہ پاکستان میں اس زمانے میں جاری اسلامی نفاذ کے حوالے سے کی گئی جدوجہد کے بارے میں انہیں بالتفصیل آگاہ کیا جائے، چنانچہ مقالہ نگار نے اس مبارک کانفرنس میں مقررہ موضوع پر لکھے جانے والے مقالہ کے بجائے حاضرین کو اسی جدوجہد کے حوالے سے آگہی دینے کا یہ موقع غنیمت جانا، اور حاضرین کے مطالبہ پر سیر حاصل گفتگو کی۔

اس طرح مقررہ موضوع ”نظامِ تعلیم و تربیت کی رو سے درپیش ثقافتی جنگ“ پر لکھا گیا مقالہ مطبوعہ شکل میں حاضرین کو مہیا کیا گیا، جبکہ ”پاکستان میں نفاذِ اسلام کی جدوجہد“ کے موضوع پر ایک تفصیلی مقالہ پڑھا گیا، ذیل میں بالترتیب ہر دو مقالے ذکر کئے جاتے ہیں۔

محمد تقی عثمانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

نظامِ تعلیم وتربیت کی رو سے درپیش ثقافتی جنگ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ، اَمَّا بَعْدُ!

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ تعلیم وتربیت کا جامع نظام وہ بنیادی پتھر ہے، جس پر کسی بھی قوم وملت کی ثقافتی ومعاشرتی بنیاد قائم ہوتی ہے، عہد حاضر میں بالخصوص عالم اسلام مغرب کی طرف سے جس جنگ کا سامنا ہے، وہ فکری ثقافتی جنگ ہے، جس کی سب سے بڑی ذمہ داری اس سیکولر نظامِ تربیت پر عائد ہوتی ہے، جس کا خمیازہ اسلامی دنیا کے مسلمان قریبا دو صدیوں سے بھگت رہے ہیں، اور فکری جنگ و محاذ آرائی سے چھٹکارے اور اجتماعی سطح پر پھیلے ہوئے اس کے مفاسد سے جان چھڑانے کا اس کے علاوہ کوئی راستہ نظر نہیں آتا کہ اسلامی ممالک قرآن وسنت کی روشنی میں ایک نئے تعلیمی وتربیتی نظام کو حرزِ جان بنائیں۔

میں اس مختصر مقالہ میں یہ چاہوں گا کہ آج اکثر خطوں میں رائج سیکولر نظام تعلیم اور اسلامی تعلیم و تربیت کے ایک جامع نظام کے مابین پائے جانے والے فرق کا پوری وضاحت سے موازنہ پیش کروں اور پھر اس مطلوبہ نظام کی تطبیق کے لائحہ عمل کی طرف رہنمائی کروں۔

اگر ہم سیکولر نظامِ تعلیم اور ایک ہزار سے زائد اسلامی دنیا میں بخوبی رائج رہنے والے اسلامی نظام تعلیم کا ایک موازنہ کریں تو ان دونوں کے درمیان فرق کرنے والی بات یہ نہیں ہے کہ عصری نظام مختلف ہے اور جدید فنون یا اس میں ایسی روز افزوں ترقی سے آراستہ ہے جو اس سے پہلے زمانہ ماضی میں معروف نہیں تھی کیوں کہ اسلام نے اس جیسے علوم کے پڑھنے پڑھانے پر کبھی قدغن نہیں لگائی، بلکہ اسلام از خود مسلمانوں کو اس کی ترغیب دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں نظاموں کے درمیان میرے نزدیک بنیادی فرق دو چیزوں میں ہیں:

۱۔ علم کو دین سے بالکل جدا کر دینا۔

۲۔ تعلیم و تعلم کو شخصی تربیت سے جدا سمجھنا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

علم و دین

صورت حال یہ ہے کہ جب سے انگریزی استعمار کا مسلمانوں پر تسلط قائم ہوا، اس وقت سے سب سے بڑی مصیبت ہی یہی رہی ہے کہ علم کو دین سے بالکل الگ تھلگ کوئی چیز تصور کرلیا گیا ہے۔ چنانچہ انیسوی صدی ہجری میں جس فلسفہ کو فروغ حاصل ہوا، اس کی بنیاد صرف اسی پر تھی جو آنکھ دیکھے یا کان سنے یا دیگر حواس اسے محسوس کرے، اور ان ظاہری اعضاء کے محسوسات سے بالاتر ہو کر کوئی ایک بات بھی سامنے آئی تو فوراً یا تو اسے دیوار پر مار دیا گیا یا کم از کم شکوک و شبہات ضرور پیدا کیے گئے، وجہ صرف یہی تھی کہ اکثر اہلِ مغرب جس دین پر کاربند تھے، وہ نصرانیت تھا، جو ان تمام تحقیقات یا علمی انکشافات سے قطعی مختلف تھا، جن کی بنیاد محض استقراء پر رکھی گئی، یہاں تک کہ انہی میں سے کچھ ماہرین طبیعیات وہ تھے، جنہوں نے اپنے دین کو بالکل تہی دامن بنا دیا، گلیلیو جیسے ماہرین وہ لوگ تھے جنہوں نے محض ان آلات کو بنیاد بناتے ہوئے جو انہوں نے ایجاد کیے تھے، یہ کلیہ قائم کیا کہ زمین متحرک ہے نہ کہ سورج۔

غرض یہ کہ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کا دین ان کی اختراع کردہ تحقیق اور علمی انکشافات میں رکاوٹ ہے، تو وہ ہر ہر دین کے دشمن بن گئے، اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ اشیاء کے حقائق تک پہنچنے کا اس کے علاوہ کوئی راستہ ہی نہیں کہ تمام ادیان کو پست پشت ڈال دیا جائے، چنانچہ ان میں کچھ تو وہ تھے جنہوں نے سرے سے دین کا تصور ہی ختم کر دیا، اور اسے انسان کے بے معنی اوہام کا نام دے دیا، اور بعض وہ تھے، جنہوں نے نفسانی تسکین کی خاطر کیے گئے انسان کے ذاتی افعال ہی کو معاذاللہ دین و مذہب کا درجہ دیے دیا، جیسے ہر قسم کے کھیل کود و تماشے اور انسانی زندگی میں سرایت کر جانے والے رسوم و رواج، عادات و اطوار اور تہذیب و تمدن سمیت وہ تمام لایعنی امور جن کا انسانی زندگی کے علم اور زمینی حقائق سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہ تھا، نیز عملی طور پر گو کہ دین ان کے نزدیک محترم ضرور تھا، مگر اس لیے نہیں کہ اس کی نفس الامر میں ایک واقعی حقیقت تھی، بلکہ محض اس لیے کہ یہ نوعِ انسان کی ان بعض عادات و اطوار اور رسم و رواج سے میل کھاتا ہے، جن سے ان لوگوں کی وابستگی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کا احترام کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں ایک دین پر دوسرے دین کی فضیلت کا کوئی معنی و مفہوم ہے اور نہ ہی ایک دین کی حقانیت اور دوسرے دین کے بطلان کا کوئی سوال، بلکہ ان کے نزدیک سارے ہی ادیان برابر ہے، اور ہر وہ دین جو

toobaa-elibrary.blogspot.com

(ان کی نظر میں) انسان کو ایک خوش حال زندگی کی طرف لے چلے، بس وہی حق ہے۔ اگرچہ وہ کسی اور شخص کی نسبت سے قابلِ عمل نہ ہو، کیوں کہ وہ اپنی مصلحت کسی اور دین میں سمجھتا ہے۔

یہی وہ بنیادی فکر ہے جس نے جملہ علوم اور دین کے درمیان خلیج پیدا کردی ہے، جس نے علمی مباحث اور زمینی انکشافات ہی کو اپنی تحقیقات کا محور بنائے رکھا، اور چہ جائے کہ وحی الٰہی سے رہنمائی لیتے ہوئے ان تحقیقات کو اور قابل اعتماد بناتے، سرے سے حقائق کو ہی مسخ کردیا۔

لہٰذا وہ نوایجاد علوم جنہیں نویں صدی ہجری میں مدون کیا گیا، سب کے سب اس مادی فکر کی پیداوار ہیں، جسے مادیت (Materialism) سے آگے کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ اور وہ یہی فکر ہے جس نے ان علوم کو سراسر لادینیت کے رنگ میں رنگ دیا ہے، اور انہیں دین اور اس کی تعلیمات کے متضاد نظریات کا اس طرح ملغوبہ بنادیا ہے کہ کبھی انسان کو اس کا شعور وادراک ہوجاتا ہے اور کبھی نہیں ہوپاتا۔

اس کی ایک عام سی مثال اس طرح سمجھیے کہ سائنس اور کائناتی حقائق ان عظیم تر علوم میں سے ہیں جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی قدرتِ قاہرہ و حکمت بالغہ کے ادراک و اعتراف تک لے کر جاتے ہیں، لیکن انیسوی صدی ہجری میں پنپنے والی یہی وہ فکر ہے، جس نے ان علوم کو اوڑھنا بچھونا بنانے والوں پر اس قدر منفی اثرات مرتب کیے کہ آج وہ اس کائنات کی سب سے بڑی اور واضح حقیقت یعنی وجود باری تعالیٰ اور اس عقیدہ پر مبنی ان تمام حقائق کا سرے سے انکار کر بیٹھے اور یہی علوم اپنی ذات میں ان لادینی نتائج تک رہنمائی کرنے والے ثابت ہوئے، کیونکہ انہوں نے ان علوم کو مدون کرتے وقت پہلے ہی یہ ذہن بنالیا تھا کہ فطرت (Nature) سے بالاتر کوئی بھی چیز قابلِ یقین نہیں، اس طرح ابتداء ہی سے ان کی یہ فکر ان علوم کی رگوں میں خون کی طرح دوڑنے لگی۔

اس کے قطعی برعکس مسلمان علماء نے جب ان علوم پر کام کیا تو انہیں ہر قسم کی ضلالت وگمراہی سے بالکل پاک وصاف کرکے مدون کیا اور یہ وہ علماءِ محققین تھے جو اپنی علمی تحقیق میں ان کی طرح استقراء ہی کی راہ پر گامزن تھے۔ کیوں کہ ان کا دین ان کی ذات اور ان کی خالص علمی تحقیق کے درمیان کبھی رکاوٹ بنا ہی نہیں، کہ انہیں اپنی علمی تحقیقات میں اس بات کی ضرورت رہے کہ وہ انہیں ان بنیادوں پر قائم کریں، جس سے دین یا حقائق کو مسترد کرنا پڑے، کیونکہ ان کے علوم اور نت نئی تحقیقات دین سے الگ تھلگ کوئی چیز تھی اور نہ ہی اس کے معارض، بلکہ ان کا علم انہیں دین کے اس طرح ساتھ ساتھ لیے چلتا تھا کہ یہ باہم

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک دوسرے کے معاون ومددگار ہوتے تھے۔

یہی وہ بنیادی فرق ہے جو سیکولرازم کے تربیتی نظام اور اسلام کے مطلوبہ نظام کے درمیان ہے۔

دوسری فرق کرنے والی بات یہ ہے کہ سیکولر نظام میں محض فنی مہارت ہی سب کچھ ہے، اس سے آگے ان کا حقیقی مقصود و مطلوب کچھ بھی نہیں، یعنی طالب علم کی ذاتی وفکری تربیت کی قطعی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی اور سب سے بڑھ کر یہ نظام جس فکری تخریب کی طرف رہنمائی کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ جو امور انسان کی اخلاقی تربیت سے وابستہ ہیں، وہ محض روایتی انداز کے تکلّفات سے آگے نہیں بڑھتے، اور نہ ہی ایک انسان کے قلب و روح کی گہرائیوں تک پہنچتے ہیں، بلکہ یہ ملاقات کے وقت زیرِ لب برائے نام مسکراہٹ اور ایسے سلام سے عبارت ہے جو گلے سے تجاوز ہو کر ہضم ہی نہیں ہوتی، کہیں معاشرتی رکھ رکھاؤ بھی ہے تو ایسا کہ نفوس میں اس کی کوئی ٹھوس حقیقت نہیں ہے، اور نہ ہی انہیں جذبۂ قربانی، تواضع وفنائیت، رحمت ورأفت، اخلاص وللّٰہیت، اور ان اخلاقِ کریمانہ سے کوئی لینا دینا ہے جو دل کی گہرائیوں میں اتر کر عملی زندگی میں پورے وثوق سے ظاہر ہوں۔

اس کے برخلاف اسلام کا مطمحِ نظر علوم وفنون کے پڑھنے پڑھانے سے کئی زیادہ ایک انسان کی ذاتی وفکری تربیت اور تزکیہ نفس ہوتا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ [۲۷۰]

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک صاف بنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔ [۲۷۱]

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تزکیۂ نفس کو تعلیم پر مقدم فرمایا، اور تزکیہ اخلاقِ رذیلہ سے دل کو پاک کرنے اور اخلاق کریمہ سے مزین کرنے کا نام ہے، پس اگر تحصیل علم کے بعد اگر کوئی ان اخلاق کریمانہ سے متصف نہیں ہوتا، تو علم اس کے لیے اس اسلحہ کی مانند ہے، جس کے استعمال سے وہ بے بہرہ ہے، اور

۲۷۰ آل عمران: ۱۶۴

۲۷۱ آسان ترجمہ قرآن: ۱/ ۲۳۰، آل عمران (۱۶۴)، مکتبہ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس شخص کی مثال اس بچہ کی سی ہے جس کے ہاتھ میں بم بارود تھمادیا گیا ہو، نتیجتاً وہ جانے انجانے میں خود بھی ہلاک ہوجاتا ہے اور گرد و پیش کے سب ہی لوگوں کی ہلاکت و بربادی کا سبب بنتا ہے، یہی صورتِ حال آج کے انسان کی ہے، جس نے علوم وفنون کی مدد سے چاند ستاروں تک رسائی تو حاصل کرلی ہے، لیکن اس کی اپنی زندگی زبوں حالی اور بے اطمینان کی کیفیت کا شکار ہے، اس سے کئی درجے زیادہ جوان علوم کے پڑھنے سے پہلے تھی، جس کی دلیل یہ ہے کہ ان علوم کے بعد رگ وپے میں سماجانے کے بعد آج دنیا ظلم وسرکشی کے عروج پر ہے، اور یہ علوم اسے مزید خطرات اور خوفناک نتائج کی طرف دھکیل رہے ہیں۔

غرض یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں حقیقی علم وہ ہے جو انسان کو اخلاق فاضلہ سے مزین کرنے کا ذریعہ اور اس کی سیرت وکردار کی اصلاح کا وسیلہ ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ
وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ [۲۷۲]

اور وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ جو شخص ان چیزوں کا خریدار بنے گا، آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ چیز بہت بری تھی جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانیں بیچ ڈالیں۔ کاش کہ ان کو (اس بات کا حقیقی) علم ہوتا۔[۲۷۳]

آیت کریمہ کے ظاہر ہی سے یہ عجیب وغریب نکتہ معلوم ہورہا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آیت کریمہ کے شروع میں (علماءِ بنی اسرائیل کے لیے) علم کو ثابت کیا اور فرمایا "وَلَقَدْ عَلِمُوْا....." لیکن اس کے بعد آیت کے آخر میں "لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ" فرمایا، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ لوگ نہیں جانتے، اور اس میں تناقض کی بات اس لیے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام تعارض وتناقض سے پاک ہے۔ دراصل اس میں راز یہ ہے کہ وہ علم جو آیت کے شروع میں ثابت کیا گیا اس سے مراد لغوی معنی کے اعتبار سے علمِ محض ہے، لیکن چوں کہ وہ عمل کی طرف نہیں ابھارتا، اس لیے وہ اس درجہ کا علم اصطلاحی نہیں جو عنداللہ مطلوب ہے۔ چنانچہ آیت کے آخر میں "لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ" فرما کر سرے سے علم کی نفی فرمادی۔

---

۲۷۲ البقرۃ:۱۰۲

۲۷۳ آسان ترجمہ قرآن:۱/۸۲، البقرہ(۱۰۲) مکتبہ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ وہ علم جو اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ پر نہ ابھارے، اسے اسلام کی نظر میں علم کا نام نہیں دیا جاتا، بلکہ یہ جہالت، نادانی اور سرکشی کی بدترین صورت ہے۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع" میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هِمَّةُ السُّفَهَاءِ الرِّوَايَةُ وَهِمَّةُ الْعُلَمَاءِ الرِّعَايَةُ

او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم

نادانوں کی جسارت (بے سمجھے) روایت کر دینا اور علماء کی جسارت (بے جا) رعایت دینا ہے۔

سب سے پہلا مدرسہ یا جامعہ جس کی مدینہ منورہ میں بنیاد ڈالی گئی، وہ "مدرستہ الصفہ" ہے، جس کی علمی قدر و منزلت محتاج تعارف نہیں، لیکن یہاں کوئی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں اور نہ ہی کوئی روایتی اور لگا بندھا نصاب تھا، بلکہ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم کی صحبت سے استفادہ اور زندگی کے ہر ہر گوشہ کو محیط اخلاقی تربیت ہی تعلیم کے طور پر رائج تھی، علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ "الاتقان" میں حضرت سعد بن وقاص وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت فرماتے ہیں کہ سب ہی صحابہ کرام نے صرف سورۃ البقرۃ کی تعلیم کئی سالوں میں لی، اور انہی صحابہ کرام کے بقول اس کی توجیہ یہ ہے کہ "**تعلمنا العلم والعمل جمیعا**" کہ ہم نے علم اور عمل ساتھ ساتھ سیکھا۔

معلوم ہوا کہ اسلام کی نظر میں رٹے رٹائے علوم کے پڑھنے پڑھانے سے کئی بڑھ کر اہمیت تربیت کو حاصل ہے جو اسلامی نظام تعلیم کے ہر ہر مرحلہ میں قدم بقدم چلتی ہے۔

تو یہ ہے وہ بنیادی فرق جو سیکولر و اسلامی نظامِ تعلیم کے درمیان پایا جاتا ہے، پھر اس پر ستم یہ ہے کہ جس وقت انگریزی استعمار کو اپنے مقبوضہ مسلم خطوں میں از خود سیکولر نظام کو فروغ دینے کا موقع میسر آیا۔ تو یہ شر و فساد دو چند ہو گیا، اور وہ اس طرح کہ اس نے سائنس و ٹیکنالوجی جیسے علوم جو اس نظام کے سرمایہ افتخار تھے، نکال باہر کیے، اور زیر اثر اسلامی خطوں میں بجز اس کے بہت معمولی حصے کے کوئی معتد بہ موثر نصاب داخل نہیں کیے، اور یہاں کے سادہ لوح باسیوں کی فکری تعمیر اس طرح کی کہ وہ محض یورپی زبانوں اور ان کے فلسفہ حیات وغیرہ کی جانکاری پر ہی پھولے نہ سماتے تھے، جس کی بنیادی وجہ ہی یہ تھی کہ مغربی استعمار اگرچہ ظاہری طور پر اسی کا دعوے دار رہا کہ وہ مسلمانوں کو جدید علوم سے آراستہ و پیراستہ کر رہا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے، لیکن اس کے ماخلف ان کا ہدف یہی تھا کہ یہ زیرِ اثر سادہ لوح لوگ مغربی اقوام ہی کے محتاج بن کر رہیں اور ان کے علوم اور فنی صلاحیتوں کے آگے مرعوب و مغلوب بن کر زندگی گزاریں، اور یہ ہدف ہندوستان کے تعلیمی نظام کے بانی لارڈ میکالے کی زبانی آن دی ریکارڈ موجود ہے۔ چنانچہ برطانوی پارلیمنٹ کے روبرو وہ اپنی تقریر میں کہتا ہے:

> ہم پر ضروری ہے کہ ہندوستان کے نوجوانوں کی بنیادوں کی تعمیرِ فکر اس طرح کریں کہ ہم انہیں ہندوستان کی عوام اور ان کے اجنبی حکام کے درمیان ایک واسطہ بنائیں، جس کی رو سے وہ رنگ و نسل کے اعتبار سے تو ہندوستان ہوں گے مگر علمی، فکری اور نظریاتی طور پر وہ انگریز ہوں گے۔ [۲۷۳]

مذکورہ ہر دو سیکولر و اسلامی تربیتی نظام کے درمیان دو بنیادی فروق بیان کرنے کے بعد اب ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ عصرِ حاضر کی اجتماعی زندگی میں عملی حیثیت سے ایک ایسے تربیتی نظام کے لیے لائحہ عمل وضع کریں، جسے ہم دو نکات میں بیان کریں گے:

۱۔ درسی مضامین میں تبدیلی

۲۔ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دینی ماحول کو فروغ دینا۔

۱۔ درسی مضامین میں تبدیلی

جہاں تک درسی مضامین میں تبدیلی کا تعلق ہے، تو اس میں کئی پہلوؤں سے اصلاحات کی ضرورت ہے۔

۱۔ مروجہ تمام علوم کو اسلامی رنگ میں ڈھالنا، جس سے میری مراد یہ ہے کہ ان تمام علوم کو اس طرح پڑھانا، جس میں یہ تصور پوری طرح روشن ہو کہ یہ علوم نہ تو دین سے کوئی الگ چیز ہے اور نہ ہی اس کے اصول و احکام سے معارض و متناقض کوئی دوسری چیز۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ علوم اور کائناتی حقائق فی نفسہ دین سے متصادم نہیں ہیں، اور نہ ہی اس سے معارض ہے، بلکہ انیسویں صدی ہجری کے جن مادہ پرستوں (Materialists) نے انہیں مدون کیا، ان کا مطمحِ نظر صرف اور صرف مادیت تھا، چنانچہ انہوں نے اسے سر سے پیر تک مادیت کے رنگ میں رنگ

---

۲۷۳ (لارڈ میکالے کے اس وصیت نامہ سے اقتباس جو اس نے برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

دیا، اور مختلف قیاس آرائیوں کے نتیجہ میں مسلم زمینی حقائق کو اس خلط ملط کر دیا کہ ان میں تمیز کرنا مشکل اور معاملہ کچھ کا کچھ ہوگیا اب طبعی بات ہے کہ جب طالب علم اسے پڑھتا ہے تو وہ اسی رنگ میں رنگ جاتا ہے، اور مادیت کے زیر اثر رہ کر فکری انفعال کا شکار ہو جاتا ہے، اور یہی وہ رنگ ہے جو کبھی ایک مسلم طالب علم کے ذہن کو اس قدر مخدوش کر دیتا ہے کہ اسے اپنے حاصل کردہ علم اور عقیدہ کے درمیان ٹکراؤ کی کیفیت معلوم ہوتی ہے، اور وہ ان دو میں سے کسی ایک حال سے نہیں ہوتا، یا تو وہ ٹکراؤ کے خوف سے ان نظریاتی مسائل میں غور و فکر کرنے کو سرے سے ترک کر دیتا ہے، اور اس علوم کے ذریعے اپنی پوری توجہ محض مادی فائدے حاصل کرنے اور پیسہ کمانے کی طرف مرکوز کر دے، یا بانگ دہل دین اور اس کے احکام کی تکذیب کرے اور یہ خیال راسخ کرے کہ دینی عقائد واحکام (معاذ اللہ) جھوٹ پر مبنی اور من گھڑت ہیں۔

لہٰذا اسلامی ممالک کے لیے آج کے دور کا سب سے بڑا چیلنج ہی یہی ہے کہ وہ ان علوم کی تدوین اور ان کے نصاب کو جدید خطوط پر اس طرح استوار کریں کہ یہ علوم اہلِ مغرب کے ان باطل افکار و نظریات سے قطعی پاک ہو جائیں جن کے ذریعے انہوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے کی سازش کی، اور خوب سمجھ لینا چاہیے کہ ہم ان علوم میں اہلِ مغرب کی طرف سے کی گئی گرانقدر تحقیقات کا انکار نہیں کرتے، اور نہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان طلبہ ان سے ناواقف رہیں، بلکہ ہمارا مقصود صرف یہ ہے کہ ہر چیز کو اس کا حق دیا جائے، اور قیاس آرائی کے آگے حقائق کو مسخ نہ کیا جائے، اور ان علوم پر وہ بوجھ نہ لادا جائے جو اس کے موضوع سے خارج ہے، اور ان علوم کو ٹھوس بنیادوں پر قائم لادینی عناصر اور اس خالص مادی طرزِ فکر سے آزاد کیا جائے، جس کا ان سے دور دور کوئی واسطہ نہیں۔

۲۔ درس نظامی میں اصلاحات کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ فی زمانہ رائج درسی مواد اپنے اندر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شدید عصبیت کی نار نمرود لیے ہوئے ہیں۔ جس میں اسلامی تاریخ کے ان روشن اور قابلِ فخر ادوار کو، جن میں مسلمانوں نے انسانیت کی صلاح و فلاح کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، یکسر حذف کر دیا گیا ہے، آنے والے نکات میں ہم انہیں مثالوں سے واضح کرتے ہیں:

الف: آج کل ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جو فلسفہ پڑھایا جاتا ہے اس میں یونانی یا نوافلاطونی فلسفے کے بعد طالب علم سیدھا یورپ کے نشاط ثانیہ کے بعد کے فلسفے پر پہنچ جاتا ہے اور اس کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ذہن پر یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ نوافلاطونی فلاسفہ سے لے کر ڈیکارٹ تک کا پورا زمانہ فکر اور فلسفے میں جمود کا زمانہ ہے۔ علم و فن کی تاریخ میں بھی اس زمانہ کو تاریک زمانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ یہ دور صرف غیر مسلم یورپ کے لیے تاریک تھا۔ ورنہ یہی وہ دور ہے جس میں مسلمانوں نے آدھی سے زائد دنیا میں علم و فن کے چراغ روشن کیے ہوئے تھے اور خود یورپ کا خطہ اندلس ان کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ اس دور میں مسلمان فلاسفہ اور متکلمین نے فکر اور فلسفے کے میدان میں جو نئی راہیں کھولی ہیں اور اپنی تحقیقات کا جو بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے موجودہ نظام تعلیم میں سرے سے ان کا کوئی ذکر ہی نہیں ملتا۔

جدید اسلامی نظام تعلیم میں یہ ضروری ہے کہ اس وسیع علمی خلاء کو پر کیا جائے، جو مغرب کی تنگ نظری اور تعصب نے مصنوعی طور پر پیدا کیا ہے اور فلسفے کی تعلیم میں مسلمان فلاسفہ اور متکلمین کے افکار کو ان کا صحیح مقام عطا کیا جائے۔

ب: سائنس کے بارے میں یہ حقیقت آج پوری دنیا میں مان لی گئی ہے کہ سائنس کی موجودہ ترقی اس استقرائی طریقے کی مرہون منت ہے جس میں صرف قیاس و تخمین کے بجائے مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعے تحقیقات کی جاتی ہیں لیکن ساتھ ہی مغربی نظام تعلیم نے ہر کس و ناکس کے ذہن پر یہ تاثر قائم کر دیا ہے کہ استقرائی طریقہ استدلال کی بنیاد مسلمانوں نے ڈالی تھی، انہوں نے ہی سائنس کا رخ موڑ کر اسے اس راستہ پر ڈالا تھا جس پر آج وہ برق رفتاری سے دوڑ رہی ہے۔ اس کے باوجود ہمارا سائنس کا طالب علم خالد بن یزید زکریا الرازی، ابن سینا، خوارزمی، ابوریحان البیرونی، فارابی، ابن رشد کندی، ابو محمد خوجسدی، جابر بن حیان اور موسیٰ بن شاکر جیسے عظیم سائنس دانوں سے یکسر ناواقف رہتا ہے۔

یہی صورت حال اقتصادیات، عمرانیات، سیاست، ریاضی اور انجینئرنگ وغیرہ علوم کی ہے، جن کے مدونین کے حوالے سے آج کا طالب علم آدم اسمتھ، وروسو، فرائڈ وغیرہ کو تو جانتا ہے، لیکن علامہ ابن خلدون، ماوردی، ابویعلی، رازی فارابی، غزالی اور ان جیسے دیگر مسلمان علماء کے افکار و نظریات سے ناواقف نظر آتا ہے، حالاں کہ یہ وہ رجال کار تھے جنہوں نے ان علوم کو قیمتی اور گراں مایہ ابحاث کا ایک وافر حصہ دیا، جس سے سوائے جاہل اور مکابر کے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسی طرح جملہ علوم وفنون اہل یورپ اور ان کے افکار کے زیر اثر نظر آتے ہیں، حتی کہ ایک مسلمان طالب علم یہی گمان کرنے لگتا ہے کہ مسلمانوں کا ان علوم کی تدوین واشاعت میں معمولی حصہ بھی نہیں، اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک طالب علم اہل یورپ کے علاوہ سب ہی کو حقارت وناپسندیدگی اور ہر ہر معاملہ میں یورپ ہی کو عظمت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

پس اسلامی ممالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ درسی نصاب کو اس لادینی تعصب سے پاک کریں اور ہر مضمون کو اس کا وہ حق ادا کریں جس کا وہ حق دار ہیں۔

۳۔ اکثر اسلامی خطوں میں دین سے متعلق درسی مواد گو کہ موجود ہے، مگر دیگر علوم کی نسبت سے بالکل برائے نام ہے، جس میں بہت معمولی کچھ عبادات سے متعلق چیزیں داخل کر دی گئی ہیں، جسے پڑھ کر ایک طالب یہی سمجھتا ہے کہ دین کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا اسلامی ممالک کا فی زمانہ یہ اولین فریضہ ہے کہ وہ ہر ہر طالب علم کو دین کا اتنا علم ضرور مہیا کریں جو خالص اسلامی زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے، پھر یہ کہ صرف دین کی تعلیم پر ہی انحصار نہ ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ دینی فکر تمام ہی مضامین میں اس طرح سرایت کی ہوئی ہو، جس طرح کہ روح جسم میں۔

لہٰذا ہر طالب علم کے لیے اپنے مضمون سے متعلق دین کے احکام اور عقائد کی واقفیت ضروری ہے، تاکہ جب وہ اس میں متخصص ہو کر نکلے تو وہ اپنے عقیدے پر راسخ ہو، اپنی عملی زندگی میں متعصب فی الدین اور دینیات کا علمبردار ہو، اور اپنے اسلاف کے افکار ونظریات کا واقف کار ہو، چاہے وہ اپنے لیے علم طب، ریاضی، معاشیات یا سیاسیات یا دیگر فنون میں کسی فن کا انتخاب کرے۔

ذکر کردہ ایک مؤثر تعلیمی لائحہ عمل وضع کرنا اگرچہ جان جوکھوں کا کام ہے، لیکن یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اسلامی ممالک اس وقت تک ذہنی انگریزی استعمار اور فکری ثقافتی جنگ سے نہیں نکل سکتے جب تک کہ حتی الوسع اس پر اپنی جدوجہد صرف نہ کریں، اور یہ امر قابلِ ستائش ہے کہ بعض مسلمانوں نے وقت کی اس اہم ترین ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مختلف اسلامی خطوں میں اس پر کام شروع بھی کر دیا ہے لیکن یہ کام ایک دن یا ایک رات کا نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے مستقل مزاجی کے ساتھ جہد مسلسل کی ضرورت ہے، بجا نہیں کہ اخلاص نیت کے ساتھ اس کے لیے سعی پیہم اور جہد مسلسل صرف کی جائے اور وہ بار آور نہ ہو سکے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور یہ بھاری بھرکم کام یہیں پر اختتام پذیر نہیں ہوتا، بلکہ اس کی سب سے بڑی ذمہ داری مملکتِ اسلامیہ کے اساتذہ پر عائد ہوتی ہے، کیوں کہ مقررہ درسی کتب کے ذریعے طالب علم کی تعمیرِ فکر میں سب سے مؤثر اور مضبوط کردار ایک استاذ کا ہی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان استاذ کا فریضہ ہے کہ وہ ان علوم کی تدریس اور اپنے لیکچرز تیار کرتے وقت ان پر تین پہلوؤں کو پوری اہمیت سے ملحوظ خاطر رکھیں، جس سے ان شاء اللہ طلبہ کو درسی نصاب پڑھانے کے دوران لیکچر دیتے وقت اس نقصان کی تلافی ممکن ہوسکے گی۔ جس کا ہمارا نظام تعلیم فی زمانہ شکار ہے۔

دینی ماحول کی تشکیل

دوسرا نکتہ جس کی اہمیت پہلے نکتہ سے بھی زیادہ ہے، یہ ہے کہ اسکولوں اور کالجز کا ماحول خالص دینی ماحول ہو، جو نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی طرف ابھارے، اس لیے کہ علوم کے پڑھنے پڑھانے سے زیادہ اہمیت تربیت کو حاصل ہے، جیسے کہ اس مقالہ کے آغاز میں اس پر تفصیلی بحث گزر چکی۔ جس کی تمام تر ذمہ داری اسلامی حکومتوں، تعلیمی اداروں اور اساتذہ کرام پر عائد ہوتی ہے۔

جہاں تک اسلامی حکومتوں کی ذمہ داری کا تعلق ہے تو ان پر لازم ہے کہ جملہ گوشہائے زندگی میں سے ہر گوشہ میں شریعت اسلامیہ کی عملی تنفیذ کے ذریعے ایک اسلامی سوسائٹی کا تصور اجاگر کریں، اور اس سے متضاد مواد سے ذرائع ابلاغ اور میڈیا کو پاک کر کے اپنے اسلامی تشخص کو بحال کریں، چوں کہ یہ ایک مستقل موضوع ہے اور اس کے لئے بھی ایک مستقل مقالہ درکار ہے، اس لئے میں اس کی تفصیل میں نہیں جاتا، اور بالخصوص جبکہ دیگر اساتذۂ کرام نے اسے پوری وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔

تاہم اس حوالے سے میں ایک اہم بات کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا، جس کی طرف اسلامی حکومتوں کی توجہ نہیں ہے، اور وہ یہ کہ عصر حاضر ہمیں جس ثقافتی جنگ کا سامنا ہے، اس کا سب سے اہم ترین ذریعہ وہ فکر ہے، جس کے ذریعے یہ کوشش کی جارہی ہے کہ آنے والی پود کا اپنے مسلمان اسلاف سے تعلق کاٹ دیا جائے، اور انہیں اسلام سے بھی پہلے (کے پتھر) کے دور میں دھکیل دیا جائے اور یہ قومیت ومادیت کے نعروں کے ذریعے ممکن بنایا جارہا ہے، جس فکر کا اصل ہدف ہی یہی ہے کہ اسلامی ممالک خطے میں موجود آثارِ قدیمہ میں سے بھی جو سب سے زیادہ پرانے کھنڈرات ہیں، ان کی تعمیر نو کی طرف توجہ دے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اوران خطوں میں اسلام داخل ہونے سے پہلے جن کفار کا راج رہا، ان کی طرف اپنے آپ کو منسوب کر کے فخر محسوس کریں، اسی فکر کے نتیجے میں پاکستان میں مثلاً یہ ٹارگٹ ہے کہ پاکستانی قوم راجہ داہر کے آثار قدیمہ کی تعمیر نو کریں، اور یہ وہ شخص ہے جو اپنے وقت میں اس خطہ کا ظالم وجابر حکمران رہا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے محمد بن قاسم رحمہ اللہ کی تلوار کے ذریعے سے ہمیں نجات عطا فرمائی تھی۔ اوراس فکر کے نتیجے میں صرف یہی ہدف نہیں کہ راجا داہر کے آثار قدیمہ کو باقی رکھنے کے لیے اقدامات کیے جائیں، بلکہ یہاں تک کوشش کی جارہی ہے کہ اسے قابلِ افتخار واعتزاز ہونے کی حیثیت سے متعارف کرایا جائے، اسی طرح اس فکر کے نفاذ کا مقصد یہ ہے کہ ایرانی باشندے سائرس پر فخر کریں، اوراس کی یاد تازہ کرنے کے لیے گولڈن جوبلی منائیں، تاکہ وہاں کے مسلمانوں کا رابطہ سعد بن ابی وقاص، خالد بن عرفطہ اور ربیع بن عامر سے کٹ کر سائرس، رستم وکسریٰ اوران جیسے دیگر ظالموں سے ہوجائے، اسی طرح اس فکر کو مسلط کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ مصری باشندے وقت کے فرعونوں پر فخر کریں، اور ان ظالموں وجابروں کے آثار قدیمہ سے تبرک کریں، اوراپنے آپ کو عمرو بن العاص ودیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کرنے کے بجائے ان کی طرف منسوب کر کے فخر محسوس کریں، اوراگر اسلامی خطوں میں اس فکر کی پذیرائی ہوئی اور پاکستانی عوام راجا داہر پر فخر کرنے لگیں، ایرانی باشندے سائرس کو اپنا مقتدا اور پیشوا ماننے لگیں، اہلِ مصر فرعونوں کو اپنا مسیحا سمجھنے لگیں، اہل عراق نمرود پر جان چھڑکنے لگیں، اہل حجاز ابی جہل اور عکاز کو قابلِ احترام سمجھیں اوراہل مغرب بربرو دیگر کفار کو قابلِ افتخار گردانیں تواس کا مطلب یہ ہوگا کہ نسل نو کے دل میں اول ہی سے یہ بیج بویا جارہا ہے کہ سعد بن ابی وقاص، محمد بن قاسم، عمرو بن العاص، مثنی بن الحارثہ، عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہم جیسے چوٹی کے مسلمان فاتحین دوران فتوحات ظلم وسربریت، استعمار اور حدود کو پامال کرنے والے لوگ تھے۔ والعیاذ باللہ العظیم

ہم اس کے مخالف نہیں کہ ان آثار قدیمہ کو محض تاریخی یادگار کی حیثیت سے ختم نہ ہونے دیا جائے، اور یہ مسلمانوں کے لیے عبرت کا نشانہ ہونے کی حیثیت سے موجود رہیں، اور کسی محقق کو اپنی علمی تحقیق میں مدد دیں، لیکن ہم اس بات کی قطعی گنجائش نہیں سمجھتے کہ ان آثار قدیمہ کی تعظیم کی جائے اور مقدس سمجھا جائے اور مسلمان اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرنے لگیں اور ان ظالم وجابر کفار کی تعظیم کریں جن کے خطے ظلم واستبداد اور کفروشرک کا پیش خیمہ رہے اوراللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں ان مخلص مجاہدین کے ذریعے اس ظلم وسربریت اور ضلالت گمراہی سے نجات عطا فرمائی ہے، جنہوں نے اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے اپنی جانوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے نذرانے پیش کیے۔ اور شرق و غرب میں اسلام کے جھنڈے گاڑ دیے۔ لہٰذا اسلامی ممالک کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ثقافتی جنگ کے سب سے خطرناک ذریعہ سے مسلط کردہ اس فکری کجی کو پس پشت ڈال دیں، جو تاریخ کی حفاظت اور قومیت کے قابلِ افتخار ہونے کے طور پر بڑی معصوم سی شکل بنا کر پیش کی جا رہی ہے، مگر پس پردہ جو فاش غلطیاں ہیں، ان سے سادہ لوح مسلمان واقف نہیں ہیں۔

اور اسلامی خطوں پر یہ لازم ہے کہ ہر اس سرگرمی سے جو ان آثار قدیمہ کی آڑ میں اسلام دشمن عناصر کی حوصلہ افزائی کرے، قطعی اجتناب کریں، اور دوسری جانب ان سے وابستہ ان ظالم و جابر حکمرانوں کی تعظیم کو فروغ دینے کے بجائے مسلمان اسلاف کی یادوں کو تازہ کرنے کی طرف زور دیں اور ان کے آثار کی حفاظت، ان کی تاریخ اور اس سے وابستہ چیزوں کی طرف نشر و اشاعت کے لیے عملی اقدامات کریں، اور مسلم نوجوان طلبہ کو پڑھائے جانے والے نصاب میں جابجا اسلاف کے آثار کو نمایاں طور پر متعارف کرایا جائے، اپنے اس محاضرہ میں اس نکتہ کو پیش کرنے کے بعد، جسے میں چاہتا تھا کہ یہ مبارک سیمینار اپنے پاس نوٹ کرے، میں پاکستان میں ہونے والی اسلامی جدوجہد کے تذکرہ کی طرف آؤں گا۔ اور جہاں تک تعلیمی اداروں کی ذمہ داریوں کا سوال ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ اسکولوں اور کالجوں میں صاف ستھرا، خالص دینی ماحول ساز گار بنائیں، جس کے لیے آنے والے امور میں کچھ اہم تجاویز پیش کی جاتی ہیں:

درسگاہوں کا ماحول

۱۔ اپنے نظام تعلیم کو صحیح معنی میں اسلامی اور قومی انداز میں نافذ کرنے کے لیے جتنی اہمیت نصاب تعلیم کو حاصل ہے، درسگاہوں کے ماحول کا سدھار اس سے کم اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ طلباء کو کسی خاص رنگ میں رنگنے کے لیے اس کا ماحول بڑا موثر ثابت ہوتا ہے۔ مغربی ممالک میں اسلامیات کی تعلیم اچھے خاصے معیار پر ہوتی ہے لیکن اس کے ذریعے کوئی مسلمان طالب علم پیدا نہیں ہوا۔ اس کی وجہ اسلامی ماحول کا فقدان ہے۔ لہٰذا نئے نظام تعلیم میں اس امر کو بھی پوری اہمیت دینے کی ضرورت ہے۔

۲۔ ادارہ پر لازم ہے کہ اساتذہ اور معلمین کے تقرر کے وقت کڑا معیار رکھے اور یہ ملحوظ رکھے کہ وہ اپنے مقررہ مضمون میں مکمل مہارت کے ساتھ صحیح العقیدہ، اسلام اور دینی تعلیمات سے لگاؤ، محبت رکھنے

toobaa-elibrary.blogspot.com

والے و مخلصانہ جذبہ سے سرشار ہو کر طلبہ کی بہتر سے بہتر تربیت کرنے والے ہو۔

۳۔ وقتاً فوقتاً طلبہ کے لئے ایسی خارجی سرگرمیاں جوان کے دلوں میں دینی حمیت وغیرت اور اس پر کاربند رہنے کا جذبہ پیدا کرے، ازحد ضروری ہے، بالخصوص انہیں ایسی کسی سرگرمی کی ہرگز اجازت نہ دی جائے جو شریعتِ مطہرہ کی نظر میں درست نہ، جیسے رقص اور گانا وغیرہ کا مقابلہ کرانا، نیز ایسی خارجی سرگرمیاں بھی مفید ہے، جو صحت اور جسمانی ورزش میں معاون ہو اور انہیں دینی اور اجتماعی خدمات پر ابھارے۔

۴۔ یہ بھی مناسب ہے کہ طلبہ کا یونیفارم اور شکل وصورت اسلامی ثقافت کا آئینہ دار ہو، نہ کہ ہر چیز میں کفار وغیر اقوام کی ترجمانی کرے اگرچہ بہت سے لوگ ظاہری حلیہ کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے، مگر اس میں کوئی دورائے نہیں کہ یہ امور طلبہ کی دماغی نشوونما اور تعمیرِ فکر پر اثرانداز ہوتی ہیں۔

۵۔ اس بات میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ ایک سوسائٹی کی فکری تعمیر میں عورت کا کردار انتہائی اہمیت کا حامل ہے، اور اس کی گود حضرت انسان کی سب سے پہلی درسگاہ ہے، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ بچوں کی تربیت کرنے سے پہلے وہ خود اسلامی تہذیب میں ڈھلی ہوئی اور خالص اسلامی طرز پر تربیت کرنے والی ہو اور اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے طالبات کا درسی نصاب حد درجہ معاون ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ ان کے لئے علیحدہ گرلز اسکولز اور کالجز قائم کئے جائیں، جن میں انہیں ان تمام علوم کی تعلیم دی جائے، جو ایک مسلمان خاتون کے لئے اسلامی ثقافت وتہذیب کی رو سے ضروری ہے، مروجہ مخلوط نظام مغرب کی تقلیدِ محض ہے، جس کے مفاسد اور مضرات روز روشن کی طرح عیاں اور ہر چشم بصیرت رکھنے والے کے سامنے ہے، لہٰذا مسلمانوں کو مخلوط نظام تعلیم کے اس فرسودہ نظام کو دیوار پر مار دینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہونی چاہئے۔

جہاں تک اساتذہ کی ذمہ داریوں کا تعلق ہے تو وہ محض مقررہ مضمون یا سبجیکٹ پڑھانے پر ختم نہیں ہوتا، بلکہ ان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو طلبہ کے لئے ایک بہتر مربی کی حیثیت سے پیش کریں، اور انہیں اس طرح اسلامی ثقافت میں ڈھالنے کی فکر کریں، جس طرح کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت کر رہے ہوں، کیوں کہ استاذ کا فرض صرف لیکچر دے دینے پر پورا نہیں ہوتا، بلکہ اس کی حیثیت ایک مشفق

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور مہربان باپ کی سی ہوتی ہے، جو اپنی اولاد کی تادیب کرتا ہے اور انہیں ناشائستہ حرکات وسکنات سے باز رہنے اور رکھنے کی فکر کرتا ہے اور ان کے لئے اپنی ذات میں ایک قابل تقلید عملی زندگی کا نمونہ پیش کرتا ہے۔

یہ مختصر تجاویز تھیں جو میں نے اس مبارک اجتماع کے سامنے پیش کیں، جسے الجزائر کی مقتدر مملکت نے اس غرض سے منعقد کیا کہ ملت اسلامیہ کو درپیش ثقافتی جنگ سے نمٹنے کے شعور وآگہی اور فکری بیداری کی فضا ہموار ہو، اور الجزائر اس لئے بھی اس کے انعقاد کی زیادہ مناسب تھا کہ اس نے نجدہ اور بسالہ کے سیاسی استعمار کا پوری قوت سے دفاع کیا، جسے ان شاء اللہ تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی، اور ہم پُرامید ہیں کہ مسلمانوں کو اجتماعی سطح پر ہر خطے میں درپیش ثقافتی جنگ میں اس کا نمایاں کردار ہوگا، اللہ تعالیٰ اس مملکت کو اور ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائیں اور قدم بقدم ہماری مدد ونصرت فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

toobaa-elibrary.blogspot.com

پاکستان میں نفاذِ اسلام کی جدوجہد اور اس کی اثرات

toobaa-elibrary.blogspot.com

پاکستان میں نفاذِ اسلام کی جدوجہد اور اس کی اثرات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیّٖنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

اس مبارک اجتماع کے لئے میں نے جو محاضرہ تیار کیا تھا وہ "ثقافتی و تعلیمی جنگ" کے عنوان سے تھا، جو جلد مطبوعہ شکل میں نشر کر دیا جائے گا اور آپ حضرات کے درمیان تقسیم بھی کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، اور اس مقالہ کو زبانی پیش کرنے کا موقع اس لئے میسر نہ آسکا کہ میرے خیال میں اس مفصل مقالہ کو مکمل پیش کرنے کے لئے وقت ناکافی ہو کر رہ جاتا، اس لئے اس کے بجائے مجھے مناسب معلوم ہوا کہ اس مختصر وقت میں شریعت اسلامیہ کی تنفیذ کے حوالے سے پاکستان میں جاری اقدامات اور اس کے برکات و ثمرات کے حوالے سے کچھ معروضات پیش کروں، کیوں کہ ان دنوں ہمیں مملکت اسلامیہ میں بڑی ثقافتی جنگ کا سامنا ہے اور ہم پوری تندہی سے ریاستی سطح پر اسلامی شریعت نافذ کرنے کے لئے کوشاں ہیں، اور یہ یقینی بات ہے کہ ان شاء اللہ اس مبارک جدوجہد میں ہمارے تجربات دیگر ممالک کے لئے یکساں طور پر کارگر ثابت ہوں گے، اور ان معروضات کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اس مبارک اجتماع میں موجود میرے بہت سے بھائیوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ انہیں شریعت کے نفاذ کے لئے پاکستان میں جاری جدوجہد کے حوالے سے آگاہ کیا جائے۔

میں کوشش کروں گا کہ اس مختصر وقت میں تیار کردہ مفصل محاضرہ پیش کرنے کے بجائے اس کارگزاری پر روشنی ڈالوں، تاہم اس محاضرہ سے صرف ایک نقطہ کی طرف اشارہ کرنا چاہوں گا جو میرے خیال سے اس پلیٹ فارم پر ذکر کرنا انتہائی ضروری ہے۔

آپ حضرات بخوبی واقف ہیں کہ پاکستان پوری دنیا میں وہ واحد ملک ہے جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا، نیز ہندوستان سے ایک علیحدہ وطن حاصل کرنے کی بنیاد دو قومی نظریہ اور اسلام کے سوا کچھ نہ تھی۔

فی الوقت پاکستان کی شہری و دیہی آبادی آٹھ کروڑ سے تجاوز کر گئی ہے جو اب بڑھتے بڑھتے الحمد للہ ۱۸ کروڑ سے متجاوز ہے، جن میں پچانوے فیصد صحیح العقیدہ سنی مسلمان ہیں، جو اسلام کی عظمت و محبت اور اس کی عملی تنفیذ کے حوالے سے پرجوش دکھائی دیتے ہیں اور اس میں شک بھی نہیں کہ محض اللہ تعالیٰ کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

فضل وکرم سے یہی وہ لوگ ہیں جو اس بات کی پوری قدرت واستطاعت رکھتے ہیں کہ اللہ کے نام پر حاصل کی گئی اس سرزمین پر اس کے نافذ کردہ دین کی پاسبانی کریں، اور ابھی ہی نہیں بلکہ ظلم وسربریت کی ہر آخری حد کراس کردینے والے سامراجی استعمار کے زمانے میں بھی یہی وہ غیور مسلمان تھے، جنہوں نے اسلامی ثقافت اور تہذیب وتمدن کو حرزِ جان بنائے رکھا، حالانکہ یہ وہ کڑا وقت تھا جب اسلام اور اس کے علوم کو پھیلانے کے لئے سعی پیہم صرف کرنے والے ان مجاہدین پر کسب معاش اور اقتصادیات کے سارے دروازے بند کردیے گئے تھے، لیکن اس کے باوجود بالعموم متدین طبقے اور بالخصوص علماءِ کرام اس قوم کا وہ طبقہ تھا، جس نے خالصۃً لوجہ اللہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اپنی کاوشیں جاری رکھیں، ان کے لئے یہی بہت تھا کہ آج انہیں قوتِ لایموت مل جائے، چاہے وہ اگلے دن بھوکوں مریں، لیکن انہوں نے طویل المدتی حکمت عملی اپناتے ہوئے اسلام اور اس کی روشن تعلیمات کو پھیلانے کے لئے اگرچہ سست روی کے ساتھ ہی مگر اپنی عملی جدوجہد نہایت معتدل انداز میں جاری رکھیں اور تقسیم سے قبل ہندوستان میں بھی خالصۃً اسی غرض سے دیوبند کے علاقے میں ایک دینی ادارے 'دارالعلوم'' کی بنیاد رکھی، جس کا فیض اس قدر عام ہوا کہ دنیا نے اسے ''ازہر الہند'' کا خطاب دیا۔

یہ ادارہ اپنی کم مائیگی، حد درجہ سادگی اور ہر قسم کے تکلفات سے کوسوں دور ہونے کے باوجود سب سے بڑی اسلامی یونیورسٹی کی حیثیت سے برصغیر کے نقشہ پر ابھرا اور علمی استعداد اور فنی صلاحیتوں کے حامل ایسے رجال کار، مجاہدین اور مخلص علماء پیدا کیے جو علم وہنر، ورع وتقویٰ اور جذبۂ ایثار وقربانی سے سرشار تھے، جنہوں نے پورے برصغیر پاک وہند کو علم ودین، تقویٰ وپرہیزگاری، ہدایت وارشاد اور رحمت وبرکت سے بہرمند کیا اور اب وہ وقت ہے کہ الحمد للہ اس خطے کا کوئی شہر یا کوئی گاؤں ایسا نہیں جو ان کی لازوال دینی خدمات اور کبھی نہ ختم ہونے والے اسلامی تقدس کی داستان نہ سنا رہا ہو۔

محض اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لئے صرف کی گئیں ان مساعی مبارکہ کے نتیجے میں اس خطے کی مسلم قوم اسلام کے مبارک جذبے سے سرشار ہوئی، اور بالآخر جب پاکستان کی بنیاد رکھی گئی تو یہاں کے غیور مسلمانوں نے اول درجے میں ریاستی سطح پر شریعت اسلامیہ کے نفاذ کا مطالبہ رکھا لیکن مختلف سیاسی وجوہات کے باعث یہاں کی حکومتیں یکے بعد دیگرے بدلتی رہیں اور مختلف تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں جس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا، لیکن بہر حال مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے نفاذ کے حوالے سے امید کی شمع ہمیشہ سے ہی

toobaa-elibrary.blogspot.com

روشن رہی جس کے لئے وہ برابر جلتے اور پگھلتے رہے اور انہوں نے ہر قسم کی جانی و مالی قربانی کا نذرانہ پیش کیا۔

بالآخر موجودہ پاکستانی گورنمنٹ نے تمام شہروں، بستیوں و دیہی علاقوں میں ریاستی سطح پر اسلامی شریعت کے نفاذ کے لئے بھرپور جدوجہد کی اور قابل قدر اقدامات کیے، جن میں چند اقدامات بطور مثال ذکر کیے جاتے ہیں۔

۱۔ زکوٰۃ ادا کرنے کا ریاستی سطح پر نظم اور اس کی تنفیذ

الحمد للہ تعالیٰ پاکستان میں اسلامی زکوٰۃ کا نظام نافذ کر دیا گیا ہے اور ہر شہر و محلہ میں اس مقصد کے لئے باقاعدہ کمیٹیاں تشکیل دے دی گئی ہیں، جس کے ارکان مسلمانوں کے مقتدر و معتمد افراد ہیں، یہ کمیٹیاں اسلام کے وضع کردہ اصولوں کے مطابق زکوٰۃ کو مستحقین پر تقسیم کرتی ہیں جس کا نظم یہ بنایا گیا ہے کہ لوگوں کے بینک اکاؤنٹس میں جن پر شرعاً زکوٰۃ واجب ہے ان میں سے زکوٰۃ کے بقدر رقم منہا کر لی جاتی ہے۔ اور اس غرض کے لئے ایک مخصوص اکاؤنٹ ہے، جو شرعی طور پر مستحقین زکوٰۃ افراد اور اداروں کو زکوٰۃ کی فراہمی میں ہر ممکن تعاون کرتا ہے۔

۲۔ شراب نوشی و فحاشی کے سدباب کے لئے کیے گئے اقدامات

الحمد للہ تعالیٰ جملہ لوازمات کے ساتھ شراب نوشی پر تمام شہریوں پر یکساں طور پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، حالاں کہ حالات یہ تھے کہ صرف کراچی میں دو سو سے متجاوز شراب خانے وجود میں آچکے تھے، نیز جتنے بھی ڈانس بار ہیں، ان پر بھی الحمد للہ تعالیٰ مکمل پابندی عائد کر دی گئی ہے، جبکہ یہاں بھی حالات اس حد تک سنگین ہو چکے تھے کہ قہوہ خانوں اور ہوٹلز میں ڈانس بار کھولنے کی ایک دوڑ لگ چکی تھی، شراب نوشی کے خلاف قانون پاس ہوتے وقت یہاں کے ایک مخصوص طبقہ کی طرف سے بڑے زور شور سے یہ خدشات ظاہر کئے جا رہے تھے کہ پاکستان میں موجود غیر مسلم اقلیتی آبادی کی طرف سے ردعمل سامنے آسکتا ہے، مگر یہ حالات ہمارے ہاں کسی معجزہ سے کم نہ تھے کہ نونِ مسلم اقلیتوں نے بھی اس قانون کو جس قدر احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھا اور سراہا، اسے مسلمانوں سے کم نہیں کہا جا سکتا۔ نیز ایک سیکولر طبقے کی طرف سے یہ اعتراض سامنے آیا کہ قانون پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ کو مالی و اقتصادی

toobaa-elibrary.blogspot.com

خسارہ ہوسکتا ہے، بالخصوص فی الحال پاکستان کا سیاسی و اقتصادی ماحول اس کے لئے سازگار نہیں ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ قانون پاس کرنے کے لئے گزشتہ سال کے مقابلے میں آنے والا سال ریاستی مالیاتی اداروں کے لئے بھرپور منافع اور برکات کی نوید لے کر طلوع ہوا۔

بلا شبہ یہ وہ ثمرات ہیں جن کا وعدہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے اس مبارک ارشاد میں فرمایا، جس نے ہمارے ایمانوں کو نہال کردیا اور کھلی آنکھوں ان وعدوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد بے انتہا تقویت کا سبب بنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ[۲۷۵]

اور اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرلیتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین دونوں طرف سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے (حق کو) جھٹلایا، اس لیے ان کی مسلسل بدعملی کی پاداش میں ہم نے ان کو اپنی پکڑ میں لے لیا۔[۲۷۶]

شرعی حدود کا نفاذ

۱۹۷۹ء میں شرعی حدود کے قوانین جاری کردیے گئے ہیں اور چوری، ڈاکہ زنی، شراب نوشی وبدکاری کے قوانین پر باقاعدہ عمل درآمد بھی شروع ہوگیا ہے، جس کی رو سے جہاں کہیں ان حدود کی تنفیذ کے لئے شریعت کی طرف سے مقرر کردہ شرائط پائی جائیں، وہاں پر پورے ملک کی تمام عدالتوں کے جسٹس صاحبان پر لازم ہے کہ یہ حدود قائم کریں، اور اگر کہیں اپنی ذات میں تو جرم ثابت ہورہا ہے لیکن حد سے متعلقہ جملہ شرائط نہیں پائی جارہی تو ایسی صورت میں عدلیہ کے لئے ضروری ہے کہ احکام شرعیہ کے مطابق تعزیرات کا قیام عمل میں لائیں، چونکہ ان حدود کے قیام کے لئے شریعت اسلامیہ کی طرف سے مقرر کردہ شرائط حد درجہ سخت اور کڑی ہیں، جو ان حدود میں اکثر طور پر نہیں پائی جاتیں، لہٰذا تا ہنوز شرعی حد کے طور پر

۲۷۵؎ الاعراف:۹۶

۲۷۶؎ آسان ترجمہ قرآن:۱/۴۷۶، الاعراف (۹۶) مکتبہ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک ہاتھ بھی نہیں کٹا، نہ ہی کسی کو اب تک رجم ہوا۔ والحمد للہ علی ذلک۔ اور قوانین حدود کی عملی تنفیذ کے بعد بھی کسی کا ہاتھ نہ کٹنا اور رجم نہ ہونا ان معترضین کے منہ پر زور دار طمانچہ ہے، جو مسلمانوں پر ہرزہ سرائی کرتے ہوئے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ ان قوانین حدود سے ہزاروں ہاتھ کٹ رہ جائیں گے۔

شرعی عدالت عظمیٰ کا قیام

گزشتہ قریباً چار سالوں سے اعلیٰ شرعی عدالتوں کا قیام عمل میں آچکا ہے، اور اب ہر پاکستانی شہری یہ حق محفوظ رکھتا ہے کہ وہ اسلامی شریعت کے خلاف حکومت پاکستان کی طرف سے کوئی بھی سول یا فوجداری قانون پاس ہو، اس محکمہ میں اس کے خلاف درخواست دائر کر سکتا ہے، جس کے بعد سرکاری و درخواست گزار میں سے ہر ایک کے وکلاء کے دلائل سننے کے بعد شرعی عدلیہ اس قانون میں غور و خوض کرتی ہے اور اگر اس قانون میں کوئی بات قرآن کریم اور سنت مطہرہ کے خلاف ملتی ہے تو اسے کالعدم قرار دے دیتی ہے، اور اسی تاریخ سے وہ قانون منسوخ اور کالعدم شمار کیا جاتا ہے۔

گو کہ اس محکمہ کے اختیارات تاحال کچھ مخصوص قوانین تک ہی محدود ہیں، جس کے باعث اس کا دائرہ کار اقتصادیات و مالی معاملات سمیت بینکوں کے قوانین تک وسیع نہیں ہے لیکن یہ تحدید بھی بہت معمولی مدت کے لئے ہے جو صرف تین سال ہے، تاکہ اس دوران حکومت بینکوں کے معاملات کو شرعی بنیادوں پر قائم کرلیں، جس کے بعد شرعی عدالت کا کنٹرول اقتصادیات تک بھی وسیع ہو جائے گا۔ بہر حال ریاست کا یہ اقدام بھی شریعت اسلامیہ کی طرف ایک لائق تحسین اقدام ہے، اس عدالت کا یہ قابل قدر کارنامہ ہے کہ بہت سے دیوانی یا فوجداری قوانین جو قرآن و سنت سے متصادم تھے، ان کے خلاف عملی اقدام کیا اور انہیں شرعی تقاضوں کے مطابق ڈھالنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔

۵۔ تعلیم کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے سے متعلق کاوشیں

الحمد للہ تعالیٰ ہم نے نظام تعلیم میں رائج تمام مضامین کے مقرر کردہ نصاب کی تدوین نو کا آغاز کر دیا ہے اور اسے دینی و اسلامی رنگ میں رنگنے کے لئے حتی الامکان اقدامات کر رہے ہیں، گو کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ چند ایک دنوں کا کام نہیں، بلکہ اس کے عملی نتائج حاصل کرنے کے لئے طویل المدتی جہد مسلسل اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

بھرپور وسائل درکار ہیں، تاہم اس کام کی ابتداء بھی کسی غنیمت سے کم نہیں، والحمد للہ علی ذلک۔

اس مقصد کے حصول کے لئے علوم وفنون سے متعلقہ تمام نجی شاخوں میں ایسے ماہر وذی استعداد اساتذہ کرام کی ایک مجلس شوریٰ تشکیل دی گئی ہے، جو اسلام کے ساتھ مضبوط رشتہ رکھنے کے حوالے سے عوام الناس میں معروف ہیں، جو نصاب تعلیم میں رائج تمام مضامین کی کتابوں کا گہرائی سے جائزہ لے رہے ہیں اور انہیں اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے بھرپور جدوجہد کررہے ہیں، انہی مساعی جمیلہ کا ایک حد درجہ لائق تحسین پہلو یہ بھی ہے کہ عربی زبان لازمی مضمون (compulsory subject) کی حیثیت سے چھٹی جماعت سے دسویں جماعت تک باقاعدہ نصاب کا حصہ ہے، نیز روزانہ کی بنیادوں پر باقاعدگی سے عربی زبان کی تعلیم کے حوالے سے خصوصی پروگرام ٹیلی وژن پر نشر کیا جاتا ہے، اور ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ اس پروگرام کی وجہ سے عوام الناس میں عربی سیکھنے کے رجحان میں اضافہ ہوا ہے اور اسلام آباد میں ایک انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی کا قیام عمل آیا ہے، جو مکمل عربک میڈیم ہے، اور یہ نظام اسی طرز پر قائم کیا گیا ہے جو قدیم زمانے میں دنیا بھر کے اسلامی خطوں میں ہزارہاں دینی مدارس کی صورت میں رائج تھا، جہاں سرکاری یونیورسٹیوں سے کہیں زیادہ عربی زبان کی تعلیم اور علوم اسلامیہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

۶۔ میڈیا و نشریاتی اداروں میں اصلاحات کا نفاذ

بلاشبہ یہ بات ہر ایک بخوبی جانتا ہے کہ عہد حاضر کی فکری وثقافتی جنگ میں میڈیا کا کردار انتہائی اہم ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے بھی مملکت پاکستان نے اہم اقدامات کیے ہیں۔ یہ تو نہیں کہوں گا کہ پاکستانی میڈیا مکمل طور پر اسلامی ودینی رنگ میں ڈھل چکا ہے، کیوں کہ فی الحال اس میدان میں ایسی گھاٹیاں ہیں جنہیں سر کرنا ضروری ہے، لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ ریڈیو وٹیلی وژن کی نشریات میں پہلے کے مقابلے میں کافی مثبت تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اور بے محابا فحش نشریات پر پابندی عائد کردی گئی ہے جو پہلے کسی حد تک جاری تھیں اور اب ریڈیو وٹیلی وژن کی نشریات میں کثرت سے تربیتی پروگرام کا اجراء عمل میں آیا ہے، اور نشر ہونے والے مختلف پروگرامز میں فکری تربیت کو بطور خاص اجاگر کیا گیا ہے۔

۷۔ سود سے پاک بینکاری نظام

سب سے بڑھ کر بینکوں میں ربا فری معاملات ہونا شروع ہوگئے ہیں، حتیٰ کہ اس سال ماہ جولائی کے شروع میں سود کے خلاف تاریخی قانون پاس ہوچکا ہے، جس کی رو سے کسی بھی سرکاری یا نجی بینک کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

سودی معاملہ کی اجازت نہیں، اس بات میں دو رائے نہیں کہ تمویل کے جو طریقے فی الوقت بینکوں میں رائج ہیں، وہ سود کا ایک متبادل ہے جس کا ایک بنیادی فائدہ یہ ہے کہ اس میں سود نہیں ہے گو کہ وہ اسلام کے مطلوبہ طرق تمویل (مضاربہ ومشارکہ) کے تقاضے پورے نہیں کرتے اور ان میں وسیع پیمانے پر اصلاحات کی ضرورت ہے لیکن بہرحال ابتدائی طور پر یہ ضروری ہو چکا ہے کہ کوئی بینک سودی معاملہ نہیں کر سکتا، جو پاکستان کا ایک تاریخی اقدام ہے جبکہ اس ضمن میں جو بھی مشکلات یا پیچیدگیاں ہیں، ان شاء اللہ مستقبل قریب میں ہم ان کے سدباب کی استطاعت اور صلاحیت رکھتے ہیں۔

۸۔ ریاستی سطح پر نماز کے قیام کے لئے اقدامات

پاکستان کی اسلامی حکومت نے اول درجہ جس اہم ترین حکم الٰہی کی طرف توجہ مرکوز کی اور اس کے لئے عملی اقدامات کیے، وہ نماز کا اہتمام کے ساتھ قیام ہے، چنانچہ تمام وزارتی و سرکاری دفاتر میں صدر پاکستان کی طرف سے صدارتی پیغام ارسال کیا گیا کہ عملہ پر لازم ہے کہ وہ اپنے دفاتر سے متصل مساجد میں نماز باجماعت کا اہتمام کریں، اس حکم نامہ کے بعد سرکاری اداروں میں دینی فضا ہموار ہوئی، نتیجہ یہ ہے کہ اگر آج آپ اسلام آباد کے سیکریٹریٹ میں دوپہر ایک بجے جائیں تو آپ کو اس کی تمام عمارتوں سے اذان کی آوازیں سنائی دیں گی اور آپ حق الیقین کے ساتھ عملی مشاہدہ کریں گے کہ تمام سرکاری ملازمین نماز باجماعت کا اہتمام کر رہے ہیں۔

یہ ان کاوشوں اور مساعی کا ایک خلاصہ ہے جو اسلامی مملکت نے اسلامی شریعت کی تنفیذ اور فکری و ثقافتی جنگ کے بالمقابل پیش کی ہیں، گو کہ میں پوری وضاحت سے یہ اعتراف کرتا ہوں کہ یہ جو کچھ اقدامات ذکر کیے گئے یہ ان کاوشوں کے مقابلے میں بہت معمولی ہے، جن کا آنے والے وقتوں میں ہمیں سامنا ہے اور اب تک کا جو فاصلہ ہم نے طے کیا ہے وہ یقیناً اس کے مقابلے میں بہت کم ہے، جسے ہمیں مستقبل قریب میں قطع کرنا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ فی الحال ہمارے سامنے نہایت گہری کھائیاں اور گھٹا ٹوپ گھاٹیاں ہیں، جنہیں سر کرنے کے لئے مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے، کیوں کہ ہمارے ہاں ایک بہت بڑی تعداد وہ ہے جو شریعت اسلامیہ کو مکمل نافذ کرنے کے حوالے سے ہمیں مسلسل ہراساں کر رہی ہیں، لیکن ہمارا تجربہ و مشاہدہ ہے کہ پاکستان اپنے ہم وطنوں کو بھوکوں مرنے سے بچانے کی غرض سے ہر سال بڑی بھاری مقدار میں گندم درآمد کرتا تھا لیکن رواں سال جب حدود شرعیہ اور زکوٰۃ کے متعلقہ اسلامی قوانین کا اجراء اور نفاذ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوا تو گندم کی پیداوار میں اسقدر اضافہ ہوا کہ پاکستان نے کنٹینر کے کنٹینر بھر کر منوں گندم باہر ممالک برآمد کی۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ صادق المصدوق نبی امین حضرت محمد ﷺ کا یہ قول سچا ہے، جس میں آپ نے فرمایا:

إِقَامَةُ حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يُمْطَرُوا أَرْبَعِينَ صَبَاحاً

اللہ تعالیٰ کی وضع کردہ حدود میں سے صرف ایک حد ہی نافذ کر دینا اس سے کئی گنا بہتر ہے کہ چالیس دن تک روزانہ بارش ہو۔

یہ ہے وہ برکات، جو ہم نے شریعت اسلامیہ کا کچھ حصہ نافذ کرنے کی صورت میں مشاہدہ کیں، تو ان ثمرات و برکات کا کیا عالم ہوگا جب کہ ان شاء اللہ مکمل شریعت نافذ ہو جائے گی، جیسے کہ سلف صالحین نے اسے بکمالہا نافذ کر کے اس کی برکات کو سمیٹا۔ بیشک ہم اللہ تعالیٰ کے اس قول پر یقینِ کامل رکھتے ہیں۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ [۲۷۷]

اور اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین دونوں طرف سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے (حق کو) جھٹلایا، اس لیے ان کی مسلسل بدعملی کی پاداش میں ہم نے ان کو اپنی پکڑ میں لے لیا۔ [۲۷۸]

حقیقت یہ ہے اگر ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت ورحمت پر کامل اعتماد کے نتیجے میں حاصل ہونے والے ان اعداد وشمار کے معمولی حصہ سے بھی لوگوں کو آگاہ کر دیں اور یہ واضح کریں کہ ایمان وتقویٰ کے باعث انسانیت کی طرف برکات کا نزول اس قدر لامحدود ہوتا ہے کہ ان کے سامنے ہمارے اعداد وشمار بھی فیل ہو جاتے ہیں تو بجا نہیں کہ اسلام کے نفاذ میں حائل رکاوٹیں ہٹ جائیں اور گھاٹیاں سر ہو جائیں۔

میں یہاں موجود اپنے تمام بھائیوں سے یہ امید کرتا ہوں کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے یہ دعا کریں گے کہ جس مبارک مہم کو ہم نے شروع کیا ہے اللہ تعالیٰ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ہماری نصرت فرمائے، کامیابی سے سرفراز فرمائے اور اس میں حائل رکاوٹوں کو اپنی قدرت سے دور فرمائے۔ آمین

۲۷۷ے الاعراف:۹۶

۲۷۸ے آسان ترجمہ قرآن:۱/۴۷۶، الاعراف (۹۶) مکتبہ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

برصغیر ہندو پاک کا فیضان علم

مقالہ نگار نے یہ پر اثر تقریر اپنے زمانۂ عنفوان شباب میں جمادی الاولی ۱۳۸۲ھ میں اس وقت کی جب حضرت علامہ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ تعالیٰ، سرزمین فلسطین کے سابقہ مفتی اعظم شیخ محمد امین الحسینی، سعودی سفیر سید محمد الحمد الشبلی اور موتمر العالم الاسلامی کے وفد میں شامل دیگر ارکان کی معیت میں دارالعلوم کراچی تشریف لائے ہوئے تھے، یہ خطاب اس قدر پر مغز اور اثر انگیز تھا کہ حضرت شیخ عبدالفتاح ابوغدّہ رحمہ اللہ دارالعلوم کے اس دورہ کے حوالے سے تاثراتی کلمات قلمبند کروانے کے دوران اس خطاب کے بارے میں تعریفی کلمات کہے بغیر نہ رہ سکے، ان کے نوٹ کرائے گئے تاثرات کا متن بھی اس مقالہ کے آخر میں ذکر کردیا گیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

برصغیر ہندوپاک کا فیضان علم

تمام تعریفیں اس ذات باری تعالیٰ کے لیے جس نے مذاہب میں سب سے زیادہ مستقیم اور ادیان میں سب سے زیادہ بہترین دین "اسلام" کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی اور درود و سلام ہو اس ذات پر جو رحمۃ للعالمین ہونے کی حیثیت سے مبعوث ہوئے اور رحمتیں نازل ہوں ان کے آل و اصحاب پر جنہوں نے دین کی بنیادوں کو استحکام بخشنے میں کلیدی کردار ادا کیا اور ان سب پر اللہ تعالیٰ کی نوازشات کی پیہم بارش ہو جو تاقیامت ان کی مبارک سنتوں پر عمل پیرا ہیں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد!

محترم المقام اکابرین عظام اور گرامی قدر سامعین کرام!

میں اس وقت جس قدر قلبی فرحت اور روحانی سرور محسوس کر رہا ہوں، اس کی کوئی نظیر ہے نہ کوئی مثال اور وہ اس لیے کہ میں ہم سب کی اس دینی درسگاہ میں ایک ایسی مکرم و محترم شخصیت کو اپنے سامنے پاتا ہوں جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کیپٹلزم، سوشلزم اور صیہونی و طاغوتی کفر والحاد کے اس زہریلے ماحول میں رشد و ہدایت کا سرچشمہ بنایا، اور میں اس حقیقت کے بیان میں حق بجانب ہوں کہ اس موقع پر ہمارے دلوں میں جاگزیں فرحت و مسرت اور خوشی و شادمانی کے ان جذبات کو الفاظ و نقوش کا جامہ نہیں پہنایا جاسکتا، کیوں کہ الفاظ اپنی ذات میں خوش نہیں ہوتے بلکہ خوشی تو ان دلوں کے ہاتھ آتی ہے جو سینوں میں مستور ہوتے ہیں۔

محترم سامعین کرام! دارالعلوم کراچی کے اہداف میں سے اولین ہدف یہ ہے کہ اس درسگاہ کی کوکھ سے اسلام کے ایسے متوالے نوجوان جنم لیں، جو لوگوں کو خالص اللہ کی طرف بلانے والے اور دین اسلام کو ان جدید تقاضوں کے مطابق پیش کرنے والے ہوں، جو عوام الناس کی فکری سطح کے مناسب اور ان کی محدود عقلوں اور دلوں کے لیے قابل قبول ہو۔

اس بات میں دو رائے نہیں کہ دارالعلوم نے اپنی جدوجہد کا ایک بڑا حصہ صرف اس فکر کی ترویج میں صرف کیا ہے کہ ہمارے ملک میں اسلام کی وضع کردہ تعلیم و تربیت کا نظام پروان چڑھے، جس کے سائے میں تمام مسلمان امن و آشتی کے ساتھ پرسکون زندگی بسر کریں اور ان کی وہ دیرینہ تمنائیں و آرزوئیں برآئیں، جن کے مدنظر انہوں نے برصغیر پاک و ہند کی آزادی کے لیے اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

نذرانہ پیش کیا۔ یہ ایک ناقابل تلافی تاریخی المیہ ہے کہ انگریز کے ناپاک قدم سونا اگلتی اس سرزمین ہند کو چھوئے، جس نے ایک عرصے تک مسلمانوں کی شان وشوکت اور دبدبہ کا کھلے آنکھوں مشاہدہ کیا اور متواتر کئی صدیوں تک ان کی فتوحات کا جھنڈا اس پر لہراتا رہا۔

گوکہ عیسائی مشنریاں اوچھے ہتھکنڈوں کے ساتھ مسلسل اس تاک میں ہیں کہ مسلمانوں پر جس طرح ممکن ہوسکے غلبہ پالیں اور انہیں صفحہ ہستی سے مٹادیں، لیکن تاریخ اس بات کی سب سے بڑی شاہد ہے کہ انہوں نے جب کبھی اوچھے ہتھکنڈے استعمال کیے اور سازشیں کیں، ہم نے انہیں پوری قوت سے پیروں تلے رونددیا اور جہاں کہیں انہوں نے سرکشی کی، مسلمانوں نے ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ان کی صفوں میں زلزلہ برپا کردیا اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح ونصرت سے بہرہ مند رہے، تاریخ اسلامی میں اس طرح کے معرکوں اور فتوحات کے ہمیشہ قائم ودائم رہنے والے ایسے نقوش ہیں، جنہیں تاقیامت محو نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن جب انہوں نے اس بات کا پوری طرح ادراک کرلیا کہ اب انہیں تلواروں کے سائے تلے شکست دینا ممکن نہیں تو انہوں نے بے جادلیلوں اور بحث مباحثوں کا میدان گرم کیا اور اپنی توجہ اس طرف مرکوز کردی کہ اسلام کو اپنی قوت خطابت اور چرب زبانی سے زیر کیا جائے چنانچہ اس غرض سے انہوں نے مسلم ممالک میں وفود روانہ کیے، جو عیسائیت کی تبلیغ اور مناظروں ومباحثوں میں سرگرم عمل رہے جن کا سرغنہ "فنڈر" نامی ایک پادری تھا، لیکن ہر ایک اس سے بخوبی واقف ہے کہ دلائل کی دنیا میں بھی اسلام کو کوئی شکست دے سکتا ہے، اور نہ ہی اس کے سامنے باطل ایک سیکنڈ کے لیے بھی ٹک سکتا ہے، اور بھلا کیسا ہی وقت ہو، علماءِ کرام ہی وہ رجال کار تھے، جو امت مسلمہ کے دفاع کے لیے میدان میں اترے اور انہوں نے نہ صرف یہ کہ انہیں شکست فاش دی بلکہ ان کے مکر وفریب اور دجل کو پوری دنیا پر آشکارا کردیا، جن میں سرفہرست حضرت مولانا رحمت اللہ نور اللہ مرقدہ تھے۔

مسلمانوں کے ہاتھوں پے در پے منہ کی کھانے کے بعد انہوں نے اپنے عقل کے گھوڑے دوڑائے اور سرجوڑ کے بیٹھے تو ان پر یہ قلعی کھلی کہ مسلمانوں پر فتح پانے کے دو ہی راستے ہیں، اول ان میں موجود اسلامی دنیا کے اس اتحاد کو پارہ پارہ کردیا جائے، جس نے ان کی قوت وسطوت کو یکجا کر رکھا اور مشرق سے مغرب تک انہیں ایک مضبوط لڑی میں پرو دیا ہے، یہاں تک کہ اب ان کی مثال یک جان کئی قالب کی مانند ہوگئی ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی ادنیٰ دھچکا لگتا ہے تو مشرق سے مغرب تک پوری مسلم قوم تڑپ اٹھتی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

دوسرا وسیع پیمانے پر ان کے پاس موجود قرآن وحدیث کا جو علم ہے، اس میں شکوک وشبہات پیدا کیے جائیں، اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ کسی عیسائی مشینری میں اتنی تیز نہیں تھی کہ وہ کسی مسلمان کو اس کے عقائد وایمانیات سے ادنیٰ درجے پر منحرف کردے، یا اس کو عملی دنیا سے دور کردے۔ بالآخر انگریز نے مکروفریب کا جال بنتے ہوئے لحہ بلمحہ رنگ بدلتے گرگٹ کا لبادہ اوڑھا اور مسلمانوں کے سیسہ پلائی دیوار کی مانند مضبوط اتحادی بلاک کو ریزہ ریزہ کرنے کے لیے پوری جان ماری کی اور انتہائی عیاری ومکاری سے کام لیتے ہوئے ترکوں کے پاس جا پہنچا اور انہیں اس بات پر اکسایا کہ تم تو بہادر اور لڑاکوں قوم ہو، کہاں گئی تمھاری بہادری اور کہاں گئی تمھاری شجاعت؟ ایسا لگتا ہے کہ تم نے اپنی سابقہ روایات چھوڑدی ہیں اور تم اپنی قدیم ثقافت بھلا بیٹھے ہو اور ان پردیسی عربوں کے طرز پر چل پڑے ہو جنہیں تم بآسانی مات دے سکتے ہو۔ اس کے بعد وہ عربوں کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ تم ساری دنیا میں سب سے بہترین قوم ہو، تم تو پیدا ہی اس لیے ہوئے ہو کہ دیگر اقوام کی قیادت وسیادت کرو، نہ کہ تم پر کوئی حکمرانی کرے۔ تو تم پر یہ کمتر ترکی کیسے غالب آ گئے؟ اور تم نے ان کی تابعداری کیسے قبول کرلی، حالانکہ تم ان پر حکومت کرنے کے زیادہ حقدار ہو؟

اس شیطان نے مکروفریب کا یہ جال اس پلاننگ سے بنا کہ مسلمانوں پر قومیت اور وطن پرستی کے وہ کھوکھلے بت چڑھ دوڑے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر توڑ دیے تھے، اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی وہ مبارک کڑی ٹوٹ گئی جس نے انہیں شرق تا غرب بلا کسی خلا کے ایک پٹی پر جمع کردیا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں کے خلاف چنگاریاں بھرنے لگی، اور اسلام کی مضبوط چٹان بکھری ہوئی کنکریوں کی شکل اختیار کرگئی۔

ان دونوں مسلم اقوام کو میدان جنگ میں دھکیلنے کے بعد اس عیار انگریز نے پوری دنیا کے مسلمانوں کے ساتھ "فکری جنگ" کا آغاز کیا اور اولین درجے میں انہیں قرآن وسنت سے دور کرنے کے لیے تانے بانے بننے شروع کردیے اور تعلیم وتربیت کا ایسا ایک نظام متعارف کروایا جس میں غیر محسوس طریقے سے سیکولرازم اور لبرل ازم کا زہر گھول دیا۔ بالآخر فکری پستی کے شکار مسلمانوں نے اس زعم میں اسے اپنایا کہ اس سے ان کے کسب معاش کے دروازے کھل جائیں گے اور وہ اپنی تعلیم کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق پوری کرپائیں گے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اس بری طریقے سے اس پروپیگنڈے کا شکار ہوئے کہ رفتہ رفتہ اس حقیقی علم اور روحانی غذا سے ہی محروم ہوگئے جو انہیں محسن انسانیت اور ان کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانی ہدایات کے عین مطابق عطا فرمائی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم قوم جہالت کی اندھیری کھائی میں جاگری جس کے بعد انہیں قرآن کا پتہ ہے نہ حدیث نبوی کا علم اور نہ ہی انہیں آباء واجداد کی روشن تاریخ سے کوئی شناسائی ہے اور یہ ایک زمینی حقیقت ہے کہ میدان جنگ سے زیادہ اس فکری جنگ نے دنیا کے ہر خطے کے مسلمانوں پر انتہائی منفی اثرات مرتب کیے اور ان کی حیثیت سیلاب پر بہتے جھاگ سے زیادہ نہ رہی۔

ان سنگین حالات کا ادراک کرتے ہوئے اس وقت کے علماءِ کرام بالخصوص قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور فقیہ ملت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی عمّرھم اللہ برحمتہ وغفرانہ سمیت دیگر علماء اس فکری جنگ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، کیوں کہ وہ یہ جان چکے تھے کہ اگر مسلمان اس سیلاب میں اس طرح بہتے رہے تو نہ صرف یہ کہ ہندوستان بلکہ کرّۂ ارض پر اسلامی علوم اور دین کی روشن تعلیمات کا نشان تک مٹ جائے گا اور اسلامی دنیا پر ایک بار پھر اندلس جیسے سانحات رونما ہوں گے، قوم کے ان حقیقی معماروں نے چھپّر تلے تنگ وتاریک حجروں میں علوم اسلامیہ کی تعلیم وتدریس اور ترویج واشاعت کا آغاز کیا تاکہ آنے والی نئی پود اکابر کے علمی ورثہ سے محروم نہ رہے۔

ان حضرات کے اخلاص اور جدوجہد کے گہرے اثرات مرتب ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنا وہ وعدہ سچ کر دکھایا جو درحقیقت سچ ہونا ہی تھا:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ[۲۷۹]

اور جن لوگوں نے ہماری خاطر کوشش کی ہے، ہم انہیں ضرور بالضرور اپنے راستوں پر پہنچائیں گے، اور یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔[۲۸۰]

یہاں تک کہ دیوبند میں واقع "دار العلوم" سے علم وفنون کے چشمے پھوٹے اور علم ودین کے حامل رجال کار اور اسلام کی آزادانہ خدمت انجام دینے والے ایسے غیور علماء تیار ہوئے جنہوں نے دین متین اور اسلامی علوم کے ان ذخائر کی بجا طور پر حفاظت کی جو عنقریب کفر والحاد کے ہاتھوں دریا برد ہونے والے تھے۔

بالآخر ایک طویل عرصہ سامراجی استعمار کے ماتحت رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہم پر آسمان کے دروازے کھول دیے اور ان اکابر علماء کی جدوجہد رنگ لائی اور ہمیں دنیا کے نقشے پر ایک آزاد اسلامی مملکت

۲۷۹؎ العنکبوت: ۶۹

۲۸۰؎ آسان ترجمہ قرآن: ۳/۱۲۱۸، العنکبوت (۶۹) مکتبہ معارف القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

نصیب ہوئی، جس کے بعداب ہم اس قابل ہیں کہ شریعت اسلامیہ کی روشن تعلیمات پر آزادی کے ساتھ عمل کر سکتے ہیں، لیکن افسوس کہ ہم ظاہری طور پر تو انگریزوں کے تسلط سے آزاد ہوئے لیکن پس پردہ لاشعوری طور پر اب بھی ہم مغربی افکار و نظریات کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، وہ طویل اور کٹھن وقت جو ہم نے مغربی استعمار کے ماتحت گزارا، اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اس نے مسلمانوں کی قوت فکر پر اس قدر گہرے اثرات چھوڑے ہیں اور فکری غلامی اس طرح جزولاینفک کی صورت اختیار کر گئی ہے جیسے ان کے اعضاء و جوارح۔

حالات یہ بتاتے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں پر جو سب سے بڑی جنگ مسلط ہے، وہ دو فکروں کے درمیان ہے:

۱) غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی مغربی واستعماری فکر

۲) اسلام کے آغوش رحمت میں پنپنے والی آزادانہ فکر

اور اس جنگ میں ہماری شکست کا یہ عالم ہے کہ ہم ایک آزاد اسلامی مملکت میں رہتے ہوئے اعضاء و جوارح کے اعتبار سے تو شاید آزاد ہیں، مگر ہماری قوت فکر اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اب بھی اسی یورپی استعمار کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ فیا غربۃ الاسلام

درحقیقت یہی وہ عظیم مقصد اور بصیرت افروز ہدف ہے جس کی طرف "دار العلوم کراچی" گامزن ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس مبارک مقصد میں ہمیں کامیابی و کامرانی سے سرفراز فرمائے اور یہ دینی درس گاہ رشد و ہدات کا مینارۂ نور اور اسلامی تعلیمات و اقدار کی حفاظت کا ایک مضبوط قلعہ ثابت ہو، جس کے ذریعے ہم کفر والحاد کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے مسلم امہ کو بچائیں، جس نے عالم اسلام کو ہر طرف تاریکی میں ڈبو دیا ہے۔

اخیراً! میں اپنے تمام اساتذہ کرام اور عملہ کی طرف سے تمام مہمانان گرامی بالخصوص محترم المقام، استاذ شیخ سید عبدالفتاح ابو غدہ متعنا اللہ بطول حیاتہ، محترم و مکرم سید محمد الحمد الشبلی اطال اللہ بقائہ کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنی آمد سے ہمیں مشرف کیا اور ہمارے لیے ایک ایسا خوشگوار ماحول مہیا کیا جس میں دار العلوم کی وجہ تاسیس بیان کرنے کا موقع میسر آیا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت علامہ عبد الفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے تأثرات

میں اللہ تعالیٰ کا حد درجہ شکر گزار ہوں کہ اس نے پاکستان جیسی دھرتی کے دورے اور ان کے مدارس اور ان سے وابستہ متقی و پرہیز گار علماءِ کرام کی زیارت کا موقع عنایت فرمایا، اس دورہ کے اختتام پر میں نے شہر کراچی میں واقع "دار العلوم" کا بھی دورہ کیا، تو میں نے اس ادارہ کی وسعت اور طلبہ کے رجوع کو دیکھتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی وسیع النظری کا بخوبی ادراک کیا، جنہوں نے فکری بلندی اور قابل قدر حوصلے کے ساتھ اپنی پوری حیات مبارکہ اس ادارے کے لیے وقف فرمائی، حتیٰ کہ ان کا یہ ادارہ تمام ہی علوم اسلامیہ کی تعلیم و تدریس کا مرکز ہے، اور جہاں میں شکریہ کا اظہار کرنا چاہتا ہوں، وہیں یہ بات بھی ریکارڈ کرانا چاہتا ہوں کہ یہ ملک آج دینی مدارس کی بدولت ہی علوم شرعیہ اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کا کماحقہ حق ادا کر رہا ہے، جن میں سر فہرست قرآن کریم، حدیث شریف، سنت مطہرہ کے علوم، فقہ اور اصولیات جیسے عظیم علوم وفنون ہیں۔

یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جس سے اپنے خصوصی فضل و کرم سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس ملک کے باسیوں کو بہرہ مند کیا، جن میں سر فہرست یہ مدرسہ بھی ہے، میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ امید رکھتا ہوں کہ اس مدرسہ کو اوج ثریا تک پہنچانے کے لیے مولانا کی نیک تمنائیں و آرزوئیں ضرور پوری ہوں گی اور یہ ادارہ مشرق و مغرب کے مسلمانوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گا، جس خصوصیت نے سب سے زیادہ میرا دل ٹھنڈا کیا اور اندرونی ترو تازگی بخشی وہ یہ ہے کہ اس ادارے کے طلبہ کی زبانیں عربی زبان سے اس طرح آشنا ہیں، جس طرح کہ یہ ان کی اپنی زبان ہو بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر انہیں اظہار مافی الضمیر کا ملکہ حاصل ہے، بالخصوص اللہ کے لیے مجھ سے محبت سے لبریز میرے برادر عزیز شیخ محمد تقی صاحبزادہ مولانا محمد شفیعؒ کی عربی زبان پر قدرت اور فصاحت و بلاغت نے تو عربوں کی اپنی مادری زبان میں پائی جانے والی کوتاہیوں کا پردہ فاش کر دیا ہے اور یہ وہ نمایاں خصوصیت ہے جو ہندو پاک کے دیگر مدارس میں دیکھنے میں نہیں آئی، میں ان کی زبانوں پر لغۃ القرآن کے رواں ہونے اور شیخ محمد تقی سمیت ان کے طلبہ کی خصوصی توجہات و عنایات پر حد درجہ شکر گزار ہوں اور اس موقع پر علماءِ کرام، رجال اللہ اور ذہین و فطین اور مخلص طلبہ سے شاد باد، اس عظیم ادارہ سے یہ امید وابستہ رکھتا ہوں کہ وہ ان اردو زبان میں تحریر کی گئی کتب کا ترجمہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

کریں گے، جن سے عربی زبان محروم ہے، کیوں یہ کتابیں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے لکھی گئی ہیں نہ کہ صرف ہندوپاک کے لیے، نیز اس ادارے کے رجال کار اور طلبہ کرام سے یہ امید بندھی ہے کہ وہ اسلامی ممالک کو ایک بار پھر ان فیوضات سے بہرہ مند کرنے کے لیے میدان عمل میں اتریں گے، جنہیں ہندوستان کے علماء کی ایک بڑی تعداد نے عربی داں طبقے کے لیے مہیا کیا تھا اور میرے خیال میں اس ادارہ کے رجال کار جس درجہ بلند ہمت ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے یہ کوئی بہت بڑا و مشکل ہدف (Task) نہیں ہے۔

تحریر

پردیس میں آکر برکتیں سمیٹنے والا ایک عاجز بندہ

عبدالفتاح بن محمد ابو غدہ

خادم العلم شہر حلب (شام) تلمیذ شیخ محمد زاہد الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ

بروز ہفتہ ۷ الجمادی الاول ۱۳۸۲ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

حساب ابجدیہ کی حقیقت

جامعۃ الایمان (یمن) کے مدرس اور جامعۃ لھیئۃ التزکیۃ کے
نائب رئیس محترم ومکرم شیخ محمد صادق المغلس المرانی حفظہ اللہ تعالیٰ کے تحریر کئے گئے
مقالہ بعنوان "الخلافۃ القادمۃ" کے مقدمہ کے طور پر لکھا گیا مضمون

toobaa-elibrary.blogspot.com

حساب ابجدیہ کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ، اَمَّا بَعْدُ!

حضرت شیخ محمد الصادق المغلّس المرانی حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ "هل نعتد بحساب الجمل لبعض النصوص و نتفائل بقرب عودة الخلافة الراشدة ان شاء الله (کیا مختلف نصوص سے حاصل شدہ "حساب ابجدیہ" معتبر ہے؟ اور کیا ان سے ایک بار پھر ان شاء اللہ قیام نظام خلافت راشدہ کا نیک فال لیا جاسکتا ہے؟) مجھے بھیج کر شرف بخشا اور مجھ سے اس پر تبصرہ اور مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی، مجھ تک یہ رسالہ میرے للّٰہ فی اللہ محبوب بھائی محترم شیخ عادل حسن الامین الندوی حفظہ اللہ تعالیٰ کی وساطت سے اس وقت پہنچا، جب میں مملکت قطر کے دارالحکومت دوحہ کے ایک ایمرجنسی دورہ پر تھا، اس دوران میں نے سوچا کہ مسلسل مصروفیت سے کچھ وقت نکال کر میں اس مسودہ پر ایک سرسری نظر ڈال لوں، لیکن جب میں نے اس کا مطالعہ شروع کیا تو صفحات کے صفحات پلٹتا چلا گیا اور اس کا ایک بہت بڑا حصہ پڑھنے کی توفیق ہوئی، اور حقیقت یہ ہے کہ مصنف علام حفظہ اللہ تعالیٰ نے قیامت و علامات قیامت کے حوالے سے جملہ مرویات پر جامع تحقیق سمیت الفاظ حدیث کے حروف کے متعلقہ شماریات "حساب ابجدیہ" کی مدد سے نہایت عرق ریزی کے ساتھ نکالی ہیں اور ان سے دوررس نتائج اخذ کیے ہیں، بالخصوص ان میں موجود ہمارے لیے تسلیہ، ہمت و حوصلہ اور خوشخبری و نیک فالی کے پہلوؤں پر تفصیلی بحث کی ہے۔

تاہم کتاب میں موجود مباحث سے استفادہ سے قبل مندرجہ ذیل امور کی رعایت حد درجہ ضروری معلوم ہوتی ہے۔

۱) شک نہیں کہ "حساب ابجدیہ" (جس میں حروف تہجی کے ہر ہر حرف سے ایک ایک مخصوص عدد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے) زمانہ قدیم سے چلا آیا ایک ایسا فن ہے جس کی مدد سے مختلف پیش آمدہ واقعات و حادثات کو بڑی سہولت سے یاد رکھا جاسکتا ہے، مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی سن ولادت، سن وفات اور مدت عمر کو ایک شاعر نے "حساب ابجدیہ" کی مدد سے اپنے مشہور شعر میں بڑی خوبی سے جمع کیا ہے، جس میں وہ کہتا ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

مولود "صدق" ومدة عمره

فیها "حمید" وانقضی فی "نور"

دراصل حساب ابجدیہ میں "صدق" کے جملہ حروف سے ۱۹۴ کا عدد مراد ہوتا ہے جوان کا سن ولادت ہے، اور لفظ "نور" میں موجود حروف ۲۵۶ کے عدد پر دلالت کرتے ہیں جوان کا سن وفات ہے اور اس طرح "حمید" میں موجود حروف ۶۲ کے عدد کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جوان کی مدت عمر ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ اس سے قطعی طور پر یہ مراد نہیں ہوسکتا کہ "صدق"، "نور" اور "حمید" کے الفاظ جب وضع کرنے والوں نے وضع کیے تو ان سے یہ اعداد مراد لیے جو امام بخاری رحمہ اللہ کے سن ولادت ووفات اور مدت عمر کا پتہ دیتے ہیں، بلکہ یہ اس شاعر کی اختراع ہیں، جس نے اپنے شعر میں ان کی مذکورہ تینوں تواریخ کو یاد دہانی کی غرض سے بطور تفاؤل ان بامعنی الفاظ کے ساتھ جوڑ دیا، اسی طرح مورخین اور ادباء حساب ابجدیہ کو مختلف حادثات وواقعات کو یاد رکھنے کے لیے اب بھی استعمال کرتے ہیں، لیکن انہوں نے اس فن کو مستقبل کے پیش آمدہ واقعات کے متعلق پیش گوئی کے لیے وضع نہیں کیا، اور نہ اس طرح کی کوئی توقع کی جاسکتی ہے۔

درحقیقت یہ محض اعداد وشمار ہیں جن کا گزرے ہوئے واقعات سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی آنے والے واقعات سے کوئی ربط، بلکہ یہ حروف تہجی کی اپنی ایک مقررہ ذاتی حالت ہے جس سے ان واقعات کے حساب کتاب کے جاننے میں مدد ملتی ہے، پھر یہ حساب کتاب بھی اپنے وضع ہونے کے بعد محض اعتباری و قیاسی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم بعضے حروف سے متعلقہ اعداد پر دلالت کے حوالے سے مختلف ممالک اور شہروں میں اختلاف پاتے ہیں، مثلاً ہمارے عرف میں "غ" کا معروف عدد ایک ہزار اور "ش" کا معروف عدد تین سو ہے، جبکہ اس کے قطعی برخلاف اگر اندلس کو دیکھیں تو وہاں کے عرف میں "ش" کا عدد ایک ہزار ہے، اسی بنیاد پر لسان الدین ابن الخطیب نے غرناطہ میں واقع "شنیل" نامی نہر کو مصر کے دریائے نیل پر فوقیت دیتے ہوئے کیا خوبصورت بات کہی، اس نے کہا

وما المصر تفخر بنیلها

والف منه فی شنیلها

مصر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ "نیل" پر فخر کرے، کیوں کہ شنیل (میں موجود "ش" ہزار کے عدد پر دلالت

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے باعث) اس سے ہزار گنا افضل ہے۔

اور وہ اس لیے کہ لفظ "شنیل" "شین پر مشتمل ہے جو "نیل" پر زائد ہے، اور "ش" کا عدد ان کے عرف میں چونکہ ایک ہزار پر دلالت کرتا ہے اس لیے "شنیل" حساب ابجدیہ کے مدنظر یقیناً عدد میں ہزار گنا زیادہ ہے۔

گو کہ بعض علماء نے "حساب ابجدیہ" کا علم بعض نصوص کی تشریح کے لیے استعمال کیا ہے اور اس معاملے پر ان کی عرق ریزی اور کاوش اس سے کئی بڑھ کر ہے کہ انہیں عجائبات میں سے شمار کیا جائے لیکن اس کے باوجود ایک تفسیر کو دوسری تفسیر پر ترجیح دینے کے باب میں اسے دلیل یا حجت نہیں بنایا جاسکتا۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ذات باری علام الغیوب نے قیامت کے مقررہ وقت کا علم کسی کو عطا نہیں فرمایا اور جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے مقررہ وقت کے حوالے سے یہ فصیح و بلیغ الفاظ ارشاد فرمائے، "ما المسئول عنها باعلم من السائل" جس سے پوچھا جارہا ہے، وہ خود بھی پوچھنے والے سے زیادہ قیامت کے (مقررہ وقت) کے بارے میں نہیں جانتا، عین اسی وقت آپ علیہ افضل الصلوات والتسلیم نے پوری صراحت سے اس عقیدہ کا برملا اظہار فرمایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کسی کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ قیامت کا مقررہ وقت بتاسکے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی بعض شرائط و علامات کے ذکر پر ہی اکتفاء فرمایا، اور یہ بیان نہیں فرمایا کہ یہ علامات بھی واقع ہوں گی تو کب ہوں گی؟ چاہے یہ علامات عام ہوں یا خاص، پس کسی کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ جزم و یقین سے ان علامات کے واقع ہونے کا بھی ادراک کرسکے، چہ جائے کہ وقوع قیامت کے مقررہ وقت کے علم کے حوالے سے کوئی پیش گوئی کی جائے۔

۳۔ ہمارے علم میں کوئی ایسی شرعی دلیل نہیں ہے جس کی رو سے بعض مخصوص علامتوں کے پائے جانے کے باعث بعض واقعات کی ان سے وابستگی کو ہم ناجائز قرار دے دیں، بس شرط یہ ہے کہ اس میں ایسا بے جا مبالغہ نہ ہو، جس سے جزم و یقین کا سا تاثر ابھرے، اور نہ ہی لوگوں سے توقع رکھی جائے کہ وہ ان تخمینوں کے مکمل درست ہونے عقیدہ کا رکھیں، کیوں کہ ظاہر ہے کہ مستقبل کے ان واقعات کا علم قطعی و یقینی طور پر معلوم کرنے کی کوئی سبیل بجز اس کے نہیں کہ یہ علم علام الغیوب ہی کے لائق و سزاوار ہے۔

مختلف چیزوں کو بنیاد بناتے ہوئے اس طرح کی بہت سی تخمینیات بعض علماء نے کی ہیں لیکن ان

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ اندازے قطعاً و یقیناً درست ہے اور اس پر اعتقاد رکھنا واجب ہے کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ کہیں یہ اندازے درست ثابت ہوتے ہیں تو کہیں درست ثابت نہیں ہوتے۔

حضرت شیخ محمد صادق المغلس المرانی حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس رسالے میں جو بحث کی ہے وہ اسی قبیل سے ہے، جس میں انہوں نے قیامت و علامات قیامت کے حوالے سے روایت کی گئی مختلف نصوص شرعیہ پر "حساب ابجدیہ" کو جاری کرتے ہوئے بیش بہا تخمینیات ذکر کی ہیں اور جس عرق ریزی سے یہ اعداد و شمار ذکر کیے ہیں اور بعض نصوص کی بعض دیگر نصوص کے ساتھ مناسبت و موافقت بیان کی ہے، وہ واقعتاً بسا اوقات ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہیں، اور اس میں یہ پہلو بالخصوص قابل ذکر ہے کہ انہوں نے انہیں احتمال اور تخمین (speculation) ہی قرار دیا ہے، کیوں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے افصح و ابلغ کلام کے اسرار و رموز اس درجہ محدود نہیں ہیں کہ ان میں اس طرح کے بعض باریک امور کی طرف اشارات و دلالات کو محال گردانا جائے، یہ اور بات ہے کہ ہم اس کے کماحقہ، علم کے مکلف نہیں، نیز ایک اور مستحسن امر یہ ہے کہ مصنف علام حفظہ اللہ اس حوالے سے جابجا محتاط بھی نظر آتے ہیں، اور اپنی تخمینیات ذکر کرنے کے بعد اخیراً یہ لاحقہ لگادیتے ہیں، فهل نتوقع كذا؟ والله اعلم، کیا ہم واقعی یہی توقع رکھیں؟ واللہ اعلم۔ جو مصنف کے صحیح العقیدہ اور سلیم الفکر ہونے کا واضح طور پر پتہ دیتا ہے۔

۴) جس کسی نے مستقبل میں پیش آمدہ واقعات و حادثات کو حساب ابجدیہ، کشف یا خوابوں وغیرہ کی بنیاد پر اس طرح قطعیت کے لبادے میں پیش کیا، جس سے جزم و یقین کا سا تاثر ابھرے، امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کا اجتماعی ضمیر اس سے کبھی مطمئن نہیں ہوا اور وہ ہمیشہ سے ہی اس طرح کے تمام تخمینی دعووں کو یکسر مسترد کرتی آئی ہے۔ جس کی ایک بڑی مثال "شاہ نعمت اللہ" کی طرف منسوب وہ قصیدہ ہے، جو ہندوستان میں بے حد عام ہوا، جس میں چودھویں و پندرھویں صدی کے حوالے سے بہت سے حادثات و واقعات کی پیش گوئی کی گئی تھی، لیکن اہل علم کے حلقے میں اسے قطعاً کوئی پذیرائی نہیں ملی اور انہوں نے ہر اس شخص پر نکیر کی جس نے جزم و یقین کے ساتھ ان کا اعتقاد رکھا۔

دنیا بھر میں رائج مختلف ادیان کا اگر گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ جب کبھی کسی ظنی و تخمینی بات کو یقینی صورت میں پیش کیا گیا، اس کے انتہائی سنگین نتائج برآمد ہوئے۔ اس کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

سب سے واضح مثال یہ ہے کہ عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے، جسے "بعثتی" (Adventist) کہا جاتا ہے، جو انیسویں صدی عیسوی میں ظاہر ہوا، جس کا بانی "ولیم ملر" (William miller) تھا، اس نے دانیال علیہ السلام کے سفر سے متعلقہ آٹھویں باب کی چودھویں فقرے (آیت) میں ایک عبارت سے، جس میں دو ہزار تین سو دنوں کے بعد کسی بڑے واقعہ کے پیش آنے کا ذکر ہے، مخصوص حساب وکتاب کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے (جو حساب ابجد یہ سے نہیں ہے) کچھ اندازے قائم کیے، اور اس بنیاد پر یہ دعوی کر دیا کہ ۱۸۴۴ء میں نزول مسیح ہو جائے گا، پھر اس فرقہ سے منسوب کچھ لوگوں نے اور گہرائی میں جاکر سال مارچ کے مہینہ کو نزول مسیح کا مہینہ قرار دیا، پھر جب اس سال مارچ گزر گیا، تو بعض نے یہ خیال کیا کہ حساب کتاب میں غلطی واقع ہوئی تھی جس کا انہوں نے بھی اقرار کیا، اور اگلی ڈیڈ لائن دے دی کہ اگلے مہینے اپریل میں تو نزول مسیح ہوا ہی چاہتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اپریل بھی گزر گیا لیکن نزول مسیح نہیں ہوا، جس کے بعد ان پر اپنے قائم کردہ حساب وکتاب میں غلطی کی ایک اور قلعی کھلی، اور ایک بار پھر جمع تفریق کا عمل دوہرایا اور اسی سال اکتوبر کی ۲۲ تاریخ تک ڈیڈ لائن دیدی اور یہ اعلان کر دیا کہ بس یہ آخری تاریخ ہے، اب جیسے ہی اس تاریخ کا سورج طلوع ہوا تو وہ بیٹھے انتظار کر رہے ہیں بلکہ صورتِ سیماب مضطرب ہیں کہ مسیح ابھی آئے کہ تبھی، حتّٰی کہ اس دن کا سورج بھی غروب ہو گیا، اور نزول مسیح نہیں ہوا۔

بلکہ یہ دن تو کیا، رواں سال پورا گزر گیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کا نزول نہیں ہوا، اور ظاہر ہے کہ کیسے ہوتا جب کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی میں نہیں تھا، بالآخر William Miller نے یہ اعتراف کیا کہ مجھ سے غلطی سرزد ہوئی ہے، لیکن اب میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ عنقریب مسیح ظاہر ہوں گے، اور اس نے اپنی بات کو یہ کہہ کر اور مؤکد و پختہ کیا کہ "بس وہ ہمارے دروازے پر ہے" اور انتظار کرتے کرتے ۱۸۴۹ء میں خود ہی چل بسا، چونکہ ۲۲ اکتوبر ۱۸۴۴ء ان کے نزدیک آخری ڈیڈ لائن تھی اور ان کی پیش گوئی صاف صاف غلط ثابت ہوگئی تھی، اس لیے ان کے ہاں یہ تاریخ "بڑی مایوسی" (Great Disappointment) کے نام سے معروف ہے۔

اس "بڑی مایوسی" (Great Disappointment) کے مسیحی اعتقادات پر انتہائی سنگین اثرات مرتب ہوئے، اور جس سال قطعی و یقینی طور پر ان کے نزدیک یہ پیش گوئی ہونے والی تھی، اس سال عیسائیوں نے بہت سے کلیسا جلا دیے، اور اپنے سرکردہ بڑوں کو تنقید اور سب وشتم کا نشانہ بنایا، اور ان میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے ایک بڑی تعداد نے اپنے سابقہ عقائد سے توبہ کرلی۔ اسی تناظر میں بالآخرانہی میں سے ایک فرقہ رونما ہوا، جسے Seventh Day Adventists کا نام دیا گیا، جس نے محض یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دیدی کہ تاریخ کے حوالے سے پیش گوئی بالکل درست تھی، لیکن پیش آمدہ واقعہ سے مراد یہ نہیں ہے کہ دانیال کے دوران سفر مسیح علیہ السلام "اس دنیا میں" ظہور پذیر ہوں گے، بلکہ اس پیش گوئی سے مقصود یہ تھا کہ "ملأ اعلیٰ میں" یہ عظیم واقعہ رونما ہوگا اور وہ اسی تاریخ یعنی ۲۲ اکتوبر ۱۸۴۴ء کو واقع ہو چکا۔

اس سے بڑی مصیبت یہ پیش آئی کہ یہ پیش گوئی ایک مستقل نئے دین کی بنیاد بنی اور "بابیہ" اور "بہائیہ" کے نام سے ایک نیا مذہب سامنے آیا، جنہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ملر (Miller) کی پیش گوئی کی مالہا وما علیہا تصدیق کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ دانیال کے سفر سے متعلق جو عبارت ہے وہ مسیح کے نزول سے متعلق نہیں بلکہ ہمارے امام کے خروج کی طرف اشارہ ہے، جسے "باب" سے تعبیر کیا گیا ہے، ان کی یہ تاویل ۱۸ اکتوبر ۱۸۴۴ء ہی میں ہر جگہ پھیل گئی۔

حضرت شیخ محمد الصادق المغلّس نے اس رسالے میں جو مباحث ذکر کی ہیں اور ان کے ضمن میں جو جو پیش گوئی کی ہے، ان میں اس طرح کی خرافات کا کہیں ذکر نہیں اور نہ ہی جزم ویقین کے ساتھ مستقبل کی خبر گیری ہے اور نہ ہی نصوص کی باطنی تفسیر کی گئی ہے، جہاں کہیں انہوں نے اعداد وشمار یا تخمینیات قائم کیے ہیں، وہ محض احتمال اور بطور تفاؤل مثبت توقعات پر مبنی ہے، جن کے مطالعہ سے قاری یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ ابجد یہ کی مدد سے ان حسابات کو قائم کرنے میں مصنف علام نے کس قدر عرق ریزی سے کام لیا ہے۔

لیکن جہاں تک ہمارا تجربہ ہے، وہ یہی ہے کہ بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں، جنہیں نیک نیتی اور درست عقیدہ کے ساتھ باقاعدہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے کیے جاتے ہیں، لیکن جب وہ کام عوام الناس میں پھیل جاتے ہیں تو وہ ان میں غلو اور افراط وتفریط سے کام لینے لگتے ہیں اور ان قواعد وضوابط کا لحاظ نہیں رکھتے، جن کے مد نظر ان کا آغاز کیا گیا ہوتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ان کے معنی میں تحریف کرتے ہیں اور ظنیات کو قطعیات بنادیتے ہیں، اور ان سے ایسے امور پر استدلال کرتے ہیں، جن کی دین میں کوئی اصل نہیں، بالآخر خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، چنانچہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے ہر

toobaa-elibrary.blogspot.com

قاری کو دوران مطالعہ میری یہ نصائح ملحوظ رکھنی چاہییے۔

۱۔ ان چیزوں پر اس کا اعتقاد اس سے زیادہ آگے نہ بڑھے کہ یہ احتمالات در حقیقت نیک امیدیں ہیں جو نیک فالی کے طور پر لیے گئے ہیں، جن میں قطعیت کا کوئی پہلو ہے اور نہ ہی یقین کا کوئی شبہ، کیوں کہ یہ یقیناً افراط و تفریط اور غلو ہے جو بہت سے مفاسد کا پیش خیمہ ہے۔

۲۔ اس بات کا پختہ یقین اور اعتقاد کامل رکھنا کہ یہ اعداد و شمار کسی حادثہ یا واقعہ پر اثر انداز نہیں ہوتے، جیسے کہ بعض گمراہ و گمراہ کن لوگوں کا خیال ہے، جس کے لیے انہوں نے علم الاعداد نامی ایک "علم" اختراع کر رکھا ہے، جو علم نجوم اور رمل کے قریب قریب ہے، جس میں غور و خوض کرنے کی احادیث مبارکہ میں ممانعت آئی ہے۔

۳۔ مباحث سے حاصل شدہ نتائج کو نصوص شرعیہ کے لئے تفسیر باطنی کا ذریعہ نہ بنائے۔

۴۔ حساب ابجدید کی مدد سے مؤلف حفظہ اللہ نے امید اور حوصلے کے جن پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا ہے، ان کو اپنے دائرہ کار تک ہی محدود رکھا جائے اور یہ نہیں کہ ان پر بھروسہ کرتے ہوئے اصلاح کی تمام کوششوں کو ختم کر دیا جائے، کہ ان پیش گوئیوں کی رو سے اصلاح کا بیڑا جن لوگوں نے اٹھا رکھا ہے، ان کا ہمیں انتظار ہے، اور ان کے ظہور کا وقت قریب آچکا ہے، کیوں کہ ظاہر ہے کہ ہم شریعت کے احکام واوامر کی عملی تنفیذ کے بعد نتائج اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کے مکلف ہیں۔

اگر قاری بوقت مطالعہ ان امور کو پیش نظر رکھے گا تو ان شاء اللہ قاری اس رسالہ کو مفید پائے گا، کیوں کہ وہ اسرار و رموز اور عجائبات جو مؤلف حفظہ اللہ نے ذکر کیے ہیں، وہ اپنی ذات میں بے حد قابل تعریف ہیں، جن سے انسان فائدہ حاصل کر سکتا ہے، اور اگر یہ توقعات بعینہ بر آتی ہیں تو یقیناً یہ بھی کلام اللہ کا اعجاز ہی ہوگا اور اگر بعینہ صادق نہیں آتی تب بھی جزوی حیثیت سے یہ قرآن کریم کے عجائبات میں سے ہونے سے بہر حال خالی نہیں ہے، کیوں کہ قرآن کریم کے اعجازات اور عجائب اس قدر لامحدود اور لامتناہی ہے، کہ اس میں کمی آسکتی ہے نہ وہ کبھی ختم ہو سکتے ہیں، کیوں کہ ایک موضوع یا باہمی متشابہ بعض نصوص کے اعداد و شمار، بعض دیگر نصوص کے اعداد و شمار کے موافق ہو سکتے ہیں۔

واللہ سبحانہ ھو الموفق للسداد والصواب

toobaa-elibrary.blogspot.com

عالم اسلام

اور

رفاہ عامہ کے میادینِ عمل

سابقہ صدی ہجری کے اواخر میں ایک عالمی رفاہی ادارے کے لئے مجوزہ عملی خاکہ کی یہ ایک رپورٹ ہے، جسے کچھ ایسے مقتدر حلقوں کے مطالبہ پر میں نے تیار کیا جو اسلامی خطوں میں سے کسی ایک ریاست میں عالمی رفاہی ادارے کی بنیاد رکھنے کے خواہاں تھے، گو کہ اس رپورٹ میں پیش کی گئی کچھ معلومات پرانی ہو چکی ہیں، لیکن اس میں ذکر کردہ اصول وضوابط اور تجاویز سدا بہار ہونے کی حیثیت سے آج بھی ان لوگوں کے لئے مشعل راہ ہیں، جو عالم اسلام میں رفاہ عامہ کے لئے کردار ادا کرنا چاہتے ہیں۔

محمد تقی عثمانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

عالم اسلام اور رفاہ عامہ کے میادینِ عمل

آج اگر ہم پوری دنیا کے اسلامی ممالک اور ان میں موجود اسلامی تنظیموں کا بغور جائزہ لیں تو ہماری شامت اعمال اور بد نصیبی کا واضح طور پر ادراک ہو جاتا ہے کہ تاہنوز ہماری کوئی ایک بھی ایسی عالمی مسلم نمائندہ تنظیم نہیں جو بین الاقوامی سطح پر قائم ہو اور موافق حالات سمیت بالخصوص ناموافق حالات میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے مصروف عمل رہے، ان ناگفتہ بہ حالات میں مجوزہ فلاحی تنظیم ان شاء اللہ تعالیٰ عالم اسلام میں فلاح و بہبود کی مطلوبہ ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایک بہتر سنگ میل ثابت ہوگی۔

نیز من حیث القوم یہ بھی ہماری نااہلی ہے کہ اسلامی ریاستوں میں اسلامی تنظیموں کا ایک جال بچھا ہوا ہے مگر ان کے کوئی ایسے خاطر خواہ نتائج جو قابل ذکر ہوں، نظر نہیں آتے، باوجودیکہ ان پر بے پناہ مصارف آتے ہیں۔ ایسی صورتحال میں یہ اقدام بلاشبہ قابل تحسین ہے کہ اس مقصد کیلئے ایک تنظیم تشکیل پذیر ہو رہی ہے، تاہم اس کے قیام سے پہلے یہ اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ یہ نہ ہو کہ اس کی تشکیل کے بعد بھی اس کا حال اسی طرح قابل رحم ہو، جس طرح فی زمانہ اس مقصد کے لئے قائم دیگر تنظیموں کے حالات ہمارے سامنے ہیں، لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ اس کی تشکیل سے قبل ہی بہترین حکمت عملی اپنائیں اور ان سب کاموں سے قطعی پرہیز کریں جو ہمیں ان برے نتائج تک لے جائیں اور اسے مستحکم بنیادوں اور گہرے علمی خطوط پر اس طرح استوار کریں کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے صحیح معنوں میں عملی اقدامات کے لیے ہر لحاظ سے مستعد اور تیار ہو، اور اس کے منتظمین وارکین مقررہ خاکہ کی عملی تنفیذ میں پیش آنے والی ہر قسم کی مشکلات اور پیچیدگیوں سے قطعی متاثر نہ ہو اور نہ ہی عملی کام کے تسلسل سے تھک ہار کر بیٹھ جائیں، چاہے یہ رکاوٹیں اور مشقتیں کیسی ہی سخت اور پریشان کن ہوں۔

رفاہ عامہ کی اس تنظیم کی جہاں تک تاسیس کا تعلق ہے تو اس کے لیے اتنا کافی ہے کہ ابتدائی طور پر درکار وہ بنیادی وسائل و زندہ عوامل میسر ہوں، جس سے اس کی ابتدائی تشکیل بسہولت ہو سکے، جبکہ اس کی حکمت عملی اس طرح وسیع بنیادوں پر ہونا ضروری ہے جو رفاہ عامہ سے متعلق تمام ہی شعبوں کو حاوی ہو، اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ پوری دقتِ نظری کے ساتھ ان ضروریات کا بغور جائزہ نہیں لے لیا جائے گا، جو اس ادارہ کو عملی سرگرمیوں کے لئے درکار ہو سکتی ہیں یا کسی درجے میں ان کے ہونے کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

امکان ہے، تاکہ اس کے منتظمین و کارکنان کے لیے یہ ممکن ہوسکے کہ وہ علیٰ وجہ البصیرت ممکنہ مشکلات اور خطرات کا سامنا کریں، اور اس کے لیے درکار وسائل کو بسہولت روبکار لائیں۔

اور جب اس کا دائرۂ عمل قانون و دستور کی صورت میں وضع ہو جائے تو ایسا نہ ہو کہ وہ تمام بنیادی ضوابط رجسٹروں اور فائلوں تک ہی محدود رہے، بلکہ یہ ضروری ہے کہ تاسیس کی خشت اول رکھتے ہی اس پر کماحقہ عمل درآمد ہو۔

یہ سب کرنے کے بعد اس ضمن میں سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ اس تنظیم کی فنڈنگ کا ہے، جس کی اہمیت اب تک ذکر کیے گئے ضروری امور سے کم درجے کی نہیں ہے، گو کہ اس سے زیادہ نہ ہو، لہٰذا اس حوالے سے جو جو بنیادی عوامل کار فرما ہیں، ان پر ہم قدرے تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

شعبہ برائے مالی معاونت (Funding Department)

اس سے پہلے کہ موضوع کی مناسبت سے میں کسی بھی تفصیل میں جاؤں، اس تنظیم کی فنڈنگ کے طریقہ کار کے حوالے سے پوری تاکید سے یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مستقبل میں اس کی فنڈنگ ایسے مختلف تجارتی اداروں کے بل بوتے پر ہو جو دنیا کے مختلف خطوں میں پھیلے ہوئے ہوں، جن سے یہ تنظیم اپنی مالی ضروریات پوری کرے، تاکہ نہ صرف یہ کہ ہر قسم کے خطرے سے محفوظ و مامون رہے، بلکہ طویل المدتی بنیادوں پر اس کا قیام و دوام ہو سکے۔

عملی ڈھانچہ

مستقل بنیادوں پر تین شعبوں کا قیام

اگر ٹرسٹ کو تین مستقل شعبوں میں تقسیم کر دیا جائے تو بہت مناسب ہے، جنہیں ٹرسٹ کے مرکزی دفتر (Head Office) سے چلایا (operate کیا) جائے، جس کے بعد ان تینوں شعبوں کے ذمہ داران پر واجب ہے کہ وہ ٹرسٹ کے اعلیٰ عہدیداران کو اپنی سالانہ کارکردگی کی رپورٹ پیش کریں۔

مجموعی فنڈز کی درجہ بندی اس طرح عمل میں آئے کہ فنڈز کا ۲۵ فیصد ٹرسٹ بطور حفاظت

toobaa-elibrary.blogspot.com

(Saving) اور انہیں قابل منافع بنانے کی غرض سے محفوظ رکھے، جبکہ بقیہ ۲۵ فیصد مذکورہ تینوں شعبوں میں برابر برابر تقسیم کردے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ سیونگ کی یہ شرح کسی مخصوص سال میں ۲۵ سے کم ہوکر ۲۰ فیصد رہ جائے جبکہ یہ محسوس ہو کہ اس سال مخصوص شعبے میں معمول سے ہٹ کر کسی وجہ سے کچھ زائد فنڈز درکار رہے ہے، اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی کم از کم ۵٪ فیصد شرح مقرر کردی جائے جو مذکورہ شعبوں پر سے کسی بھی شعبے کو صرف ناگہانی حالات میں مہیا کی جائے۔

آنے والا جدول مرکزی دفتر کا دائرہ عمل اور اس کے ہر تین شعبوں کو واضح کررہا ہے۔

مرکزی دفتر (Head Office)		
۱) شعبۂ ہلال احمر	۲) شعبۂ دعوت و تبلیغ و نشر و اشاعت	۳) شعبۂ مالی معاونت برائے مسلم اقلیتی کمیونٹی

تینوں شعبوں کے اراکین مجلس شوریٰ

دنیا بھر سے مذکورہ ہر تین شعبوں میں سے ہر ایک شعبے کے اراکین کی تعداد حسب ذیل طریقے پر ہو تو بہت مناسب ہے:

۲ ارکان سعودی عرب، ۲ ارکان افریقا سے، ۲ ارکان ایشیاء و مشرقِ اوسط سے، ۲ ارکان یورپی ممالک سے، ۲ ارکان امریکا سے، جس میں لاطینی امریکا بھی شامل ہے۔

اس سے پہلے کہ ان کی مجلس شوریٰ کے عملی طریقہ کار پر روشنی ڈالی جائے، میں ایک بار پھر پوری صراحت سے اس بات پر زور دوں گا کہ مذکورہ تینوں شعبوں میں سے ہر شعبہ دوسرے کے مقابلے میں مستقل بنیادوں پر قائم ہوگا، جس کی مجلس شوریٰ کے اراکین ایسے ذی وقار و مقتدر حضرات ہوں گے جو پوری دنیا میں اپنے معاملات کی صفائی اور نیک نامی کے ساتھ مشہور ہوں، ان کی علمی خدمات سے دنیا بھر کی مسلم کمیونٹی واقف ہو، اور جو میدان عمل انہیں تفویض کیا جائے، وہ اس میں بھرپور تجربہ رکھتے ہوں۔

اور ان میں اعزازی امیر منتظمین کی مشاورت سے مقرر کیا جاسکتا ہے، جب کہ اس کی مدتِ امارت بلا کسی تجدید کے چار سال مقرر ہوگی، اور ہر چار سال بعد ایک نئے امیر کا انتخاب ہوگا، تاکہ آنے

toobaa-elibrary.blogspot.com

والے وقتوں میں تنظیم کی کارکردگی کسی صورت متاثر نہ ہو، نیز اس تنظیم پر کسی مخصوص فرد یا طبقہ کا اسی طرز پر کنٹرول قائم نہ ہو جائے، جیسے کہ اکثر اسلامی تنظیموں اور اداروں کی صورت حال ہمارے سامنے ہے، کہ اکثر اوقات اس طرح مخصوص فرد یا طبقہ کے کنٹرول یا چودھراہٹ اس قدر ستم ڈھانے لگتی ہے کہ اس تنظیم یا ادارہ کے بنیادی مقاصد ہی بھلا دیے جاتے ہیں اور اہداف سے صرف نظر کر لیا جاتا ہے، لہٰذا مسلمانوں کی تنظیموں کی آج جو قابل رحم صورت حال ہے، اس کی اولین وجہ ہی یہ ہے کہ ان کے عہدیداران و ذمہ داران سیاسی مقاصد کے پیش نظر منتخب ہوتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس منصب کا قلمدان سنبھالتے ہی اس وقت تک اس پر تسلط قائم رکھتے ہیں، جب تک کہ اس میں موجود اراکین یا کارکنان کی کارکردگی بالکل زیرو اور ان کی دلچسپی کا گراف مکمل نیچے نہیں آجاتا۔ لہٰذا اگر یہ تنظیم واقعتاً مسلم امہ کی بھلائی اور فلاح و بہبود چاہتی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کے اس کے اراکین، عہدیداران و ذمہ داران خالصتاً دیانت داری، صلاحیت و قابلیت اور عملی کارکردگی کی بنیاد پر منتخب کیے جائیں۔

مذکورہ شعبوں میں سے ہر شعبے کے لیے ضروری ہے کہ ایک "جنرل امیر" ہو اور باضابطہ طور پر ایک "مجلس شوریٰ" قائم ہو، چوں کہ عملی میدان میں ان میں سے ہر ایک پر مختلف نوعیت کے کاموں کا بوجھ ہوگا، لہٰذا ضروری ہے کہ مجلس شوریٰ میں ایسے رجال کار ہوں جو اپنے اپنے میدان میں بھرپور تجربہ اور دسترس رکھتے ہوں، اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً مختلف شہروں کا سفر کریں، جہاں ان سے متعلقہ امور پر پہلے سے کام ہو رہا ہو، تاکہ ان کے عملی تجربہ میں مزید پختگی آئے اور کارکردگی میں نکھار پیدا ہو۔

مستقبل قریب میں اس تنظیم کو جس طرح کی افرادی قوت درکار ہو سکتی، ان میں شعبہ "ہلال احمر" کے لیے ایسے ڈاکٹرز اور اطباء درکار ہوں گے، جو اپنے فن کے ماہر اور بھرپور تجربہ کے حامل ہوں۔ اسی طرح "دعوت و تبلیغ" کے شعبے میں ذی استعداد مسلمان مبلغین سمیت تعلیمی ماہرین کی اشد ضرورت رہے گی، جبکہ شعبہ مسلم اقلیتی کمیونٹی کے لیے ہمیں جو افرادی قوت درکار رہے گی، ان میں مبلغین تعلیمی ماہرین سمیت سیاسی اثر و رسوخ رکھنے والے رجال کار شامل ہیں، بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس شعبہ میں زیادہ اہمیت سیاسی اثر و رسوخ رکھنے والوں کی ہو، کیوں کہ مسلم اقلیتی کمیونٹی کے لیے زیادہ تر مصالح حکومتی سطح کے ہوتے ہیں، جس کے حل کے لئے سیاسی تجربہ بہرحال ضروری ہے، لیکن اس میں بھی یہ ملحوظ رہے کہ یہ سیاسی لوگ بھی مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں مثبت پیش رفت کے حوالے سے مخلص ہوں اور اس خالص دینی و فلاحی

toobaa-elibrary.blogspot.com

معاملے میں کسی بھی قسم کے پس و پیش سے کام لیتے، ذاتی مفادات میں الجھنے یا دورو یہ و منافقانہ رویہ اپنانے سے قطعی طور پر بری ہوں۔

تنظیم کے مرکزی دفتر (Head Office) کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے پاس ہر قسم کے ممکنہ حالات سے متعلق قواعد و ضوابط مرتب شکل میں موجود ہوں، جن کی رو سے چاہے کیسا ہی صبر آزما مرحلہ ہو یا کیسے ہی سخت حالات ہوں، کسی بھی قسم کی خارجی مداخلت یا بیرونی دباؤ کو یکسر مسترد کر دیا جائے، اور یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جو اس ادارے کی رفاہی خدمات کے تسلسل کو برقرار رکھنے اور اس کے طویل المدتی نفع بخش ہونے کا ضامن ہے اور اگر اس کے ذمہ داران اپنی ذاتی ہمت و قوت سے اس کی رعایت نہیں کریں گے تو مجھے اندیشہ ہے کہ اس کا حال بھی خدانخواستہ ان دیگر تنظیموں کی طرح نہ ہو جن پر کروڑوں کے مصارف سمیت بھاری وسائل استعمال ہو رہے ہیں، مگر ان سے مسلم امہ کو ممکنہ فوائد و ثمرات میں سے ایک فی صد بھی نفع نہیں پہنچ رہا، اور جن کی عملی کارکردگی کا دائرہ کار عالمی کانفرنسیں منعقد کرنے سے بڑھ کر ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھتا، جس سے اکثر برکت اور نفع رسانی کا پہلو کما حقہ برقرار نہیں رہتا۔

بلکہ میری حقیقت پسندانہ گزارش ہے کہ اس کے بنیادی اصول و ضوابط میں یہ شق بھی داخل کر دی جائے کہ اس تنظیم کی طرف سے محض رسمی طور پر کوئی بھی عالمی کانفرنس کبھی منعقد نہ کی جائے، کیوں کہ اگر اس کے ذمہ داران و عہدیداران اپنے اپنے میدان عمل کے صحیح معنوں میں شناور اور اپنے کام میں پوری تندہی سے عمل پیرا ہیں، تو وہ خود ہی پیش آمدہ حالات و واقعات کے مد نظر اپنے فرائض و وظائف کا درست سمت میں تعین کریں گے، اور انہیں اس طرح کی رسمی کانفرنسوں کی کوئی حاجت نہیں رہے گی، جن کا حاصل بجز بے فائدہ قرار دادیں پاس کرنے کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا، اور نہ اس کے سوا کوئی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ بھاری بھرکم مصارف جن پر اولین درجے میں مستحقین کا حق تھا، ان بے فائدہ کانفرنسوں پر خرچ کر دیے جاتے ہیں۔

اور اگر واقعتاً کسی وقت تنظیم کو تجربہ کار ماہرین کی آراء درکار ہوں تو اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ درجن بھر افراد و رجال کار جو اپنے فن میں معرفت تامہ اور صحیح معنیٰ میں تجربہ رکھتے ہوں، مختلف شہروں سے ایک ورکشاپ کی صورت میں جمع ہوں، اور امت مسلمہ کو پیش آمدہ مسائل پر چند دن یا چند ہفتے غور و فکر کریں اور ایسے عملی نتائج تک پہنچیں، جن کی روشنی میں بلا کسی تاخیر کے تنظیم اپنا دائرہ عمل طے کر سکے۔

یہ ایسے واضح اور مسلمہ اصول ہیں کہ اگر یہ تنظیم انہیں حرز جاں بنائے تو اسلام اور مسلمانوں کے لیے

toobaa-elibrary.blogspot.com

صحیح معنوں میں نفع بخش ہو سکتی ہے اور شک نہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے اگر تھوڑا سا کام بھی تسلسل کے ساتھ کیا جائے تو اس سے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوتے ہیں، اور بغیر کسی ظاہری وسائل کو روبکار لاتے ہوئے ضروری تشہیر بھی ہو جاتی ہے اور اخلاص کی بدولت مقبولیت عامہ بھی مل جاتی ہے۔

یہ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ فی زمانہ مسلمان شہرت کے حد درجہ دلدادہ ہیں اور ہماری بدعملی کا عالم یہ ہے کہ ہم کوئی کام شروع کرنے سے قبل ہی اس کی تشہیر کو اولین ہدف بناتے ہیں، بلکہ اس وقت تک خالصۃً عملی کام کی ابتداء نہیں کرتے جب تک کہ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے سالہا سال اس کی تشہیر نہیں کر لیتے، بالخصوص اس ماحول میں پوری صراحت کے ساتھ میں تاکید کرتا ہوں کہ اس مجوزہ تنظیم کے لیے اس طرح کے مفاسد سے مکمل احتراز لازم ہے۔

اب میں اس تنظیم کے لیے ان تینوں مجوزہ امور کی وضاحت کی طرف آتا ہوں جس پر فی الوقت کسی عالمی تنظیم کی کوئی واضح کارکردگی سامنے نہیں آئی۔

ا۔ شعبہ مسلم اقلیتی کمیونٹی

یہ شعبہ اس تنظیم کے دیگر شعبوں کے مقابلے میں اس لیے بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ شرق وغرب کی مسلم اقلیتی کمیونٹی اس سے بے حد امیدیں وابستہ رکھے ہوئے ہیں۔

گزشتہ صدی کی ابتداء سے اب تک کے عالمی حالات پر اگر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا بھر میں موجود تمام اقلیتی اقوام چاہے وہ یہودی ہو یا نصرانی، بدھ مت ہو یا ہندو مت.... میں سے کسی قوم پر اس قدر مصائب و مشکلات اور صبر آزما حالات نہیں آئے، جتنے کہ دنیا بھر میں موجود مسلم اقلیتی برادری پر مصائب اور مشکلات کے پہاڑ ٹوٹے اور اس سے بڑھ کر مسلمانوں کے لیے کوئی المیہ نہیں کہ مسلمان من حیث القوم اس وقت سراپا مظلوم قوم تصور کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مسلم ممالک ایسے ہیں کہ ان میں غیر مسلم اقلیتیں برسر اقتدار ہیں جن میں افریقا اس لحاظ سے خصوصیت سے قابل ذکر ہے کہ اس میں مسلمان انگریزی استعمار کے ہاتھوں مظلومیت کی چکی میں محض اس لیے پس رہے ہیں کہ ان میں مٹھی بھر لوگ بھی ایسے نہیں جو ثانوی تعلیم بھی حاصل کر پائے ہوں، چہ جائے کہ ان کے لیے اعلیٰ تعلیم کی راہیں ہموار ہوں۔ نتیجہ یہ کہ جب اس کے کچھ خطے، جن میں تنزانیہ، موزمبیق اور سیگال شامل ہیں، آزاد

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوئے تو مسلمانوں کے پاس ایسی افرادی قوت ہی نہیں تھی جو زمام اقتدار سنبھال سکے۔ چنانچہ اقتدار کفار کے ہاتھوں میں چلا گیا بلکہ اس سے بڑھ کر ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چلا گیا جو مرتد تھے، اور ان پر عیسائی شہریوں نے بڑی مضبوطی سے پنجے گاڑ رکھے تھے، جن سے انہوں نے عصری علوم حاصل کیے تھے۔ والعیاذ باللہ

اس سے بھی زیادہ افسوسناک صورحال یہ تھی کہ مغربی سامراج نے اپنے دور حکومت میں مردم شماری کے دوران باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت مسلمانوں کی آبادی کو اقلیت میں ظاہر کیا، اور مسلمانوں کو ان کے ضروری وبنیادی حقوق سے محروم کرتے ہوئے مکمل طور پر دیوار سے لگادیا۔ جس کے بعد ان کے لیے ریاستی سطح پر اقلیتی قوم کا تصور ابھرا۔ بالآخر وہ ہر قسم کی تعلیمی سہولیات سے محروم کردیے گئے، حتیٰ کہ دینی تعلیم حاصل کرنا بھی ان کے لیے ممکن نہ ہوسکا اور رفتہ رفتہ اسلامی عقائد ان کے قلوب اور اذہان سے محو ہوتے گئے۔

جیسے کہ میں پہلے بھی ذکر کرچکا ہوں کہ اس وقت دنیا کے نقشہ پر سوائے ہندوستان کی ہریجی اور برما کی کیری قوم، کوئی ایک قوم بھی ایسی نہیں ہے جس پر اس درجہ ظلم ہوا ہو جیسا کہ دنیا بھر کی مسلم اقلیتی کمیونٹی پر ظلم و سربریت کے پہاڑ توڑے گئے ہیں۔ جن میں بالخصوص فلپائن، برما، سیون، تھائی لینڈ، حبشہ، مشرقی یورپ، روس اور چین کے مسلمان قابل ذکر ہیں۔ سب سے بڑھ کر ستم یہ ہے کہ ہندوستان میں کروڑوں کی مسلم آبادی ہے، لیکن ان پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جبکہ فرقہ وارانہ مسلم کش فسادات میں ان کے مردوں کو ذبح نہ کیا جاتا ہوں، ان کے اموال و جائیداد پر غاصبانہ قبضہ نہ کیا جاتا ہو، ان کی عفت مآب ماؤں، بہنوں کی سرعام عزتیں پامال نہ کی جاتی ہوں اور ان کی بیٹیوں کو اغواء نہ کیا جاتا ہو اور یہ ظلم اور ستم صرف یہیں پر ختم نہیں ہوتا بلکہ ہندوستان کی شدت پسند گورنمنٹ اور پولیس ان ظالموں و شرپسندوں پر ہاتھ ڈالنے کے بجائے نہتے مسلمانوں پر اپنے یک طرفہ قانون کا شکنجہ کس دیتی ہے، اور ایک طرف ان ستمگروں اور بدقماشوں کی حمایت میں ریاستی سطح پر اعلامیے جاری ہوتے ہیں اور دوسری طرف مظلوم مسلمان جیلوں میں چکی پستے ہوئے اپنی عمر رفتہ کے دن گنتے نظر آتے ہیں۔

مسلم قوم پر بیتنے والے یہ واضح اور کھلے ہوئے زمینی حقائق ہیں، کوئی بنی بنائی کہانیاں اور دقیانوسی قصے نہیں ہیں، جن سے یوں ہی صرف نظر کرلیا جائے لیکن یہاں عالم یہ ہے کہ مسلم حکومتیں یا تجاہلِ عارفانہ برت رہی ہیں یا سراسر غفلت ولاپرواہی کا شکار ہیں۔

شک نہیں کہ یہ ابتر صورت حال ہر ایک مسلم حکومت کی پیشانی پر کلنک اور بدنما داغ ہے کہ دنیا بھر

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں موجود ان کے مسلمان بھائی اس درجہ کسمپرسی کے عالم میں خطِ غربت کے نیچے زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں اور وہ اپنے پاس موجود بے پناہ ذخیرہ اموال اور بہتے ہوئے وسائل کے باوجود کچھ بھی کرنے سے قطعی طور پر قاصر ہیں، حالانکہ اگر صحیح اور درست سمت میں یہ وسائل روبکار لائے جائیں تو دنیا بھر کی مسلم اقلیتی کمیونٹی کے لیے تہلکہ خیز اور مؤثر اقدامات کیے جاسکتے ہیں۔

اور اب تو مسلمانوں کی پست حالی یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ برما کی مسلم کش و شدت پسند حکومت اپنے تئیں کیے گئے ان مظالم کو صیغہ راز میں رکھنے میں مکمل کامیاب ہوگئی اور اس تاریخی ظلم و ستم کا ایک پتہ بھی برما کی سرزمین سے باہر نہیں کھل سکا، جنہیں سن کر ہر وہ شخص جو سینے میں دل رکھتا ہے، لرز جاتا ہے۔ ان چند مسلمانوں کے بقول جو حالت زار سامنے آئی وہ انتہائی افسوس ناک ہے، جو ظالم و جابر حکومت کی طرف سے قائم کردہ موت کے ان توجیہی کیمپوں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے تھے، جو برما کے علاقے "ارکان" میں حکومت کی طرف سے قائم تھے۔ انہوں نے ان کیمپوں کے حوالے سے لرزہ خیز حقائق سے پردہ اٹھایا کہ کس طرح مسلم اقلیتی کمیونٹی کو باقاعدہ طور پر ذبح کیا گیا، اور اس حد تک ظلم و سربریت کے باوجود مسلم حکومتوں اور اسلامی تنظیموں کی خاموشی تو تھی ہی، الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا نے بھی ان بے بس ولاچار مسلمانوں کو مناسب کوریج نہیں دی کہ "ارکان" کے ان موت کے منہ سے باہر آنے والے مظلوم مسلمانوں کی دردانگیز داستان دنیا بھر کے مسلمانوں کے سامنے لائی جاتی، جس سے متاثر ہو کر انسانیت کا درد رکھنے والے مسلمان ان کی مدد کے لیے ہاتھ بڑھاتے۔

اور اس صورتحال سے بھی ہر ایک واقف ہے کہ برما کے مسلمانوں کے پاس کوئی ایک دینی کتاب بھی نہیں پہنچی، حتیٰ کہ یہ لوگ قرآن کریم تک کو ترس گئے، حالانکہ اس کسمپرسی کے عالم میں جبکہ ان سے بنیادی انسانی حقوق بھی چھین لیے گئے، وہ اس تسلیہ آمیز اللہ کے پیغام کے سب سے زیادہ محتاج تھے لیکن تُف ہے ان نام نہاد اسلامی حکومتوں پر جنہوں نے اس عالمی مسلم کمیونٹی کے سب سے بڑے ایشو کو مچھر کے پر برابر بھی اہمیت نہ دی۔

جنوبی تھائی لینڈ کی حکومت نے جانتے بوجھتے پوری منصوبہ بندی سے تفرقہ بازی کے نام پر مسلمانوں کی بے دریغ نسل کشی کی، گو کہ ان میں بعض نوجوان ایسے بھی تھے جو فرقہ پرست تنظیم میں شامل ہوگئے تھے، لیکن ان کی شمولیت کی وجہ بھی اس کے علاوہ کوئی نہ تھی کہ ان مظالم کے خلاف جو وہ پے در پے

toobaa-elibrary.blogspot.com

جھیل رہے تھے، کوئی ان کی حمایت کے لئے کھڑا نہیں ہو رہا تھا، اور کسی کی حمایت بھی حاصل رہی تو یہ وہی فرقہ پرست لوگ ہی تھے جنہوں نے ان نوجوانوں کو اپنے مفادات و مقاصد کے لئے محض استعمال کیا۔

دنیا کے اکثر خطوں میں جہاں کہیں مسلمان اقلیت میں آباد ہیں، اپنے انتہائی نازک حالات کے پیش نظر فوری توجہات اور مختلف پہلوؤں سے مؤثر اقدامات سمیت ہنگامی بنیادوں پر معاونت کے محتاج ہیں، جس کے لیے ضروری ہے کہ اولاً ہم ان کے صحیح حالات سے واقفیت حاصل کریں پھر عالمی الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا پر ان سے متعلق خبروں کو نشر کریں، اور عالمی سطح پر عوامی شعور و آگہی کی فضا پیدا کریں۔ بالخصوص اسلامی ریاستوں کا یہ اولین فرض ہے کہ غیر مسلم حکومتوں پر سیاسی اثر و رسوخ استعمال کریں۔ اور عالمی سطح پر تمام مسلم ممالک مل کر ان ممالک میں قیام پذیر مسلم کمیونٹی کے حقوق کے تحفظ کے لیے نتیجہ خیز اقدامات کریں۔ اسی طرح مسلمانوں کے لیے یہ فکر اجاگر ہونا انتہائی ضروری ہے کہ ان مسلم اقلیتی علاقوں میں مدارس اور اسلامک اسکولز کھولنے کے لیے جدوجہد کریں اور جو مدارس وہاں امدادی وسائل کے فقدان کے باعث مالی معاونت سے محروم ہیں، ان کی دستگیری کریں۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ان مسلم اقلیتوں کے نوجوانوں کو تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے اندرون ملک و بیرون ملک خصوصی وظائف کا اجراء عمل میں لایا جائے، تاکہ کم از کم ان میں ایک جماعت ایسی ہو جو اعلیٰ تعلیم سے بہرہ مند ہو اور اپنے اپنے ممالک کے مسلمانوں کے لیے امید کی کرن کے طور پر سامنے آئے۔

اسی طرح مستقبل قریب میں جن مختلف شعبوں میں مسلم اقلیتیں معاونت کی محتاج ہیں، اگر ہم انہیں قدرے تفصیل سے بیان کریں تو اس موضوع پر ایک مجلد کتاب لکھی جا سکتی ہے، جس سے اور بہتر طریقے سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا کے مختلف خطوں میں جہاں کہیں مسلمان اقلیت میں ہیں، کس قدر مشکلات اور مصائب کا شکار ہیں لیکن دوسری طرف مسلم حکومتیں چہ جائے کہ ان مظالم کو روکنے میں کوئی مؤثر کردار ادا کریں، مسلمانوں کے خلاف وہ خود بھی انہی ظالم و جابر حکومتوں کی صفوں میں شانہ بشانہ کھڑی ہیں جو مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے درپے ہیں۔

گو کہ دنیا کے مختلف خطوں میں بسنے والے اقلیتی مسلمانوں کی خدمت اور مدد کی بہت سی جہتیں ہیں جن کی فہرست بہت زیادہ طویل ہے، لیکن ان میں سے بعض کی طرف اس مختصر گفتگو میں ہم نے اشارہ کر دیا ہے، جن کی رو سے اس خاص شعبہ معاونت برائے مسلم اقلیتی کمیونٹی کی اہمیت روز روشن کی طرح عیاں

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہو چکی ہے، جو صرف دنیا کے اقلیتی مسلمانوں کے حقوق کے لیے کوشاں رہے، تاکہ ان عسرت زدہ لوگوں کے درد کا مداوا ہو سکے، ان پر بیتنے جانے والے حالات پر کم ازکم اطلاع تو ہو، تاکہ مشرق و مغرب میں ان کے حقوق کے احیاء کے لیے انفرادی واجتماعی سطح پر سعی پیہم اور جہد مسلسل صرف ہونے کی راہ ہموار ہو سکے۔

۲۔ شعبہ دعوت و تبلیغ اور دینی تعلیم

مسلم امہ کے لیے جہاں دیگر شعبوں میں کام کے مواقع ہیں وہیں دعوت و تبلیغ اور تعلیمی شعبے میں بھی کام کا وسیع تر میدان ہے، اور یہ کہتے ہوئے دل میں ایک ٹیس اٹھتی ہے کہ اس شعبے میں بھی مسلمان من حیث القوم اپنے فرائض منصبی ادا کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں، باوجودیکہ ان کے پاس بے دریغ وسائل ہیں، جنہیں بخوبی بروئے کار لایا جاسکتا ہے، تعلیم و تعلم کے میدان میں اس سے زیادہ افسوس کی بات بھلا کیا ہوگی کہ اب بھی دنیا کی بعض زبانیں ایسی ہیں جن میں کوئی ایک بھی دینی کتاب مترجم شکل میں موجود نہیں، حتیٰ کہ قرآن کریم تک کا ترجمہ اب بھی بعض زبانوں میں نہیں ہوا، حالانکہ قرآن مجید کے بعض ترجمے تو ایسے غیر مسلموں نے بھی کر دیے ہیں جو مسلمانوں کے خلاف تعصب اور بغض وعداوت میں معروف ہیں۔

ایسے انگریزی تراجم جو بعض مسلمانوں نے کیے ہیں مثلاً پکتھال اور عبداللہ یوسف علی، تو انہیں بعض تجار انتہائی مہنگے داموں فروخت کر رہے ہیں جبکہ "بائبل" کا عمدگی کے ساتھ تیار کردہ بے حد خوبصورت نسخہ ڈیڑھ ڈالر میں بسہولت مل جاتا ہے اور قرآن کریم کا ایک نسخہ سادے پیپر پر چھپائی کے ساتھ بھی ساڑھے چار یا پانچ ڈالر یا اس کے برابر مالیت سے کم میں نہیں، جس سے قرآنی تراجم بھی مسلم نوجوانوں کی دسترس سے باہر ہوتے جا رہے ہیں، اور اس سے بڑھ کر کیا افسوس کی بات ہوگی کہ مسلم ریاستیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے انواع واقسام کے مالی و مادی وسائل سے مالا مال کیا ہے، اتنا بھی نہیں کر پا رہے کہ قرآن کریم کے حوالے سے صرف ان دو جہتوں سے مسلم امہ کی ضروریات پوری کر دیں، حالانکہ اس پر بجز چند لاکھ ڈالر کے کوئی بہت سارے مصارف بھی نہیں۔

اور اگر کوئی ایک اسلامی حکومت بھی اپنی مسلم قوم کی اس بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کی غرض سے معمولی نوعیت کے اقدامات بھی کرے اور چند ایک لاکھ ڈالر بھی خرچ کر دے تو ہم اعلیٰ درجے کے انگریزی قرآنی تراجم سے بازار کے بازار بھر سکتے ہیں، اور کسی بھی قاری کے لیے صرف دو ڈالر میں قرآن کریم

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے متن مع انگریزی ترجمے کی بسہولت دستیابی ہو سکتی ہے اور اسی طرح ہم یہ بھی کر سکتے ہیں کہ ان تراجم کو بغیر کسی منافع کے تولیۃً اصل قیمت پر فروخت کردیں تو اس سے مسلم امہ کی اہم ترین ضرورت کو بخوبی پورا کیا جاسکتا ہے اور اس سے بڑا افسوسناک پہلو اور کیا ہوگا کہ جب نصاریٰ اپنی مقدس کتاب انتہائی سستے داموں فروخت کر سکتے ہیں تو ہم قرآن کریم جیسی عظیم القدر کتاب کی متن و تراجم کو بھلا کیوں کم سے کم نرخ پر فروخت نہیں کر سکتے؟

بالخصوص قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ غیر مسلموں کی اشد ترین ضرورت ہے، کیوں کہ انگریزی کے علاوہ انہیں کوئی اور ترجمہ نہیں ملتا اور اگر ملتا بھی ہے تو اس کی قیمت اس قدر زیادہ ہے کہ ان کے دسترس سے باہر ہے۔

اگلے مرحلے میں دیگر دینی کتب کی بھی سستے داموں فراہمی ملت اسلامیہ کی اہم ترین ضرورت ہے، کیوں کہ بیشتر ایسی زبانیں ہیں، جن میں کوئی ایک دینی کتاب بھی معقول اور قابل تحمل ریٹ پر دستیاب نہیں۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ہمیں سالانہ بنیادوں پر لاکھوں ڈالر کا زر کثیر صرف اس غرض سے مختص کرنا ہوگا کہ جس سے زیادہ سے زیادہ ایسے دینی مکتبات و پبلشرز وجود میں آئیں، جو کتبِ دینیہ کو دنیا کی مختلف زبانوں مثلاً انگریزی، فرانسیسی، المانی، اٹیلی، سویسی، اسپینش، جیپنیز، روسی، چینی اور بعض افریقی زبانوں میں منتقل کروا کر مناسب ریٹ پر فروخت کریں۔ اسی طرح ہم پر لازم ہے کہ ایسے دینی مطابع بھی متعارف کرائیں جو عالمی اسلامی تنظیموں کی وساطت سے بلا معاوضہ کتب کی تقسیم ممکن بنائیں۔

اس ضمن میں اگر ہم زمینی حقائق کی طرف ایک نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ بہت سی عیسائی مشنریز مسلم ممالک میں ملینوں ڈالرز محض تبلیغ کے نام پر خرچ کر رہی ہیں، جن میں صرف ایک انڈونیشیا وہ ملک ہے جس میں ۲ سے ۳ کروڑ ڈالر مسلمان فقراء و مساکین کو عیسائی بنانے میں صرف کیے جا رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ! اور اس مقصد میں انہیں باقاعدہ طور پر خصوصی طیارے مہیا کیے گئے ہیں، تاکہ انہیں اپنے مطلوبہ اہداف تک پہنچنے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو،[۲۸۱] جبکہ اس کے قطعی برخلاف پوری اسلامی دنیا میں کوئی ایک اسلامی ریاست بھی ایسی نہیں جو اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے ۲۰ لاکھ ڈالرز بھی خرچ کرتی ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مادی وسائل سے مالا مال کیا ہے۔ اس ابتر صورتحال پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے۔

---

[281] Christian Muslim Dialogue (عیسائی مسلم کے مابین ایک مباحثہ): 15/260, October ۱976ء, انڈونیشیا کے موضوع پر لکھا گیا مقالہ دیکھئے، جلد: ۱۱۵، نمبر: ۲۶۰، اکتوبر ۱۹۷۶ء، جسے کلیسا کے انٹرنیشنل ادارے نے شائع کیا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور اگر کہیں تھوڑا بہت خرچ بھی ہوتا ہے تو وہ اس طرح کہ بعض اسلامی تنظیمیں پمفلٹ یا کچھ دینی کتابیں مختلف ممالک میں تقسیم کرتی نظر آتی ہیں، مگر وہ اس بے ڈھنگے انداز میں طبع کی جاتی ہیں کہ اس میں کسی اجنبی قاری کی دلچسپی کا کوئی سامان نہیں ہوتا، گو کہ اس پر یکطرفہ زرِ کثیر صرف ہوتا ہے لیکن اگر اسی سرمائے کو اور منظم انداز میں صرف کیا جائے تو یقیناً ان معمولی وسائل سے غیر معمولی فوائد و ثمرات حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ دینِ اسلام کی دعوت و تبلیغ کے جو سنہری مواقع آج مسلمانوں کو میسر ہیں، اس سے پہلے چودہ سو سالہ تاریخ میں شاید کبھی ایسے مواقع میسر نہ تھے، لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کی اس درجہ حالت اور پست فکری پر ہر وہ مسلمان جو دین کا ادنیٰ درد رکھتا ہے، جتنے آنسو بہائے کم ہے۔

مسلمانوں پر ایک وہ کڑا وقت تھا جب کہ عیسائی عوام کو ان کے اربابِ اقتدار اور مذہبی پیشواؤں کی طرف سے ورغلایا جاتا تھا اور اسلام جیسے مبارک دین کو اس بھدی اور وحشتناک شکل میں پیش کیا جاتا، جیسے یہ کوئی خشک اور معاشرتی اقدار سے بالاتر ایسا دین ہے جس کا دامن انتہائی تنگ ہے اور اس کے پاس ایسے احکام ہی نہیں جو عہدِ حاضر کے پیش آمدہ مسائل میں اپنے حاملین کی رہنمائی کر سکے۔ یہ ایسا دین ہے جس میں عورت کی حیثیت گویا ایک چوپائے کی سی ہے، جس کے جسم میں روح ہے اور نہ سینے میں دل، اور اسلام کے ان ازلی دشمنوں نے تاریخِ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ گھڑا اور محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ہرزہ سرائی کرتے ہوئے ان پر یہ بدترین بہتان باندھا کہ آپ نے معاذ اللہ نصرانیت سے کچھ باتیں اخذ کر کے اپنا مستقل دین اختراع کر لیا، ان علماء و نصاریٰ کی اس طرح نہ جانے کتنی خرافات تھیں جو ایک زمانے تک عیسائی عوام الناس کے دلوں میں عقیدہ کی حد تک راسخ رہیں۔

لیکن الحمد للہ آج یہ خرافات ان کے دلوں سے اس طرح زائل ہو چکی ہیں کہ اب اس طرح کے گمراہ کن نظریات کہیں سننے کو نہیں ملتے، اور یہ اس لیے کہ ان کی مسلمانوں سے باہمی تجارتی لین دین، میل جول اور ان کے شہروں میں آمد و رفت اور نشست و برخاست سے ان کا اکثر طبقہ اب یہ یقین رکھتا ہے کہ یہ وہ من گھڑت قصے ہیں جنہیں محض مذہبی تعصب کی بنیاد پر گھڑا گیا ہے۔

سب سے بڑھ کر خوش آئند بات یہ ہے اب اکثر عیسائی پاپائیت وغیرہ سے متعلق گمراہ کن عقائد سے مکمل بے زار ہو چکے ہیں اور ان کا ایک بہت بڑا طبقہ وہ ہے جو ایک ایسے دین کی تلاش میں ہے جو ان کی عقل اور زاویہ فکر کو سکینت و طمانیت دے سکے، یہی وجہ ہے اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے اب وہ تمام رکاوٹیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

الحمد للہ مکمل طور پر ختم ہوچکی ہیں، اور اب ہر اس شخص کے لیے جو دین کا پیغام دنیا کے کسی خطے میں پہنچانا چاہتا ہے، دعوت و تبلیغ کے راستے مکمل طور پر کھلے ہیں۔

دوسری جانب چھوٹے چھوٹے اسلامی ممالک تک کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بے انتہا مادی وسائل سے نوازا ہے، اور ان کے لیے ہر قسم کے مثبت اقدامات کے لیے ہر طرف سے حالات ساز گار ہیں، جیسے دبئی، ابوظہبی، قطر، شارجہ، متحدہ عرب امارات اور دیگر خلیجی ممالک ہوگئے، جبکہ بڑے بڑے اسلامی ممالک جیسے سعودیہ ولیبیا وغیرہ کے لیے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس وافر مقدار میں خزانوں کی بارش ہے اس کی نظیر ماضی میں کہیں نہیں ملتی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے مسلمانوں کی مدد ونصرت کے لیے جس وافر مقدار میں ان دونوں عاملین کو مقدر فرمایا ہے، اگر اسلامی حکومتیں اس کا معمولی حصہ بھی دعوت الی الاسلام کے شعبے میں صرف کردیں اور اس فن کے تجربہ کار حضرات کی خدمات لے کر نظام کو منظم کرنے کے جو معتبر طریقے ہیں، ان پر عمل کرتے ہوئے صحیح معنوں میں ضروری وسائل کو بھی روبکار لے آئیں تو اس سے ایسے فوائد وثمرات حاصل کیے جاسکتے ہیں جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

اور فی زمانہ دعوت الی الاسلام کے جس قدر امکانات روشن ہیں، وہ صرف یورپی ممالک تک ہی محدود ہی نہیں، بلکہ جاپان، مشرق بعید، بدھ مت اور ہندوباسیوں کے دور دراز ممالک اور دنیا کے انتہائی حصے میں واقع افریقی ممالک سمیت دنیا کے ہر خطے میں اسلام کی دعوت وتبلیغ کے لیے راہیں مکمل ہموار ہیں، کہیں کوئی استثناء ہے تو وہ کمیونسٹوں کے بعض خطے ہیں، اور اس میں بھی کچھ نہ کچھ لوگ ایسے مل جاتے ہیں جو ایک اللہ کی عبادت کو درست طریقے سے بجالانے کے موضوع پر بحث ومباحثہ کرتے نظر آتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ پوری دنیا کے دروازے اسلام کی دعوت وتبلیغ کے لیے چوپٹ کھلے ہیں۔ ضرورت ہے تو صرف ایک منظم جدوجہد کی، جو خالص اللہ کی طرف بلانے کے لیے کی جائے اور ہم پر امید ہیں کہ روئے زمین پر ان کی کوششوں کے ثمرات کھلی آنکھوں اس طرح مشاہدہ کیے جاسکتے ہیں جنہیں ہم سوچ بھی نہیں سکتے، لیکن افسوس اور صد افسوس کہ ہم عہد حاضر کے ان آفتاب وماہتاب کی مانند روشن امکانات اور اپنے پاس میسر گرانمایہ وسائل کو بروئے کار لانے میں کم ہمتی اور لاپرواہی کا شکار ہیں، جو درحقیقت ایک ایسا المیہ ہے جس کے لیے ہر مسلمان کی آنکھ خون کے آنسوؤں سے بھی روئے تو... اور حق تو یہ ہے کہ اس عظیم

toobaa-elibrary.blogspot.com

سانحہ پر خون کے آنسوؤں سے رونا بھی اس غم واندوہ کا مداوا نہیں کر سکتا، جس کا یہ دل ادراک کر رہا ہے۔

اور کتب دینیہ کے نقطۂ نظر سے روئے زمین کے مختلف خطوں میں واقع اسلامی تنظیمیں بھرپور مالی امداد کی محتاج ہیں اور اسلامی مملکتوں کی حالت زار کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ اب تک انہیں اتنی بھی توفیق نہیں ہوئی کہ وہ ان اسلامی تنظیموں کی بابت صحیح تحقیق و تفتیش اور مکمل علمی استقراء کرے اور ان کی واقعی ضروریات کی سمری مرتب کرے، کیوں کہ ان گنت ایسی نام نہاد تنظیمیں ہیں جو فلاح و بہبود کے نام پر بھاری چندے اور عطیات وصول کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں، کیوں کہ وہ ان تمام چور دروازوں سے بخوبی واقف ہیں جہاں سے سادہ لوح لوگوں اور مالیاتی اداروں کو بوتل میں اتارا جاتا ہے، مگر ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے، جسے اس بات کا ادنیٰ ادارک بھی ہو کہ ان خطیر رقموں کو کس طرح خرچ کرنا ہے، جبکہ حقیقی معنوں میں ایسی مستحق تنظیمیں اور ادارے بھی موجود ہیں، جنہیں اس ماحول میں کسی قسم کی مالی امداد بہم نہیں پہنچتی، حالانکہ وہ اولین درجے میں اس کے مستحق ہوتے ہیں۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہمارے مجوزہ پروگرام کے علاوہ کوئی اور مناسب پروگرام مسلم اقلیتی کمیونٹی اور دعوت و تبلیغ و دینی تعلیم ہر دو شعبوں کے لئے تجویز کر لیا جائے اور عملی اقدامات کرتے وقت ذکر کردہ ان تجاویز کو سامنے رکھ لیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بہت بھاری وسائل کے محتاج نہیں، بلکہ ان میں سے ہر شعبے کے لیے سالانہ پانچ سے سات ملین ڈالر بہت حد تک کافی ہیں، جو مستقل قریب میں ان شاء اللہ مستقل بنیادوں پر طویل المدتی عرصے تک ثمر آور ثابت ہو سکتے ہیں اور یہ رقم بھی اس نسبت سے انتہائی معمولی ہے جو آج کل بغیر کسی فائدے کے فلاح و بہبود کے نام پر پانی کی طرح بہائی جا رہی ہے۔

۳۔ شعبہ ہلال احمر

ہلال احمر کے شعبے میں بھی کام کا وسیع میدان ہمارا منتظر ہے۔ اسلامی دنیا میں بعض ممالک ایسے بھی ہیں جن میں فقر و فاقہ اور بھوک و افلاس کا گراف پورے عروج پر ہے۔ انہیں جن صبر آزما حالات کا سامنا ہے، وہ حد درجہ مشقت آمیز اور اجتماعی نوعیت کے ہیں۔

بالخصوص پسماندہ ممالک میں جہاں کہیں مسلمان اقلیت میں ہیں، انتہائی بدحالی کا شکار

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں۔ ہندوستان کے بیشتر علاقے جو ۱۹۷۴ء سے ۱۹۸۵ء تک قحط سالی کی لپیٹ میں رہے، بالخصوص صوبہ گجرات اور ہندوستان کے وسطی علاقے، جن کی حد درجہ زبوں حالی کا اندازہ صرف اس بات سے لگائیے کہ ان کے اپنے مسلمان بھائی بھی ان غریب و مفلس اور مصیبت زدہ مسلمانوں کی مدد و نصرت پر قادر نہیں ہیں، جس کی وجہ سے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ایسی بھی ہے، جو صرف بھوک کی وجہ سے موت کی گھاٹ اتر گئی، لیکن ہندوستان کے اخبارات و جرائد سمیت عالمی میڈیا نے بھی انہیں کوئی مناسب کوریج نہیں دی۔ اسی طرح لاکھوں لوگ جن میں اکثریت مسلمانوں ہی کی تھی، دو سال قبل بنگلہ دیش میں موت کی گھاٹ اتر گئے۔

نیز قحط سالی کی یہی کیفیت ساؤتھ افریقا کے وسطی ممالک میں بھی گزشتہ و گزشتہ سے پیوستہ سال پیش آئی، جس میں غالب آبادی مسلمانوں کی ہے، اور جب عالمی میڈیا کے ذریعے اس قحط کے حوالے سے عوامی شعور بیدار ہوا تو اقوام متحدہ نے ان کی کچھ مدد کی اور بعض عیسائی فلاحی اداروں مثلاً "ریڈ کراس" (Red cross) نے بھی ان درماندہ و واماندہ مسلم کمیونٹی کی مدد کی، لیکن میرے علم کے مطابق اس کڑے وقت میں کوئی ایک اسلامی تنظیم بھی ایسی نہیں تھی، جس نے انسانیت کے تحفظ کے لیے عملی اقدامات کیے ہوں، کیوں کہ ان میں کوئی ایسی اسلامی تنظیم تھی ہی نہیں جو انٹرنیشنل لیول پر ان کی مدد کو آتی۔

اس موقع پر اس حقیقت سے بھی پردہ اٹھانا مناسب سمجھتا ہوں کہ جب کمیونسٹوں نے کمبوڈیا، لاؤس انجلس اور ویت نام پر تسلط قائم کیا تو مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد بر سر عام قتل اور باقاعدہ ذبح کردی گئی، جن کی حقیقی تعداد سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے لیکن ان پر ڈھائے جانے والے مظالم کی یہ اندوہناک خبریں کس کے علم میں آئیں، نہ ہی کسی اسلامی تنظیم نے ان کے احوال کی کوئی خبر لی۔ حسب معمول عالمی الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا نے مسلمانوں کے مصائب مشکلات پر چپ سادھ لی اور مزید ان پر کتنے ہی مظالم کے پہاڑ توڑے گئے، پر ان کی یہ جانبدارانہ و تعصبانہ پالیسی وہی کی وہی رہی۔ یومیہ ہزاروں مسلمان شہید ہوتے رہے اور ذبح ہوتے رہے لیکن ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی، غیروں سے کیا گلہ... حق تو یہ ہے کہ عالم اسلام کے اپنے جرائد و اخبارات اور میڈیا بھی ہمیشہ کی طرح ان طاغوتی نشریاتی اداروں کی ہاں میں ہاں ملا کر چلتے رہے جنہیں یہود و نصاریٰ کی پشت پناہی حاصل ہے اور خبروں کی دنیا میں کوئی ایک نشریاتی ادارہ بھی ایسا نہیں تھا جسے عالم اسلامی کی وکالت کا علمبردار گردانا جاتا۔

اپنے ہی وطن کی سرزمین پوری وسعتوں کے باوجود ان پر اس قدر تنگ کردی گئی کہ وہ تھائی لینڈ کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے لیکن تھائی گورنمنٹ نے بھی ان مہاجرین کو پناہ نہیں دی اور کیسے دیتی جب کہ وہ پہلے ہی جنوبی ممالک میں مسلمانوں پر مظالم ڈھارہی ہے، چنانچہ اس نے مہاجرین کی بڑی تعداد کو بارڈر سے واپس کردیا اور یقینی طور پر یہ لوگ بھی وطن واپسی پر کمیونسٹوں کے ہاتھوں موت کی گھاٹ اتار دیے گئے اور جو لوگ کسی طرح تھائی لینڈ میں پناہ گزین ہوئے، وہ خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

بڑی ہی فکر کی بات ہے کہ ہر سال موسم حج میں منیٰ میں ہزاروں قربانیاں ہوتی ہیں، لیکن ان کو مثبت انداز میں یوٹی لائز نہیں کیا جاتا، حالاں کہ "ہلال احمر" جیسے شعبے ترجیحی بنیادوں پر ان کے گوشت اور کھالوں کو ان مسلمانوں تک پہنچانے کا بندوبست کرسکتے ہیں، جو مختلف ممالک میں بھوک کے مارے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے رہے ہیں۔

نیز شعبہ ہلال احمر کے وظائف میں سے یہ بھی ہے کہ ہر اس خطے میں سسکتی ہوئی انسانیت کی خدمت کے لیے پہنچے، جو مختلف قسم کی تکالیف میں مبتلا ہیں اور ان کے لیے ہر وہ ضرورت مہیا کرنے کی فکر کرے جو ان کو درپیش ہیں، بالخصوص غذائی اجناس، لباس و پوشاک، خیمے اور ادویات کا ہنگامی بنیادوں پر انتظام کرے اور اس کے لیے باقاعدہ ایک امدادی ٹیم کی تشکیل کی ضرورت ہے، جو اپنے وظائف وواجبات کی ادائیگی کے لیے ہردم مستعد رہے۔

اخیراً اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کی اس مجوزہ تنظیم کی وساطت سے اس کے منتظمین واراکین کو خیر وفلاح کے کاموں کی توفیق بخشے۔

واللہ سبحانہ ھو الموفق

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقالاتِ عثمانی

(جلدِ ثانی)

عربی مقالات

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

اردو ترجمہ

یوسف حسین گجراتی

متخرج جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ دائرۃ المعارف کراچی

toobaa-elibrary.blogspot.com

حقوقِ طبع بحقِ ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب: مقالاتِ عثمانی (جلد ثانی)

عربی مقالات: شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

اردو ترجمہ: یوسف حسین گجراتی (متخرج دارالعلوم کراچی)

سنِ اشاعت: رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ بمطابق جون ۲۰۱۷ء

ناشر: مکتبہ دائرۃ المعارف کراچی

برائے رابطہ: 3482560 301 92+, 1096481 313 92+, 2191944 324 92+

انتساب

بندہ اپنی اس ادنیٰ سی کاوش کو اپنے وقت کے دو اکابر بزرگانِ دین واولیاء اللہ

مجدد العصر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

اور

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

کی صحبتوں کا ثمرہ سمجھتا ہے اور ان مشائخ کی طرف منسوب کرکے بارگاہ الٰہی میں شرفِ قبولیت اور ذریعۂ ہدایت ہونے کے لئے دست بدعا ہے۔ (یوسف حسین)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اقتصادیات و معاشیات

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

موجودہ عالمی معاشی بحران

اور

اسلامی تعلیمات

عربی تحریر: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم

اردو ترجمہ: مفتی حسان کلیم صاحب دامت برکاتہم

toobaa-elibrary.blogspot.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پچھلے دو سالوں میں پوری دنیا ایک معاشی اور مالیاتی بحران کی شکار ہوئی ہے، جس میں بڑے بڑے بینک دیوالیہ ہوگئے، سالہا سال سے غیر معمولی نفع کماتی ہوئی عالمی شہرت رکھنے والی کمپنیاں قلاش ہو کر بند ہوگئیں، دوسری کمپنیوں کے حصص کے دام ایک دم سے اتنے کم ہوگئے کہ لوگ بیٹھے بیٹھے اپنی دولت کا بہت بڑا حصہ گنوا بیٹھے۔ اگرچہ بحران کی ابتدا امریکا سے ہوئی تھی، لیکن اس کے اثرات پوری دنیا پر پڑے ہیں، اور تجارتی کساد بازاری نے ہر ملک میں مشکلات پیدا کر دی ہیں، اس بحران کے اسباب اور علاج پر دنیا بھر کے معاشی ماہرین تبصرے کر رہے ہیں، ورلڈ اکنامک فورم جس کا مرکز سوئٹزر لینڈ میں ہے، اس وقت معیشت کے معاملات میں دنیا کا سب سے بڑا اور باوقار فکری ادارہ سمجھا جاتا ہے، جو ہر سال جنوری میں اپنا ایک بڑا اجلاس سوئٹزر لینڈ کے شہر ڈیووس میں منعقد کرتا ہے اور اس میں سربراہان مملکت، وزرائے خزانہ، دنیا بھر کے پالیسی ساز اداروں اور بڑی بڑی کمپنیوں کے سربراہان شریک ہوتے ہیں۔

جنوری ۲۰۱۰ء میں اس فورم کا جو اجلاس منعقد ہوا، اس کا بنیادی موضوع یہ تھا کہ موجودہ معاشی بحران سے سبق لیتے ہوئے دنیا کے معاشی نظام میں کن تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ اور اس میں دنیا بھر سے تقریباً ڈھائی ہزار ماہرین شریک ہوئے، اس اجلاس کے انعقاد سے پہلے اس کے چیئرمین کی طرف سے مجھے دعوت دی گئی کہ میں نہ صرف اس اجلاس میں شرکت کروں، بلکہ اجلاس سے پہلے ایک مقالے میں یہ بتانے کی کوشش کروں کہ موجودہ معاشی نظام میں مذہبی اقدار اور اصولوں کی روشنی میں کیا خامیاں ہیں، اور انہیں ان اقدار اور اصولوں کے تحت کس طرح دور کیا جاسکتا ہے۔

میرے خیال میں اسلام کے معاشی احکام کو دنیا تک پہنچانے کا یہ ایک اچھا موقع تھا، کیونکہ اس بحران کے اسباب کا دقت نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ تمام تر ان معاملات کا نتیجہ ہے جن پر اسلام نے روز اول سے پابندی لگائی ہوئی ہے۔ اگر معیشت و تجارت اسلام کے زرین احکام کی پابند ہوتی تو اس قسم کے بحران کبھی رونما نہیں ہوسکتے تھے۔ اس لیے میں بذات خود اس موضوع پر لکھنا چاہتا تھا، ورلڈ اکنامک فورم کی اس دعوت نے اس خیال کو مزید تقویت پہنچائی، اس پس منظر میں، میں نے یہ مقالہ انگریزی میں تحریر کر کے بھیجا، جسے ورلڈ اکنامک فورم نے اپنی ویب سائٹ پر درج کیا، اور اس کا خلاصہ اپنی ایک رپورٹ میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

شائع کر کے اپنے سالانہ اجلاس کے دوران ایک پریس کانفرنس میں اس کی رونمائی کی، اور اسی دوران مجھے بھی مغربی حلقوں کے سامنے مقالے کے اہم نکات واضح کرنے کا موقع ملا، اصل مقالہ میری اپنی ویب سائٹ پر بھی موجود ہے اور جن حضرات نے اسے پڑھا ہے ان کی طرف سے تجویز پیش کی گئی ہے کہ اس کا ترجمہ عربی اور اردو دونوں زبانوں میں ہونا چاہیے، ریاض کا ایک اخبار اس کا عربی ترجمہ کر رہا ہے، اور اردو ترجمہ کی ذمہ داری عزیز گرامی مولانا حسان کلیم صاحب نے لی اور بفضلہ تعالیٰ چند ہی دنوں میں ماشاء اللہ بڑی قابلیت کے ساتھ ترجمہ مکمل کر لیا، جواب میری نظر ثانی کے بعد شائع ہو رہا ہے۔

ورلڈ اکنامک فورم چونکہ بنیادی طور پر غیر مسلموں کا ادارہ ہے اس لیے یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اس مقالے میں براہ راست مخاطب وہی ہے، چونکہ لکھنے کے لیے وقت بھی مختصر ملا تھا، اور مقالے کی بہت طوالت سے بچنا بھی پیش نظر تھا، اس لیے اختصار کو بھی ملحوظ رکھا گیا، اور ان معاشی اصطلاحات کی مکمل تشریح بھی نہیں کی گئی جو فورم کے مخاطبین کے لیے قطعی غیر ضروری تھی، لیکن اردو ترجمے کے وقت ضرورت تھی کہ خاص خاص مقامات پر کچھ تشریحی اضافے کیے جائیں۔ چنانچہ ماشاء اللہ مولانا حسان کلیم صاحب نے اس ضرورت کو بھی بطریق احسن پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ خیراً وبارك فی عمرہ وعلمہ وعملہ

اب یہ مقالہ آپ کے سامنے ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اسے اسلام کی تعلیمات کی حقانیت واضح کرنے اور اس پر عمل کی جدوجہد کرنے کا ذریعہ بنائے۔ آمین

محمد تقی عثمانی

۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

براہ دبئی از قاہرہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

موجودہ عالمی معاشی بحران اور اسلامی تعلیمات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاَمِيْنِ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ!

آج کی دنیا جدید معاشیات میں ایک ایسی خالص مادی اور لادینی سوچ کی عادی ہے جو معاشی تصورات میں دین کی مداخلت کو گوارا نہیں کرتی، اور اس کی بنیاد یہ مفروضہ ہے کہ:

"معاشیات مذہب کے دائرہ کار سے باہر کی چیز ہے۔"

اس کے باوجود یہ بھی ایک دلچسپ ستم ظریفی ہے کہ ایک طرف ہر ڈالر نوٹ پر یہ عبارت لکھی ہوتی ہے کہ:

In God we trust

"ہم خدا ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔"

لیکن دوسری طرف جب ڈالر کمانے یا اُسے تقسیم یا خرچ کرنے کے لیے نظریات متعیّن کرنے کی بات آتی ہے تو سارا اعتماد اور بھروسہ خدا سے ہٹ کر صرف انسانی خیالات ہی پر کیا جاتا ہے، جو محض ذاتی قیاسات پر مبنی ہوتے ہیں، خدا کو اس پورے منظر نامے سے اس طرح لاتعلق سمجھا جاتا ہے جیسے معاشی سرگرمیوں سے اس ذات کا کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔

شاید یہ پہلا موقع ہے کہ موجودہ معاشی بحران کے نتیجے میں جہاں مختلف طبقات فکر مشکلات کے حل کے لیے مختلف تجاویز لے کر آرہے ہیں، وہاں ورلڈ اکنامک فورم نے مذہب کے نمائندوں کو بھی دعوت دی ہے کہ وہ اخلاقی اقدار، اصولوں اور تازہ افکار کی بنیاد پر معاشیات کی تشکیل نو کے لیے اپنی تجاویز پیش کریں۔ یہ قابل تعریف پیش رفت دینی حلقوں کی طرف سے بھرپور تائید کی مستحق ہے۔

میں اسلامی تعلیمات کا اور بالخصوص اسلامی معاشی تعلیمات کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں اور اسی حیثیت سے اسلام کی معاشی تعلیمات کی روشنی میں چند بنیادی نکات پیش کرنا چاہتا ہوں، جن کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ وہ موجودہ معاشی دشواریوں کا حل تلاش کرنے کے لیے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

لیکن آگے بڑھنے سے قبل دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے:

پہلی بات یہ ہے کہ جب اسلام کے مالیاتی یا معاشی اصولوں کا تذکرہ ہوتا ہے تو بعض اوقات ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان علماء ان اصولوں پر صرف اس لیے زور دیتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی دینی ضرورت ہے، یا دوسرے الفاظ میں ان اصولوں کا تعلق صرف مسلمانوں کے ساتھ ہے، کسی اور کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ یہ غلط تصور ہے۔ اگرچہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کا ایک نظام عقائد ہے، جس کے بغیر اسلام کا مکمل فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا، لیکن جہاں تک اس کے معاشرتی، سیاسی اور معاشی اصولوں کا تعلق ہے، اس کے دنیاوی فوائد صرف مسلمانوں کی حد تک محدود نہیں ہیں، بلکہ وہ بالعموم انسانیت کی اجتماعی فلاح و بہبود کے ضامن ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ میں اس مضمون میں جو باتیں پیش کر رہا ہوں، بہت ممکن ہے کہ وہ جدید معاشی افکار سے مغلوب ماحول میں بہت زیادہ انقلابی محسوس ہوں، لیکن ہمارا موجودہ نظام جس کے بارے میں تجربات نے پوری طرح ثابت کر دیا کہ وہ خامیوں سے پُر ہیں، اگر ہم اس میں کوئی ہمہ گیر اصلاح لانا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں انقلابی تبدیلی کی کسی تجویز سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے، بشرطیکہ وہ درست اور مضبوط دلائل پر مبنی ہو۔ موجودہ معاشی بحران چونکہ عالمگیر نوعیت کا ہے، اس لیے اس کا تقاضا ہی یہ ہے کہ موجودہ مالیاتی نظام میں ہمہ گیر تبدیلیاں لائی جائیں۔ ایسے عالمی بحران کے حل کے لیے محض معمولی رفوگری کارآمد نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ہمیں اپنے معاشی نظام کی اوور ہالنگ کی ضرورت ہے، ایسی اوور ہالنگ جو درست اقدار اور اصولوں کی بنیاد پر اس کی اس سرنو تشکیل کرے، جس سے ایک ایسا نظام وجود میں آئے جو ایک طرف منصفانہ ہو اور دوسری طرف اتنا متوازن ہو کہ وہ اپنی ذات میں آئے دن کے معاشی بحرانوں سے محفوظ رہنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہو۔

اس فورم میں یہ انقلابی تجاویز پیش کرنے کے لیے میری ہمت افزائی ورلڈ اکنامک فورم کے چیئرمین کے اس گراں قدر تبصرے سے ہوئی ہے جو انہوں نے اسی فورم کے گزشتہ اجلاس میں کیا تھا، خاص طور پر ان کے یہ الفاظ بہت اہمیت رکھتے ہیں کہ:

> آج ہم ایک انتہائی نکتہ تک پہنچ چکے ہیں، جس کے بعد ہمارے لیے صرف یہی راستہ رہ جاتا ہے کہ یا تو تبدیلی کریں، یا پھر زوالِ مسلسل اور مصائب کا سامنا کریں۔

چونکہ تبدیلی ناگزیر ہو گئی ہے، اس لیے تبدیلی کا کوئی تصور تازہ غور و فکر کے دائرہ سے باہر نہیں رہنا

toobaa-elibrary.blogspot.com

چاہیے۔ موجودہ نظام میں جو تبدیلیاں درکار ہیں، یہ مضمون ان کی تمام تر تفصیلات کا احاطہ کرنے سے تو قاصر ہے، لیکن چند بنیادی نکات سنجیدگی سے غور و فکر کے لیے پیش کیے جارہے ہیں:

ا۔ بازار کی معیشت اور منصفانہ تقسیمِ دولت

کسی معاشی نظام کے مقاصد سے متعلق جن اصولوں پر قرآن کریم زور دیتا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ معاشرہ میں پیدا ہونے والی دولت عادلانہ اور منصفانہ طریقہ سے تقسیم ہونی چاہیے، تاکہ دولت چند ہاتھوں میں اکٹھی ہوکر نہ رہ جائے۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ[۲۸۲]

تاکہ ایسا نہ ہو کہ (دولت) صرف تمھارے مال داروں کے درمیان گردش کرنے لگے۔

معاشی سرگرمیوں کے لیے کسی نظام کو وضع کرتے وقت اس اصول کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہونی چاہیے۔ بہت سے ماہرین معیشت نے بازار کی معیشت (Market Economy)[۲۸۳] ہی کو غیر منصفانہ تقسیم دولت کا ذمہ دار قرار دیا ہے، اگرچہ بازار کی معیشت کے ان مخالفین کی جانب سے جو منصوبہ بند معیشت (planned economy)[۲۸۴] تجویز کی گئی تھی، وہ ناقابل عمل ثابت ہوچکی ہے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ بازار کی معیشت پر جو اعتراضات کیے گئے تھے، وہ سراسر غلط نہیں تھے۔

ا۔ بازار کی معیشت کو سرمایہ دارانہ معیشت کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور اس سے مراد ایسی معیشت ہے جس میں افراد کی انفرادی ملکیت کو تسلیم کرکے انہیں اپنے نفع کی خاطر کاروبار کرنے کی آزادی ہو اور رسد وطلب کے قوانین کے تحت اشیاء کی قیمتیں مقرر کی جائیں۔

۲۔ منصوبہ بند معیشت سے مراد وہ اشتراکی معیشت ہے جس میں وسائل پیداوار پر افراد کی ملکیت

---

۲۸۲ الحشر: ۷

۲۸۳ بازار کی معیشت کو سرمایہ دارانہ معیشت کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، اور اس سے مراد ایسی معیشت ہے جس میں افراد کی انفرادی ملکیت کو تسلیم کرکے انہیں اپنے نفع کی خاطر کاروبار کرنے کی آزادی ہو، اور رسد وطلب کے قوانین کے تحت اشیاء کی قیمتیں مقرر کی جائیں۔

۲۸۴ منصوبہ بند معیشت سے مراد وہ اشتراکی معیشت ہے جس میں وسائل پیداوار پر افراد کی ملکیت تسلیم کرنے کے بجائے انہیں ریاست کی ملکیت سمجھا جاتا ہے، اور ریاست ہی وسائل کی تقسیم اور اشیاء کی قیمتیں متعین کرنے کا کام کرتی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تسلیم کرنے کے بجائے انہیں ریاست کی ملکیت سمجھا جاتا ہے اور ریاست ہی وسائل کی تقسیم اور اشیاء کی قیمتیں متعین کرنے کا کام کرتی ہے۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ بازار کی معیشت کے وکلاء از خود اپنے نظام کا جائزہ لیتے، تاکہ غیر منصفانہ تقسیم کے عوامل کا خاتمہ کیا جاسکتا، لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ جب منصوبہ بند (اشتراکی) معیشت کا نظریہ عملی ناکامی سے دوچار ہوا تو مارکیٹ اکانومی کے حامیوں نے اس موقع کو سیاسی و معاشی دونوں میدانوں میں اپنی کامیابی تصور کرتے ہوئے بڑی خوشی منائی۔ ان میں سے بعض تو اشتراکی معیشت کے سقوط پر اس قدر جوش میں تھے کہ وہ اعلان کر بیٹھے کہ ان کا نظام ہی واحد حتمی متبادل ہے اور انہوں نے جذبات میں یہ پیشین گوئی بھی کر ڈالی کہ اب کوئی دوسرا نظام نہیں ابھر سکتا۔ یہ ولولہ اور جوش اس حقیقت کو نظر انداز کر گیا کہ آزاد بازار کی معیشت کے نظریہ پر ہونے والی تنقید کے بعض پہلو بے بنیاد نہیں تھے۔ پوری دنیا میں ہر جگہ امیر غریب کے درمیان مہیب فاصلے موجود تھے اور منصوبہ بند معیشت کے زوال کے بعد بھی مسلسل موجود رہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ (رسد و طلب کی) بازاری قوتوں کے فطری عمل سے سراسر انکار غلط تھا، لیکن ان کے ٹھیک ٹھیک اور منصفانہ طریقہ سے کام کرنے کے لیے یہ بھی ناگزیر تھا کہ انہیں کچھ حدود کا پابند بنایا جاتا، تاکہ انصاف کے ساتھ تمام انسانوں کے مفادات کی حفاظت کی جاسکتی۔ اگرچہ سرمایہ دار ممالک نے بازار پر بعض اصول و ضوابط عائد کیے، لیکن نظریاتی بنیادوں پر جن پابندیوں کی ضرورت تھی، ان کی سوچ ان سے بالکل خالی رہی۔

کسی معیشت کی عمومی بہتری پر غور کرتے وقت صرف یہ کافی نہیں ہے کہ ساری توجہ آمدنی کی بڑھوتری پر مرکوز رکھی جائے، اور نہ یہ کافی ہے کہ صرف اس پر اطمینان کر لیا جائے کہ پیداواری پہیہ اپنی پوری قوت اور ممکنہ رفتار سے گھوم رہا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ اہم بات یہ ہے کہ تقسیم دولت کے نظام کو حقیقی معنی میں منصفانہ بنانے کی کوشش کی جائے، تاکہ ہر طبقہ کی ضروریات کو انصاف کے ساتھ پورا کیا جاسکے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے بازار کے لین دین پر جو نظریاتی پابندیاں عائد کرنے کی ضرورت ہے، ان پر اب تک کوئی سنجیدہ غور و فکر نہیں ہوا۔ چنانچہ صورت حال یہ ہے کہ تمام اصول و ضوابط کے باوجود بازار کی پیدا کردہ دولت اب تک صرف چند متمول لوگوں کے درمیان گردش کر رہی ہے۔ یہاں تک کہ امریکا جیسی مستحکم معیشت میں بھی تقسیم دولت کی جو صورت حال ہے، جی ولیم ڈوم ہوف نے اس ارکاز

toobaa-elibrary.blogspot.com

دولت کا نقشہ اپنے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

> ریاستہائے متحدہ امریکا میں دولت مقابلۃً صرف چند ہاتھوں میں سمٹی ہوئی ہے ۲۰۰۷ء میں صرف ایک فی صد طبقہ جو اعلیٰ سمجھا جاتا ہے، معاشرہ کی کل نجی دولت میں سے ۳۴.۶ فی صد حصہ کا مالک ہے۔ اور دوسرے درجہ کا ۱۹ فی صد طبقہ (جو کاروباری منتظمین اور پیشہ ور لوگوں اور چھوٹے کاروباریوں پر مشتمل ہے) وہ ۵۰.۵ فی صد دولت کا مالک ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ (امریکا کی) پچاس فی صد دولت جو بہت بڑی دولت ہے، صرف بیس فی صد لوگوں کی ملکیت میں ہے اور اسی فی صد نچلے طبقے (مزدور یا تنخواہ دار ملازمین) کے لیے دولت کا صرف پندرہ فی صد حصہ بچتا ہے، اور اگر صرف مالیاتی دولت کا لحاظ کیا جائے (یعنی گھر کی مالیت نکال کر بچنے والی مجموعی صافی مالیت دیکھی جائے تو) اس کے مطابق تو جو ایک فی صد اعلیٰ طبقہ اوپر بیان کیا گیا ہے، وہ (۳۴.۶ فی صد کے بجائے) مجموعی دولت کے اور زیادہ بڑے حصے، یعنی ۴۳.۷ فی صد کی ملکیت رکھتا ہے۔

یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ ترقی پذیر یا غیر ترقی یافتہ ممالک میں صورت حال اس سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ اس غیر متوازن اور غیر منصفانہ تقسیم دولت کے نظام میں نظریاتی بنیادوں پر اصلاحات کی ضرورت ہے۔

اس وقت پوری دنیا موجودہ مالی بحران کی وجہ سے چیخ و پکار کر رہی ہے لیکن بہت کم لوگوں نے یہ احساس کیا ہے کہ درحقیقت بنیادی طور پر یہ امیر لوگوں کا بحران ہے، جو دولت کے انباروں سے کھیل رہے تھے اور اچانک ان کی آمدنیاں پھسل کر بالکل نیچے آگریں۔ جہاں تک غریب لوگوں کا تعلق ہے وہ بے چارے تو ایک دائمی بحران میں زندگی گزارتے رہے ہیں، لیکن ان کے لیے کسی نے چیخ و پکار نہیں مچائی، اور نہ ہی اس حالت کو عالمی بحران تسلیم کیا گیا، کیونکہ امیر لوگوں کی دولت مسلسل برق رفتاری سے بڑھ رہی تھی۔ بحران اس وقت تسلیم کیا گیا جب اس نے خود ان کے دروازوں پر دستک دینی شروع کردی، حالانکہ اس بحران کے نتیجے میں ان میں سے کوئی اس طرح کی فاقہ کشی کا شکار نہیں ہوا جیسے یہ غریب لوگ روزانہ ہوتے ہیں، اس کے باوجود ان غریبوں کے دائمی مصائب نے دنیا کی توجہ اس طرح اپنی طرف نہیں کھینچی جیسے موجودہ مالیاتی بحران نے کھینچی ہے، لیکن ہمیں کم از کم اس موقع پر دوسروں کا درد بھی محسوس کرنا چاہیے اور اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ جائزہ لینا چاہیے کہ ہمارے نظام میں وہ کیا خرابی ہے جس نے دنیا کی بیشتر آبادی کو دائمی غربت میں مبتلا کر رکھا ہے اور دولت مند لوگوں کو وقفے وقفے سے معاشی جھٹکوں کا نشانہ بنایا ہوا ہے، آیئے! اس پہلو سے اپنے موجودہ معاشی ڈھانچے کا جائزہ لیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۔ اس میں شک نہیں ہے کہ طلب ورسد کی قوتیں بازاری معیشت میں انتہائی اہم کردار کی حامل ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ انہیں فطری اور ہموار طریقے سے کام کرنے دیا جائے۔ لیکن ہمارے موجودہ نظام میں ایسے بہت سے عوامل ہیں، جو مال دار لوگوں کے لیے اجارہ داری کے مواقع پیدا کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں بازاری قوتوں کا عمل رکاوٹوں سے دوچار ہوجاتا ہے۔ اور حقیقی توازن (Real Equilibrium) کا موقع ہی نہیں آپاتا، اس کے علاوہ کچھ اور عوامل ہیں جو طلب ورسد کے ایک ایسے سراسر مصنوعی طریقہ کار کو جنم دیتے ہیں، جو کسی بھی طرح حقیقی معاشی ضرورتوں کی عکاسی نہیں کرتا، بلکہ حقیقی معیشت کی ہموار کارکردگی کو متاثر کرنے کے سوا کوئی خدمت انجام نہیں دیتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمیں ایسی اقدار اور ایسے اصولوں کی ضرورت ہے جو ہمارے موجودہ معاشی ڈھانچے میں موجود ان بنیادی خامیوں کا ازالہ کرسکیں۔ ذیل میں ان ہی اقدار واصولوں پر تھوڑی سی گفتگو مقصود ہے:

۲۔ نفع کا محرک اور حرص

پہلی صدی ہجری کے ایک معروف عالم حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک انتہائی خوبصورت جملے میں زر (روپے، پیسے) کی حقیقت کو بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"زر تمہارا وہ ساتھی ہے کہ جب تک تم سے جدا نہ ہوجائے، تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔"

یہ مختصر لیکن جاندار تبصرہ اپنے اندر دو بنیادی تصورات لیے ہوئے ہے، یہ دونوں تصورات معاشی سرگرمیوں کو درست سمت کی جانب لے جانے کے لیے بے حد اہم ہے:

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ زر بذات خود مقصود نہیں ہے، بلکہ وہ مخصوص مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ زر اپنی ذات میں کوئی افادیت نہیں رکھتا، اس سے فائدہ اسی وقت اٹھایا جاسکتا ہے جب اسے اپنے سے دور کر کے اس کے ذریعہ کوئی ذاتی فائدے کی چیز خرید لی جائے۔

آیئے! اب موجودہ معاشی صورت حال کے تناظر میں ان دو نظریات پر کچھ گفتگو کریں:

حکومت کی عدم مداخلت کی پالیسی (Laissez Faire) اب سرمایہ دارانہ ممالک میں بھی مقبول نہیں رہی، لیکن ذاتی منفعت کا عنصر (Profit Motive) بہر حال! بازاری معیشت

toobaa-elibrary.blogspot.com

(Market economy) میں ایک انتہائی اہم کردار رکھتا ہے۔ اگر یہ اپنی حدود میں رہا ہوتا تو ہرگز مشکلات پیدا نہ کرتا۔ لیکن عملاً ہوا یہ کہ بسا اوقات ذاتی منفعت کے محرک (Profit Motive) کا مطلب زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کی بے لگام آزادی کو سمجھ لیا گیا، خواہ اس کی خاطر دوسروں کا نقصان ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ مختلف حکومتوں کی طرف سے عائد کی جانے والی پابندیاں ذاتی منفعت کے محرک اور دولت کی ہوس کے درمیان نمایاں فرق قائم کرنے میں ناکام رہیں۔ جب انسان کے سامنے کوئی روحانی یا اخلاق مقاصد نہ ہو اور ذاتی منفعت ہی کو معیشت کا واحد محرک سمجھ لیا جائے تو بالآخر یہ ذاتی منفعت ہی زندگی کا حقیقی مقصد بھی قرار پا جاتا ہے اور اس طرح انسان رفتہ رفتہ ہر ممکن طریقے سے زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کرنے کی کبھی نہ ختم ہونے والی ہوس کا شکار ہو جاتا ہے، پھر اُسے اپنی ملکیت میں موجود سکوں اور نوٹوں کی گنتی میں اضافہ ہی سے خوشی حاصل ہوتی ہے، اور وہ یہ نہیں سوچتا کہ حقیقت میں وہ ان سکون اور نوٹوں سے کیا نفع حاصل کر پا رہا ہے؟ قرآن کریم اس طرح کے شخص کا حال ان الفاظ میں ذکر کرتا ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝١ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهُ [۲۸۵]

بڑی خرابی ہے اس شخص کی جو پیٹھ پیچھے دوسروں پر عیب لگانے والا
(اور) منہ پر طعنہ دینے کا عادی ہو، جس نے مال اکٹھا کیا ہو اور اسے گنتا رہتا ہو۔

جب ایک شخص اس قسم کی ہوس کا شکار ہو جائے تو دولت کی کوئی مقدار بھی اسے مطمئن نہیں کر سکتی، نہ کوئی چیز مزید دولت حاصل کرنے کے لیے اس کی پیاس بجھا سکتی ہے، وہ اپنی املاک کی مقدار بڑھانے ہی کی فکر میں لگا رہتا ہے، چاہے جائز ذرائع سے ہو، یا ناجائز ذرائع سے ہو۔ وہ اپنی املاک بڑھاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اپنی محنت کے سارے ثمرات اپنے ورثاء کے لیے چھوڑ کر خالی ہاتھ اس دنیا سے روانہ ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ [۲۸۶]

ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر (دنیا کا عیش) حاصل کرنے کی ہوس نے تمہیں غفلت میں ڈال رکھا ہے، یہاں

۲۸۵ الھمزۃ: ۱۔۲

۲۸۶ التکاثر: ۱۔۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

تک کہ تم قبرستانوں میں جا پہنچتے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى ثَالِثًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ

اگر ابن آدم کو دو وادیاں سونے کی مل جائیں، تب بھی وہ تیسری وادی کی خواہش کرے گا، یہ تو صرف مٹی ہی ہے جو ابن آدم کا پیٹ بھر سکتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ معاشی سرگرمیاں کسی قسم کی دولت کے حصول کی خواہش کے بغیر وجود میں نہیں آسکتیں۔ اسی بناء پر اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جائز ذرائع سے دولت کمانے کی خواہش قابل مذمت نہیں ہے۔ دولت کی جس ہوس کی مذمت کی گئی ہے، وہ ایسی ہوس ہے جو خود غرضانہ خواہشات سے آگے دیکھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی اور صحیح وغلط میں اس کو کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ اسلامی عقائد کی رو سے زندگی صرف اسی دنیا تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کے بعد بھی ایک زندگی آنے والی ہے، جس میں زندگی کا پورا حساب دینا ہوگا۔ ہوس اس جاودانی زندگی کے لیے بہت ہی نقصان دہ ہے جس کی بھلائی ہی انسانوں کا مقصد حقیقی ہونا چاہیے۔ لیکن اگر صرف اسی دنیاوی زندگی کے اعتبار سے دیکھا جائے تب بھی حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی ہوس ہماری موجودہ زندگی میں بھی کوئی سدھار نہیں لاتی۔ اولاً تو اس لیے کہ ہوس ہمیشہ خود غرضی کے ساتھ مل کر کام کرتی ہے، اور اس خود غرضی کو معاشرہ کے اجتماعی مفادات سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، بلکہ انسان کو زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کی دھن میں لگا دیتی ہے، چاہے اس کی وجہ سے پوری سوسائٹی کو نقصان پہنچ رہا ہو۔ اور مزید یہ کہ اس خود غرضی میں مبتلا شخص اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھتا ہے کہ دولت کی تخلیق انسانوں کو نفع پہنچانے اور ان کی خدمت کے لیے ہوئی ہے، نہ کہ انسانوں کی تخلیق مال و دولت کی خدمت کرنے کے لیے۔ مال و دولت کا مقصد تو جسم اور روح کے لیے راحت و آرام خریدنا ہے۔ اگر زندگی کا سارا آرام و راحت زیادہ سے زیادہ کمانے کے گورکھ دھندوں ہی میں تج دیا جائے تو دولت کی اصل غرض ہی فوت ہوگئی۔ جسمانی اور روحانی آرام و راحت تو در کنار، زیادہ سے زیادہ پیسے کمانے کی حد سے بڑھی ہوئی مشغولیت تو الٹا انسان کو تشویش و فکر کے ایک لامتناہی سلسلے میں الجھا دیتی ہے، جس کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا

دولت انسان کے لیے خود عذاب بن جاتی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

خلاصہ یہ کہ لالچ اور ہوس کے نقصانات اس قدر نمایاں ہیں کہ کوئی بھی اس کو کسی بھی طرح خوبی قرار نہیں دیتا، بلکہ ہر شخص لالچ اور لالچی شخص کو برا ہی کہتا ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ لالچ کی برائی کرنے کے باوجود کوئی بھی شخص خود اپنے بارے میں لالچی ہونے کا اعتراف نہیں کرتا، نہ یہ ماننے کے لیے تیار ہوتا ہے کہ اس کا اپنا طرزِ عمل لالچ پر مبنی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ساری دشواری لالچ کی صحیح تعریف پہچاننے میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک مبہم اصطلاح ہے جس کی تشریح مختلف طریقوں سے کی جا سکتی ہے۔ بعض اوقات خود لالچ ہی اپنی ایسی تشریح گڑھوا لیتی ہے جس سے اس میں مبتلا شخص مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور اپنے زعم میں یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ لالچی نہیں ہے۔

ان سب باتوں سے واضح ہوا کہ محض اس جذبے کے عمومی انداز سے مذمت کر دینا اس برائی کے سدباب کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ کچھ دو ٹوک اصول و ضوابط ہونے چاہئیں، جو ہمارے رویہ کو نظم و ضبط کا پابند بنائیں، تاکہ لالچ پر مبنی طرزِ عمل کے امکانات کو ختم کیا جا سکے، یا کم از کم اس میں کوئی کمی لائی جا سکے۔ ان اصول و ضوابط میں سے ایک اہم اصول زر کی حقیقت کو پہچاننا ہے، جس کے لیے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مقولے کا دوسرا پہلو قابلِ غور ہے۔

۳۔ حقیقتِ زر

امام حسن بصری رحمہ اللہ کے نقل کردہ پر مغز جملے میں دوسرا نظریہ یہ موجود ہے کہ زر اپنی ذات میں کسی خلقی منفعت یا استعمال (intrinsic usufruct or value) کا حامل نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ ہمیں اسی وقت فائدہ پہنچاتا ہے جب ہم سے جدا ہوتا ہے، یعنی جب ہم وہ کسی دوسرے شخص کو بطور قیمت کسی ایسی چیز کے بدلے میں ادا کرتے ہیں جو پیدائشی اور ذاتی منفعت رکھتی ہے۔ زر کی تخلیق محض تبادلے کے آلے اور قدر کے پیمانے کے طور پر ہوئی ہے۔ یہ ایک ایسا اہم نظریہ ہے جس کو فراموش کرنے کے نتیجے میں ہمارا معاشی نظام اصولی خرابیوں سے دوچار ہو چکا ہے، آئیے! اس نظریہ کو اس کے مکمل تصور کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں:

جدید معاشی ماہرین اگرچہ اس نکتہ پر متفق ہیں کہ زر ایک تبادلہ کا آلہ اور قدر کا پیمانہ ہے، لیکن میرے محدود مطالعہ کے مطابق شاید کوئی اور اس بات کو اتنی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ زیرِ بحث نہیں لایا، جس قدر

toobaa-elibrary.blogspot.com

وضاحت کے ساتھ اُسے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھایا ہے جو بارہویں صدی کے انتہائی عالی دماغ فلسفی ہیں۔ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ تجزیہ انہی کے الفاظ میں پیش کیا جائے۔ وہ فرماتے ہیں:

درہم و دینار (زر) کی تخلیق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک ہے، یہ پتھر ہیں جو اپنے اندر کوئی خلقی منفعت یا استعمال نہیں رکھتے، لیکن اس کے باوجود تمام انسانوں کو اس کی ضرورت ہے، اس لیے کہ ہر شخص اپنے کھانے پینے یا پہننے اوڑھنے وغیرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کثیر مقدار میں اشیاء کا ضرورت مند ہے اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ اس کے پاس وہ نہیں ہوتا جو اسے چاہیے اور وہ چیز ہوتی ہے جس کی اس کو ضرورت نہیں، اس بناء پر تبادلہ کے معاملات ناگزیر ہیں، لیکن ان معاملات کو ممکن بنانے کے لیے ایک ایسے مستقل معیار کی ضرورت ہے جس کی بنیاد پر قیمت کا تعین کیا جاسکے۔ اس لیے کہ آپس میں تبادلہ کی جانے والی اجناس نہ تو ہمیشہ ایک قسم کی ہوں گی اور نہ ان کا ایک پیمانہ ہوگا جس کے ذریعہ یہ طے کیا جاسکے کہ ایک جنس کی کتنی مقدار اور دوسری جنس کی کتنی مقدار کی درست قیمت ہے؟ چنانچہ ان اجناس کو ایک ایسے ثالث اور واسطے کی ضرورت ہے جو ان کی حقیقی قدر کا تعین کرسکے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے درہم و دینار کو تمام اشیاء کے واسطے بطور منصف و ثالث کے پیدا کیا ہے، تاکہ ہر قسم کی دولت کی قدر و قیمت ان کے ذریعہ ناپی جاسکے۔ اور ان کی یہ حیثیت کہ یہ اشیاء کے لیے پیمانہ قدر ہیں، اس حقیقت پر مبنی ہے کہ یہ بذات خود مقصود نہیں۔ اگر یہ بذات خود مقصود ہوتے تو ممکن تھا کہ کوئی ان کو کسی ایک خاص غرض سے اپنے پاس رکھتا اور اس کی اس نیت کی وجہ سے اس کو خاص اہمیت حاصل ہوجاتی، جب کہ کوئی دوسرا شخص جسکے پیش نظر اس قسم کی کوئی غرض نہیں، وہ شاید ان کو اتنی اہمیت نہ دیتا، اس طرح سارا نظام ہی گڑبڑ ہوجاتا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس خاص مقصد کے لیے پیدا کیا کہ یہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتے رہیں، مختلف اجناس کی صحیح قیمت کے تعین کے لیے منصف و ثالث کا کام دیں، اور ضرورت کی اشیاء حاصل کرنے کا ذریعہ بنیں، ان کی اس خصوصیت کا نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص ان کا مالک ہوتا ہے، وہ گویا ہر چیز کا مالک ہوتا ہے، برخلاف اس شخص کے جو مثلاً کپڑے کا مالک ہے، وہ صرف کپڑے کا مالک ہے، اب اگر اس کو کھانے کی ضرورت ہے تو ہوسکتا ہے کہ کھانے کا مالک کپڑا لینے میں دلچسپی نہ رکھتا ہو، شاید اس کو اس وقت کسی جانور کی ضرورت ہو۔ اس بناء پر کسی ایسی چیز کی ضرورت تھی جو ظاہر میں تو کچھ نہ ہو، لیکن واقع میں سب کچھ ہو۔ جس چیز کی کوئی اپنی خاص شکل نہیں ہوتی، بعض اوقات دوسری چیز کی نسبت سے اس کی مختلف شکلیں بن جاتی ہیں، جیسے آئینہ کہ خود اس کا اپنا کوئی رنگ نہیں ہوتا، لیکن وہ ہر رنگ کی عکاسی

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرتا ہے۔ عین یہی زر کی حقیقت ہے کہ بذات خود وہ کوئی مقصود چیز نہیں، لیکن یہ ایک آلہ ہے جو تمام مقاصد تک پہنچاتا ہے۔ چنانچہ وہ شخص جو زر کو اس کی ذاتی خصوصیت کے برخلاف استعمال کرتا ہے، در حقیقت وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمت کی ناقدری کررہا ہے۔ اسی طرح جو شخص زر کا ارتکاز کررہا ہے، وہ اس کے ساتھ ناانصافی کررہا ہے، اور اس کی اصل غرض کو مٹا رہا ہے، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک حکمراں کو قید کردے۔ اسی طرح جو شخص بھی زر کو سودی معاملات میں استعمال کرتا ہے وہ بھی اللہ کی نعمت کو ضائع کرتا ہے، اور ناانصافی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس لیے کہ زر تو دوسری چیزیں حاصل کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اپنی ذات میں مقصود ہونے کی وجہ سے تخلیق نہیں ہوا۔ اس لیے جس شخص نے زر ہی کو خریدنا بیچنا شروع کردیا اور اسی کی تجارت شروع کردی، تو اس نے اصل مقصد تخلیق کے برخلاف اسے ایک مقصود چیز اور مال تجارت بنالیا، جب کہ زر کو اس کے اصل مقصد پیدائش کے علاوہ کسی اور کام میں استعمال کرنا بالکل ناانصافی ہے۔ اگر زر کی خرید وفروخت اور اس کی براہ راست تجارت کی اجازت دے دی جائے تو زر ہی اصل مقصد ٹھہرے گا اور اسی طرح کی بندش کا شکار ہوجائے گا، جیسے زر کی ذخیرہ اندوزی سے پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک حکمران کو ناحق مقید کردینا یا ڈاکیے کو پیغام رسانی سے روک دینا ناانصافی کے علاوہ اور کیا ہے؟[۲۸۷]

یہ حقیقت ہے کہ امام غزالی رحمہ اللہ کے بعد آنے والے تمام ہی ماہرین معاشیات نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ زر تبادلہ کا ایک ذریعہ اور قدر کا پیمانہ ہے۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان میں سے اکثر نے اس نظریہ کو اس کے منطقی انجام تک نہیں پہنچایا۔ یہ ماہرین ایک طرف تو اس نظریہ کو قبول کرتے ہیں کہ زر تبادلہ کا ذریعہ ہے، لیکن دوسری طرف زر (Money) اور جنس (Commodity) کے بنیادی فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے زر کو ایک جنس کی حیثیت بھی دیتے ہیں۔

زر اور جنس کے درمیان پائے جانے والے فرق کا خلاصہ درج ذیل نکات میں بتلایا جاسکتا ہے:

۱۔ زر بذات خود کسی فطری استعمال کا حامل نہیں، اسے براہ راست کسی انسانی ضرورت کو پورا کرنے میں استعمال نہیں کیا جاسکتا، اس کا استعمال صرف کچھ اشیاء یا خدمات حاصل کرنے ہی کے لیے ہوسکتا ہے، جب کہ دوسری طرف استعمال اجناس خلقی طور پر یہ صلاحیت رکھتی ہیں کہ انہیں کسی چیز سے

۲۸۷؎ احیاء العلوم: ۴/۸۴۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

بدلے بغیر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ اجناس مختلف اقسام و خصوصیات کی ہوتی ہیں جب کہ زر سوائے قدر کے پیمانے ہونے اور تبادلہ کے لیے آلہ کا کام دینے کے کسی اور وصف کا حامل نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ زر کی ایک مقدار کے تمام افراد اور اکائیاں آپس میں سوفی صد برابر ہوتی ہیں، مثلاً ایک ہزار کا ایک پرانا نوٹ اور بوسیدہ نوٹ بھی وہی قیمت رکھتا ہے جو ہزار کا بالکل نیا اور کرارا نوٹ رکھتا ہے۔

۳۔ اجناس میں خرید و فروخت کے سودے کسی مخصوص اور متعین چیز کے ہوتے ہیں، مثلاً 'الف' نے ایک متعین کار خریدی جو اس طرح متعین ہے کہ اس کی طرف اشارہ کرکے بتلایا جاسکتا ہے کہ یہ خاص کار خریدی جارہی ہے اور فروخت کرنے والے نے بھی اُسی کار کو بیچنے پر رضامندی ظاہر کردی، تو اب 'الف" پورے طور پر حق دار ہے کہ خاص اُسی کار کو لینے کا مطالبہ کرے، فروخت کرنے والا کسی اور کار کے لینے پر اُسے مجبور نہیں کرسکتا، چاہے وہ دوسری کار اُسی قسم کی ہو، اور انہی خصوصیات کی حامل ہو۔ اس کے برخلاف زر کو اشارہ کے ذریعہ متعین نہیں کیا جاسکتا، مثلاً 'الف' نے اگر 'ب' سے کوئی چیز ایک ہزار روپے کا ایک مخصوص نوٹ دکھا کر خریدی ہے تب بھی 'الف' 'ب' کو ایک ہزار کا دوسرا نوٹ دے سکتا ہے۔

ان نکات سے ہٹ کر عقلی طور پر بھی دیکھیں تو بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ زر کو جنس کا درجہ دیا جائے۔ اس لیے کہ معاشی تقسیم کے مطابق اشیاء صرف دو ہی قسم کی ہوتی ہیں: استعمالی اشیاء (Consumption Goods) جن کو براہ راست استعمال کرنا مقصود ہو، یا پیداواری اشیاء (Productive Goods) یعنی وہ اشیاء جن سے کوئی اور چیز پیدا کرنی ہو، زر ان دونوں میں سے کسی قسم میں داخل نہیں۔ ظاہر ہے کہ زر براہ راست استعمال میں آنے والی چیز نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا کوئی فطری استعمال ہی نہیں، اس کے ساتھ یہ پیداواری شے بھی نہیں ہے، اس لیے کہ اس کے ذریعہ کسی چیز کی پیداوار نہیں ہوتی۔ جن لوگوں نے اسے پیداواری اشیاء میں شامل کیا ہے، وہ اپنے دعویٰ کی تائید میں کوئی خاطر خواہ دلائل مہیا نہیں کرسکے ہیں۔

لڈوگ وون ماکسز ہمارے زمانے کے ایک ماہر معاشیات ہیں، وہ ان کے دلائل کا جائزہ لینے کے بعد درج ذیل تجزیہ پیش کرتے ہیں:

یہ درست ہے کہ ماہرین معاشیات کی اکثریت زر کو پیداواری اشیاء میں شمار کرتی ہے، تاہم اس کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اثبات کے لیے جو دلائل قابل اعتماد لوگوں نے پیش کیے ہیں، وہ بلا جواز ہیں، کسی نظریہ کا ثبوت اس کی عقلی توجیہ میں پوشیدہ ہوتا ہے، نہ کہ اس کے تائید کنندگان کی عددی برتری میں۔ اساتذہ فن کا احترام اپنی جگہ، لیکن یہ کہنا پڑے گا کہ وہ اس معاملہ میں اپنے موقف کو بھرپور طریقہ سے ثابت کرنے سے قاصر ہیں۔

اس کے بعد مصنف نے اپنا میلان "کینز" کے اس نظریہ کی طرف ظاہر کیا ہے کہ زر استعمالی یا پیداواری اشیاء میں سے کسی میں بھی داخل نہیں ہے، بلکہ یہ محض تبادلہ کا ایک ذریعہ ہے۔

اگر ایک مرتبہ یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ زر خود کوئی جنس نہیں ہے، تو اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلنا چاہیے تھا کہ یہ تجارتی سودوں میں قیمت کی ادائیگی کا ذریعہ ہے، بذات خود کوئی مال تجارت نہیں ہے، خاص طور پر جب اس کا تبادلہ ایک ہی قسم کے زر سے ہو، پھر تو نفع کا کوئی سوال ہی نہیں ہونا چاہیے، لیکن اکثر ماہرین معاشیات اس کی آلہ تبادلہ ہونے کی حیثیت کو تسلیم کرنے کے باوجود اس حیثیت کے عقلی نتیجہ تک پہنچنے سے قاصر رہے ہے، بلکہ انہوں نے زر کو یومیہ بنیاد پر مزید پیداوار زر کا آلہ مان لیا، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جو بظاہر آلہ تبادلہ کے اس نظریہ کے بانی ہیں، انہوں نے نہ صرف یہ کہ یہ نظریہ پیش کیا ہے، بلکہ اس کو اس کے منطقی انجام تک بھی پہنچایا ہے۔ چنانچہ گزشتہ اقتباس کے یہ الفاظ دوبارہ ملحوظ ہوں:

> چنانچہ جس شخص نے زر ہی کو خریدنا بیچنا شروع کردیا تو اس نے اس کی تخلیق کی حکمت کے بالکل برخلاف اسے بذات خود مقصود اور مال تجارت بنالیا۔ اگر زر کی خرید و فروخت اور اس کی براہ راست تجارت کی اجازت دے دی جائے تو زر اصل مقصد ٹھہرے گا اور اسی قسم کی بندش کا شکار ہوجائے گا، جیسے زر کی ذخیرہ اندوزی سے پیدا ہوسکتی ہے۔

سود کے حرام ہونے کی ایک فلسفیانہ وجہ یہ بھی ہے، اس لیے کہ سود، چاہے وہ استعمالی قرضوں پر لیا دیا جائے، یا تجارتی قرضوں پر، اس کے معاملات در حقیقت زر کی تجارت ہی کی ایک شکل ہے۔ اس میں کسی حقیقی جنس کی خرید و فروخت نہیں ہوتی، سود محض زر کو قرض پر دینے کے عوض وصول کیا جاتا ہے، جس کی ممانعت پوری شدت کے ساتھ اکثر آسمانی کتابوں میں بالعموم آئی ہے، اور قرآن کریم میں بالخصوص اس پر زور دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا

جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ [۲۸۸]

مسلمانو! اگر فی الحقیقت تم خدا پر ایمان رکھتے ہو، تو اس سے ڈرو اور جس قدر سود مقروضوں کے ذمہ رہ گیا اسے چھوڑ دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، اور اس باغیانہ روش سے توبہ کرتے ہو تو پھر تمہارے لیے یہ حکم ہے کہ اپنی اصل رقم لے لو اور سود چھوڑ دو، نہ تم کسی پر ظلم کرو، نہ تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠
وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [۲۸۹]

اے ایمان والو! سود مت کھاؤ، دگنا چوگنا کر کے

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ [۲۹۰]

اور جو سود تم اس غرض سے لے لوگے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا۔

یہ ممانعت ابھی تک بائبل کے عہد نامہ قدیم میں موجود ہے، درج ذیل اقتباسات حوالے کے طور پر تائید کے لیے پیش کیے جاتے ہیں:

---

۲۸۸ البقرۃ: ۲۷۵-۲۷۸

۲۸۹ آل عمران: ۱۳۰

۲۹۰ استثناء Deuteronomy 23:19

toobaa-elibrary.blogspot.com

تم اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دو، نہ نقدی، نہ غلہ، نہ اور کوئی چیز جو سود پر قرض دی جاسکتی ہے۔[۲۹۱]

اے خدا تیرے خیمے میں کون رہے گا۔ تیرے کوہِ مقدس پر کون سکونت کرے گا، وہی جس کی روش بے عیب اور جس کا کام صداقت کا ہے، جو اپنے دل میں سچ سوچتا ہے جو اپنی نقدی سود پر نہیں دیتا، اور معصوم کے خلاف رشوت نہیں لیتا۔[۲۹۲]

"جو اپنی دولت کو سود خوری اور نفع سے بڑھاتا ہے وہ اس کے لیے جمع کرتا ہے جو محتاجوں پر رحم کرے گا۔[۲۹۳]

"اور سود پر قرض نہ دے اور ناحق نفع نہ لے، اور بدکرداری سے دست بردار رہے، اور لوگوں کے درمیان سچا انصاف کرے اور میرے قوانین پر چلے اور میری قضاؤں کو حفظ کر کے عمل میں لائے، تو وہ یقیناً صادق ہے اور زندہ رہے گا۔[۲۹۴]

ان دینی احکام سے درج ذیل اصول بہت واضح طور پر معلوم ہوتے ہیں:

۱۔ ایک ہی نام کی کرنسی نہ سامان تجارت ہے اور نہ اس کو دوسری اشیاء کی طرح تجارت کا موضوع بنایا جاسکتا ہے، اور براہ راست زر کے ذریعہ کمانا منع ہے، البتہ اسے ایک حقیقی تجارت میں تبادلہ کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے۔

۲۔ اگر کسی استثنائی صورت میں کسی کرنسی کو اسی قسم کی کرنسی سے تبدیل کرنا ہو، یا اس کو قرض پر لینا ہو تو دونوں جانب سے ادائیگی برابر مقدار میں ہونا ضروری ہے، تاکہ زر کا استعمال اس مقصد کے لیے نہ ہو جس کے لیے وہ پیدا نہیں کیا گیا۔

لیکن جب زر کے ذریعہ زر کمانے کے رجحان کو جدید بینکاری نظام کی پشت پناہی حاصل ہوئی اور دینی تعلیمات اس کی راہ میں رکاوٹ بنیں، تو اس وقت یہ نظریہ ایجاد کیا گیا کہ تجارتی مقاصد کے لیے سود کے لین دین (انٹرسٹ) اور ذاتی استعمال کے قرضوں پر سود کے لین دین (یوژری) میں فرق ہے اور یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ دینی ممانعت صرف دوسری قسم (یوژری) کی ہے اور پہلی قسم (انٹرسٹ) کو معصوم اور بے ضرر سمجھنا چاہیے۔

۲۹۱۔ مزامیر Psalms:15:1.2.5

۲۹۲۔ تثنیہ شرع، ۱۹:۲۳ Deuteronomy:۲۳:۱۹

۲۹۳۔ امثال Proverbs:28:8

۲۹۴۔ حزقیل Ezekiel:18:8:9

toobaa-elibrary.blogspot.com

پھر جب ایک مرتبہ رکاوٹ پار کرلی گئی تو اس نے سودی قرض پر مبنی ان معاملات کا پھاٹک کھول دیا جو روز بروز بڑھتے ہی چلے گئے اور جن کا حقیقی معیشت سے بالکل کوئی تعلق نہیں تھا۔

پہلے مرحلے میں تو اس رجحان نے کاغذ کرنسی کو جنم دیا، پھر جب یہ کاغذی کرنسی بنکوں میں ڈپازٹ کرائی گئی تو اس نے ایک اور فرضی مخلوق پیدا کی جس کو فریکشنل ریزرو سسٹم (Fractional Reserve System) (فریکشنل ریزرو سسٹم وہ بینکنگ نظام ہے، جس میں بنک اپنے ڈپازٹس کا ایک مخصوص فی صدی حصہ مرکزی بنک کے پاس بطور ریزرو رکھتا ہے تاکہ مرکزی بنک غیر معمولی صورت حال میں اس ریزرو کے ذریعہ ڈپازیٹر کو ادائیگی کر سکے۔)

میں زر ہی تصور کیا جاتا ہے، اور اس فرضی کرنسی کا حجم حقیقت میں موجودہ کرنسی سے بھی تجاوز کر گیا۔

پھر اس کے بعد مالی دستاویزات (Financial Papers) کا دور آیا (یعنی سودی قرضوں کی نمائندگی کرنے والی ان دستاویزات کا جو بنکوں کے علاوہ دوسرے اداروں نے جاری کی ہوں) ان دستاویزات نے کثوتی پر فروخت کرنے کے لیے ایک مستقل مارکیٹ کو وجود بخشا۔ پھر آسان دولت حاصل کرنے کی ہوس نے ایک اور نئی ایجاد کی، یعنی:

۱۔ اختیارات (Options) ۲۔ مستقبلیات (Futures) اور

۳۔ (Swaps) قرضوں کے تبادلے وغیرہ کی شکل میں ۴۔ مشتقات (Derivatives) کو وجود دیا۔[۲۹۵]

۲۹۵۔ ۱۔ Options: مخصوص وقت اور قیمت پر کسی چیز کے خریدنے یا بیچنے کا حق جو حقیقتاً حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ حق حاصل کرنے والا خریدنے یا بیچنے کا پابند نہیں ہوتا، جب کہ دوسرا فریق اس کے مطالبہ پر مخصوص قیمت پر خریدنے یا بیچنے کا پابند ہوتا ہے۔ یہ آپشنز موجودہ مالیاتی نظام میں خود بھی ایک قابل فروخت اثاثہ تصور ہوتے ہیں اور آپشنز لینے والا مخصوص قوانین کے تحت کسی اور کو فروخت بھی کر سکتا ہے۔

۲۔ Futures: اجناس، کرنسی، شیئرز، یا مالیاتی دستاویزات وغیرہ کی مخصوص مقدار کے خریدنے یا بیچنے کا معاہدہ جس کی رو سے خریدی یا بیچی جانے والی چیز مستقبل کی مخصوص تاریخ پر ایک مخصوص قیمت کے بدلے میں سپرد کی جائے گی، فیوچرز آپشنز کی طرح مستقبل میں خریدی یا فروخت کا محض حق نہیں، بلکہ یہ باقاعدہ خرید و فروخت کے سودے ہیں، جن میں چیز اور قیمت کا لین دین مستقبل کی مقررہ تاریخ پر ہوگا۔ فیوچر حقیقی لین دین کے وجود میں آنے سے قبل ہی بطور ایک مستقل مالی اثاثہ کے خریدے، بیچے جاتے ہیں، فیوچر بسا اوقات سودے کی مقررہ تاریخ پر بجائے حقیقی لین دین کے یا تو نفع نقصان کا فرق برابر کر لیا جاتا ہے، یا ایک متوازی سودے سے پہلے سودے کو پلٹ دیا جاتا ہے۔

۳۔ Swaps: مختلف کرنسیوں میں جاری شدہ قرضوں کے آپس میں تبادلے، یا مختلف شرح سود کے تبادلے وغیرہ جیسی تبادلہ کی صورتیں۔ مثلاً ایک برطانوی کمپنی کے پاس اسٹرلنگ میں قرضہ حاصل کرنے کی سہولت ہے، جب کہ اس کو ضرورت یورو کی ہے، دوسری طرف ایک جرمن

toobaa-elibrary.blogspot.com

پھر بیسویں صدی کے آخر میں مالیاتی انجینئرنگ (Financial Engineering) کے نام سے ایک نیا حسابی علم دریافت کیا گیا، جس نے عجیب پُر پیچ طریقوں کے ذریعہ مشتقات (Derivatives) کے بے دریغ استعمال کو کہیں سے کہیں پہنچادیا۔ یہ ایسے پیچیدہ طریقے تھے جن کو بعض ماہرین فن بھی سمجھنے سے قاصر نظر آئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ طلسماتی قسم کے معاملات ہر سرحد کو پار کر گئے، اور انہوں نے بالکل مصنوعی زر کو اس ناقابل یقین حد تک پہنچادیا کہ اس کی مقدار (کسی ایک ملک کی نہیں) پوری دنیا کے تمام ملکوں کی مجموعی ملکی پیداوار (GDP) سے بھی بارہ گنا زیادہ بڑھ گئی۔

اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ ۲۰۰۸ء میں مشتقات (Derivatives) کی مجموعی مالیت سات سو اکتالیس اعشاریہ ایک کھرب امریکی ڈالر بتلائی گئی ہے، جب کہ پوری دنیا کی مجموعی ملکی پیداوار صرف ساٹھ اعشاریہ ایک کھرب ۱۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ ہے کس قدر بڑا عدد ہے جو پندرہ ہندسوں پر مشتمل ہے، ۱۹۹۶ء میں جب یہ مالیت صرف چونسٹھ کھرب تھی، رچرڈ تھومس نے یہ تبصرہ کیا تھا:

> آپ اتنے بڑے عدد کو اپنے تصور میں کیسے لا سکتے ہیں؟ آپ یہ سمجھنے کے لیے یہ تصور کرلیں کہ اس مالیت میں موجود ڈالر کے نوٹوں کو ایک دوسرے کے سروں سے لگا کر رکھا جائے، تو ایک ایسی قطار وجود میں آئے گی، جو یہاں سے سورج تک چھ مرتبہ یا چاند تک پچیس ہزار نو سو مرتبہ چکر کاٹ لے۔"

اب آپ اندازہ لگالیجیے کہ جب ۲۰۰۸ء تک یہ مالیت سات سو اکتالیس کھرب جا پہنچی ہے تو اب نوٹوں کی کتنی لمبی قطار بنے گی، اور وہ چاند یا سورج کے گرد کتنی مرتبہ چکر کاٹ لے گی؟

کمپنی بالکل اس کے برعکس صورت سے دوچار ہے، تو یہ دونوں کمپنیاں قرض لے کر ایک دوسرے سے کرنسی کا تبادلہ کرلیں گے، اور اصل قرض کی ادائیگی کے وقت کی مناسبت سے اپنے درمیان ادائیگی کا وقت طے کرلیں گے۔ یہ کرنسی Swap کی مثال ہے۔ اسی طرح ایک اور اہم قسم "شرح سود کا تبادلہ" (Interest Rate Swap) ہے، مثلاً ایک کمپنی کو متعین، شرح سود پر قرضے کی سہولت حاصل ہے۔ لیکن اسے کسی مخصوص اشاریہ سے مربوط قابل تبدیل شرح سود کے قرض کی ضرورت ہے، جب کہ دوسری طرف ایک کمپنی ہے، جس کی ضرورت، اس کے بالکل برعکس ہے، دونوں اپنے اپنے قرضوں کی شرح سود کا تبادلہ کرلیتے ہیں، دونوں کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے، جب کہ اصل قرض دہندہ کو وہی شرح سود ملتی ہے جس پر اسے قرض جاری کیا گیا تھا، ان دونوں صورتوں کے علاوہ بھی اس قسم کے تبادلوں کی بہت سی قسمیں ہیں، جو Swap کے ذیل میں آتی ہیں۔

۴) مشتقات مالیہ: Derivatives آپشنز، فیوچرز اور سواپ (Swap) جیسی صورتوں کو بالعموم بتلانے کے لیے "مشتقات مالیہ" (Derivatives) کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے، اور انفرادی طور پر یہ سب صورتیں مشتقات کی اقسام ہیں، مشتقات بذات خود کسی ایک مخصوص مالیاتی طریقہ کار کا نام نہیں ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اتنی بڑی مالیت کے سامنے نوٹوں کی شکل میں جاری ہونے والی اس کرنسی کی جو بذات خود قرضوں میں جکڑی ہوئی ہے، کوئی حقیقت ہی نہیں رہی۔ وہ دنیا کے مجموعی رسد زر کا ایک بالکل معمولی ناقابل لحاظ حصہ بن گئی ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ زر ہے، اس کا زمین پر کوئی وجود ہی نہیں، بلکہ وہ صرف کمپیوٹر میں داخل کیے ہوئے ہندسے ہیں اور کچھ بھی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ پیچیدہ مالیاتی معاملات کا پیدا کیا ہوا بلبہ ہے، جس کا حقیقی معیشت سے کوئی دور کا واسطہ نہیں ہے۔ یہ بالکل وہ صورت حال ہے جس کی پیشین گوئی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نو سو سال پہلے کر چکے تھے، جب انہوں نے اس پر اصرار کیا تھا کہ زر کو ایک سامان تجارت کے طور پر استعمال نہیں کرنا چاہیے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے زر کی تجارت کے خطرناک نتائج پر گفتگو کرتے ہوئے یہ تبصرہ فرمایا تھا:

> ربا کی ممانعت اس لیے ہے کہ یہ لوگوں کو حقیقی معاشی سرگرمیوں سے روک دیتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر زر کے مالک کو مزید زر کی بنیاد پر کمانے کی اجازت مل جائے، چاہے نقد سودوں کے ذریعہ، یا ادھار معاملات کر کے، تو اس طریقے سے اس کے لیے یہ بہت آسان ہو جائے گا کہ وہ اصل معیشت اور تجارت کے جھنجھٹ میں پڑے بغیر بس سود کے ذریعہ پیسہ پر پیسہ کماتا رہے، اور اس طریقہ کار کا بالآخر یہ نتیجہ نکلے گا کہ انسانیت کو جو فوائد درکار ہیں، وہ رک جائیں گے، کیونکہ انسانیت کے فوائد کی حفاظت حقیقی تجارتی صلاحیت، صنعت و تعمیرات کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

ایسا لگتا ہے کہ جیسے امام غزالی رحمہ اللہ یہ تبصرہ فرماتے وقت اپنی چشم تصور سے ہمارے زمانے کے معاشی حالات کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ جدید ماہرین معاشیات بھی آج کے معاشی نظام پر تقریباً اسی قسم کی تنقید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مثال کے طور پر ۱۹۳۰ء کے معاشی بحران کے دوران اسی پہلو کو ابتر حالات کی بنیادی وجہ قرار دیا گیا تھا، ساؤتھ ہمپسٹن آف کامرس" کی جانب سے قائم کردہ معاشی بحران کا جائزہ لینے والی کمپنی نے مسائل کی بنیادی وجوہات کا جائزہ لینے کے بعد یہ تبصرہ کیا تھا:

> اس بات کا مکمل اطمینان حاصل کرنے کے لیے کہ زر بطور آلہ تبادلہ تقسیم اپنا کام درست طریقہ سے انجام دے رہا ہے، یہ مناسب ہے کہ ایک مال تجارت کے طور پر اس کی خرید و فروخت کو بند کر دیا جائے۔

لیکن یہ بعد از وقت انتباہ بھی مالیاتی بازاروں کی ذہنیت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں کر سکا۔ اس طلسماتی بازار کی پر

toobaa-elibrary.blogspot.com

کشش ترغیبات اتنی دلفریب تھیں کہ ماضی سے سبق حاصل کرنے کی بجائے اس میدان کے کھلاڑی نت نئی پیچیدہ صورتیں ایجاد کر کے اس غبارے میں مزید ہوا بھرنے پر لگے رہے، یہاں تک کہ موجودہ بحران کی شکل میں یہ غبارہ آخر کار پھٹ پڑا۔

یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ زر کو سود کے ذریعہ مزید زر کمانے کی مشین کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت دی گئی اور اس کا جو اصل وظیفہ تھا کہ وہ ایک آلہ تبادلہ کے طور پر کام کرے، اس کو بالکل پسِ پشت ڈال دیا گیا۔

کوئی شخص یہاں پر ایک بہت موزوں سوال کر سکتا ہے۔ وہ یہ کہ تجارتی سود نے تو یہ کلیدی کردار ادا کیا ہے کہ لوگوں کی جو بچتیں معطل اور بیکار پڑی ہوئی تھیں، ان کو تجارت اور صنعت میں لگایا، اب اگر سود کی اجازت نہ ہو تو بڑے پیمانے پر چلنے والے تجارتی ادارے جو یقیناً معاشرہ کی خوشحالی اور ترقی کے لیے ضروری ہیں، لوگوں کی بچتوں کے استعمال کے بغیر کیسے چل جائیں گے؟

اس سوال کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ بچتوں کو سود کے بغیر بھی زیادہ بہتر طریقے پر اس طرح راغب کیا جا سکتا ہے کہ جس تجارت و صنعت نے ان کا پیسہ استعمال کیا ہے، اس کے حقیقی نفع میں سے ان کا متناسب حصہ دے کر انہیں شریک مانا جائے، موجودہ صورت حال تو یہ ہے کہ معاشرہ کی بچتوں کی بڑی عظیم مقدار کا سارا فائدہ معاشرے کا ایک بہت چھوٹا سا حصہ اکیلا اٹھا رہا ہے۔ میرے اپنے ملک ''پاکستان'' کی جون ۲۰۰۸ء کی صورت حال ملاحظہ فرمائیں:

> چوبیس اعشاریہ نو ملین (دو کروڑ انچاس لاکھ) کھاتہ داروں میں سے صرف چھبیس ہزار چھ سو ساٹھ یعنی مجموعی کھاتہ داروں کے صرف اعشاریہ ایک فی صد افراد نے ۵۹.۱ یعنی تقریباً دو کھرب کی دولت تنہا استعمال کی۔ یہ مالیت جاری کیے گئے قرضوں کا اُنہتر فی صد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بنک کے کھاتوں میں کروڑوں افراد نے جو خطیر رقم جمع کرائی تھی، اس مجموعی دولت کا اُنہتر فی صد حصہ صرف اعشاریہ ایک فی صد لوگ استعمال کر رہے ہیں، یہ لوگ اس کے بدلے سرمایہ کاری کرنے والوں کو نفع کا ایک بہت تھوڑا سا حصہ سود کی شکل میں دیتے ہیں، اور باقی ساری دولت کا سارا نفع خود ان کی اپنی خوشحالی میں اضافہ کا ذریعہ بنتا ہے، پھر اسی پر اکتفا نہیں، بلکہ یہ مالکانِ کاروبار جنہوں نے عوام کے پیسے کو استعمال کیا، اپنی مصنوعات کی قیمت اس حد تک بڑھاتے ہیں کہ بینک کے ذریعہ ڈپازیٹروں کو جو سود ادا کیا تھا، اسے اپنی مصنوعات کی لاگت کا حصہ بنا کر بڑھی ہوئی قیمت کی شکل میں واپس وصول کر لیتے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سرمایہ کاروں کی جیب میں سود کی شکل میں جو نفع گیا تھا وہ قیمت کی شکل میں واپس انہی کے پاس لوٹ آتا ہے، گویا عام ڈپازیٹر کے حصے میں کچھ بھی نہیں آتا۔

یہ بات نہ کسی عقلی معیار پر درست ہے، اور نہ انصاف پر مبنی ہے کہ لاکھوں افراد کے سرمایہ سے کمائے ہوئے نفع کا ایک بہت بڑا حصہ مٹھی بھر مالکان کاروبار کے پاس چلا جائے اور ان ڈپازیٹروں کو جن کے روپے پیسے نے در حقیقت یہ نفع کمایا ہے، سود کی ایک چھوٹی سی رقم تھمادی جائے جو اکثر و بیشتر افراط زر کی شرح کے برابر بھی نہیں ہوتی، اور وہ بھی ان سے اشیاء صرف کی بڑھی ہوئی قیمت کے ضمن میں واپس لے لی جاتی ہے، یہ ان بنیادی وجوہات میں سے ایک ہے جس نے تقسیم دولت کے نظام کو غیر منصفانہ، ناہموار اور عام لوگوں کے مفادات کے خلاف بنا رکھا ہے، سود کا یہ پہلو بہت سے جدید ماہرین معاشیات کی طرف سے بھی ہدف تنقید بنا ہے، مثال کے طور پر جیمس روبرٹس کا یہ تبصرہ ملاحظہ ہو:

> معاشی نظام میں سود کے موجود کردار نے ایک منظم طریقہ سے پیسے کے بہاؤ کو کم دولت رکھنے والوں کی طرف سے زیادہ دولت رکھنے والوں کی طرف کر دیا ہے۔ ایک مرتبہ پھر غریب سے امیر کی طرف وسائل کی منتقلی، تیسری دنیا کے قرض کے بحران سے انتہائی ناخوشگوار طریقہ سے آشکارا ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ صرف یہیں تک محدود نہیں، بلکہ پوری دنیا کی یہی صورت حال ہے۔ اس کی ایک جزوی وجہ تو یہ ہے کہ وہ لوگ جن کے پاس دوسروں کو قرض دینے کیلئے زیادہ رقم ہے، وہ ان لوگوں کے مقابلے میں زیادہ سود کماتے ہیں جن کے پاس کم رقم ہے، اور جزوی وجہ یہ ہے کہ سود کی ادائیگی کا خرچہ تمام اشیاء خدمات کی قیمت کا ایک قابل ذکر حصہ بن جاتا ہے، نیز جن چیزوں کے لیے فائنانسنگ مہیا کی جاتی ہے، ان میں ضروری اشیاء و خدمات کا ایک بہت بڑا حصہ نظر آتا ہے، جب ہم اس زاویہ سے نظام زر کو دیکھتے ہیں، اور یہ سوچتے ہیں کہ اسے کس طرح از سر نو ترتیب دیا جائے کہ یہ ایک فعال اور بیرونی اثرات سے محفوظ معیت کے حصہ کے طور پر اپنا کام درست اور موثر طریقہ سے انجام دے سکے، تو اکیسویں صدی کے لیے سود سے اور افراط زر سے پاک نظام زر کے حق میں دیے جانے والے دلائل بہت مضبوط نظر آنے لگتے ہیں۔

صرف یہی نہیں کہ بعض ماہرین معاشیات کی طرف سے سود اور اس پر مبنی مالیاتی نظام پر تنقید ہی ہوئی ہو، بلکہ ان میں سے کچھ نے مختلف ایسے متبادل بھی تجویز کیے ہیں، جن کے تجربات چھوٹے پیمانے پر ہو چکے ہیں، اور یہ کوشش بھی ہوئی ہے کہ ان کو ملکی سطح پر نافذ کیا جائے، لیکن بالآخر بینکوں کی جانب سے ان

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی مخالفت ہوئی۔ ان تجربات کی کہانی مارگریٹ کینیڈی نے اپنی کتاب Interest and inflation free money (سود اور افراط زر سے پاک زر) میں تفصیل سے بیان کی ہے۔ ۱۹۳۲ء، ۱۹۳۳ء کے درمیان آسٹریلیا کے ایک چھوٹے شہر میں غیر سودی تجربے کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتی ہیں:

جب آسٹریلیا میں تین سو سے زیادہ برادریاں اس نمونے کو اختیار کرنے میں دلچسپی لینے لگیں تو آسٹریلین نیشنل بینک نے اپنی اجارہ داری کے لیے خطرہ محسوس کیا اور اس نے ٹاؤن کونسل کے خلاف مداخلت شروع کردی۔

اس کے بعد انہوں نے ذکر کیا کہ ۱۹۳۳ء میں امریکا کے کسی حصہ میں بعض ماہرین معاشیات کی طرف سے بھی ایک متبادل نظام تجویز کیا گیا تھا اور اسے سود کی جگہ نافذ کرنے کی کوشش کی گئی تھی، پھر انہوں نے بتایا کہ کس طرح بااختیار اداروں کی جانب سے اسے مسترد کردیا گیا تھا۔

ان متبادل صورتوں کے اچھے بُرے ہونے کی تفصیل میں جائے بغیر ان سے جس حقیقت کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے، وہ یہ ہے کہ سود اور اس کے ذریعہ وجود میں آنے والے زر سے جان چھڑانے کی متعدد کوششیں ہوچکی ہیں، لیکن جن لوگوں کے ہاتھ میں زمام کار تھی، بظاہر ان کی طرف سے ان کوششوں پر مثبت انداز میں توجہ نہیں دی گئی۔

لوگوں کی بچتوں کو منصفانہ طریقہ سے استعمال کرنے کا طریقہ درحقیقت یہی ہے کہ جو نفع ان کی بچتوں کے ذریعہ کمایا گیا ہے، اس میں ان کو مناسب حصہ دے کر تجارتی اداروں میں ان کی باقاعدہ شرکت تسلیم کی جائے۔ یقینی بات یہ ہے کہ یہ اس صورت میں اگر کسی تجارت کو نقصان کا سامنا ہوگا، تو وہ نقصان میں بھی حصہ دار ہوں گے، اور یہ پہلو شاید ڈپازیٹروں کو راغب کرنے میں کچھ عملی دشواریوں کا بھی باعث ہو، لیکن نقصان کے امکانات کو تجارتی تنوع، پھیلاؤ اور مضبوط انتظامی معیار کے ذریعہ کم سے کم کیا جاسکتا ہے۔

اگر کوئی ادارہ الگ تھلگ ہو کر اس حکمت عملی کو اختیار کرلے جب کہ دوسرے سارے ادارے متعین شرح سود کی بنیاد پر کام کر رہے ہوں، تو یہ صورت حال بلاشبہ اس الگ تھلگ ادارہ کے لیے شرکت کی بنیاد پر سرمایہ کاری میں شدید رکاوٹیں پیدا کرے گی، اس لیے کہ خوب نفع بناتے ہوئے تجارتی ادارے جنہیں کم شرح سود پر سرمایہ حاصل کرنے کا موقع حاصل ہوگا، کبھی اس پر راضی نہیں ہوں گے کہ سرمایہ فراہم کرنے والوں کے حق میں نفع کے کچھ حصہ سے دست بردار ہوجائیں، دوسری طرف جن تجارتی اداروں میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

نفع کے امکانات کم ہوں گے، وہ نفع ونقصان میں شرکت کی بنیاد پر سرمایہ وصول کرنے کے لیے دوڑ پڑیں گے، لیکن اگر سرمایہ کاری کا سارا نظام ہی شرکت کے تصور پر قائم ہو، اور سود کی بنیاد پر قرض حاصل کرنے کی کوئی صورت نہ ہو تو صنعت کاروں کے سامنے بھی اس کے سوا کوئی راستہ نہیں رہے گا کہ وہ کاروبار میں سرمایہ کاری کرنے والوں کو برابری کی بنیاد پر اپنے کاروبار میں شرکت کا موقع فراہم کریں۔ یہ طریقہ ایک طرف تو وسیع اور منصفانہ تقسیم دولت کی طرف لے کر جائے گا اور دوسری طرف زوال پذیر حالات میں مالیاتی اداروں پر سے مالی ادائیگیوں کے بوجھ کو بھی کم کرے گا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ موجودہ مالیاتی نظام جو مکمل طور سے قرضوں پر مبنی ہے اس کی بجائے ایک ایسا نظام لانا ہوگا جس میں سرمایہ کاری بنیادی طور پر شرکت پر مبنی ہوگی، اس میں کوئی شک نہیں کہ تبدیلی کے اس عمل میں ایسی بہت سی مشکلات درپیش ہوں گی جن کے حل کے لیے محنت کرنی پڑے گی، لیکن اگر ایک مرتبہ یہ نظریہ اصلاح کے لیے بنیادی ضرورت کے طور پر تسلیم کر لیا جاتا ہے، تو وہ ذہنی صلاحیتیں جنہوں نے "فائنانشل انجینیرنگ" جیسا انتہائی پیچیدہ اور دشوار علم ایجاد کیا ہے، ان مشکلات کو حل کرنے میں ہرگز ناکام نہیں رہ سکتیں۔

شرکت پر مبنی اس مجوزہ نظام کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قرض اور ادھار کے سودوں کا کوئی کردار ہی نہیں رہے گا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرض اور دین (Debt) موجودہ صورت حال کی طرح ہماری معیشت کا بنیادی ماخذ نہیں رہے گا، لیکن اس کے باوجود گھریلو استعمال کی اشیاء اور وسائل آمد و رفت وغیرہ جیسی صرفی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ان کی ضرورت برقرار رہے گی، اسی طرح چھوٹے پیمانے پر تجارتی ضرورتوں کے لیے بھی برقرار رہے گی، لیکن ان سارے قرضوں (Debts) کی پشت پر حقیقی اثاثے ہوں گے، چنانچہ قرض میں ڈوبے ہوئے ایسے زر کے پھیلاؤ کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی، جس کا حقیقی اثاثوں، یا پشت پر موجود اجناس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، آسان الفاظ میں یوں سمجھیے کہ اس مجوزہ نظام میں سودی قرضوں کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی، کریڈٹ یا تو ادھار قیمت پر اشیاء کی فروخت کے ذریعہ وجود میں آئے گا، یا کرائے کے بدلے منفعتیں دینے کے معاملات کے ذریعہ وجود میں آئے گا، اس طریقے زر اور حقیقی معیشت کے درمیان پائے جانے والے اس خطرناک عدم توازن کو ختم کیا جا سکے گا، جس نے پوری معیشت کو ایک ایسے بلبلے میں بدل کر رکھ دیا ہے جو وقتاً فوقتاً پھٹتا رہتا ہے، اور اس کی وجہ سے جس بڑے پیمانے پر تباہ کن اثرات پیدا ہوتے ہیں، وہ کسی بم دھماکے سے کم نہیں ہوتے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴۔ سٹہ (Speculation)

جس چوتھے نکتہ کو میں یہاں واضح کرنا چاہتا ہوں، وہ سٹہ بازی (Speculation) سے متعلق ہے، اس کے بارے میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ بعض لوگوں کے مطابق یہ ایک اچھے کام کا برا نام ہے اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ نہیں، یہ برے کام کا اچھا نام ہے، جب کوئی جھٹکا بازار کو ہلا کر رکھ دیتا ہے تو اکثر سارا الزام اسی سٹہ بازی کے سر رکھا جاتا ہے، اور اس کے بُرے اثرات کے بارے میں چیخ و پکار مچ جاتی ہے، سٹہ بازوں کو برا بھلا کہا جاتا ہے، اور انہیں ہموار معاشی بہاؤ کو متاثر کرنے کا الزام دیا جاتا ہے، لیکن ان سب کے باوجود سٹہ پر مبنی مالی معاملات اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری و ساری رہتے ہیں، گویا وہ بالکل ناگزیر ضرورت ہے، اور ان سے بچنا ممکن ہی نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک یہی طے نہیں ہوسکا آیا سٹہ بذات خود برا ہے یا کوئی اور چیز ہے جو اسے برا بنادیتی ہے۔ آئیے ذرا اس پر غور کریں۔

آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق (Speculation) کا لغوی مفہوم ہے:

جو کچھ ہو چکا ہے، یا ہو سکتا ہے، اس کے بارے میں تمام حقائق جانے بغیر رائے قائم کرنے کا عمل۔

معاشی اصطلاح کے مطابق اس کی تعریف ہے:

بازاری قیمت میں تبدیلیوں سے نفع حاصل کرنے کی کوشش، جس کے نتیجے میں سرمائے میں متوقع اضافہ کی خاطر موجودہ آمدنی کو چھوڑ دیا جائے۔

مستقبل میں کیا ہونے والا ہے؟ ظاہر سی بات ہے کہ کوئی شخص بھی اس کے بارے میں سو فی صد درست معلومات رکھنے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی کچھ کرسکتا ہے تو یہ یہی ہے کہ بہتر سے بہتر طریقے استعمال کر کے اس کے متعلق (Speculation) کا عنصر ضرور ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کا ظن و تخمین برا نہیں ہوتا، لیکن جب اندازہ لگانے کے اس عمل (Speculation) کو کسی قید اور پابندی کے بغیر کام کرنے دیا جائے، تو اس کے بداثرات جوئے خانے میں ہونے والی قمار بازی سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں، اور پھر یہ مطالبہ اُبھرتا ہے کہ قوموں کی دولت کا دارومدار اس پر ہے کہ اس جنگلی درندے کو کیسے پنجرے میں لایا جائے؟

لہٰذا سوال یہ ہے کہ بے ضرر کاروباری اندازوں اور اس سٹے کے درمیان کیسے کوئی حد کھینچی جائے جو جوا کھیلنے کے مترادف ہوتا ہے؟ اگر ظن و تخمین کا استعمال حقیقی تجارتی سود کی حد تک محدود رہے تو یہ کبھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

معاشرے کے لیے کوئی مشکل کھڑی نہ کرے، آدم اسمتھ نے جہاں سٹہ (Speculation) کے بارے میں گفتگو کی ہے، وہاں اس نے وہ سٹہ مراد لیا ہے جو حقیقی تجارتی سرگرمیوں میں کیا جائے، اس نے سٹہ کرنے والے (Speculation) کا ایک ایسے تاجر کی حیثیت سے تعارف کروایا ہے جو کسی پہلے سے طے شدہ یا ایک متعین تجارت کو اختیار نہیں کرتا، مثلاً اس سال وہ اناج کا تاجر ہے، تو اگلے سال چائے کا۔ وہ ہر ایسی تجارت میں داخل ہو جاتا ہے جہاں اسے عام تجارتوں سے زیادہ نفع ہوتا نظر آئے، اور جب وہ دیکھتا ہے کہ اس تجارت کا نفع باقی تجارتوں کے نفع کی سطح پر آ رہا ہے، تو اسے ترک کر دیتا ہے، اس طرح سٹہ کرنے والا تاجر معاشی نظام کے لیے کوئی خطرہ پیدا نہیں کرتا۔ اسلام نے بھی اس قسم کے کاروبار پر کوئی پابندی نہیں لگائی، جب تک وہ ناجائز ذخیرہ اندوزی کی حد تک نہ پہنچے، جسے اسلامی فقہ میں احتکار کہا گیا ہے بشرطیکہ اس سے تجارت کے کسی اور حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آئے، ایسا تاجر اگر کوئی غلط فیصلہ کر بیٹھے تو زیادہ سے زیادہ اپنے آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ برخلاف موجودہ دور کے مالیاتی سٹہ کے جس کی سرگرمیاں پورے نظام ہی کو خطرہ میں ڈال دیتی ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سٹہ کرنے والے کسی حقیقی تجارتی سودے میں داخل نہیں ہوتے، بلکہ ان کے اکثر معاملات حقیقی تجارت ہی نہیں کہلا سکتے۔ اس لیے یہاں ہمیں اس کا جائزہ لے لینا مناسب ہے کہ تجارت کا حقیقی مفہوم ہے کیا؟

۵۔ تجارت کے ضروری اجزائے ترکیبی

ایک عام آدمی بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ تجارت ایک ایسی سرگرمی کو کہتے ہیں جس میں ایک شخص کسی چیز کی ملکیت کوئی قیمت لے کر دوسرے کو منتقل کرتا ہے، یہ تصور بذاتِ خود اس مفروضے پر مبنی ہے کہ جب کوئی تجارتی معاملہ انجام دیا جاتا ہے تو ملکیت منتقل کرنے والا شخص پہلے سے اس چیز کا مالک ہوتا ہے جس کی ملکیت وہ دوسرے کی طرف منتقل کر رہا ہے، اس بات کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کوئی شخص جب تک کسی چیز کا مالک نہ بن جائے، اسے فروخت نہیں کر سکتا، یہ نہ صرف درست بیع کی ایک عقلی ضرورت ہے، بلکہ اسلامی قانون کی رو سے ایک دینی حکم بھی ہے اور اس کی بنیاد نبی کریم ﷺ کے اس فرمان پر ہے:

لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ

جو چیز تمہارے پاس نہیں ہے، اس کو مت بیچو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

پھر صرف ملکیت حاصل کرنا ہی شرط نہیں، بلکہ نبی کریم ﷺ نے یہ ہدایت بھی دی ہے کہ کوئی چیز اس وقت تک نہ بیچو جب تک وہ تمہارے قبضے میں نہ آجائے، اسی کے متعلق نبی کریم ﷺ نے ایک اور وسیع اصول مقرر فرمایا کہ کسی کے لیے ایسی کوئی چیز فروخت کر کے نفع کمانا جائز نہیں ہے، جس کی ذمہ داری اس نے نہ اٹھائی ہو اور اس چیز سے وابستہ خطرات اس کی طرف منتقل نہ ہو گئے ہوں، چونکہ جب تک خریدار خریدی ہوئی چیز کو حقیقی یا معنوی طور پر اپنے قبضے میں نہیں لے گا، اس وقت تک اس چیز سے وابستہ خطرات اس کی طرف منتقل نہیں ہوں گے، اس لیے اس کو اجازت نہیں ہے کہ وہ یہ چیز حقیقی یا معنوی قبضہ کے بغیر کسی تیسرے کو فروخت کرے۔ معنوی قبضہ کی مثلاً یہ صورت ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے کسی وکیل کے ذریعہ قبضہ میں لے، یا اس چیز سے متعلق ایسے کاغذات اپنی تحویل میں لے لے جو اسے خریدی ہوئی چیز پر پورا کنٹرول دیتے ہوں۔

۵۔ شارٹ سیل (بغیر ملکیت حاصل کیے فروخت کرنا)

لیکن آج کے دور میں سٹہ بازی کی بنیاد پر ہونے والی خرید و فروخت اکثر و بیشتر بغیر ملکیت حاصل کیے ہوئے انجام پا رہی ہیں۔ سٹہ کے بازار میں Short sale (بغیر ملکیت حاصل کیے فروخت کرنا) اور Blank Sale (بغیر ملکیت حاصل کیے اور بروقت چیز کو حاصل کرنے کا کوئی پیشگی انتظام کیے بغیر فروخت کرنا) ہی غالب ہیں۔ اور یہ ان وجوہات میں سے ایک ہے جن کی وجہ سے یہ معاملات حقیقی تجارت کے زمرہ میں نہیں آتے۔

تجارت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ حقیقی خریدار واقعی یہ چاہتا ہے کہ وہ خریدی ہوئی چیز کا قبضہ لے، یا تو خود اپنے استعمال کے لیے، یا اسے آگے کسی کو فروخت کرنے کے لیے۔ لیکن سٹہ باز عام طور پر چیز کا قبضہ لینے کی نیت سے نہیں خریدتے۔ ان کی ساری دلچسپی قیمت کے اتار چڑھاؤ میں ہوتی ہے اور پے در پے چند سودے کرنے کے بعد ان کا کام صرف فرق ادا کرنا یا وصول کرنا ہوتا ہے۔ اسی کی وجہ سے سارا نظام بجائے تجارتی کاروبار کے "جوا" بن کر رہ جاتا ہے۔

سر ارنیسٹ کیسل جو ایک بینکار ہیں، ان کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایڈورڈ ہفتم سے کہا تھا:

> میں جب جوان تھا تو لوگ مجھے جوئے باز کہا کرتے تھے، اور جب میرے کاموں کا دائرہ وسیع ہوا تو میں سٹہ باز Speculator کے نام سے مشہور ہو گیا، اور اب میں ایک بینکار کہلاتا ہوں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں تمام وقت ایک ہی کام کرتا چلا آرہا ہوں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ ہے سٹہ کا وہ پہلو جس کی وجہ سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تجارت اور "جوا" دو مختلف چیزیں ہیں، جن کے مقاصد بھی مختلف ہیں، جب تجارت اور جوئے یا جوئے سے مشابہ صورت کو گڈمڈ کر دیا جائے گا تو یہ سارا نظام ایک ملغوبہ بن کر رہ جائے گا، جو کبھی بھی ہموار طریقے سے کام نہیں کر سکے گا۔ اگر سٹے کو ملکیت کے بغیر ہونے والی فروخت اور ان کھوکھلے اور مصنوعی سودوں سے الگ کر لیا جائے جن کا نتیجہ سوائے قیمت کا فرق برابر کرنے کے اور کچھ نہیں ہوتا تو وہ کبھی بحرانی کیفیت پیدا نہیں کرے گا۔

۶۔ دیون (Debts) کی فروخت

چونکہ حقیقی بیع کا مقصد یہ ہے کہ فرخت شدہ چیز کی ملکیت خریدار کی طرف منتقل کر دی جائے، اس لیے یہ بھی بالکل سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ خود فروخت کرنے والے کا اس چیز پر مکمل قبضہ اور اختیار ہو، تاکہ وہ اس کو خریدار کے سپرد کرنے پر پوری طرح قادر ہو، اگر اس بات میں شک ہو کہ فرخت کرنے والا جو چیز بیچ رہا ہے، آیا وہ خریدار کو بھی سپرد کر سکے گا یا نہیں، تو یہ بھی ایک طرح سے خریدار کو دھوکا دینا ہوا۔

مثال کے طور پر اگر "الف" ایک موبائل فون کا مالک ہے، لیکن فون کہیں کھو گیا ہے، تو باوجود اس کے کہ اس کو پوری امید ہو کہ فون مل جائے گا، وہ اسے "ب" کو فروخت نہیں کر سکتا۔ اس طرح کی بیع تو صرف اسی صورت میں درست ہو سکتی ہے کہ بیچنے والا یہ شرط قبول کرے کہ ایک وقت مقررہ کے اندر اندر فون نہ ملا تو "ب" کو اس سے قیمت واپس لینے کا حق حاصل ہو گا۔ اب اگر "الف" نے کچھ رقم اپنے قرض داروں کو دے رکھی ہے، جو ان کے ذمہ واجب الادا ہے تو اس پر بھی بالکل یہی اصول لاگو ہونا چاہیے۔ اس لیے یہ بات بالکل سو فیصد یقینی نہیں ہے کہ قرض دار ضرور اپنے ذمہ واجب رقم "الف" کو ادا کر دیں گے، کیونکہ اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ وہ قرض ادا نہ کریں، چنانچہ "الف" کو اس بات کی اجازت نہیں ہونی چاہیے کہ وہ یہ قابل وصول قرضے "ب" کو فروخت کر سکے۔ اس لیے کہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ "الف" (فروخت کرنے والا) قرض داروں کے نادہندہ ہونے کے خطرہ کو "ب" (خریدار) کی طرف منتقل کر رہا ہے، اگر قرض دار ادائیگی نہیں کرتے تو "ب" (خریدار) اپنے ان پیسوں سے ہاتھ دھو بیٹھے گا جو اس نے "الف" (فروخت کرنے والے) کو ادا کیے ہیں۔ یہ قانون اسلامی کی رو سے قرض اور دین کے فروخت کے منع ہونے کی ایک وجہ ہے۔

قرضوں کی فروخت ممنوع ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ قرض اور دین کی فروخت اس طرح ہوتی ہے کہ خریدار اسے قابل وصول رقم میں کٹوتی کر کے خریدتا ہے، جس کی وجہ سے ان معاملات میں سود کا عنصر داخل

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہو جاتا ہے، جس کی حرمت پر ہم پہلے گفتگو کر چکے ہیں۔

اگر کوئی یہ سوال اٹھائے کہ قرض و دین کا خریدار اگر خود ہی قرض داروں کی نادہندگی کے خطرے کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہے، اور اسی وجہ سے وہ کٹوتی کا فائدہ بھی حاصل کر رہا ہے، اس لیے یہ تو ایک باہمی رضامندی کا سودا ہوا، اس کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ باہمی رضامندی ہمیشہ معاہدے کے درست ہونے کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر رشوت ہی کو لے لیجیے، اکثر و بیشتر صورتوں میں رشوت باہمی رضامندی ہی سے لی دی جاتی ہے، لیکن پھر بھی محض باہمی رضامندی کی بنیاد پر اس کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

اسلامی قانون نے اس اصول کو پوری قوت کے ساتھ نافذ کیا ہے۔ اول تو اسلامی قانون ہر معاملہ میں دونوں فریقوں کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے اور کسی ایسے معاملے کی اجازت نہیں دیتا جس میں کسی بھی فریق کے ساتھ ناانصافی کا کوئی عنصر پایا جاتا ہو، چاہے وہ فریق خود اس ناانصافی پر راضی ہی کیوں نہ ہو گیا ہو۔ دوسرے اگر کوئی معاہدہ معاشرے کے لیے عمومی نقصان کا باعث بن رہا ہو تو بھی باہمی رضامندی کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی، جیسے کہ رشوت یا سود کے معاملہ میں یہی صورت حال پائی جاتی ہے۔

موجودہ بحران میں ہم نے دیکھا کہ جن اسباب نے مشکلات پیدا کیں ان میں ثانوی درجے کے قرضوں (Sub-prime Loans) کی فروختگی ایک اہم وجہ تھی جو معاشرے کے لیے تباہ کن اثرات لے کر آئی۔ چنانچہ اس قسم کے مالی معاملات کو محض باہمی رضامندی کی بنیاد پر سند جواز نہیں دی جا سکتی۔

۷۔ شفافیت

ہموار تجارت کی ایک بنیادی ضرورت شفافیت ہے، تمام ہی معقول قانونی نظاموں نے اس پر زور دیا ہے، لیکن اسلامی شریعت کا اس نکتہ پر بہت خاص زور ہے۔ کسی معاملہ کے فریقین کو اچھے طریقے سے یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ وہ کیا کرنے جا رہے ہیں؟ خریدار کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کیا خرید رہا ہے؟ فروخت کرنے والے کے علم میں ہونا چاہیے کہ اسے کیا قیمت ملنے والی ہے؟ اور وہ کب اس کا مطالبہ کرنے کے قابل ہو گا؟ اگر کوئی چیز ایک پیکٹ میں بند ہو اور اس کے بارے میں پوری معلومات حاصل نہ ہوں کہ وہ کیا ہے؟ اس کی مقدار کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ تو اس کی فروخت درست نہیں ہے، اگرچہ خریدار اس کو خرید کر قسمت آزمائی کے لیے تیار ہو۔ وہ سودے جن میں ضروری معلومات مہیا نہ ہوں، شریعت کے قانون میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

"غرر" کہلاتے ہیں، جس کی نبی کریم ﷺ نے بہت کھلے الفاظ میں ممانعت فرمائی ہے۔ یہ اصول کہ "مشتری ہوشیار باش!" (یعنی خریدار خود ہوشیار ہو کر کوئی چیز خریدے، ورنہ بعد میں وہ خود ذمہ دار ہوگا) شرعی قانون کی رو سے اس قدر عام نہیں ہے، جتنا بعض دوسرے قانونی نظاموں میں ہے، اگر کوئی سامان عیب دار ہے تو یہ فروخت کرنے والے کی ذمہ داری ہے کہ خریدار کو اس سے آگاہ کرے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

جو کوئی بھی عیب دار سامان بغیر آگاہ کیے فروخت کرے گا تو وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے غضب کا شکار ہوگا۔

آج مالیاتی بازاروں میں ہونے والے بعض معاملات شفافیت کے معیار پر پورے اس لیے بھی نہیں اترتے کہ وہ اس قدر پیچیدہ اور مغلق ہوتے ہیں کہ وہ لوگ جو ان معاملات میں کسی طرح حصہ دار ہوتے ہیں، ان کو سمجھ نہیں پاتے۔ بعض معاملات تو ایسے ہیں کہ عام آدمی کا تو ذکر ہی کیا؟ اچھے خاصے فنی ماہرین کی سمجھ سے بھی باہر ہوتے ہیں۔ بعض مالی مصنوعات کی محیر العقول پیچیدگی کا تو یہ عالم ہے کہ ہمارے زمانے کے ایک معروف ماہر معاشیات اور بذات خود مالیاتی میدان میں متحرک شخصیت جورج سوروس جیسے لوگ بھی یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ وہ ان کے طریقہ کار کو پورے طور پر سمجھنے سے قاصر ہیں، رچرڈ تھومسن نے مالی مشتقات (Derivatives) سے متعلق اپنی کتاب میں لکھا ہے:

> ۱۹۹۲ء میں بینک آف انگلینڈ کو مات دینے والے شخص کی شہرت رکھنے والے جورج سوروس نے اپریل ۱۹۹۴ء میں مورگیج سیکورٹی بحران کی گرد بیٹھنے کے بعد پارلیمانی بینکنگ کمیٹی کے سامنے اپنے حلفیہ بیان میں پیچیدہ "مشتقات" کی مشکل کا خلاصہ اپنے ان الفاظ میں پیش کیا:
>
> پیچیدہ مشتقات کی بہتات ہے اور بعض تو اس قدر پراسرار ہیں کہ ان سے متعلق خطرات کو صحیح طور پر سمجھنا بہت حساس قسم کے سرمایہ کاروں کے لیے بھی مشکل ہے، اور میں خود بھی ایسے ہی سرمایہ کاروں میں تصور کیا جاتا ہوں۔ بعض تو خاص طور پر اس انداز سے تشکیل دیے گئے ہیں کہ ان کے ذریعہ اداراتی سطح پر سرمایہ کاری کرنے والوں کے لیے جوا کھیلنے کا راستہ نکلے جس کی ان کو کھلے عام اجازت نہیں ہے۔
>
> آگے چل کر یہی مصنف تحریر کرتے ہیں:
>
> اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں اکثر سرمایہ کاروں نے لالچ کے زیر اثر احمقانہ طور پر خطرات مول لیے، وہیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نت نئے مالیاتی معاملات کی بازار میں بھرمار کی وجہ سے وہ اکثر و بیشتر ان خطرات کو سمجھ ہی نہیں پائے... بہت سے سرمایہ کاروں کو تو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اور بینک دو الگ الگ زبانیں بول رہے ہیں، اور ایک دوسرے کی بات سمجھ نہیں پا رہے۔ بعض اداروں نے بینک

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور اس کے گاہکوں کے درمیان فاصلے بڑھانے میں اس بینکر ٹرسٹ سے بھی بڑھ کر کردار ادا کیا جہاں پیچیدہ مشتقات کی ایجاد کو فون کی ایک قسم کا درجہ حاصل ہو گیا تھا، اور "مشتری ہوشیار باش" کے فقرے کو بالکل ہی ایک نیا رخ دے دیا گیا۔

یہ ہے ان مالی معاملات میں شفافیت کا حال جو ہر روز خلا ہی خلا میں انجام دیے جا رہے ہیں۔

گزشتہ دہائی میں بازار جس طریقے سے کام کر رہا تھا، وہ اس قدر پریشان کن اور خوفناک تھا کہ مالیاتی امور اور معاشیات کے ماہرین کے مختلف طبقات کی طرف سے ایک کے بعد ایک کتاب لکھی جا رہی تھی، جس میں متنبہ کیا جا رہا تھا کہ بازار کسی بھی وقت مکمل تباہی کا شکار ہو سکتا ہے۔ بلکہ بازار کی اس صورت حال میں یہ بھانپنے کے لیے ایک بحران دروازوں پر دستک دے رہا ہے، معاشیات میں کسی خاص مہارت کی بھی ضرورت نہیں تھی، حتیٰ کہ مجھ جیسے عام شخص نے بھی سپریم کورٹ میں ایک فیصلہ دیتے ہوئے یہ تبصرہ کیا تھا کہ:

> پوری دنیا کی معیشت نے ایک غبارہ کی شکل اختیار کر لی ہے، جس میں روز بروز ایسے نئے قرضوں اور مالی معاملات کے ذریعہ ہوا بھری جا رہی ہے جن کا حقیقی معیشت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ غبارہ بازار کے کسی جھٹکے کو سہنے کی سکت نہیں رکھتا، اور کسی بھی وقت پھٹ سکتا ہے۔

لیکن اس وقت مصنوعی ترقی کی رفتار اتنی چھلانگیں لگا رہی تھی، اور پیسہ سے پیسہ پیدا کرنے کا محرک اتنا حریص تھا کہ میدان میں سرگرم عمل لوگ کسی خطرے کی گھنٹی کو سننے کے لیے تیار نہیں تھے، چہ جائیکہ کسی بامعنی تبدیلی کے بارے میں سوچ سکتے۔ دس سال بعد غبارہ واقعی پھٹ گیا، جس نے مالیاتی آلات (Financial Instruments) کی بلند و بالا عمارت کو بھی زمین بوس کر کے دنیا کی پینتالیس فی صد دولت کا صفایا کر ڈالا، اور یہ سب کچھ صرف ڈیڑھ سال کے قلیل عرصے میں رونما ہوا۔ اب پوری دنیا ایک ایسے خوفناک بحران میں گھری ہوئی ہے جس کا کوئی اختتام نظر نہیں آ رہا۔

۸۔ موجودہ بحران کیسے اُبھرا؟

آئیے اب ایک سرسری جائزہ لیں کہ یہ موجودہ معاشی بحران کیسے رونما ہوا تاکہ گزشتہ اصولوں کی روشنی میں اس کے بنیادی عوامل کا تعین کیا جا سکے۔

۲۰۰۷ء تک امریکا میں گھریلو صارفین کو دیے جانے والے قرضوں کا عروج تھا، مالیاتی ادارے

toobaa-elibrary.blogspot.com

بہت ہی پرکشش شرح سود پر گھروں کے لیے قرضے دینے پر ایک دوسرے سے مسابقت کر رہے تھے، اور اس مسابقت کے ماحول میں بسا اوقات یہ ہو رہا تھا کہ گاہکوں کی مالی حیثیت جانچنے کے لیے جو ضروری شرائط عائد ہوتی ہیں، ان میں بھی تخفیف کر دی جاتی تھی، یا ان سے صرف نظر کر لیا جاتا تھا، اس طرح غیر معیاری قرضے (Sub-Prime Loans) وجود میں آئے۔

ان قرضوں میں لگے سرمائے کو جلد حاصل کرنے کے لیے (تاکہ مزید قرضے دیے جاسکیں) مالیاتی اداروں نے اپنے یہ قرضے فیکٹرنگ ایجنسیز (مختلف قسم کے قرضوں کو خریدنے والے اداروں) کو فروخت کر دیے ہیں، ان ایجنسیوں نے عوام سے روپیہ حاصل کرنے کے لیے ان قرضوں کی مالی دستاویزات بنا دیں جو عوام کو بیچی گئیں (یعنی ان ایجنسیوں نے ان قرضوں کو چھوٹی چھوٹی رقموں میں تقسیم کر کے انہیں عوام کو بیچ دیا، جس کے بدلے انہیں وہ مالی دستاویزات حاصل ہو گئیں جس کے ذریعہ جب اصل مقروض لوگ ادائیگی کریں تو ان کو بھی ان میں سے حصہ مل جائے) خطرے والے قرضوں کو یکجا کر کے ایک مالیاتی پیکیج بنانے کے لیے باقاعدہ ایک حسابی تکنیک ایجاد ہو گئی جس کو (Collateralized Debt obligations) یعنی "مضمون قرضوں کی ذمہ داریاں" یا CDOs کہا جاتا ہے، اور دعویٰ یہ کیا گیا کہ ایک حیرت انگیز حسابی عمل کے ذریعہ اس طریقے سے قرضوں کو یکجا کرنا بڑی حد تک نقصان کے خطرات کو ختم کر دیتا ہے، کمپنیوں کی درجہ بندی کرنے والے اداروں کو بھی اس طلسماتی فارمولے کے درست ہونے کا یقین دلایا گیا، اور ان سے ان کی عام فیس کا تین گنا زیادہ دے کر AAA کی درجہ بندی حاصل کر لی گئی، پھر ان مالیاتی دستاویزات (Securitization) میں تبدیل شدہ قرضوں کے مزید حصے بنائے گئے۔ اور انہیں ملک سے باہر پوری دنیا میں فروخت کر دیا گیا۔ جب یہ طلسماتی فارمولا ہاتھ لگا تو وال اسٹریٹ نے صرف Sub-prime Loans (گھریلو صارفین کو جاری کیے گئے غیر معیاری قرضوں) پر بس نہیں کی، بلکہ کمتر درجہ بندی والے تجارتی اداروں کے قرضے، اور نئی ابھرنے والی معیشتوں کے قرضے یکجا کر کے مزید انواع و اقسام کے CDOs بنائے، پھر جب CDOs بنانے کے لیے مزید قرض کے معاملات ناکافی ہو گئے (یعنی جتنے قرضے جاری کیے گئے تھے، وہ سب تو CDOs میں شامل ہو گئے، لیکن چونکہ CDOs کی مارکیٹ بڑی نفع بخش ثابت ہو رہی تھی، اس لیے یہ ہوس ابھی باقی تھی کہ اس قسم کی مزید دستاویزات بنا کر ان سے فوری نفع حاصل کیا جائے) تو کریڈٹ ڈیفالٹ سواپ (SDS) (Credit Default Swap) کی شکل میں نئے مشتقات

toobaa-elibrary.blogspot.com

(Derivatives) منظر پر آگئے۔(جس کا مطلب یہ تھا کہ جن لوگوں کو اپنے مقروضوں سے نادہندگی کا خطرہ ہو، وہ اپنے قرضے کا تبادلہ کسی ایسے قرضے سے کرلیں کہ جس میں جلد وصولیابی کی امید ہو ۲۰۰۸ء میں کریڈٹ ڈیفالٹ سواپ مارکیٹ ۶۰ کھرب امریکی ڈالر تک پہنچ چکی تھی، جب کہ اس وقت پوری دنیا کی مجموعی علاقائی پیداوار بھی ۶۰ کھرب ڈالر تھی، اسی وقت مشتقات کی مجموعی مارکیٹ (آپشنز، فیوچرز، سواپ وغیرہ کو ملاکر) جو کہ ۹۰ کی دہائی میں ۵۵ کھرب ڈالر ایک قابل تصور مالیت تک تھی، بڑھ کر چھ سو کھرب کی ناقابل تصور مالیت تک جا پہنچی تھی، چونکہ یہ مشتقات کسی قانون کے تحت منظم نہیں تھے، اس لیے ان کی دستاویزات کے حاملین کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان دستاویزات کے پیچھے کس کے پاس کون سا اثاثہ ہے؟

دوسری طرف جب ان حالات میں مکانات کی قیمتیں گریں، مکانات کے لیے قرضہ لینے والے نادہندہ ہونے لگے، اور نادہندگی میں ضبط کیے ہوئے مکانات کی قیمتیں قرض کی ادائیگی کے لیے ناکافی ہوگئیں، تو اس وقت لوگوں کو اس کا احساس ہوا کہ قرض کی بنیاد پر کھڑے مالیاتی اثاثے ان کے تصور کے برعکس قطعی طور پر غیر محفوظ ہیں۔ بس اس کی وجہ سے چار سو خوف وہراس پیدا ہو گیا، اور قرض کی بنیاد پر قائم مالیاتی دستاویزات کی فلک بوس عمارت دھڑام سے زمین پر آگری۔ جب خوف وہراس نے اپنے پاؤں جما لیے تو اب بربنائے احتیاط نئے قرضوں کا اجراء روک دیا گیا، جس کی وجہ سے قرض کی بنیاد پر چلنے والی کمپنیوں کو نقصان ہونے لگا اور حصص کی قیمتیں تیزی سے نیچے آگریں۔ جن لوگوں نے کروڑوں روپے شیئرز اور مشتقات کے سٹہ میں لگا کر خطرہ مول لیا ہوا تھا، وہ مالی طور پر تباہی اور بدحالی سے دوچار ہو گئے، اور نتیجتاً پورا معاشی نظام اس بحران کی گرفت میں آگیا، جس کے بارے میں اندازہ کیا جارہا ہے کہ اس نے دنیا کی تقریباً ۴۵ ٪ دولت کا صفایا کر دیا ہے۔

۹۔ اسباب اور علاج

گذشتہ گفتگو کی روشنی میں ہم اس بحران کے بنیادی اسباب کا جائزہ لیں تو یہ نتیجہ بلا تاخیر سامنے آجاتا ہے کہ اس بحران کو پیدا کرنے میں چار عوامل کارفرما ہیں:

۱۔ زر کو اس کے اصل کام یعنی آلہ تبادلہ ہونے سے ہٹا کر بلا کسی روک ٹوک کے ایک مستقل سامان تجارت کے طور پر استعمال کرنا۔ وہ سبب یہ ہے کہ جس نے زر کے ذریعہ مزید زر کمانے کی ہوس

toobaa-elibrary.blogspot.com

پیدا کی اور اس ہوس نے پوری معیشت کو تہ بر تہ قرض کے ایک غبارے کی شکل میں بدل دیا۔

دنیا کو ان اندوہناک نتائج سے بچانے کا طریقہ یہی ہے کہ زر کے بطور تجارت استعمال کو یکسر روک دیا جائے۔ مختلف ملکوں کی کرنسیوں کا تبادلہ تو بہر حال تجارت کے پیش نظر ایک ضرورت ہے، اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے یقیناً ایک کرنسی دوسری کرنسی کے بدلے فروخت کی جائے گی اور تبادلہ کی قیمت میں ہی نفع کا ایک عنصر بھی شامل کیا جاسکتا ہے، چونکہ یہ ایک ضرورت ہے، اس لیے جب تک کرنسیوں کے تبادلے کے معاملات بین الاقوامی تجارت کی حقیقی ضرورت کو پورا کرنے کی وجہ سے عمل میں آئیں، تو یہ کسی مشکل کا باعث نہیں بنیں گے، مشکلات اس وقت کھڑی ہوتی ہیں جب کرنسیوں کے تبادلہ سے مقصد زر کی بنیاد پر سٹہ کھیلنا ہو۔

افسوس ناک بات یہ ہے کہ مارکیٹ میں ہونے والے کرنسی تبادلے کے زیادہ تر معاملات خالصتاً سٹہ کی نوعیت کے ہیں ۲۰۰۸ء میں عالمی سطح پر بین الاقوامی تجارت کا حجم ۳۲ کھرب ڈالر تھا، جس کا یومیہ اوسط ۸۸ ارب ڈالر بنتا ہے، جب کہ عالمی کرنسی مارکیٹ کے یومیہ سودوں کا تخمینہ تین اعشاریہ نو آٹھ، ۳ کھرب لگایا گیا ہے، جو بین الاقوامی تجارت کے مجموعی حجم سے ۴۵ گنا زیادہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کرنسی کی خرید فروخت کا صرف ۲ فی صد حصہ ایسا ہے جس کی حکومت کو اپنے معاملات چلانے اور بین الاقوامی تاجروں کو درآمد و برآمد کے لیے واقعی ضرورت تھی، باقی ۹۸ فی صد معاملات محض قیمتوں کی اونچ نیچ کی بنیاد پر قسمت آزمائی کے سودے تھے، ظاہری بات ہے کہ کرنسی کا یہ مصنوعی استعمال ہی ان کی قیمتوں میں متواتر اتار چڑھاؤ کا سبب بنتا ہے، اور اس وجہ سے زر کا یہ بنیادی کام کہ وہ قدر کی حفاظت کا ذریعہ بنے، بالکل ختم ہو جاتا ہے۔

اگر زر کو اس کے اصل مقاصد ہی تک محدود رکھنا ہے تو مزید اس اقدام کی بھی ضرورت ہے کہ سرمایہ کی فراہمی (Financing) کے عمل کو سود سے بالکل پاک کر دیا جائے اور ایسا اسی وقت ممکن ہوگا جب اپنے معاشی نظام کو از سر نو مرتب کرنے کے لیے سنجیدہ غور و فکر اور صحیح معنوں میں کوششیں ہوں، اور اس کی تشکیل نو اس طرح کی جائے کہ پیداواری عمل میں سرمایہ فراہم کرنے والوں کی زیادہ سے زیادہ براہ راست شرکت کو یقینی بنایا جائے، تاکہ دَین (Debt) کی بنیاد پر ہونے والے معاملات کم سے کم ہوں، اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس شرط کے پابند ہوں کہ ان کی پشت پر حقیقی اثاثے موجود ہوں گے، یعنی ان کو خرید وفروخت یا کرایہ داری وغیرہ جیسے حقیقی تجارتی معاملوں کے ذریعہ وجود میں لایا جائے گا۔

۲۔ موجودہ مشکلات کی ایک بڑی وجہ مشتقات (Derivatives) تھے۔ بلکہ "فرینک پارٹوٹی" جو خود مشتقات کے ایک سابق تاجر ہیں، وہ تو مشتقات کو ہی بحران کی تنہا اصل وجہ بتاتے ہیں۔ چنانچہ ان کا تبصرہ یہ ہے کہ:

> بدحواسی، تباہی اور سراسیمگی کی کئی وجوہات تھیں، لیکن اگر آپ موجودہ معاشی تباہی کا الزام کسی چیز کے سر رکھنے کے لیے تنہا ایک لفظ کی تلاش میں ہیں، تو صرف ایک ہی انتخاب رہ جاتا ہے، اور وہ ہے مشتقات (Derivatives) اور اس خرابی کے استیصال کے لیے مشتقات پر مکمل پابندی عائد کرنا ضروری ہے۔

۳۔ جیسا کہ ہم نے اوپر جائزہ لیا، دیون (Debits) کی فروخت معاشی بحران کی ایک انتہائی اہم وجہ تھی، دین (Debt) کی فروخت ممنوع ہونے کی کیا حکمت ہے؟ اس کا تفصیلی جائزہ ہم پہلے ہی لے چکے ہیں، بہت بڑی تعداد میں قرضوں اور دیون (Debits) کو اکٹھا کر کے CDOs کے بنڈل کی شکل میں فروخت کرنا موجودہ معاشی بحران کی ابتدائی وجہ تھی، اگر دین کی فروخت منع ہوتی تو یہ ہرگز ممکن نہ ہوتا۔

۴۔ شیئرز: اجناس اور کرنسیوں میں شارٹ سیل (ملکیت اور قبضے کے بغیر انہیں آگے فروخت کر دیا جانا) وہ چیز ہے جو سٹہ (Speculation) کو حقیقی اور ہموار تجارت کے لیے تباہ کن بنا دیتی ہے۔

مالیاتی نگرانی کے بہت سے مجاز اداروں (Regulatory authorities) نے شارٹ سیل کے نقصان دہ اثرات کو تسلیم کرتے ہوئے بالآخر اس پر عارضی پابندی عائد کر دی تھی۔ ستمبر ۲۰۰۸ء میں شارٹ سیلنگ کو بازار کے نامناسب اتار چڑھاؤ کا ذمہ دار سبب سمجھا گیا، چنانچہ امریکا کے سیکورٹیز اینڈ ایکسچینج کمیشن (Sec) کی طرف سے ۷۹۹ کمپنیوں کے لیے شارٹ سیلنگ پر تین ہفتوں کے لیے پابندی عائد کر دی گئی، تاکہ ان کمپنیوں کی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دیا جا سکے۔ اسی وقت یوکے فائنانشل سروسز اتھارٹی (FSC) نے بھی ۳۲ کمپنیوں کے لیے شارٹ سیل کو ممنوع قرار دے دیا۔ ۲۲ ستمبر کو آسٹریلیا نے مزید سخت اقدامات کرتے ہوئے شارٹ سیلنگ کو مکمل طور پر بند کر دیا۔ ۲۲ ستمبر ہی کو اسپین میں بازار کے نظم وضبط کے مجاز

toobaa-elibrary.blogspot.com

ادارے (CNMV) نے سرمایہ کاروں سے مطالبہ کیا کہ اگر انہوں نے مالیاتی اداروں کے شیئرز میں شارٹ سیلنگ کی ہوئی ہے، اس کی مالیت کمپنی کے سرمائے کے ۰.۲۵ فی صد سے زیادہ ہے تو وہ اس کی اطلاع کریں۔ Naked Shorting (بغیر کسی پیشگی انتظام کے شارٹ سیلنگ) کو بھی محدود کردیا گیا، لیکن یہ سب عارضی اقدامات تھے۔ چنانچہ بعض انتظامی اداروں نے کچھ عرصہ پابندی کے بعد یہ کہہ کر کہ یہ پابندی بازار کے لیے مفید ثابت نہیں ہوئی، شارٹ سیلنگ کی دوبارہ اجازت دے دی۔

اس طرح کی پابندی کو بازار کے لیے مفید نہ سمجھنے اور عبوری مدت سے زیادہ گوارا نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بازار کے لیے کیا مفید ہے کیا نہیں؟ اس کا سارا نظریہ ان روایتی تصورات پر مبنی ہے جن کی رو سے محفوظ اور وسیع تر فلاحی معیشت کی ضروریات کے مقابلے میں فوری نفع کو زیادہ قابل ترجیح سمجھ لیا گیا ہے۔ چونکہ ہم معاشی نظام کی تفصیلی جانچ اور نقائص دور کرنے کی بابت غور و فکر کر رہے ہیں، تاکہ معیشت کو محفوظ، قابلِ بھروسہ اور سب سے بڑھ کر انسانیت کے لیے منصفانہ بنایا جاسکے، تو پھر ہمیں اپنے اس طرزِ فکر کو تبدیل کرکے کچھ ہنگامی اقدامات کرنے ہوں گے، جن کے نتیجے میں معاشی نظام کو اعلیٰ اقدار اور منصفانہ اصولوں پر از سرِ نو مرتب کیا جائے، مجھے امید ہے کہ میں نے جو معروضات پیش کی ہے، وہ اس مقصد کے حصول میں مددگار ہوں گی۔

۱۰۔ کچھ اسلامی مالیاتی اداروں کے بارے میں

آخر میں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ باتیں ان اسلامی مالیاتی اداروں کے بارے میں بھی کرلی جائیں جو گزشتہ دو دہائیوں کے دوران دنیا کے مختلف حصوں میں متعارف کروائے گئے ہیں، یہ وہ ادارے ہیں جن کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اپنی تمام سرگرمیاں ”اسلامی قانون“ کے اصول کے مطابق انجام دیتے ہیں۔ بہت سے لکھنے والوں نے ان اداروں میں رائج نظام کو موجودہ بحران کے تناظر میں جانچنے کی کوشش کی ہے، اگر ہم انٹرنیٹ پر ”اسلامی مالیاتی ادارے اور معاشی بحران“ کے عنوان کو تلاش کریں تو مقالات و مضامین کا ایک ڈھیر لگ جاتا ہے۔ ان میں سے بعض مضامین میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ ادارے موجودہ معاشی بحران سے بالکل متاثر نہیں ہوئے، جب کہ بعض دوسرے مضامین میں اس سے مختلف باتیں کہی گئی ہیں۔

اگر مبالغہ آرائی سے کام نہ لیا جائے تو یہ دعویٰ درست نہیں کہ یہ ادارے قطعاً متاثر نہیں ہوئے، لیکن یہ کہنا بہرحال درست ہوگا کہ یہ ادارے ان خطرناک حالات سے کافی حد تک محفوظ رہے ہیں جن کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

سامنا روایتی مالیاتی اداروں کو کرنا پڑا ہے، اس کی وجہ بہت واضح ہے، شرعی اصول کے مطابق ہونے کے لیے ان اداروں پر یہ پابندی عائد ہوتی ہے کہ سود، مشتقات، شارٹ سیل اور دیون کی خرید و فروخت سے اپنے آپ کو دور رکھیں۔ ان اداروں کی دیون (Debts) پر مبنی مصنوعات بھی حقیقی اجناس یا اشیاء کی خرید و فروخت اور کرایہ داری کے معاملات کی بنیاد پر ہوتی ہے، لہٰذا ان کی تمویل (Financing) کی پشت پر حقیقی اثاثے موجود ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے مالیاتی لین دین اور حقیقی معیشت کے درمیان عدم توازن کی نوبت نہیں آتی۔

تجارتی صحافت سے وابستہ ایک تجزیہ نگار ''ایما وینڈر'' نے اپنے ایک مضمون میں اس بات کا ایک مختصر جائزہ لیا ہے کہ اسلامک فائنانس کیا ہے؟ اور وہ کس طرح بحران سے نسبتاً محفوظ رہا۔ یہاں اس مضمون کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> شریعت یا اسلامی قانون کے مطابق فائنانس کے ماتحت تقریباً ۷۰۰ ارب ڈالر کے اثاثے ہیں اور یہ ''موڈیز انوسٹر سروس'' کے مطابق دس سے تیس فی صد سالانہ شرح نمو سے ترقی پا رہا ہے، یہ طریقہ ان حکومتوں کو بہت تیزی سے اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے، جو نقدی کی قلت کی شکار اپنی معیشتوں کو اسلامی دنیا کے سرمائے کے ذریعے تازہ ایندھن فراہم کرنے کی شدید خواہش رکھتی ہیں۔ اسلامک فائنانس اگرچہ خلیج فارس اور ایشیا کے مسلم اکثریتی حصوں، مثلاً انڈونیشیا، ملائیشیا وغیرہ کو اپنا مرکز بنائے ہوئے ہے، لیکن یہ شمالی افریقہ اور یورپ میں پھیل رہا ہے۔

موجودہ معاشی بحران کے اسلامی فائنانس پر پڑنے والے اثرات کے حوالے سے مضمون نگار نے درج ذیل تبصرہ کیا ہے:

> موڈیز کی نومبر کی رپورٹ واضح کرتی ہے کہ اسلامی بنک خاصی حد تک محفوظ رہے، کسی بھی اسلامی مالیاتی ادارے نے برنارڈ میڈف کے پچاس ارب ڈالر کی پونزی اسکم (ا) میں سرمایہ کاری کرنے کا اعتراف نہیں کیا۔ صالح الطیار فرینکو عرب چیمبر آف کامرس کے سکریٹری جنرل نے کہا کہ سوسائٹی جیزال سعودی عرب کا ۴۹ ارب ڈالر کا نقصان، جس کو بنک نے جیروم کیرویل کی غیر قانونی ٹریڈنگ کا نتیجہ قرار دیا ہے، کسی بھی اسلامی مالیاتی ادارے کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔

انہوں نے مزید کہا:

> اگر عالمی بنکاری کی سرگرمیاں اسلامی اصولوں کی بنیادوں پر ہوتیں تو ہم وہ بحران نہ دیکھتے جس کو ہم اس وقت سہہ رہے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسلامی مالیاتی ادارے غیر اخلاقی مالی معاملات کے منع ہونے اور نفع نقصان کی شرکت کے ذریعہ بڑے پیمانے پر معاشرتی انصاف کو فروغ دینے کے فلسفے پر کام کرتے ہیں۔ سودی دین، بغیر ملکیت حاصل کیے فروخت (Short Selling) اور ایسے معاملات جو زیادہ خطرے والے سمجھے جاتے ہیں، ان اداروں میں منع ہیں، اسلامک فائنانس (subprime mortgages collateralized credit default swaps یا Debt obligation جیسے کوئی معاملات کو جنہوں نے مغربی فائنانس کو بہت سی مشکلات سے دوچار کیا ہے، یکسر مسترد کرتا ہے۔

مسلم اسکالرز نے جو فائنانس کے دقیق اصول و قوانین میں بھی مہارت رکھتے ہیں، ایسی مصنوعات کی اجازت دی ہوئی ہے جو بہت سی غیر اسلامی مالیاتی مصنوعات مثلاً لون، انشورنس اور بانڈز کے متوازی ہیں، صکوک بانڈز کا متبادل ہے، لیکن اس میں بجائے دین کو فروخت کرنے کے، جاری کرنے والا کسی اثاثے کا ایک متناسب حصہ فروخت کرتا ہے، جس کے خریدنے والے کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ اس کو کرائے پر دے دے۔ نورتن روز میں اسلامک فائنانس کے سربراہ اور حکومت برطانیہ کے ایک مشیر "نیل ملر" کہتا ہے:

> اسلامک فائنانس اس طرز عمل کا مظاہرہ نہیں کرتی جو آج سے دس سال یا کچھ پہلے تک ایک اچھا بنکاری رویہ سمجھا جاتا تھا۔ اسلامک بینکنگ اپنے گاہکوں سے قریبی تعلق رکھنے کی قائل ہے، اس کا کہنا ہے کہ ہم صرف حقیقی معاملات میں حصہ لے سکتے ہیں، جہاں ہم اثاثے کو خود دیکھ سکیں، سمجھ سکیں اور اس کے بارے میں درست اندازہ لگا سکیں، چاہے کسی پانی کے جہاز کو فائنانس کرنے کا معاملہ ہو، یا ہوائی جہاز کو، باقاعدہ جاکر جائزہ لینا ضروری ہے۔ اس طرز عمل سے رہنمائی ملتی ہے کہ بینکاری کو کیسا ہونا چاہیے؟

بہر حال یہ کہنا مبالغہ آرائی ہے کہ یہ ادارے اس طوفان سے بالکل بھی متاثر نہیں ہوئے، ان پر بھی کچھ نہ کچھ اثر پڑا ہے، جس کے دو اسباب ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب بھی کوئی بحران کی معیشت کو اپنی گرفت میں لیتا ہے، تو وہ معاشرہ کے ہر حصہ اور طبقہ کو کچھ نہ کچھ متاثر کرتا ہے، خواہ وہ اس بحران کا ذمہ دار ہو، یا نہ ہو۔ اسلامی مالیاتی ادارے بھی اس فطری اصول سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ ادارے ابھی اپنے ابتدائی رضاعتی دور میں ہیں، یہ ایک ایسے ماحول میں کام کر رہے ہیں جس میں (سود پر مبنی) روایتی مالیاتی نظام کو غلبہ حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان اداروں کے لیے نفع و نقصان میں شرکت کے نظریہ پر قائم حقیقی اسلامی مالیاتی اداروں کی حیثیت میں اپنے کاموں کو بھرپور طریقے سے انجام دینے کے مواقع محدود ہوجاتے ہیں۔ اگرچہ یہ ادارے سرمایہ کاروں سے سرمایہ نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد ہی پر لیتے ہیں، لیکن

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان کی بیلنس شیٹ پر موجود اثاثہ جات (Assets) کا بڑا حصہ خرید و فروخت سے متعلق دیون (Debts) پر مشتمل ہوتا ہے۔ مثلاً یہ ادارے ادھار قیمت پر اشیاء کی فروخت کرتے ہیں، یا فائنانس لیز (کرایہ داری جس میں اختتام پر کرایہ دار اثاثے کو خود خرید لیتا ہے) وغیرہ کرتے ہیں۔ جو لوگ ان سے سرمایہ لینا چاہتے ہیں، ان کے ساتھ یہ عام طور پر نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر معاملات نہیں کرتے، روایتی مالیاتی اداروں کا مقابلہ کرنے کے لیے بعض اوقات یہ ادارے کم قابلِ ترجیح طریقوں، اور وہ بھی روایتی شرحِ نفع کو استعمال کرتے ہوئے اختیار کر لیتے ہیں، مزید یہ کہ یہ دعویٰ کرنا بھی مشکل ہے کہ اثاثوں کی بنیاد پر قائم دیون کے معاملات کرتے وقت تمام ادارے واقعی شریعت کی عائد کردہ تمام شرائط کو پورا کرتے ہیں، ایک نیا رجحان بھی شرعی احکام پر عمل درآمد کے معیار میں کچھ کمی کا باعث بن رہا ہے، وہ یہ کہ بعض اسلامی مالیاتی ادارے روایتی بازاروں میں پیش کی جانے والی ہر پروڈکٹ کا چربہ اتارنے کی کوشش کر رہے ہیں، یہاں تک کہ مشتقات (Derivatives) کی متبادل مصنوعات کی بھی تلاش ہو رہی ہے، جن کو اسلامی مشتقات کا نام دیا جا سکے۔ اگر یہ رجحان ختم نہ ہوا تو یہ ادارے اپنی شناخت کھو بیٹھیں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ چاہے اسلامی مالیاتی ادارے ہوں، یا روایتی مالیاتی ادارے، سب کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ مستحکم اصولوں کی بنیاد پر عمومی انسانی فلاح و بہبود کی خاطر اپنے طرزِ فکر میں تبدیلی لائیں اور ان طریقوں سے احتراز کریں جنہوں نے ہمیں اس موجودہ بحران تک پہنچایا ہے۔ آخر میں ورلڈ اکنامک فورم کے چیئرمین کے الفاظ دوبارہ ملاحظہ ہوں:

"آج ہم ایک نکتہ عروج تک پہنچ چکے ہیں جس کے بعد ہمارے پاس صرف ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے کہ یا تو تبدیلی لائیں، یا مسلسل زوال اور مصائب کا سامنا کریں۔"

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

toobaa-elibrary.blogspot.com

سودی بینکاری کو غیر سودی بینکاری میں تبدیل کرنے کا کامیاب تجربہ

جامعۃ الملک عبد العزیز (جدہ) میں قائم

مرکز ابحاث الاقتصاد الاسلامی

کے زیر نگرانی ایک جماعت کی طرف سے "سودی بینکاری کو غیر سودی بینکاری میں تبدیل کرنے کا کامیاب پاکستانی تجربہ" کے موضوع پر تیار کی گئی رپورٹ پر تحریر کیا گیا نقد و تبصرہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت جناب ڈاکٹر غازی عبید مدنی، حفظہ اللہ تعالیٰ

ناظم ابحاث الاقتصاء الاسلامی (جامعۃ الملک عبدالعزیز، جدہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا والانامہ نمبر ۱۲۹/ح ی ر بتاریخ ۱۲/۱/۱۴۱۳ھ کو موصول ہوا، مگر سفر در سفر اور مصروفیات کے ہجوم کے باعث آپ کی طرف سے مقررہ مدت میں مکتوب گرامی کا جواب اور اس پر مطلوبہ رپورٹ کی تیاری نہیں ہو سکی، امید ہے کہ بندہ کا عذر قبول فرمائیں گے۔

بفضل اللہ مجھے پیش کردہ مقالہ کا بغور جائزہ لینے کا موقع میسر آیا، مذکورہ مقالہ کے حوالے سے خط سے منسلک مطلوبہ رپورٹ مرسل ہے، دعاگو ہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ حضرات کو اسلام اور مسلمانوں کے لیے صلاح وخیر کے کاموں سے موفق فرمائے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محمد تقی عثمانی

۱۳/۷/۱۴۱۳ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

رپورٹ

میں نے مقالہ "تطبیق القوانین المستمدۃ من الشریعۃ الاسلامیۃ علی الاعمال المصرفیّۃ دراسۃ تطبیقیۃ علی التجربۃ الباکستانیۃ (بینکنگ کے امور پر شریعتِ اسلامیہ سے مستنبط کردہ قوانین کی تطبیق پاکستان میں ہونے والے تجربہ کے تطبیقی مطالعہ کی روشنی میں) کا بغور جائزہ لیا، جس کے بارے میں میرے ریمارکس مندرجہ ذیل نکات میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں:

۱۔ بلاشبہ یہ مقالہ اپنے موضوع پر حد درجہ اہمیت کا حامل ہے، اور وہ موضوع ہے "تقییم التجربۃ الباکستانیۃ فی تحویل النظام المصرفی الی نظام لاربوی" "پاکستان میں سودی بینکاری کو غیر سودی بینکاری میں منتقل کرنے کا کامیاب تجربہ" یہ موضوع نہ صرف یہ کہ پاکستان، بلکہ کرّہ ارض کے تمام ہی مسلمانوں کے لیے اپنے اندر انتہائی فوائد و ثمرات رکھتا ہے، گو کہ پاکستان وہ سب سے پہلی اسلامی مملکت ہے جس نے ریاستی سطح پر اقتصادی نظام کو سود سے پاک کرنے کا اعلان کیا اور اس کے لیے عملی اقدامات کیے، لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس اہم ترین مسئلہ کا شرعی و اقتصادی ہر دو پہلوؤں سے جائزہ لیا جائے۔

۲۔ میرے علم کے مطابق یہ سب سے پہلا ایک جامع مقالہ ہے، جس میں موضوع کے مختلف پہلوؤں کو بدرجۂ اتم زیر بحث لایا گیا ہے، جس کے مطالعہ سے قاری کو فی الجملہ ان حالات و واقعات کا علم بخوبی ہو جاتا ہے جو مروجہ اقتصادی نظام کو غیر سودی بنانے کے لیے پاکستان کو درپیش رہے، نیز یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ نظام یہاں تک پہنچنے کے لئے قدم بقدم تدریجی طور پر کس طرح اس راستے پر گامزن رہا، اس میں خیر اور فساد کے کیا کیا پہلو سامنے آئے، کس قدر کمی کوتاہی ہوئی اور اس کے کیا کیا مثبت اور منفی اثرات مرتب ہوئے۔

۳۔ بلاشبہ اس مقالہ کو غیر سودی نظام کے عملی نفاذ کے حوالے سے ایک نہایت عمدہ اور گہرا مطالعہ قرار دیا جاسکتا ہے اور دوران مطالعہ میں نے یہ واضح طور پر محسوس کیا کہ مقالہ کی اس ٹیم کو ایسے معتمد و معتبر مراجع و مصادر تک رسائی کا موقع ملا ہے، جس کی طرف مراجعت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک محقق اپنے مطالعہ میں عمدہ تحقیق کرنے سمیت مقالہ کے حقیقی نتائج تک بسہولت پہنچ جاتا ہے، مقالہ نگار نے "مجلس الفکر الاسلامی" کی رپورٹ کا گہرائی سے جائزہ لیا ہے جو ہمارے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہاں رائج سودی بینکاری کے غیر سودی بینکاری کی طرف تحویل کرنے کی اصل بنیاد ہے، بشمول اس میں مرکزی بینک کی وہ ہدایات بھی ہیں، جو وہ ایک وقت سے دوسرے وقت تک نظام نو کی تطبیق کے لیے جاری کرتی رہتی ہے اور وہ اصلاحات بھی ہیں، جو مختلف ممالک کے قوانین کے اختلافات کے باعث واقع ہوئی ہیں اور وہ بیانات بھی ہیں، جو وفاقی وزارت خزانہ کی طرف سے مختلف اوقات میں صادر کیے گئے ہیں اور وہ مالیاتی رپورٹس بھی ہیں جو مقالہ کے موضوع سے متعلق اس دوران صادر ہوئی ہیں اور مختلف کانفرنسز اور اجتماعات کی وہ روئیداد بھی ہیں، جو اس نظام کو غیر سودی بنانے کی عملی کارروائی کے وقت درپیش سوالات وجوابات کی غرض سے منعقد کیے گئے۔

۴۔ یہ مقالہ مقصدیت اور غایت درجہ علمی انداز لئے اپنے موضوع کو اس لحاظ سے حاوی ہے کہ اس حوالے سے دی گئی آراء کی طرف اس وقت تک رجحان ظاہر نہیں کیا گیا، جب تک کہ بذات خود اس کے مطالعہ کے بعد عملی صورتحال اس طرح واضح ہو کر سامنے نہیں آجاتی کہ مطلوبہ نتائج کھل کر واضح ہوں اور بلاشبہ اس مقالے کی یہ وہ بات ہے جس پر تعریف کیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

۵۔ اس نظام کے غیر سودی بنانے میں بحمد اللہ میں قدم بقدم ایک شریک کی حیثیت سے سرگرم رہا ہوں، اس لیے اس مقالے میں بیان کردہ جملہ حقائق و واقعات کا میں عینی شاہد ہوں اور میں نے اس کی تمام باتوں کو واقعے کے عین مطابق پایا ہے، جس میں وقوع پذیر عملی کارروائی کے حوالے سے ذکر کردہ امور سے سرمو انحراف نہیں کیا گیا۔

۶۔ مقالہ کا اسلوب مجموعی طور پر علمی نوعیت کا ہے، جس میں سلاست بیان، دقیق النظری، قوت فکری اور مراد کو خوب واضح کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

تعلیقات

گو کہ فی الجملہ مباحث عمدہ، بے مثال اور بے حد مفید ہے اور علمی طور پر اس کی قدردانی کرتے ہوئے اس کی بابت میری کوئی سلبی رائے نہیں، تاہم دوران مراجعت جو امور محل نظر معلوم ہوئے، ان کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اس مقالے میں اقتصادی نقطۂ نظر سے پاکستان میں مروجہ سودی بینکاری کو غیر سودی بینکاری کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

طرف محوّل کرنے کا علمی جائزہ پیش کیا گیا ہے، لیکن پاکستان میں اس نظام کو غیر سودی بینکاری سے تبدیل کرنے کے ان شرعی پہلوؤں کو جو عملی طور پر اس کو نافذ کرنے میں ملحوظ رہے، نیز قرآن وسنت میں اس کی مشروعیت کو سامنے رکھتے ہوئے مقالہ کا متن اس خلا کو کماحقہ بجز اس کے پورا نہیں کرتا کہ اس میں منسلکہ کاغذات میں محض اشارات دے دیئے گئے ہیں، لہٰذا جو کوئی محض مقالہ کا متن پڑھے گا، تو وہ یہی سمجھے گا کہ سودی سرگرمیوں کے متبادل کے طور پر جو سرگرمیاں اختیار کی گئی ہیں، وہ سب ہی شرعی نقطۂ نظر سے بھی مطلق نقائص سے مبرّا ومنزہ ہے، جیسے صفحہ نمبر ۱۰ پر ذکر کیا گیا ہے:

> جہاں تک ان معاملات کا تعلق ہے، جنہیں یہ تجارتی بینک عملی طور پر روبکار لا رہے ہیں تو انہیں اس میں بڑی واضح کامیابی ملی ہے۔ جس کے بعد سابقہ مروجہ معاملات کے متبادل کو جدید خطوط پر استوار کرنا اس طرح ممکن ہوا ہے کہ اس میں سود کا کوئی عنصر نہیں ہے، جس کے بعد اب ہر پاکستانی باشندے کے لیے بسہولت ممکن ہے کہ وہ سودی معاملہ کرنے کی الجھن میں پڑے بغیر پاکستان کے ان مالیاتی اداروں سے اپنی ضروریات کے مطابق بینکنگ کی خدمات لے سکتا ہے، اور ایک آدمی کا بینک کے ساتھ معاملہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک تاجر سامان یا خام مال (Raw material) وغیرہ (باقاعدہ مرابحہ کے معاملہ کے تحت) خریدتا ہے، اجارہ اور بینک مشارکہ بنیادوں پر نفع ونقصان کی شرط رکھ کر سرمایہ لیتا ہے۔ نیز بینکوں کے علاوہ بھی ایسے مالیاتی ادارے وجود میں آچکے ہیں جو صرف اقتصادی ترقی میں تمویل کے لیے مختص ہیں اور مکمل طور پر غیر سودی آپریشن کر رہے ہیں اور اس میں ہونے والے تمام معاملات بھی اس طرح غیر سودی نظام میں تبدیل ہوچکے ہیں جس کی بنیاد نفع ونقصان پر ہے۔

اس طرح سب ہی بینکوں کی تمام تر سرگرمیوں کو علی الاطلاق جائز قرار دینا واقعہ کے مطابق نہیں، بلکہ یہ بات بذات خود مقالہ نگار کے ان نتائج کے متضاد ہے، جو ضمیمہ نمبر ۲ میں اس عبارت میں مذکور ہیں:

> اس طرح یہ بات کہ "ان بینکوں کے علاوہ بھی ایسے مالیاتی ادارے ہیں جو معاشی ترقی کے لیے مختص ہیں، اور ان میں ہونے والے سارے کے سارے معاملات (مضاربہ ومشارکہ بنیادوں پر نفع ونقصان پر مبنی ہے۔" یہ کہنا بھی واقعہ کے مطابق نہیں ہے، کیوں کہ مالیاتی ادارے تاحال اکثر مرابحہ یا اجارہ ہی کی مختلف صورتوں کی عملی تطبیق پر انحصار کیے ہوئے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۔ فصل ثانی میں رائج خلاف شریعت بینکنگ سرگرمیوں کے اسلامی متبادل کے بارے میں بحث کی گئی ہے اور یہ سارے وہ متبادل ہیں، جو معروف ہیں لیکن اس فصل میں محض ان کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے اور ان لازمی شرائط کا ذکر نہیں کیا گیا جو در حقیقت ان معاملات کو شرعی نقطۂ نظر سے معتبر اور درست بناتے ہیں۔

مثلاً صفحہ ۳۵ پر ایل سی کھلوانے کے معاملہ کے حوالے سے تمویل کا متبادل پیش کیا گیا ہے، لیکن اس معاملہ میں مرابحہ کو منطبق کرنے کے لیے بہت کڑی شرائط ہیں، جن کا لحاظ ضروری ہے، جیسے بینک خریدار ہونے کی حیثیت سے باقاعدہ طور پر سامان امپورٹ کرنے کا رسک اٹھائے گا اور وہ تمام حقوق اور لوازمات وخطرات برداشت کرے گا جو ایک خریدار کرتا ہے، اب چوں کہ ان ضروری شرائط میں خلل آنے کے باعث شرعی اعتبار سے یہ معاملات درست نہیں ہوتے، خاص طور پر ان معاملات میں جن پر پاکستانی بینک کاربند ہیں، لہٰذا ان شرائط کو بڑی وضاحت سے ذکر کرنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ ان شرائط کے فوت ہونے کی صورت میں یہ تمویل بھی محض سودی نفع کمانے ہی کی ایک صورت ہوگی، بالخصوص پاکستان میں جاری حالیہ معاملات کے نقطہ نظر سے۔

۳۔ صفحہ ۳۶ پر مذکور ہے:

اگر کفالت فل مارجن پر ہو تو بینک کے لئے شرعاً اجرت لینا جائز ہے۔

یہ اصول بھی شرعاً درست نہیں، بلکہ صحیح شرعی ضابطہ یہ ہے کہ نفس کفالت پر کسی حال میں بھی اجر کا تقاضا کرنا جائز نہیں، البتہ کفالت سے متعلقہ اور شپ منٹ کاغذات ودستاویزات (Documents) کی تیاری کے لئے بینک جو کچھ سروسز یا خدمات فراہم کرتا ہے، اس کی اجرت کا مطالبہ کرنا جائز ہے

۴۔ صفحہ ۵۷ کی عبارت ملاحظہ ہو:

لیکن اگر ایکٹو شرح نسبت (%)، نارمل شرح نسبت (%) سے فوق تر ہو، تو ہر دو منافع کا شرحوں کے درمیان کے فرق کی ادائیگی "رضامندی سے" کی جاسکتی ہے۔

مذکورہ عبارت میں موجود "رضامندی سے" جیسے الفاظ سے یہ وہم ہوسکتا ہے کہ ہر دو شرح نسبتوں کے مابین پائے جانے والے فرق کی ادائیگی لازمی نہیں ہے، بلکہ فریقین کو اس میں اختیار ہے، یہ بات بھی درست

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہیں، کیوں کہ پائے جانے والے اس فرق کی ادائیگی واجب ہے، اور طے شدہ اماؤنٹ میں کمی کرنا جائز نہیں لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اس لفظ کو حذف کر دیا جائے۔

۵۔ صفحہ ۸۳ کے سیاق میں مذکور ہے کہ:

بینکوں کے علاوہ دیگر مالیاتی ادارے عوام سے براہ راست امانتیں وصول کرنے کے لئے واسطہ بننے کے مجاز نہیں۔

یہ تنقید دو وجہ سے درست نہیں:

ا۔ ان مالیاتی اداروں میں کرنٹ اکاؤنٹ کھولنے کی اجازت نہیں، تاہم ایک محدود وقت تک ان میں سے بعض اداروں کے لئے امانتیں وصول کرنے کی اجازت ہے، چاہے وہ اکاؤنٹ کی صورت میں ہو یا دستاویزات و سرٹیفکیٹ خریدنے کی صورت میں۔

۲۔ نیز ان مالیاتی اداروں کے لئے امانتوں کے قبول کرنے کی اجازت کا ہونا نہ ہونا ایک انتظامی معاملہ ہے، اور محض اجازت نہ ہونے کو بنیاد بنا کر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ معاملات سودی بنیادوں پر ہو رہے ہیں، جیسے کہ اس کے سیاق سے یہی محسوس ہوتا ہے۔

۶۔ ساتویں فصل میں ترقیاتی تمویلی اداروں سے متعلق بحث کی گئی ہے، لیکن ان مالیاتی اداروں سے متعلق یہ بحث کافی مجمل ہے، جس سے بسا اوقات خلاف واقع باتوں کا وہم ہوتا ہے، جیسے صفحہ ۹۴ پر "صندوق الاستثمار الوطنی" اور ان اقدامات کا تذکرہ ہے جو سود سے چھٹکارے کے لئے کئے گئے، لیکن اس میں ایک انتہائی اہم اور قابلِ ذکر عنصر کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ریاست پول میں از خود شریک ہونے کے باوجود ہر شریک کے لئے سود کی ادنیٰ ترین شرح کی ضامن ہے، حالاں کہ اگر غور کیا جائے تو یہ وہ صورت ہے جس میں ایک شریک دوسرے شریک کے لئے نفع کا ضامن بنتا ہے، (جو کہ درست نہیں) جیسا کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی تجویز کو سامنے رکھتے ہوئے حکومت اسی عنصر کے پائے جانے کی وجہ سے مشارکہ سے الگ ہو گئی تھی جو اس کی شرکت کو متاثر کر رہی تھی، چنانچہ معاملہ سے الگ ہونے کے بعد حکومت کا ضامن بننا تیسری پارٹی کی طرف سے ضامن بننا تھا، جو ظاہر ہے کہ ایسا ضامن بننا نہیں تھا جو ایک شریک دوسرے کے لئے بنتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۷۔ صفحہ ۹۶ پر ہوم فائنانسنگ برائے تعمیر وترقی سے متعلقہ مالیاتی اداروں کے بارے میں بحث کی گئی ہے، لیکن ان اداروں میں رائج طریقہ کار کو بہت مجمل انداز میں بیان کر دیا گیا ہے، حالاں کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے ان مالیاتی اداروں کے لئے شرکت متناقصہ کی بنیاد پر ایک تفصیلی طریقہ کار وضع کیا گیا ہے، لیکن عملی تطبیق کے وقت وضع کردہ متعدد ضروری امور کے انحراف نے اسے شرعی نقطۂ نظر سے قابلِ اعتراض بنا دیا، جس سے متعلقہ تفاصیل کا آنا یہاں ضروری ہے۔

۸۔ صفحہ ۹۷ پر شیئرز جاری کرنے والے بینکنگ ادارے کا ذکر ہے، اور یہ وہ ادارہ ہے جس نے پہلی دفعہ مؤجل مشارکہ سرٹیفیکیٹ استعمال کیے، گو کہ مقالہ میں ان سرٹیفیکیٹس کا بکثرت ذکر آیا ہے، لیکن ایک اہم اور ضروری امر کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے اور وہ یہ کہ مؤجل مشارکہ سرٹیفکیٹ در حقیقت نفع ونقصان کو سامنے رکھتے ہوئے حقیقی مشارکہ پر مبنی ہے، جیسے کہ اسلامی نظریاتی کونسل نے اس کی تجویز دی ہے، لیکن جہاں تک اس ادارے کے سرٹیفیکیٹ جاری کرنے کا تعلق ہے تو اس نے اس میں ایسی شروط داخل کر دی ہیں جس نے مشارکہ حقیقیہ کی طرف عطیہ کو سود کے زیادہ قریب کر دیا ہے، اس موضوع کا مطالعہ اس بحث کے مہمات میں سے ہے۔

۹۔ جیسے کہ میں نے پہلے بھی ذکر کیا کہ اس مقالہ میں نہایت علمی اسلوب اختیار کیا گیا ہے، قطع نظر اس کے کہ کہیں کہیں بعض عبارات میں نحوی غلطیاں واقع ہوئی ہیں، جنہیں طباعت کی غلطیاں بھی قرار دیا جاسکتا ہے، اور مقالہ کی طباعت کے وقت بسہولت دور کیا جاسکتا ہے۔

گو کہ مذکورہ تعلیقات اپنی جگہ پر ہیں لیکن میری نظر میں اس مقالہ میں تحقیق اور مطالعتی ضروریات کو بدرجۂ اتم پورا کیا گیا ہے، بہت مناسب ہے کہ جہاں کہیں ترمیم ضروری ہے یا ترمیم کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، طباعت سے قبل وہاں ترمیم کرلی جائے۔

اخیراً "مرکز ابحاث الاقتصاد الاسلامی" اور اس کے زیر نگرانی قائم ٹیم کو مبارک باد دیتا ہوں جنہوں نے اس گرانقدر مقالہ کو تیار کرنے کے لئے جہد مسلسل صرف کی، جو ان شاء اللہ پاکستان میں غیر سودی بینکاری کے تجربہ سے متعلقہ معلومات کی فراہمی میں معاون ثابت ہوگا۔

میری تجویز ہے کہ "مرکز ابحاث الاقتصاد الاسلامی" سوڈان اور ایران ہر دونوں ممالک کے دو تجربات سے متعلق بھی اسی طرح کی رپورٹ تیار کرے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ ہو الموفق

toobaa-elibrary.blogspot.com

شرعیہ بورڈ

فرائض واہداف

"الهيئات الشرعية" کے ایک اجلاس میں پیش کیا گیا مقالہ، جسے هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الاسلامية (AAOIFI) نے بحرین میں منعقد کیا، اور یہ وہ موقع تھا جب کہ المجلس الشرعی (شرعیہ بورڈ) نے اُس (AAOIFI) سے الگ ہو کر مستقل حیثیت سے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔

محمد تقی عثمانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

شرعیہ بورڈ

فرائض واہداف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاَمِیْنِ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّا بَعْدُ!

گزشتہ قریباً تیس سالوں سے سود سے پاک اسلامی معاشی نظام کی تشکیل ایک ایسا خواب ہے جو اس مایوسی وناامیدی اور جمود کے ماحول میں شرمندہ تعبیر ہوتا نظر نہیں آتا تھا، وجہ ظاہر ہے کہ دنیا کے اکثر خطوں میں سرمایہ دارانہ نظام رائج ہے اور اس پورے نظام کا بنیادی ڈھانچہ ہی سودی منافع پر کھڑا ہے، جس کے وضع کردہ قواعد وضوابط شرق وغرب میں اس طرح سرایت کر چکے تھے کہ ساری دنیا کا اقتصادی پہیہ ہی سودی منافع پر چل رہا تھا، جبکہ دوسری طرف عصر حاضر کی معاشی سرگرمیاں محض انفرادی کاروبار تک محدود نہیں رہیں بلکہ یہ انفرادی واجتماعی زندگی کے معاملات میں ایک اہم ترین عنصر کی شکل اختیار کر چکی ہیں، جس کی ابتداء ایک خاندان کی زندگی سے ہوتی ہے اور انتہا ملکوں اور اقوام کی سیاست پر جاکر۔ بالخصوص جب سے اس درجہ وسیع پیمانے پر صنعتی انقلاب برپا ہوا اور معیشت و تجارت اور صنعت و حرفت کے نت نئے انداز متعارف ہوئے، اس کے بعد صورت حال واضح ہے کہ سرمایہ کاری کے لئے درکار انتہائی بھاری رقم کا بندوبست کرنا کسی فرد واحد کے بس میں ہے، نہ کسی ایک ادارے کا کام، بلکہ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ ایک بڑے پروجیکٹ کے لئے درکار رقم ایک ملک بھی یکمشت ادا نہیں کر پاتا۔

لہٰذا عصر حاضر کی معیشت کا پہیہ چلانے کے لئے ایک منظم طریقہ کار وضع کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، تاکہ لوگوں کی بچتیں اور ضرورت سے زائد اموال مارکیٹ کی گرم بازاری میں کارگر ہوں اور بڑے بڑے تجارتی منصوبے اور صنعتی پروجیکٹ میں اس طرح کام میں آئیں، جس کا فائدہ نہ صرف یہ کہ ان تجارتی اداروں کو ہوں، بلکہ اس کا نفع وفائدہ لوٹ کر انہی کے پاس آئے، جو ان کو مزید اس بات پر ابھارے کہ وہ اور سرمایہ کاری کریں اور اپنی بچتیں بازاری ضروریات کے لئے مہیا کر کے جائز منافع میں شریک ہوں۔

جہاں تک سرمایہ دارانہ نظام کا تعلق ہے تو وہ سودی منافع کو ایک آلہ (Tool) کے طور پر استعمال

toobaa-elibrary.blogspot.com

کررہا ہے، جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہاں وہاں سے بھاری مقدار میں پیسہ جمع کرے اور اسے بینکوں اور مالیاتی اداروں کے ذریعے معاشی سرگرمیوں کے حوض میں ڈال دے اور تجارتی مراحل کے ہر مرحلہ میں موجود تمام تر تمویلی سرگرمیوں کے الٹ پھیر میں اس آلہ (Tool) کو نصب کردیں، تاکہ سودی منافع ایک جال کی شکل میں معیشت کے ہر ہر گوشے تک پھیل جائے، جس کی چھوٹی بڑی کوئی بھی معاشی سرگرمی سود میں جکڑے ہوئے اس نظام کے گرد چکر کاٹنے سے خالی نہ ہو، یا کسی نہ کسی درجے میں اس سے اثر انداز ضرور ہو، جو بعینہ یہ صورت حال ہے جسے افصح الفصحاء رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معروف حدیث "کم از کم دھواں پہنچے" کے الفاظ سے تعبیر فرمایا۔[۲۹۶]

لہٰذا ان حالات میں جبکہ دنیا کے بڑے بڑے اقتصادی اداروں کے سورماؤں کی طرف سے معاشی نظام کو جکڑ کر ایک پورا جال اس حکمت عملی سے بُنا گیا ہے کہ اس کا ہر ہر حصہ سودی منافع خوری سے اٹا ہوا ہے، سیکولر طبقہ کا یہ خیال تھا کہ اسی نظام کو غیر سودی نظام کی طرف لے کر جانا یا تو محال ہے یا قریب قریب محال ہے۔

لیکن وہ رجال کار جو وحدہ لاشریک لہ کی ذات، اس کی قدرت کا علم اور دین اسلام کی مشروعیت میں اس کے حکم ومصالح پر کمال درجہ ایمان ویقین رکھتے تھے اور اس عقیدہ پر اعتقاد جازم رکھتے تھے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی ایسی چیز کو حرام قرار نہیں دیتے، جس سے بچنا ایک انسان کی دسترس میں نہ ہو، اسی درست عقیدہ کی بناء پر ملت اسلامیہ میں سے بعض ایسے دردمند، مخلص اور دینی اقدار کے پاسبان میدان عمل میں اترے، جنہوں نے غیر سودی بینکوں اور اسلامی مالیاتی اداروں کی بنیاد میں کلیدی کردار ادا کیا اور اس سے ان کا ارادہ یہی تھا کہ معاشی نظام کو سودی منافع سے پاک کیا جائے اور اس کی تمام تر سرگرمیوں کو شریعت اسلامیہ کی روشن تعلیمات کی بنیاد پر تشکیل دیا جائے اور سودی بینکوں کے بجائے اسے ایک تجارتی ادارہ بنایا جائے جو شرعی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مرابحہ، مشارکہ، مضاربہ، اجارہ، سلم واستصناع کی بنیاد پر تجارت کرے۔

شریعت اسلامیہ جو بلاشبہ ہر زمان ومکان کے لئے ہدایت کا ایک ابدی وسرمدی پیغام ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس میں دن بدن بدلتی دنیا اور زندگی کے نت نئے مسائل کے تمام جزئیات میں سے ہر ہر جزئیہ کا حکم صراحتًا موجود ہوگا، بلکہ درحقیقت اس سے مراد یہ ہے کہ شارع کی طرف سے یہ دین

---

۲۹۶ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث مرفوع کی طرف اشارہ ہے جس میں وہ فرماتے ہیں لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ہر ایک سود خور ہوگا اور جو سود نہیں کھائے گا تو اس کا دھواں تو اسے پہنچا ہی پہنچا۔ سنن ابی داؤد: ۲/۷ کتاب البیوع

toobaa-elibrary.blogspot.com

ابتداءً ایسے اصول وضوابط اور وسیع خطوط پر وضع کیا گیا ہے، جن سے انسانی زندگی کے ہر ہر نووارد مسئلہ و جزئیہ سے متعلق احکام کا استنباط واستخراج ہو سکتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان نو پیش آمدہ جزئیات کے استنباط کے لئے ماہر فن، کہنہ مشق اور پختہ کار فقہاء کرام کی ایک جماعت ہو، جو قرآن کریم، سنت مطہرہ اور ان کے وضع کردہ مبادیات واصولیات پر گہرا مطالعہ اور وسیع تجربہ رکھتے ہوں، تاکہ وہ ان نصوص شرعیہ سے نووارد مسائل کا استنباط کر سکیں اور اسی عظیم مقصد کی تکمیل کے پیش نظر مسلمانوں کے اکابر علماء نے فقہ اور اصول فقہ جیسے گرانقدر علوم مدون کیے ہیں، تاکہ ہر زمان ومکان میں استنباط کی راہیں ہموار ہو سکیں۔

لہٰذا شریعت کے مقرر کردہ ان مناہج کو بنیاد بناتے ہوئے اگر کوئی فقیہ فقہی مسائل کا استنباط کرتا ہے تو یہ کوئی جمود نہیں بلکہ یہ انسانی زندگی کی تیز رفتاری کے حسب ضرورت ایک شرعی تقاضا اور فقہ کی تدوینِ نو ہے، اسی تدوین نو کے اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ تمام مسلمان اپنی نجی و اجتماعی زندگی کے ان تمام تر اقتصادی معاملات میں فقہاء کرام سے مراجعت کریں، جنہیں وہ بہتر سے بہتر بنانا چاہتے ہیں، تاکہ فقہاء کے سامنے عوامی تجارت وباہمی معاملات کی نت نئی صورتیں سامنے آئیں اور وہ ان کے احکام کا استنباط کریں اور اپنی کتب فقہ میں ان کی تدوین کریں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ فقہ اسلامی ہر زمانے میں اسی طرح انسانی زندگی کو ساتھ لیے چلتی رہی ہے۔

چوں کہ ملت اسلامیہ گزشتہ تین صدیوں سے سخت ترین سیاسی بحران کا شکار ہے، حتیٰ کہ اکثر ممالک میں غیر اقوام نے انہیں اپنا غلام بنا رکھا ہے اور ان کی نجی زندگی میں بھی انہیں ایسے معاشی وسیاسی قوانین کا پابند بنا رکھا ہے، جس کے باعث ان کی پیشہ ورانہ تجارتی سرگرمیاں انہی قوانین کے ماتحت ہو کر کار فرما ہوتی ہیں اور نہ صرف یہ کہ دیگر ممالک میں بلکہ مسلمان ممالک تک کا یہی حال ہے، چنانچہ کون نہیں جانتا کہ مسلمان من حیث القوم اپنی تجارتی سرگرمیوں کا پہیہ چلانے کے لئے اسی سیکولرازم کے ہلاکت خیز طور طریقوں پر قدم سے قدم ملا کر چلتے ہیں، کیوں کہ وہ مسلسل ایک ایسی سازش کا شکار ہے، جس کی رو سے عصر حاضر میں شریعت اسلامیہ کی روشن تعلیمات کو قدامت پسندی کا نام دے کر ناقابل عمل قرار دے دیا گیا ہے۔ دوسری طرف ہم جس دور سے گذر رہے ہیں، یہ تاریخ کا وہ دور ہے جس میں انسانی زندگی میں بہت بڑی انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور مذکورہ ناگفتہ بہ حالات کے پیش نظر اکثر تجارت پیشہ برادری مسلمان ہونے کے باوجود اپنی اقتصادی زندگی کے نووارد مسائل میں اسلامی فقہ اور فقہائے کرام کی طرف رجوع

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہیں کرتی (الا ماشاء اللہ جس میں بہت محدود لوگوں کا استثناء ہے) اور محض عبادات، ازدواجی معاملات اور ذاتی مسائل سے متعلق ہی فقہاء سے رجوع کو کافی سمجھتی ہے، ان کے اپنے مالی و اقتصادی معاملات میں رجوع نہ کرنے کے سبب فقہ کی تدوین و ترقی بھی زیادہ تر انہی موضوعات (عبادات، نکاح و طلاق و ذاتی مسائل) تک محدود رہی اور اسلامی فقہ گویا کہ جدید تجارت و صنعت کی عملی دنیا سے بہت حد تک دور رہی، یہی وجہ ہے کہ موجودہ فقہ اسلامی کی کتب، جن پر ایک جلیل القدر علمی ورثہ ہونے کی حیثیت سے ہم بجا طور پر فخر کرتے ہیں، تجارت و صنعت پیشہ برادری کی عصر حاضر کی ان اقتصادی جزئیات کو اس طرح کافی و شافی ہونے کی حیثیت سے حاوی نہیں ہے، جس طرح کہ عبادات اور نکاح و طلاق کے مسائل میں یہ جزئیات کا بخوبی استقصاء کرتی ہے، لیکن جب اسلامی بینک اس عزم کے ساتھ عصر حاضر کی بے ہنگم مارکیٹ میں داخل ہوئے کہ اس کی کارروائیوں (transitions) کو شریعت اسلامیہ کی روشن تعلیمات کے دائرے میں لایا جائے، تو اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ ان کارروائیوں (transitions) کو عصر حاضر کے فقہاء کے سامنے پیش کیا جائے، تاکہ انہیں احکام شرعیہ کے موافق بنایا جائے اور فقہاء کے لئے بھی یہ ضروری تھا کہ وہ اس تیز رفتاری سے دوڑتی ہوئی معاشی سرگرمیوں اور اقتصادی جزئیات کا گہرائی سے جائزہ لیں اور ان معاملات کے پیچیدگی کو مد نظر رکھتے ہوئے فقہ اسلامی کی روشنی میں استنباط و استخراج کر کے انہیں جدید خطوط پر استوار کریں۔

اس مقصد کی تکمیل کے لئے ہر اسلامی بینک کی یہ کوشش رہی کہ وہ اس اہم کام کے لئے فقہاء کرام کی ایک مجلس کا اہتمام کرے، جو شرعی نقطہ نظر سے ان کی سرگرمیوں کی باقاعدہ نگرانی کرے، جو آج کل بینکنگ کی اصطلاح میں "هيئة الرقابة الشرعية" کہلاتی ہے، اور اسلامی بینکوں سمیت سودی بینکوں کے غیر سودی کاؤنٹرز کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان "بورڈز" کی تعداد بھی بڑھتی چلی گئی اور بینکوں میں ہونے والے معاملات میں مختلف اقسام کے معاملات وقوع پذیر ہونے کے باعث ان کے مطالعہ و تحقیق کے موضوعات میں بھی تنوع آتا گیا اور ہر مجلس کی طرف سے عصر حاضر کے اقتصادی معاملات میں کثرت سے فتاویٰ اور قرار دادیں صادر کی گئیں اور ان معاملات میں استنباط و استخراج کے کام کو جدید خطوط پر استوار کیا گیا، جب کہ گزشتہ صدی میں ان معاملات کے اس طرح سامنے نہ آنے کے باعث یہ سرگرمیاں مدھم اور محدود دائرہ کار میں منحصر تھیں اور شک نہیں کہ عصر حاضر کی فقہی خدمات میں اس عظیم علمی ورثہ کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

سہت بڑا حصہ ہے، جس کے لئے اسلامی بینکوں میں موجود یہ شرعی مجالس (شرعیہ بورڈز) بھرپور جدوجہد کرتی رہیں، بلاشبہ اس عظیم علمی ورثہ کا سہرا انہی کے سر جاتا ہے۔

لیکن یہاں سب سے زیادہ قابل غور پہلو یہ ہے کہ جو معاملات ان شرعی مجالس (شرعیہ بورڈز) کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، وہ دو طرح کے ہوتے ہیں:

ایک تو وہ جن کا حکم قرآن کریم اور سنت مطہرہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات میں صراحتاً مذکور ہے، جو بلاشبہ وہ احکام ہیں جن میں اجتہاد یا اختلاف رائے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، جیسے ربا، قمار، غرر کی حرمت و دیگر احکام منصوصہ، جبکہ معاملات کی دوسری قسم وہ ہے جن میں قرآن کریم، سنت مطہرہ اور اجماع کی اصولیات کو مدنظر رکھتے ہوئے غور وفکر اور ان پر تطبیق کی ضرورت رہتی ہیں اور یہ وہ احکام ہیں جن میں فقہاء کرام کے نقطہ نظر اور آراء کا اختلاف ہوسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان شرعی مجالس کی طرف سے صادر شدہ فتاویٰ کو جب ہم دیکھتے ہیں تو وہ اکثر ان شرعی احکام سے متعلق ہیں جو پہلی قسم سے تعلق رکھتے ہیں، اور بعض احکام وہ بھی ہیں جو دوسری قسم سے متعلق ہیں، چوں کہ ان تمام احکام کی روشنی بہر حال ایک ہی مینارہ نور سے پھوٹتی ہے، لہٰذا جہاں ایک طرف پہلی قسم کے معاملات میں اختلاف کی گنجائش نہیں، عین اسی طرح دوسری قسم کے معاملات میں اختلاف بھی واقع ہوا اور مجلس کے ارکان میں سے بعض نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا اور بعض نے اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا اور ظاہر ہے کہ ان جدید معاملات میں اختلاف رائے کا ہونا ایک فطری امر ہے، کیوں کہ ہر فقیہ کے غور وفکر کرنے کا طریقہ کار اور بحث وتحقیق کا اسلوب مختلف ہوتا ہے، اور دوسری قسم کے مسائل میں اختلاف کا ہونا ہر اس شخص کے لئے جو فقہ اسلامی کے پڑھنے پڑھانے میں مصروف عمل ہے، قطعاً کوئی اچھنبے کی بات بھی نہیں ہے، وجہ ظاہر ہے کہ ہر زمان ومکان میں فقہاء کے اجتہاد اور اختلافِ آراء سے کتب فقہ بھری ہوئی ہیں۔

لیکن بینکنگ کے اس حساس نوعیت کے کام کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ماحول میں ربط و تعلق اور ہم آہنگی کی فضا برقرار رہے، کیوں کہ کسی ایک بینک کا تن تنہا ان معاملات کو انجام دینا ممکن نہیں ہے، بلکہ دیگر مالیاتی اداروں کے ساتھ معاملات کرنے کی اسے بہر حال ضرورت رہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم ابتداء ہی سے یہ ضروری سمجھتے ہیں، بینکنگ کی تمام سرگرمیاں کچھ ایسے معاییر (standards) اور اصول وضوابط کے تابع ہوں، جن کے باہمی لین دین کرنے والے تمام لوگ معترف ہوں۔

اور اس کے لئے ایک ایسے ادارے کی ضرورت ہے، جس میں فقہائے کرام کی مختلف شرعی

toobaa-elibrary.blogspot.com

مجلسوں کے نمائندگان آپس میں جمع ہوں اور مختلف فیہ مسائل کے حل کے لئے باہمی تبادلہ خیال کی فضا پیدا کریں، تاکہ اسلامی بینکوں کے لئے نہ صرف یہ کہ شرعی معایر (standards) کی تیاری ممکن ہو سکے، بلکہ مختلف نقطہائے نظر کو ایک دوسرے کے قریب لایا جا سکے، ماضی میں بھی اس طرح کے ادارے کی تشکیل کے لئے کافی کوشش ہوتی رہی ہے، لیکن کسی نہ کسی وجہ سے وہ کارآمد نہ ہو سکی، بالآخر اسلامی مالیاتی اداروں کے شعبہ حسابات (Accounting department) اور شعبہ آڈٹنگ (Auditing department) ہر دو شعبوں نے اس اشد ضرورت کا ادراک کیا اور قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں اسلامی بینکوں کے حسابات (Accounts) اور آڈٹ کے معایر (standards) وضع کرنے کے لئے نہ صرف یہ کہ راہ ہموار کی بلکہ ساتھ ہی ساتھ باقاعدہ اس مجلس کا قیام بھی عمل میں آیا، جو متعدد فقہاء کرام کی طرف سے بنائی گئی مجلس شرعیہ کے زیر نگرانی قائم ہے، ان معایر کی اہمیت کے پیش نظر ضروری ہے کہ مجلس ایک ایسے ادارہ کا قیام عمل میں لائے جو مالیاتی اداروں کے لئے شرعی معیارات تیار کرے۔

پس "هيئة الرقابة الشرعية" نے "المجلس الشرعي" (شریعہ بورڈ) کے نام سے ایک ادارہ کے قیام کی قرار داد پیش کی، جس میں یہ کہا گیا کہ نمایاں اسلامی بینکوں کے لئے موجود "هيئات الرقابة الشرعية" کے اراکین میں سے ہی کچھ ارکان کو رکنیت دی جائے اور اس قرار داد میں موجود شقوں کی عملی تطبیق کے لئے اسلامی مالیاتی اداروں کے اکاؤنٹنگ اور آڈیٹنگ ڈیپارٹمنٹس کے لئے ایک "مجلس شرعی" (شریعہ بورڈ) مقرر کی گئی ہے، جس نے ذو القعدہ ۱۴۱۹ھ بمطابق ۲۷ فروری ۱۹۹۸ء سے باقاعدہ کام کا آغاز بھی کر دیا ہے اور اس کے لئے انہوں نے اپنا پہلا اجتماع بحرین میں منعقد کیا۔

اسلامی مالیاتی اداروں کے اکاؤنٹنگ اور آڈیٹنگ ڈیپارٹمنٹس کا انتظام وانصرام اور بنیادی ڈھانچہ اپنے انتالیسویں آرٹیکل میں شریعہ بورڈ کے اہداف اور امتیازات کی شرح اس طرح کی گئی ہے۔

مجلس شرعی مندرجہ ذیل امور کا بالخصوص اہتمام کرے گی:

۳۹/۱ تصورات وتطبیقات کے حوالے سے مالیاتی اداروں کے نگران شریعہ بورڈز کے مابین مفاہمت ومطابقت یا مقاربت کی راہ ہموار کرنا، تاکہ مالیاتی اداروں کے لئے دیے گئے فتاوٰی اور ان کی عملی تنفیذ کے دوران کسی بھی قسم کے اختلاف یا تنازعہ سے بالاتر ہو کر اسلامی مالیاتی اداروں واسلامی بینکوں سے مختص نگران شریعہ بورڈز کی کارکردگی پر مثبت اثرات مرتب ہو سکے۔

۳۹/۲ سرمایہ کاری، فائنانسنگ، تکافل، اور مالیاتی سروسز سے متعلقہ جملہ معاملات کے لئے شرعی

toobaa-elibrary.blogspot.com

اصول وضوابط ومعاییر تیار کرنا اور انہیں بہر صورت شریعت اسلامیہ کے تابع رکھنا۔

۳/۳۹ مزید ایسے شرعی معاملات کی تدوین کے لئے سعی پیہم صرف کرنا، جو بینکنگ سروسز، سرمایہ کاری اور فائنانسنگ کے میادین عمل میں طُرق معتبرہ کی بتدریج ترقی کا موجب ہو۔

۴/۳۹ اسلامی مالیاتی اداروں یا نگران شریعہ بورڈز کی طرف سے تفویض کردہ جملہ امور میں غور وخوض کے تقاضوں کو بدرجہ اتم پورا کرنا، چاہے یہ تفویض شرعی رائے کے ظاہر کرنے یا اس کی مختلف جہتوں کے درمیان حد فاصل قائم کرنے یا باقاعدہ ثالثی کی غرض سے ہو۔

۵/۳۹ ان معاییر کی مطالعی سرگرمی، جنہیں یہ ادارے اکاؤنٹنگ، آڈیٹنگ، اصول وضوابط، اخلاقیات اور متعلقہ بیانات کے حوالے سے جاری کرتے رہتے ہیں، جس کے مختلف مراحل اس لئے مقرر کئے گئے ہیں تاکہ ان کے جاری ہونے سے قبل انہیں مکمل طور پر اسلامی احکام اور شرعی اصولوں کے مطابق ترتیب دیا جاسکے۔

''شریعہ بورڈ'' اپنی تاسیس سے لے کر آئندہ ہر سال اپنے پلان کے مطابق ان مقررہ اہداف تک رسائی کے لئے مسلسل جدوجہد کررہا ہے، جس کی دو ذیلی کمیٹیاں ہیں (۱) افتاء وتحکیم (۲) تحقیقاتی کمیٹی، مجلس شرعی موضوعات منتخب کرنے کے بعد اس موضوع کے ماہرین فن و متخصصین فقہاء کو موضوع سے متعلق شریعت مطہرہ کی روشنی میں تحقیقاتی تیاری کا بایں طور پابند بناتی ہے کہ موضوع سے متعلقہ تمام پہلوؤں اور نقطہائے نظر شرعی دلائل کے ساتھ کھل کر واضح ہوجائیں اور معاییر کے مسودات وضروریات تیار ہوجائیں اور یہ مسودات تمام تر ضروری معلومات دونوں کمیٹیوں میں سے کسی ایک کے سامنے پیش کی جائیں، اور ان دونوں میں سے کسی ایک سے پلان پاس ہوجانے کے بعد مجلس شرعی کے اجلاس میں پیش کردیا جائے، جو شش ماہی بنیادوں پر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں باقاعدہ منعقد ہوتا ہے، جہاں مجلس شرعی باہمی گفت وشنید اور تبادلہ خیال کے بعد اس پلان کو پاس کرے گی اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے بعد یہ پلان ''هيئة الرقابة الشرعية'' کی طرف سے ماہر فن متخصصین علماء کرام اور موضوع کا صحیح معنی میں فہم وادراک رکھنے والی مقتدر شخصیات کے پاس بھیجا جائے گا، تاکہ اگر انہیں اس میں کسی قسم کا کوئی اعتراض یا اشکال ہو تو اس کا اظہار کرسکیں، پھر ''هيئة الرقابة الشرعية'' ایک اجلاس کا انعقاد کرے گا جس میں شریعت اسلامیہ کے فقہاء کرام، مرکزی بینکوں و مالیاتی اداروں کے نمائندگان، جامعات و یونیورسٹیوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے اساتذہ کرام، اکاؤنٹ ڈیپارٹمنٹ کے اکاؤنٹنٹس کو مدعو کیا جائے گا تاکہ وہ پلان کے حوالے سے اپنی آراء کا اظہار کریں اور یہ اجتماع ان کی آراء و تجاویز کو بغور سن کر اس کی کارگزاری کی باقاعدہ رپورٹ مرتب کرے گا، پھر یہ اعتراضات و تجاویز شرعی تحقیقاتی کمیٹی کی خدمت میں پیش کی جائیں گی، جو قابل قبول اعتراضات پر عمل درآمد کرتے ہوئے پلان میں مناسب ردوبدل کرے گی، پھر یہ پلان فائنل شکل میں ایک بار پھر مجلس شرعی کی خدمت میں پیش کیا جائے گا جس کے بعد مجلس شرعی کیے گئے ردوبدل میں جو مناسب سمجھے گی، ڈھانچہ میں داخل کردے گی اور اس طرح یہ پلان مکمل فائنل شکل اختیار کر جائے گا۔

اسی طریقہ کار پر چلتے ہوئے مجلس شرعی اب تک پانچ معایر فائنل کر چکی ہے، جو یہ ہے:

ا۔ کرنسی کا تبادلہ اور لین دین۔ ۲۔ ڈیبٹ کارڈ و کریڈٹ کارڈ۔ ۳۔ ڈفالٹ مقروض۔ ۴۔ قرضوں میں مقاصہ (تصفیہ)۔ ۵۔ ضمانات (گارنٹیز)

اسی طرح شرعی تقاضوں کے عین مطابق مندرجہ ذیل اسلامی تمویلی طریقے پاس ہو چکے ہیں:

ا۔ خریداری کے آرڈر دینے والے کے لئے مرابحہ موجلہ۔

۲۔ اجارہ اور اجارہ منتھیۃ بالتملیک

۳۔ سلم (مقررہ وقت تک مارکیٹ میں دستیاب چیز کا مع دیگر شرائط کے خریدنا)۔

۴۔ استصناع (آرڈر پر چیز بنوانا)۔

ایک وسیع جدوجہد کے بعد مجلس شرعی کے سامنے تحقیقات کی تیاری، عامۃ المسلمین کے لئے اہم اہم موضوعات میں غور و فکر اور امتیازی خصوصیات کے حامل اسلامی مالیاتی ادارے کے حوالے سے ایک مضبوط لائحہ عمل موجود ہے، نیز مجلس شرعی سرمایہ کاری کے دیگر شرعی خطوط کے حوالے سے شعور اجاگر کرنے کے لئے کوشاں ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ مجلس شرعی کی طرف سے صادر شدہ یہ شرعی معایر اور دستاویزات بلا کسی فقہی اختلاف کی گنجائش کے قول فیصل ہے، یا گویا اس پر اجماع شرعی ہو چکا ہے، لیکن شک نہیں کہ مجلس شرعی (جو تاحال عبوری دور سے گزر رہی ہے) نے ایک طویل جدوجہد کے بعد ذی رائے مقتدر شخصیات کو اہم اجلاس میں شرکت کی غرض سے اور باہمی بحث و مباحثہ کے لئے ایک ٹیبل پر جمع کر کے بڑا کردار ادا کیا ہے، جو پوری دیانت کے ساتھ رائج موضوعات پر تحقیقات اور ان کی تنفیذ کے لئے کوشاں ہیں، جس میں شامل تمام اراکین، وسیع النظری، بیدار مغزی اور علمی دسترس کیساتھ غور و خوض کرتے ہیں، اور اپنی رائے پر تعصب و

toobaa-elibrary.blogspot.com

تاثر اور اس پر بضد رہے بغیر اپنے خالص علمی و دینی منصب کو بخوبی نبھارہے ہیں، اسی طرح مجلس شرعی نے جہاں تک ممکن ہو سکتا تھا، اپنا پورا زور اس پر صرف کیا ہے اس کی تمام کی تمام قرار دادیں ایسے شرعی دلائل پر مبنی ہوں جو افراط و تفریط کے درمیانی راہ سے گزرتے ہوں، جس میں نہ صرف یہ کہ مالیاتی اداروں کی بنیادی ضروریات کا لحاظ ہو بلکہ شریعت مطہرہ کی روشن تعلیمات سے بھی سرمو انحراف نہ ہو، ساتھ ہی مجلس شرعی نے موضوعات کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے یکے بعد دیگرے منعقدہ ہیرنگ سیشن سے ایک واضح لائحہ عمل لیا ہے، تاکہ شرعی معاییر اور دستاویزات کو انتہائی صورت تک پہنچانے میں احتیاط کے تمام تر ضروری پہلو سامنے رکھے جائیں۔

اور چوں کہ "مجلس شرعی" (شرعیہ بورڈ) کی طرف سے بینکوں کی تمام برانچز اور اسلامی مالیاتی اداروں کی نمائندگی کرتی ہے لہٰذا اس کے لئے ضروری ہے کہ غایت درجہ اہتمام سے نگران بورڈز کی نظر ثانی کے بغیر کوئی ایسا اقدام نہ کرے، جو علمی حلقوں کے درمیان چہ میگوئیوں کا سبب بنے، اور ہم امید کرتے ہیں کہ صادر شدہ معاییر اور دستاویزات ان تمویلی معاملات کی جانچ کے وقت وکلاء کے لئے بھی معین و مددگار ہوں گی، اور نگران حضرات کے لیے مختلف مراحل میں ہونے والی عملی کارروائیوں (transitions) کی شرعی نگرانی کے وقت بھی کارگر ہوں جیسے کہ یہ اکاؤنٹینٹ، محققین، مالیاتی اداروں کا سروے کرنے والی ٹیموں کے لئے بھی منضبط ہوں گی، نیز مرکزی بینکوں کے لئے بھی خاصہ کی چیز ہو، تاکہ شرعی نقطہ نظر سے مقررہ اہم امور کی ادائیگی کے لئے راہیں ہموار ہو سکیں، ساتھ ہی یہ اسلامی مالیاتی اداروں کے فنی اداروں کی مشق و تمرین کے لئے بھی یہ ایک اہم دستاویز ہو، اسی لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شرعیہ بورڈ کی طرف سے صادر شدہ معاییر اور دستاویزات، جو کہ عربی زبان میں ہے، کو شرعیہ بورڈ انگریزی محاورہ میں اسی طرح ترجمہ کرنے کا اہتمام کرے، جو معتبر مالیاتی اداروں کے درمیان ایک مشترکہ زبان کی حیثیت سے رائج ہو۔

دعا گو ہوں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان مساعی جمیلہ کو شرف قبول عطا فرما کر کامیابی سے ہمکنار فرمائے، اور "مجلس شرعی" (شریعہ بورڈ) کو اپنی رضا و خوشنودی کے مطابق عملی جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور غلطیوں و لغزشوں کی اصلاح فرمائے، اس کے پُر خلوص اہلیان کو صداقت کی دولت سے مالا مال فرمائے، اور ان کی شرعی معاملات کے نفاذ کے حوالے سے تمام تر کوششوں کو اپنی رضا کا ذریعہ بنائے اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے ثمر آور و بارآور فرمائے۔ آمین

toobaa-elibrary.blogspot.com

نگران شرعیہ بورڈ
اور اس کے وظائف

احکام شرعیہ کی تنفیذ میں
نگران شرعیہ بورڈز کا کردار

toobaa-elibrary.blogspot.com

نگران شرعیہ بورڈ اور اس کے وظائف

جنرل سیکریٹریٹ کی طرف سے مجھ سے مطالبہ کیا گیا کہ میں عظیم محقق عالم دین ڈاکٹر یوسف قرضاوی اور محترم علامہ شیخ ڈاکٹر علی عبد اللہ کے مصارف اسلامیہ کے "هيئة الرقابة الشرعية" کے موضوع پر تحریر کردہ ہر دو مقالوں پر اپنی رائے کا اظہار کروں، حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں شیوخ میں سے ہر ایک نہ صرف یہ کہ اپنے میدان کے نبض شناس و ماہر تجربہ کار شخصیات ہیں، بلکہ اسلامی مالیاتی اداروں کے عملی نظام و رائج سرگرمیوں میں بھی وسیع تجربہ رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دونوں حضرات نے موضوع کا بڑی خوبی سے استیعاب کیا ہے، جو بلاشبہ ان کے تحریر کردہ گرانقدر مقالہ کے حرف حرف سے مترشح ہے، جن پر کچھ بھی تبصرہ کرنے کے لئے میرے پاس کوئی توشہ نہیں، جس کی بنیاد پر ان ہر دو مقالہ جات پر کوئی نقد و تبصرہ کر سکوں، تاہم اتنا ضرور چاہوں گا کہ ان نکات کو مزید مؤکد کرنے کے لئے ان کی ہاں میں ہاں ملاؤں، جن کی صحیح معنی میں رعایت نہ رکھنے کی وجہ سے شرعی نقطہ نظر سے اسلامک بینکنگ کی طرف پیش قدمی سست روی کا شکار رہی:

ا۔ پہلا نکتہ

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اسلامی بینکاری کے قیام کے ماخلف یہ سوچ اور فکر قطعاً کارفرما نہیں کہ سودی معاملات کے جیسے ہی کچھ ایسے معاملات کا ملغوبہ تیار کر لیا جائے، جو بالآخر نتائج کے اعتبار سے سودی ہی ہوں اور صرف اتنا کر دیا جائے کہ کہیں کچھ نام بدل دیے، کہیں اصطلاحات میں تبدیلی کر دی، تو کہیں کچھ کاغذات اور منسلکہ دستاویزات میں تغیر و تبدل کر دیا، بلکہ اس کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ اسلامی اقتصادی نظام کی جزئیات کو بینکنگ سسٹم میں اس طرح منطبق کیا جائے کہ احکام شریعت کے برکات و ثمرات پوری طرح کھل کر سامنے آئیں، جس کی رو سے بالخصوص دولت کی منصفانہ تقسیم اور اقتصادی نظام میں موجود معاشی زبوں حالی کا ازالہ ممکن ہو سکے اور اسلامی بینکاری نظام اللہ تعالیٰ کی وضع کردہ شریعت مطہرہ کا عملی نمونہ ہو اور اس سے حاصل شدہ مصالح خیر پوری طرح واضح ہوں، لیکن افسوس ہے کہ اسلامی بینکاری نظام نے جس اندوہناک اقتصادی ماحول میں آنکھیں کھولی ہے، وہ اپنے تمام تر عجر اور بجر کے ساتھ سیکولرازم کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے اٹا ہوا ہے، لہٰذا اس پُر آشوب فضا میں جو کوئی اسلامی نظام کے نفاذ میں اپنا کردار ادا کرنا چاہتا ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

تو رائج سودی نظام پورے وسائل کے ساتھ اس کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی بینکاری نظام کسمپرسی کے عالم میں تن تنہا توکلاً علی اللہ ایسے وقت میں شروع کیا گیا، جب کہ اس بالکل ابتدائی دور میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو اس کے ساتھ خالصتاً اسلامی بنیادوں پر معاملات کے لئے ذہنی طور پر تیار ہوتا، اور اقتصادی دنیا میں اگر کوئی تھا بھی تو آٹے میں نمک کے برابر، کیوں کہ سب ہی مرکزی بینکوں کے قوانین و ضوابط کے تلے خود ساختہ طور پر دبے ہوئے تھے، اور عالمی قوانین سمیت رائج سرمایہ دارانہ نظام، جس کی بنیاد میں ہی سودی فلک بوس عمارتیں کھڑی تھیں، قطعی طور پر اس کی حامی نہیں تھا کہ عالمی طاقتوں کے طرف سے جکڑے ہوئے اس نظام میں رتی برابر بھی اسلامی احکام منطبق ہو جائیں۔ ان سخت ترین حالات کے پیش نظر علماء کرام اور اسلامک بینکنگ کے "ھیئۃ الرقابۃ الشرعیۃ" نے بعض جائز رخصتوں اور عملی سرگرمیوں کے ایک ایسے عارضی نظام کو اختیار کیا، جو اسلامی اقتصادی نظام کے اہداف کو دیکھتے ہوئے ایک مثالی نظام نہیں تھا بلکہ اس میں رائج معاملات ایسے عقود پر مشتمل تھے جو ان مالیاتی اداروں کو صریح سود سے بچانے اور ایک ایسے متبادل نظام کی صورت میں اشد ضرورت کو پورا کرنے کے لیے فقہی نقطہ نظر سے تشکیل دیے گئے تھے، جو سنجیدہ معاملات کے بجائے در حقیقت سود سے باہر آنے کے راستوں اور حیلوں کے زیادہ قریب ہے۔

لیکن دوسری طرف اس بات کی وضاحت نہایت ضروری ہے کہ فقہی نقطہ نظر سے تشکیل دیے گئے ان عقود کی اجازت دینے کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ اسلامی بینک اپنی تمام تر کاروباری سرگرمیوں کو انہی عقود تک منحصر رکھیں، یا پورا بینکاری نظام تا ابد انہی عقود کا پابند بن کر رہے، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تاحال اسلامک بینکوں کا ایک بہت بڑا حصہ انہی جیسے حیلوں پر اکتفاء کیے ہوئے ہیں، اور حقیقی شرعی متبادل (مشارکہ و مضاربہ) کی طرف پیش قدمی سے گریزاں ہیں اور مطلوبہ سامان خریدنے کا آرڈر دے کر شرعی مرابحہ کے طور پر خرید و فروخت کے جائز متبادل طریقہ کار ہی کو وسیع پیمانے پر روبکار لا رہے ہیں، جس کی رو سے اکثر اسلامی بینکاری صرف مذکورہ مرابحہ تک ہی منحصر ہو کر رہ گئی ہے (جو کہ جائز اور سود سے نکلنے کا ایک شرعی طریقہ ہے) مگر ایک اسلامی اقتصادی معاشرہ کی تشکیل میں سودی بینکاری نظام سے عملی طور پر اس کا فرق (بایں طور) واضح طور پر سامنے نہیں آ رہا، (جیسا کہ مضاربہ و مشارکہ کے مثالی نظاموں میں، دولت کی منصفانہ تقسیم کے بعد امیر کو امیر سے امیر تر اور غریب کو غریب سے غریب تر بنانے سے روکنے اور معاشرتی و طبقاتی تقسیم کا قلع قمع کر کے غریب امیر میں توازن قائم کرنے کی صورت میں یہ فرق ظاہر

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوتا ہے) ظاہر ہے کہ محض آمر بالشراء کے مرابحہ پر مشتمل غیر سودی بینکاری کی یہ چھاپ اسلامی بینکوں کے زریں کردار پر ایک سوالیہ نشان ہے، جس سے بلاشبہ شریعتِ اسلامیہ کا اسلامی اقتصادی نظام اپنی اصل روح کے ساتھ دشمنانِ اسلام کے سامنے نہیں آرہا، جو ایک المیہ ہے۔

تاہم اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ "هيئة الرقابة الشرعية" کی ایک بڑی تعداد اس بات پر بہرحال زور دیتی رہتی ہے کہ اسلامی بینک مضاربہ ومشارکہ کو بنیاد بناتے ہوئے اس مثالی شرعی متبادل کی طرف کھلے دل سے پیش قدمی کریں، لیکن چوں کہ یہ سفارشات کے طور پر ہے، اس لیے تاحال مطلوبہ صورت میں بدرجۂ اتم اس کا فائدہ ظاہر نہیں ہورہا، اس لیے میری ہمیشہ یہ تجویز رہی ہے کہ شرعی مجالس اس معاملے میں بینکوں کے مرکزی اداروں پر مزید زور دیں کہ وہ آمر بالشراء (مطلوبہ سامان آرڈر کر کے خریدنے والے) کے ساتھ مرابحہ (ملکیت میں لے کر نفع کے ساتھ اسے فروخت کرنے) کے معاملے کو وسیع پیمانے پر رائج کرنے اور اسی پر انحصار کرنے کے بجائے حتی المقدور مضاربہ یا مشارکہ ہی کی عملی صورتوں کو ترجیحی بنیادوں پر نافذ کریں، تاکہ اس کے عملی ثمرات بینک اور کلائنٹ سے نکل کر عوام تک پہنچ سکیں۔

۲۔ دوسرا نکتہ

مطلوبہ سامان خریدنے کا آرڈر کرنے والے کے ساتھ نفع رکھ کر فروختگی کے معاملے کی شرعی مجالس کی طرف سے مرابحہ کی مقررہ تمام شرائط کی حد درجہ رعایت کرتے ہوئے اجازت دی گئی ہے اور یہ وہ شرائط ہیں جو شرعی مرابحہ کو سودی معاملہ سے ممتاز کرتی ہے، گو کہ تمام اسلامی بینک اداراتی سطح پر تمام شرائط کو اہتمام کے ساتھ اپنے مرابحہ ایگریمنٹ میں تحریر کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے (جیسا کہ محترم شیخ یوسف قرضاوی اسی خدشے کا اظہار فرمارہے ہیں) کہ بینک کے ملازمین، جو پہلے ہی کونشل بینکوں کے ماحول میں تربیت پائے ہوئے ہوتے ہیں، ان کا ان مقررہ شرائط سے لاپرواہی برتنا کوئی مستبعد نہیں ہے کہ وہ خالص نقدی کی شکل میں تمویل کردیں، جو سودی فائدہ کی بنیاد پر تمویل سے تجاوز نہ کرے۔

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ بورڈ کی قرار دادوں اور بینکوں میں ان کی عملی تطبیق کے درمیان ایک بہت بڑی خلیج واقع ہوسکتی ہے، جس کا سدّباب از حد ضروری ہے اور یہ خلا اسی طرح پورا ہوسکتا ہے کہ شریعہ بورڈ اپنی ذمہ داری کا پوری طرح احساس کرتے ہوئے یہ استحضار رکھے کہ شرعیہ بورڈز کا کام محض فتویٰ صادر کرنے کی حد تک نہیں، بلکہ یہ "هيئات الرقابة الشرعية" بھی ہیں، جس کی رو سے وہ اپنی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ذمہ داریوں و فرائض سے فتویٰ نویسی اور قرار دادوں میں مرابحہ کی شرعی شرائط کی محض تشریح کرکے ہرگز سبکدوش نہیں ہوسکتے، بلکہ قرارداد صادر کرنے کے بعد اس کی ایک ایک شق کی عملی تطبیق کی کڑی نگرانی اور ان پر مبنی عملی کارروائی کی باریکی سے جانچ کرنا بھی ان کے واجبات میں سے ہے، اور یہی وہ اہم ترین مرحلہ ہے جس کی بہت سے اسلامی بینکوں میں اس طرح پاسداری ہونا کہ مکمل قلبی اطمینان رہے، کما حقہ ادا نہیں کی جاتی بلکہ اس میں کوتاہی کا بڑا خدشہ رہتا ہے۔

شیخ ڈاکٹر یوسف قرضاوی حفظہ اللہ نے ہمارے برادر عزیز ڈاکٹر سامی حسن کی یہ رائے بھی اپنے مقالہ میں نقل کی ہے کہ اسلامی بینک میں ہر ملازم شرعی نگران ہو، پھر اس پر گرفت بھی کی ہے کہ اگر ہم فرض کرلیں کہ بینک کا ہر ملازم اسلامی ثقافت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو، (لیکن اس طرح شاید ایک ثقافتی انقلاب تو آجائے گا) مگر محض اتنا کردینے سے ہمیں شرعی امور کے متخصصین کے بنائے ہوئے بورڈ سے قطعی طور پر استغناء نہیں ہوسکتا۔

من حیث المجموع یہ ایک درست تبصرہ ہے، لیکن مناسب ہے کہ ہم یہاں دو باتوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھیں:

۱) روز افزوں نت نئی مالیاتی سرگرمیوں کی نسبت حکم شرعی بتانا اور فتویٰ صادر کرنا، جس کے لئے ایسے متخصصین پر مشتمل ایک بورڈ کا قیام ضروری ہے، جو بالعموم علوم شرعیہ اور بالخصوص فقہ المعاملات میں کامل درجہ دسترس رکھتے ہوں۔

(۲) عملی تطبیق کے نقطۂ نظر سے ان کی باریکی سے جانچ، یہ ایک ایسا کام ہے، جو اپنی اصل کے اعتبار سے فقہاء کی مقررہ شرعی بورڈ کی اہم ترین ذمہ داریوں میں قرار نہیں دیا جاسکتا، بالخصوص ان حالات میں جبکہ یہ حضراتِ فقہاء خالصۃً اسی کام کے لیے فارغ بھی نہیں ہیں، جو ہر وقت بینکوں کی نشستوں پر حاضر باش رہیں، نیز فقہاء کرام ایک طویل مدت کے بعد ایک یا دو دن متعلقہ کاموں کی فائلوں کی ایک طویل فہرست کے ساتھ اس طور پر جمع ہوتے ہیں کہ یہ فائلیں اکثر انگریزی زبان میں ہوتی ہیں جس کے باعث بسا اوقات ایک عالم کے لئے اس میں کمی کوتاہی کے مواقع کو سمجھنا بھی ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے، لیکن شرعی بورڈز اس اہم ترین کام کی ادائیگی کے لیے مسلسل متحرک رہتے ہیں، کہ جانچ پڑتال کا یہ نظام ایسے باریک بین و نبض شناش حضرات کے زیر

toobaa-elibrary.blogspot.com

نگرانی ہو، جنہیں احکام شریعت اسلامیہ کا کافی وشافی حیثیت سے اس طرح گہرا علم ہو جو انہیں شرعی نقطہ نظر سے ہونے والی معمولی غلطی پر بھی پورے تیقظ کے ساتھ مطلع کرے، اور ظاہر ہے اس کی اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں کہ شرعی بورڈز کی طرف سے باریکی سے شرعی نگرانی کی جائے۔

اور اس بات میں کوئی دو رائے نہیں کہ حالات کی نزاکت کی وجہ سے شرعیہ بورڈز کے کاندھوں پر یہ جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے، وہ بلاشبہ سب سے زیادہ حساس نوعیت کی ہے، جس کے لیے ایک ایسا آرگن وضع کرنے کی ضرورت ہے جس سے فریضہ کی مطلوبہ حیثیت سے ادائیگی ہو سکے اور اس آرگن کے وضع کرنے کے لیے چند تجاویز ہیں، جن پر بعض اسلامی مالیاتی ادارے بڑی کامیابی سے عمل پیرا ہیں۔

۱) ہر اسلامی بینک کے لیے ایک یا حسب ضرورت فقہاء شریعت بحیثیت شرعی ایڈوائزر مقرر ہو، جو آخر میں بینک کی تمام ٹرانزیکشن کی باریکی سے جانچ کرے، تاکہ شرعیہ بورڈ کی قراردادوں کے عین مطابق شرعی نقطۂ نظر سے مکمل اطمینان کے ساتھ ان کی جانچ پڑتال ہو سکے۔

۲) ہر بورڈ کے تحت بعض اراکین پر مشتمل ایک ایسی کمیٹی مقرر ہو، جو موقع بموقع سہولت سے جمع ہو سکیں، اور نو پیش آمدہ قضیوں کو بورڈ کے سامنے اٹھائیں، نیز بینک کی ٹرانزیکشنز کی گشتی نگرانی کے لیے اقدامات کریں اور رپورٹ کی تیاری کے لئے سالانہ جانچ کے عمل کو مؤثر بنائے۔

(۳) میں ڈاکٹر علی عبد اللہ حفظہ اللہ کی اس تجویز کو سراہتا ہوں کہ شرعیہ بورڈ کے جنرل سیکریٹریٹ کا قیام عمل میں لایا جائے، جو بینک کی سرگرمیوں کی نگرانی اور صادر شدہ قراردادوں کی تنفیذ مستقل بنیادوں پر ممکن بنائے۔

میں یہ بھی ”هيئة الرقابة الشرعية“ کے واجبات میں سے سمجھتا ہوں کہ تب تک بینکوں کی نگرانی کی ذمہ داری قبول نہ کریں جب تک کہ انہیں اس بات کا مکمل اطمینان نہ ہو کہ بینک اداراتی سطح پر مذکورہ تینوں طریقوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی اس طرح حامی بھر چکے ہیں کہ بورڈ کی قراردادوں کی عملی تنفیذ مطلوبہ حیثیت سے ممکن بنائیں گے۔

۳۔ ہم پہلے بھی یہ بات وضاحت سے ذکر کر چکے ہیں کہ شرعیہ بورڈز نے اسلامی بینکوں میں پیش

toobaa-elibrary.blogspot.com

آمدہ تمام حالات کی رعایت کرتے ہوئے ایسی مالیاتی سرگرمیوں کی اجازت دی ہے جو سودی بینک کے مثالی متبادل ہونے کی حیثیت سے کارگر نہیں، اور ان سخت ترین مشکلات کے پیش نظر جن کا اسلامی بینکوں کو سامنا ہے وہ ابتدائی حیثیت سے سد ذرائع کے طور پر اکثر ایسی رخصت وسہولت کی طرف مائل ہیں، جس کی شرعاً اجازت ہے، اور اس کے لیے جہاں تک ممکن ہو سکتا ہے وہ فقہ اسلامی کے اصول وضوابط کی روشنی میں ہی آگے بڑھ رہے ہیں، لیکن کبھی کبھی بینک ادارتی سطح پر مرابحہ اور اجارہ وغیرہ میں بعض شرائط سے پہلو تہی کرتے ہوئے رخصت در رخصت کا مطالبہ کرتے نظر آتے ہیں، لیکن اب جبکہ اسلامی بینکاری نظام کو بیس سال سے متجاوز عرصہ گزر چکا ہے، میری نظر میں اب وہ وقت آیا ہی چاہتا ہے کہ اسلامی بینکاری سے متعلقہ فتاویٰ میں اس کا سدّباب کیا جائے، کیوں کہ صرف اس کی بنیاد ڈال دینا کافی نہیں ہے، بالخصوص ایسے ماحول میں جبکہ آج یہ اسلامی بینک اسلامی اقتصادی اصولوں کی عملی نمائندگی کر رہے ہیں لہٰذا ایک ایسی غیر سودی بینکاری جس میں ایسے راستے اور کہیں حیلے اختیار کیے گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ سود سے نکال دے، اور سب سے بڑھ کر بینکنگ کی تقریباً سرگرمیوں کا وسیع پیمانے پر اسی (مرابحہ) پر انحصار ایک مثالی اسلامی نظام کے چہرے کو مسخ شدہ شکل میں پیش کرتا ہے اور ایک فعّال ومکمل اسلامی اقتصادی نظام کی ترقی میں رکاوٹ ہے۔

غیر سودی بینکاری اور اسلامی مالیاتی اداروں کی آج اگر تعداد دیکھی جائے تو وہ دو سو سے متجاوز ہیں، اگر تمام مالیاتی ادارے باہمی تعاون کو ممکن بناتے ہوئے مزید سنجیدگی سے عملی جدوجہد کریں، تو یہ اکثر ان مشکلات سے بسہولت چھٹکارا پاسکتے ہیں جو انہیں ابتدائی طور پر در پیش رہیں اور یقیناً ان کا آج، گزشتہ کل سے کہیں بہتر ہوگا، نہ صرف یہ کہ منافع کے اعتبار سے بلکہ (مضاربہ و مشارکہ کی صورت میں) اسلام کے حقیقی و مثالی نظام معیشت کے التزام کے نقطۂ نظر سے بھی۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنی منشاء اور رضا کے مطابق عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین

toobaa-elibrary.blogspot.com

احکام شرعیہ کی تنفیذ میں نگران شریعہ بورڈز کا کردار

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاَمِیْنِ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّا بَعْدُ!

بلاشبہ اسلامک بینکنگ، کنونشل بینکنگ سے اس التزام کے باعث ایک امتیازی شان رکھتے ہیں کہ یہاں تمام معاملات کے شرعی اصول و ضوابط اسلامی فلسفہ اقتصادیات اور اس عظیم و مبارک مقصد کے حصول کی اساس ہے، جو ایک عادلانہ اقتصادی نظام کو پروان چڑھانے میں کلیدی کردار ادا کر رہے ہیں، لہٰذا اسلامی مالیاتی اداروں کی شریعہ بورڈز وہ بورڈز ہیں، جو ان مالیاتی اداروں کو روز افزوں ترقی دینے میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں، کیوں کہ یہی وہ ادارے ہیں، جن کے کاندھے اس بھاری بھرکم ذمہ داری سے ہر لحظہ و ہر آن بوجھل رہتے ہیں کہ یہاں کی تمام تر ٹرانزیکشنز آیا شریعت اسلامیہ کے موافق چل رہی ہیں یا نہیں؟، کیوں کہ مالیاتی نظام میں ہونے والے معاملات میں سے کوئی ایک ٹرانزیکشن بھی ایسی نہیں ہوتی جو اس ادارے کے پاس (pass) کیے بغیر آگے بڑھ جائے اور یہی وہ ادارہ ہے جس پر عملی سرگرمیوں کی نگرانی کی ذمہ داری برابر رہتی ہے، جس کے باعث یہ مسلسل اسی تگ و دو میں رہتے ہیں کہ یہاں کی سرگرمیاں اور عملی امور بغیر کسی شرعی قباحت کے انجام پائیں، لہٰذا محض فتویٰ دینے کے لئے یہ بورڈز قائم نہیں کئے گئے، بلکہ شرعی نگرانی بھی انہی بورڈز پر عائد ہوتی ہے، جو بالآخر ان مالیاتی اداروں کو حکم شرعی کی عملی تنفیذ کی نہج پر لے کر جاتے ہیں۔

شریعہ بورڈز کی انہی گرانقدر خدمات کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی بینکاری کا پہیہ چلانے اور انہیں ان خطوط پر استوار کرنے کے لئے جو اسے سودی بینکاری سے ممتاز کرے، نیز اس کے اسلامی تشخص کو اس طرح برقرار رکھنے کے لئے جس کی رو سے ایک بڑی سودی مالیاتی منڈی میں اسلامی مارکیٹنگ کا تصور اجاگر ہو، گوکہ معمولی شرح نسبت سے ہی ہو، کا سہرا بلاشبہ انہی کے سر جاتا ہے۔

شک نہیں کہ ہر کام کی ابتداء میں کچھ رکاوٹیں اور مشکل گھاٹیاں ہوتی ہی ہیں، جن کا سر کرنا اس تصور کے بغیر ضروری ہوتا ہے کہ پیچھے ہمارے ہاتھ سے کیا چیز نکل رہی ہے، حتّٰی کہ رفتہ رفتہ ہم آگے چل کر ایک طویل سفر کے دوران ان فوت شدہ امور کی تلافی کرتے چلے جائیں، جس کے لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ ہم اپنا زاویہ فکر مثبت خطوط پر استوار کریں، وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بالکل واضح ہو، جس میں رعایت یا مداہنت کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

کوئی ادنیٰ پہلو بھی نہ ہو، اور ان کانفرنسز کا پورا فائدہ تبھی ہو سکتا ہے، جبکہ اس کے مقاصد مثبت اور واضح ہوں۔

لہٰذا مجھے پوری صراحت سے یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ وہ شگاف اور خلا جن کی وجہ سے یہ خدشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں اب تک کی اس انتھک جدوجہد اور مسلسل محنت پر پانی نہ پھر جائے، جو ان اسلامی مالیاتی اداروں کے قیام اور ان کا تشخص برقرار رکھنے کے لیے صرف کی گئی ہیں، اللہ نہ کرے ایسا ہو، اور وہ یہ ہے کہ شرعیہ بورڈز کے دو نمایاں کردار ہیں: (۱) فقہی کردار (۲) نگرانی کا کردار

ان ہر دو کرداروں پر ہم علیحدہ علیحدہ گفتگو کریں گے:

جہاں تک فقہی کردار کا تعلق ہے تو وہ یہی ہے کہ جو مسئلہ بھی درپیش ہو اور جہاں کہیں مالیاتی معاملات پر توثیق کی مہر ثبت کرنی ہو، تو چوں کہ ان میں اکثر معاملات کی روز افزوں نت نئی صورتیں وجود پذیر ہو رہی ہیں، اس لیے معاملہ کی تنقیح اور پھر اصول فقہ کی روشنی میں انہیں جائز قرار دینے اور فتویٰ صادر کرنے کے لیے کسی حد تک اجتہادی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے۔

اور فقیہ کی اہم ترین ذمہ داریوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ ان معاملات کو جائز قرار دینے کے لیے جہاں ایک طرف شرعی احکام وضوابط کا پابند رہے، وہیں دوسری جانب علی وجہ البصیرت اسے یہ اطمینان بھی ہو کہ واقعی معنی میں ان کی ضرورت ہے، بلکہ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ان کی حقیقی ضرورت اور اس حرص وہوس کے درمیان پائے جانے والے فرق کی باریکی سے جانچ کرے، جو سیکولرازم کی اس پر آشوب تمویلی مارکیٹ میں پوری طرح سرایت کر چکی ہے، یہی وہ امتیازی خصوصیت ہے جس میں اسلامی مالیاتی اداروں میں ہونے والے بعض معاملات میں مجھے خلا نظر آتا ہے، جسے میں یہاں قدرے وضاحت سے ذکر کرنا چاہوں گا۔

اس اسلامی مالیاتی نظام میں بعض امور ایسے ہیں جس میں اصل یہی ہے کہ ان کی حوصلہ شکنی ہو، مگر حقیقی شرعی ضرورت کے پیش نظر ان کی اجازت دی گئی ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ ضرورت بقدر ضرورت ہی رہے، گویا یہ کچھ استثنائی صورتیں ہیں جنہیں حقیقی نہیں کہا جاسکتا۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ انہیں اس طرح بنیاد نہ بنایا جائے کہ بینکنگ کے سارے ہی معاملات یا اکثر معاملات انہی کے گرد گھومتے رہیں، بلکہ جس طرح کہ بہت دفعہ عملی میدان میں ہم دیکھتے ہیں کہ حقیقی ضرورت کے پیش نظر کبھی کسی

toobaa-elibrary.blogspot.com

حوصلہ شکنی کے قابل چیز کی اجازت دی جاتی ہے، تاکہ وہ اصل اور نظیر ہونے کی حیثیت سے کسی اگلی حوصلہ افزا سرگرمی کے لئے اساس اور بنیاد بنے، بلکہ اکثر اوقات سیکولرازم میں سرایت کردہ حرص وہوس کو دیکھتے ہوئے سیکولر نظامِ معیشت میں جاری معاملات کے متبادل کی تلاش میں ان امور کی اجازت دی جاتی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خدانخواستہ آگے چل کر اسلامک بینک بھی سودی بینکوں کے شانہ بشانہ چل پڑے، جس کی وضاحت میں ایک مثال سے اس طرح کرنا چاہوں گا کہ وعدوں میں اصل یہی ہے کہ وہ قضاءً لازم نہیں ہوتے، لیکن اکثر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ ضرورت کے وقت اس کے لازم کیے جانے کا اعتبار جائز ہے، اسی کو بنیاد بناتے ہوئے بہت سے علماء معاصرین نے بعض حقیقی معاملات میں وعدہ کے لازم ہونے کا حکم لگایا، جیسے مشتری کے آرڈر دینے اور خریدنے کے وعدہ کی بنیاد پر بائع نے انتہائی قیمتی و بھاری بھر کم سامان باہر ملک سے امپورٹ کرلیا، اب اگر مشتری اسے خریدنے سے انکار کردے تو تاجر کو اس کے علاوہ کوئی خریدار میسر بھی نہیں آتا اور وہ باہر سے صرف امپورٹ کرنے کے لئے ہی بھاری رقم سمیت لیبر اور اضافی اخراجات کا بوجھ بھی برداشت کرچکا ہے، جس کے بعد مشتری کے انکار کی صورت میں اس کے لئے بڑے دھچکا اور نقصان کا باعث ہے، لہٰذا اس جیسی صورتوں میں وعدہ کے لازم کرنے کی اشد ضرورت ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی بینکاری میں جاری مرابحہ مؤجلہ میں علماء معاصرین نے وعدہ کے لازم ہونے کا فتویٰ صادر کیا، جس کا ایک نتیجہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وعدہ کرکے مکرنے والے خریدار کو حقیقی و فعلی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود وعدہ کرکے مکر گیا ہے، اور یہ الزام اس لئے بھی سمجھ میں آتا ہے کہ تاجر اب یہ سامان اگر کسی تیسری پارٹی کو فروخت کرے گا تو یقیناً اسے وہ قیمت نہیں مل سکے گی جو اسے پہلے خریدار سے ملتی، لہٰذا دوسری پارٹی کو یہ مال فروخت کرنے کی صورت میں قیمت میں جس قدر کمی واقع ہوگی، اس قدر قیمت کی تلافی پہلے خریدار پر لازم قرار دی گئی ہے، اور فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ تاجر اس مکرنے والے تاجر سے صرف اپنے نقصان کی تلافی کرسکتا ہے، اس سے زائد کسی قسم کا مطالبہ جائز نہیں۔

اب چوں کہ اس طرح کے الزام (وعدہ لازم کرنے) کی کوئی اصل نہیں ہے، بلکہ اس کی اجازت شدید ضرورت کے پیش نظر ایک استثنائی حیثیت سے دی گئی ہے، لہٰذا مالیاتی اداروں پر ضروری ہے کہ وہ اس واقعی ضرورت کو یہی تک محدود رکھیں، لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ عملی میدان میں بینکوں میں جاری سرگرمیوں کے ایک بڑے حصہ کی بنیاد اسی وعدہ کے لازم کرنے پر رکھ دی گئی ہے اور ہر ہر بیماری کے لئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسے آبِ حیات کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے، اور بعض تمویلی مشتقات (Financial Derivatives) میں بھی اسے وجہ جواز بنالیا گیا ہے، جس میں حقیقی طور پر خرید و فروخت مقصود ہوتی ہے اور نہ ہی مبیع یا سامان کا لینا دینا، بلکہ اس کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ ان مشتقات مالیہ کو جواز دیا جائے، جس کا آج سودی مارکیٹ میں دور دورا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ مشتقات مالیہ سیکولرازم کے بدترین نتائج میں سے ہے، جو حالیہ اقتصادی بحران کا گویا سب سے بڑا سبب ہے، اس لئے ہم کہتے ہیں کہ ان صورتوں میں اس وعدے کا الزام کہاں پایا جارہا ہے جس کی اجازت واقعی شدید ضرورت کی بناء پر دی گئی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ میری نظر میں اسلامک بینکنگ کے مستقبل کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ کہیں آگے چل کر یہ سودی بینکوں کی ڈبلی کیٹ کی صورت اختیار نہ کر جائے، کہ اس میں ہونے والی عملی سرگرمیوں میں سودی اور اسلامی اداروں کے مابین حقیقی معنوں میں فرق ہی نہ رہے، جس سے بلاشبہ اسلامی اقتصادی نظام کا چہرہ مسخ اور اس کے زریں کردار پر پانی پھر جائے گا، اور مستقل حیثیت سے قائم کیا گیا اس کا اسلامی تشخص مجروح ہو کر رہ جائے گا اور چہ جائے کہ (مرابحہ سے بڑھا کر مضاربہ و مشارکہ کے مثالی اسلامی نمونوں تک لے جائیں) اسلامک بینکنگ میں ہم آگے پیش قدمی کرتے، اس عظیم تحریک میں ہم دوبارہ پیچھے کی طرف لوٹ جائیں گے۔

لہٰذا شرعیہ بورڈز کو چاہئے کہ اسلامی مالیاتی اداروں کے ساتھ اپنی حکمت عملی پر نظر ثانی کریں اور ان رخصتوں میں بتدریج کمی کرنے میں مرکزی کردار ادا کریں، جو شرعی طور پر معتبر حقیقی ضروریات و حاجات کے مد نظر ابتدائی طور پر اسلامی مالیاتی نظام کے پہیہ کو حرکت دینے کے لئے دی گئی تھیں، اور اس حقیقت کا ہمیں ہمیشہ استحضار رہنا چاہیے کہ اسلامک بینکنگ کی ابتداء ایک خالص دینی شعور اور اسلامی تشخص کی بنیاد پر ہوئی، جو ایسے مخلص اور دردمند مسلمانوں کی دیرینہ تمنا تھی جو واقعی سود سے بچنے اور اپنے تجارتی و تمویلی معاملات کو احکام شریعت اور اس کے جلیل القدر مقاصد پر صحیح معنوں میں استوار کرنا چاہتے تھے، لیکن افسوس ہے کہ آج کل اس ڈگر پر ہر ایرا غیرا اپنا راستہ بنا رہا ہے، حتّٰی کہ ایسے لوگ بھی اس میں دلچسپی دکھا رہے ہیں جو نظریاتی تو کیا عقیدہ کی حیثیت سے بھی اسے اختیار کرنے کے اہل نہیں ہیں، بس انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ اس مارکیٹ کی بڑی گرم بازاری ہے یا بھاری تنخواہیں ہیں۔ تو اس میں آگئے، مگر وہ فکری طور پر اسی سیکولر نظریات کے دلدادہ ہیں، اور درحقیقت یہی وہ لوگ ہیں جو خدشات بڑھا رہے ہیں اور ان تمویلی امور کو عقل کے ترازوں میں اس طرح تولتے ہیں جیسے ان کی اس حد تک ضرورت ہے جس سے شرعاً ممنوع

toobaa-elibrary.blogspot.com

امور کو بھی مباح قرار دے دیا جائے اور اسی کلیہ کو بنیاد بنا کر شرعیہ بورڈز پر دباؤ ڈالنا چاہتے ہیں، لیکن خوب سمجھ لینا چاہیے کہ یہ بورڈز رب ذوالجلال کے حضور اور ان تمام غیور مسلمانوں کے آگے جواب دہ ہیں، جو اس مالیاتی نظام کو شریعت کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں، جس کی رو سے ان پر ضروری ہے کہ وہ احتیاط کا دامن تھامے ہوئے ان ضروریات وحاجات کے درمیان جو واقعی ہیں، اور ان ضروریات وحاجات کے درمیان جو حرص وہوس اور عقل کو بنیاد بنا کر تو بھاری بھر کم معلوم ہوتی ہیں لیکن ان کا اسلام سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں، پائے جانے والے فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں۔

ان بورڈز کا دوسرا اور زیادہ اہم کردار معاملات کی شرعی حیثیت کے حوالے سے ہے، کیوں کہ یہ کردار بینکوں میں ہونے والے ایک ایک تمویلی معاملہ پر نظر ثانی کر کے ان پر صحت کی مہر ثبت کرنے پر مشتمل ہے کہ واقعتاً مالیاتی ادارے بورڈز کی طرف سے پیش کردہ قراردادوں کو عملی میدان میں درست زاویہ فکر کے ساتھ منطبق کر رہے ہیں یا نہیں؟

جہاں شرعی نقطہ نظر سے ان معاملات کی مراجعت اور نظر ثانی کا تعلق ہے تو یہ بلاشبہ غایت درجہ تعمق اور دقت نظری کا کام ہے، کیوں کہ فنی ماہرین و متخصصین کی طرف سے جو ایگریمنٹ بنائے جاتے ہیں، وہ بہت طویل ہوتے ہیں، جبکہ اکثر اوقات ان میں پیچیدگی بھی ہوتی ہے، جس کے باعث ان میں موجود ایک دفعہ کو دیگر دفعات سے بایں طور ملانا پڑتا ہے، جس کی طرف وہم وگمان بھی نہیں جاتا، اس لیے کماحقہ اس کی مراجعت کے نظر ثانی کرنے والے متخصّص فی الفن کی ذہنی وفکری یکسوئی کے لیے ایک معتد بہ وقت درکار ہوتا ہے لہٰذا جو کوئی بھی شرعیہ بورڈز کی رکنیت کی یہ بھاری ذمہ داری اپنے کاندھوں پر لے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی دیگر مصروفیات ومشاغل کا بغور جائزہ لے لے، کہ آیا واقعتاً یہ مشغولیات اسے اس قدر کافی شافی وقت دینے کی اجازت دے رہی ہیں، جس کی رو سے وہ ان معاہدات (Agreements) پر گہرائی وگیرائی اور ذہنی وقلبی یکسوئی کے ساتھ نظر ثانی کے لیے مطلوبہ وقت نکال سکے گا، تاکہ وہ احکام شرعیہ کی روشنی میں ان کی توثیق کرے؟ جیسے کہ پہلے بھی ایسا ہوا ہے کہ فقہ المعاملات کے بعض متخصصین علماء کرام بالخصوص بینکنگ کے معاملات کے متخصصین، اکثر اس فکر میں رہتے ہیں کہ بورڈز میں پہلے ہی ایک بڑی تعداد کے باوجود وہ بھی اس کی رکنیت کی بھاری ذمہ داری اٹھالیں، تو یہ طبعی بات ہے کہ جس قدر بھاری بھر کم ذمہ داریاں ہیں ان کے مقابلہ میں ان کے دائرہ عمل کا گراف مسلسل تنزل کا شکار

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے، اور بلاشبہ یہ صورت حال ان کی نگرانی سے متعلق ذمہ داری پر منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔

نیز جہاں تک فیلڈ میں ہونے والے معاملات کی نگرانی کا تعلق ہے تو شریعہ بورڈز گشتی بنیادوں پر جمع ہوتے ہیں جس کے لیے ان کا قیام بذات خود ممکن نہیں ہے، لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ بینک کے داخلی حصہ تک شریعہ نگراں بورڈ کی رسائی ہو، ہو جو شریعہ بورڈ کے ماتحت رہ کر مستقل بنیادوں پر کام کرے، جیسے کہ یہ ضروری ہے کہ اداروں کے تمام امور کی نگرانی کے لیے یہ بورڈ شرعی نگراں حضرات کی ایک بڑی تعداد پر مشتمل ہو اور بینک میں کوئی ایک بھی تمویلی ٹرانزیکشن اس وقت تک پاس نہ ہو، جب تک کہ اسے پہلے شرعی بورڈ NOC نہ دے دے۔

شریعہ بورڈ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مالیاتی ادارے کو پابند بنائے کہ وہ یہ سرکل اس کے داخلی حصے میں قائم کرے جو آزادی اظہار رائے سمیت حسب ضرورت معاملات کو شریعہ بورڈ کے سامنے بھی اٹھائے، نیز جس ادارے میں نگرانی کی ذمہ داری سپرد کی گئی ہے، اس کے کسی بھی قسم کے دباؤ میں آئے بغیر یہ بورڈ براہ راست مجلس الادارہ (ڈائریکٹری بورڈ) کے ماتحت ہو کر کام کرے گا، یہی ایک طریقہ ہے جس سے شریعہ بورڈز کا دوسرا رول یعنی نگرانی کی ذمہ داری بخوبی نبھائی جا سکتی ہے۔

میں نے یہ اہم اور ضروری نقاط نہایت عجلت میں مختصر الفاظ میں ذکر کیے ہیں اور میرے خیال میں یہ نقاط وہ ہیں جو نہ صرف یہ کہ ان اداروں کو مستقل بنیادوں پر چلانے کے ضامن ہیں بلکہ یہ ان خدشات سے بچاؤ کا بھی ایک عظیم ذریعہ ہے، جو آج ہمارے تابناک مستقبل کو ملیامیٹ کر سکتے ہیں اور انہی سے ان اعتراضات و شبہات کا ازالہ بخوبی ممکن ہے جو عامۃ المسلمین کے ذہنوں میں گردش کرتے رہتے ہیں، بلکہ یہ روز افزوں بہت تیزی سے بڑھ رہے ہیں کہ کہیں یہ مبارک تحریک ناکامی سے دوچار نہ ہو جائے، اللہ نہ کرے۔ واللہ سبحانہ ھو المستعان

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدمہ "المعاییر الشرعیہ"

اس بات میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ اسلامی بینکاری رائج سودی بینکاری سے اپنی بنیاد سے لے کر تصورات ونتائج تک ہر لحاظ سے یکسر مختلف ہے، لیکن اسلامی بینکاری میں روزمرہ ہونے والی عملی کارروائیوں (transitions) کو صحیح اسلامی خطوط پر استوار کرنے اور اس کی نگرانی کے عمل کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا اور غیر سودی بینکاری کا یہ فرق اس کے اکاؤنٹنگ ٹریٹمینٹ ہی سے اس قدر واضح ہو، جس میں کسی قسم کا کوئی خلط، ابہام یا التباس نہ ہو، اور اس کی عملی تطبیق میں اگر کوئی غلطی سرزد ہو تو ترجیحی بنیاد پر اس کا فوری تدارک کیا جائے، جبکہ دوسری طرف اگر مروجہ بینکنگ سسٹم میں رائج اکاؤنٹنگ وآڈٹنگ کے معاییر (standards) کو ملاحظہ کیا جائے تو وہ اس مقصد پر پورے نہیں اترتے، کیوں کہ اس کے تصورات ونظریات غیر سودی بینکاری کے تصورات ونظریات سے قطعی مختلف ہیں، لہٰذا ایک غیر سودی بینک کو اکاؤنٹنگ وآڈٹنگ کے مروجہ نظام کے حوالے سے سودی بینک سے ممتاز کرنے اور ان دونوں میں موجود فرق کو اور واضح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی بینک اور اسلامی مالیاتی اداروں کے اکاؤنٹنگ وآڈٹنگ کے ایسے معاییر (standards) مقرر کئے جائیں، جو پہلے سے رائج معاییر (standards) سے مختلف ہو اور صحیح معنوں میں ایسے معاییر تیار کرنا جو اس مقصد پر پورے اتریں، جہاں علماء شریعت کے لئے جان جوکھوں کا کام تھا، وہیں ماہر فن اکاؤنٹنٹس اور آڈیٹرز حضرات کے لئے بھی ایک بہت بڑا چیلنج تھا، اسی عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے ۱۴۱۱ھ بمطابق ۱۹۹۱ء سے ہی اسلامی مالیاتی اداروں کا اکاؤنٹنگ اور آڈٹنگ بورڈ قائم ہے، جس میں موجود ان ہر دو صلاحیتوں کے حامل حضرات نے اسلامی مالیاتی اداروں کے لئے اکاؤنٹنگ وآڈٹنگ کے معاییر تیار کرنے کے لئے مشترکہ طور پر جدوجہد کی ہے اور بفضل اللہ تعالیٰ وعونہ ان کی طرف سے صادر شدہ ان معاییر کو تلقی بالقبول حاصل ہوئی، حتیٰ کہ اسلامی بینکاری نظام میں انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور ان پر اعتماد کیا گیا اور تمام اسلامی بینک نہ صرف یہ کہ اس کے پابند ہوئے بلکہ مختلف شہروں کے مرکزی بینکوں کی طرف سے ان سے برابر رہنمائی بھی لی جارہی ہے۔ الحمد للہ تعالیٰ

ان معاییر کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ بورڈ نے ان شرعی معاییر کو اکاؤنٹنگ کے رائج شدہ معیار کے طرز پر تشکیل دیا ہے، جس کے بعد اب تمام اسلامی بینکوں اور مالیاتی اداروں کے لئے اپنے ہاں ہونے

toobaa-elibrary.blogspot.com

والے معاملات اور ان سے حاصل شدہ نتائج کو شریعت اسلامیہ کا پابند ہو کر اور "هيئة الرقابة الشرعية" کی طرف سے صادر شدہ فتاویٰ سے قریب سے قریب تر ہونے کی حیثیت سے مراجعت کرنا آسان ہو گیا ہے۔

اس غرض کے حصول کے لئے ۱۴۱۹ھ بمطابق ۱۹۹۹ء فقہ المعاملات میں متخصصین وبالخصوص بینکاری نظام کے ماہرین پر مشتمل ایک مجلس بنام "المجلس الشرعی" (شرعیہ بورڈ) کے نام سے قائم ہوئی، جس نے حد درجہ جدوجہد کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق سے اب تک تیس سے زائد معاییر تیار کر لئے ہیں، جو اسلامی مالیاتی اداروں میں ہونے والے مالی معاملات اور عملی کارروائیوں (transitions) کو شریعت اسلامیہ کے احکام کی روشنی میں وسیع پیمانے پر لانے کے لئے بہت حد تک حاوی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہ صرف یہ کہ اسلامی بینکنگ کے حلقے کے لئے ایک قابل اعتماد دستاویز ہے بلکہ ان تمام جامعات اور اسلامی یونیورسٹیوں میں بھی ایک اعلیٰ معیار کے اسلامک بینکنگ لٹریچر کے طور پر داخل نصاب ہے، جو اپنے طلبہ کرام کو اسلامک بینکنگ کی تعلیم دے رہے ہیں۔

اور ان معاییر کو صادر کرنے سے قبل "المجلس الشرعی" (شرعیہ بورڈ) نے حتی المقدور غایت درجہ احتیاط سے کام لیا ہے، جس کا عملی طریقہ کار یہ رہا کہ اولاً بورڈ زیر بحث موضوع سے متعلق جملہ محققین میں سے اس موضوع کے متخصص وماہر فن متخصص سے اسے تحریر میں لانے کی درخواست کرتا ہے، اس کے بعد وہ قرآن وسنت اور متبوعہ مذاہب فقہاء کی روشنی میں دلائل وبراہین اور متعلقہ مسائل میں علماء معاصرین کی آراء کے بیان کا استیعاب کرتا ہے اور پھر ایسے مطلوبہ معیار پر ایک مجوزہ مسودہ تیار کرتا ہے، جو نظر ثانی کے بعد باضابطہ طور پر صادر ہو سکے۔ پھر وہ اپنی اس تحقیق اور مسودہ کو "مجلس شرعی" (شرعیہ بورڈ) کی ایک ذیلی کمیٹی کے سامنے پیش کرتا ہے، جو مجلس شرعی (شرعیہ بورڈ) کے بعض اراکین ومجلس سے باہر دیگر علماء متخصصین پر مشتمل ہوتی ہے، درحقیقت اس غرض کے لئے مجلس کی طرف سے کل تین کمیٹیاں بنی ہوئی ہیں، جن کا سال میں چار دفعہ اجلاس ہوتا ہے، وہ تمام کمیٹیاں معیار کے اس مسودہ کی مراجعت کرتی ہیں اور مجلس شرعی (شرعیہ بورڈ) کے سامنے پیش کر دیتی ہیں، جس کا پہلا اجلاس ہفتہ بھر تک مکہ مکرمہ میں ہوتا ہے اور دوسرا اجلاس مدینہ منورہ میں، (اور اب بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر یہ طے ہوا ہے کہ یہ اجلاس سال میں چار دفعہ ہوگا، دو دفعہ حرمین شریفین میں، اور دو دفعہ دیگر مقامات میں) بہرحال ان اجلاسات میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

مجوزہ مسودات کی ایک ایک شق پر ان کمیٹیوں کی طرف سے آزادانہ تبادلہ خیال اور بھاری گفتگو ہوتی ہے، جس میں یا تو معیار مجلس کے تمام اراکین کی طرف سے اتفاق رائے یا کثرت رائے سے منظور ہو جاتا ہے، پھر "هيئة الرقابة الشرعية" بحرین میں ایک ہیرنگ سیشن کا انعقاد کرتا ہے، جس میں علماء اور مقتدر ماہرین فن کے سامنے یہ معیار پیش کیا جاتا ہے، تاکہ وہ اپنی آراء کا اظہار کر سکیں، جس میں کمی یا زیادتی یا تصحیح کے حوالے سے تجاویز سامنے آتی ہیں، پھر یہ آراء اگلے اجلاس میں ایک بار پھر "مجلس شرعی" (شرعیہ بورڈ) کے سامنے پیش کی جاتی ہے، جس سے نہ صرف یہ کہ "مجلس شرعی" (شرعیہ بورڈ) ایک بار پھر اس پر تبادلہ خیال کرتی ہے، بلکہ معیار صادر ہونے سے قبل انہیں ایک اور آخری نظر ڈالنے کا موقع بھی مل جاتا ہے، جس میں وہ حسب ضرورت حذف یا اضافہ یا تصحیح کا عمل دہراتی ہے اور پھر یہ معیار فائنل ہو جاتا ہے، اس طرح مرحلہ وار ایک طویل عمل (process) سے گزرنے کے بعد ایک معیار باضابطہ طور پر صادر کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر دو اہم نکات ملحوظ رکھنا از حد ضروری ہے:

۱۔ یہ کہ جتنے بھی معاییر "مجلس شرعی" کی طرف سے صادر ہوتے ہیں، وہ کسی ایک فرد واحد یا چند افراد کی رائے نہیں ہوتی، لہٰذا مجلس کی طرف سے صادر شدہ ان معاییر کو کبھی بھی اراکین میں سے کسی ایک کی طرف منسوب نہ کیا جائے، کیوں کہ مجلس شرعی جس طریقہ کار پر کار بند ہے، وہ کوئی شخصی بنیادوں پر بنایا ہوا نہیں ہے بلکہ بورڈ میں رائج یہ وہ طریقہ کار ہے جو عالمی سطح کے بڑے بڑے بورڈز اور بین الاقوامی تحقیقی اداروں میں رائج ہے، جن میں قرار دادوں کو کثرت رائے سے منظور کیا جاتا ہے اور اگر کسی کو رائے کا اختلاف ہوتا ہے یا تحفظات ہوتے ہیں تو وہ اجتماعات کے دو بدو باقاعدہ تحریر میں لائے جاتے ہیں، اس طرح ایک طویل عمل سے گزرنے کے بعد ایک معیار مجلس یا اجتماع کی طرف سے (کثرت رائے کی بنیاد پر) بغیر اختلاف کے ذکر کیے صادر کیا جاتا ہے، جبکہ مجلس کی طرف سے صادر شدہ معاییر میں اکثر دفعات وہ ہوتی ہیں، جن پر الحمد للہ تمام اراکین متفق ہوتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ بعض مجتہد فیہ احکام میں کسی کا نقطہ نظر مختلف بھی ہوتا ہے، بالخصوص نووارد مسائل میں، لہٰذا کچہری میں بھاری گفتگو کے بعد بھی اگر اس جیسے مسائل میں کوئی اختلاف رہتا ہے تو مجلس ایسی قرار داد کو بھاری اکثریت سے پاس کرتی ہے اور ذکر کردہ پورے عمل (process) کے مطابق پیش کیا گیا اختلاف مجلس کے روبرو بطور یادداشت تحریر کر لیا جاتا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے البتہ اسے معیار کے متن کا حصہ نہیں بنایا جاتا۔

۲۔ ایک معیار کو اس قدر طویل عمل (process) سے گزارنے اور علماءِ محققین اور ماہرین فن کی طرف سے یکے بعد دیگرے کئی چھلنیوں میں چھاننے کے بعد مجلس شرعی معاییر پاس کرتی ہے، چوں کہ یہ معاییر باصلاحیت افراد کی جدوجہد کے نتیجہ میں وجود میں آتے ہیں، جو غلطی اور چوک سے معصوم نہیں ہے، وجہ ظاہر ہے کہ معصوم ہونا صرف انبیاء ورسل علیہم السلام ہی کا خاصہ ہے، چنانچہ مجلس نے صادر شدہ معاییر کی مراجعت کے لئے باضابطہ طور پر ایک کمیٹی بنائی ہے، لہٰذا علماء کرام میں سے اگر کسی کو کوئی بھول یا چوک یا غلطی نظر آئے یا ان معاییر کو اور بہتر بنانے کے لئے کوئی تجویز یا رائے ہو تو امید ہے کہ وہ تحریری صورت میں ھیئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الاسلامية (AAOIFI) کو ارسال فرمادیں گے، جسے ان شاء اللہ مجلس شرعی ترجیحی بنیادوں پر عملی کارروائی سے گزارنے کے لئے کمیٹی کے حوالے کردے گی۔

اخیر میں مجلس کے ان تمام اراکین کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس ہدف تک پہنچنے کے لئے محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے جہد مسلسل اور محنت شاقہ صرف کی اور خالصتاً علمی بنیادوں پر مذاکرہ ومباحثہ اور افہام وتفہیم کی فضا کو ہموار کیا اور میں اکاؤنٹنگ اور آڈٹنگ بورڈ کا بے حد ممنون ہوں کہ اس اہم ترین اقدام کے لئے عملی جدوجہد کی اور مجلس کے یکسوئی وسکون طلب عظیم علمی کام کے لئے ایک خوشگوار اور مناسب ماحول مہیا کیا اور میں بورڈ کے جنرل سیکرٹریٹ کا بھی بے حد ممنون ہوں، جنہوں نے اس اہم ترین اجتماع کے نظم ونسق اور انتظام وانصرام سنبھالنے، اس میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے سمیت پیش کردہ قراردادوں کے تسلسل اور انہیں مقررہ اداروں تک پہنچانے میں قابل قدر کردار ادا کیا۔

میں دعاگو ہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ صدق واخلاص کے ساتھ کیے گئے اس کام کے ہر شریک کو جزائے عظیم عطا فرمائے اور بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے اور اس کی جدوجہد کو قبول ومنظور کرے اور اس سے دنیا بھر کے تمام خطوں اور مسلمانانِ عالم کو مستفیض فرمائے۔ وللہ الحمد اولاً وآخراً

محمد تقی عثمانی

صدر مجلس شرعی

۲ ذوالحجہ ۱۴۲۹ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

شخصیات و تاثرات

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ

(مفتی اعظم پاکستان)

toobaa-elibrary.blogspot.com

مولانا مفتی محمد شفیعؒ

(مفتی اعظم پاکستان)

حضرت مولانا علامہ الشیخ محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ ہندو پاک کے ان اکابر علماء میں سے تھے جنہوں نے اس خطے میں دین اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے قابل قدر خدمات پیش کیں اور خالصۃً اعلاء کلمۃ اللہ اور دین متین کے احیاء کے لیے بھرپور جدوجہد کی، بالخصوص دیوبند (ہندوستان) میں اپنے گرانقدر علمی و تجدیدی کارناموں کے ایسے چراغ روشن کیے جس نے اس پورے خطے کو علم و عرفان کے نور سے منور کردیا حتیٰ کہ اسلام کا یہ عظیم قافلہ کفرو الحاد کے ان گھٹاٹوپ اندھیروں اور ناامیدی سے اٹے اس پُرآشوب ماحول میں امید کی ایک روشن کرن ثابت ہوا۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ ۲۱ شعبان المعظم ۱۳۱۴ھ کو پیدا ہوئے اور دینی و علمی ماحول میں پرورش پائی، آپ رحمہ اللہ کو بچپن ہی سے کبار علماء کی صحبتوں میں رہنا بے حد مرغوب تھا اور انہوں نے اپنی ابتدائی آفرینش سے ہی صحبت اہل اللہ کا التزام کیا۔

قرآن کریم پڑھنے کے بعد ۱۳۲۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اس وقت یہ ادارہ پورے ہندوستان میں علوم دینیہ اور معارف اسلامیہ کی نشرو اشاعت کا سب سے بڑا دینی جامعہ تھا، جس نے مغربی استعمار کے باعث دین کے مٹتے ہوئے نقوش کو ایک بار پھر زندہ کیا اور انہیں جلا بخشی، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی بنیادوں میں شامل اکابر علماء دیوبند کے اخلاص اور للّٰہیت کو شرف قبول عطا فرمائے، جس نے ایسے رجال کار تیار کیے جنہوں نے علم و عمل، دین و تقویٰ، اخلاص و للّٰہیت اور اپنے جذبہ قربانی سے کفر و ضلال کے اس غبار آلود ماحول میں فضائے بدر پیدا کی، جس کے نتیجے میں اس خطے میں علم اور نور کا ایسا سیلاب آیا جس کے بعد بدعات و خرافات اور جہالت و گمراہی تنکوں کی طرح بہہ گئے۔

شیخ کم سنی ہی میں دارالعلوم میں داخل ہو چکے تھے اور ابھی آپ کی عمر دس سال بھی نہ ہوئی تھی کہ تعلیم و تعلم کا باقاعدہ مشغلہ اپناتے ہوئے اپنے وقت کے ان اکابر علماء و عبقری شخصیات سے علم دین حاصل کرنا شروع کردیا تھا، جن کی فراست و بصیرت کا ڈنکا پورے ہندوستان و اطراف میں سنائی دیتا تھا۔

آپ رحمہ اللہ کے مشہور اساتذہ یہ ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۔ امام کبیر، حافظ الحدیث، محدث عظیم محقق عالم دین، مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ، جو علوم ومعارف کے بحر ذخار، فنون کے نابغۂ روزگار اور حفظ واتقان میں آیۃ من آیات اللہ تھے، اس پوری صدی میں آپ رحمہ اللہ جیسے وسیع علم اور فکری گہرائی وگیرائی کے حاملین چند ایک ہی رہے ہیں۔

صحیح البخاری پر "فیض الباری" کے نام سے آپ رحمہ اللہ کے امالی کا حد درجہ مفید مجموعہ طبع ہوچکا ہے، نیز آپ کی دیگر موضوعات پر بھی قابل قدر کتب کا ذخیرہ موجود ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ، مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے صحیح البخاری، جامع ترمذی، شمائل، کتاب العلل، کتاب الفلسفہ الجدیدہ، شرح النفیسی فی الطب علامہ کشمیری رحمہ اللہ ہی سے پڑھیں، اس طرح آپ کا شمار علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے ممتاز تلامذہ میں ہوتا ہے، حضرت امام کشمیری رحمہ اللہ آپ سے بے پناہ محبت، اور غایت درجہ شفقت فرماتے تھے، یہاں تک کہ وہ آپ کے ان خصوصی احباب میں شمار ہوتے تھے، جنہوں نے قادیانیت کے خلاف آپ رحمہ اللہ کی معاونت ومساعدت کی، اور حضرت ہی کے حکم پر آپ نے ایک انتہائی مفید کتاب "ختم نبوت" اردو میں تحریر فرمائی، نیز "التصریح بما تواتر علی نزول المسیح" اور "ھدیۃ المھدیین فی آیات خاتم النبیین" عربی میں تحریر فرمائی۔

۲۔ عظیم فقیہ اور متبحر عالم دین حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن قدس سرہ، جن کا شمار اپنے وقت کے چوٹی کے علماء وفقہاء میں ہوتا ہے، آپ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اور اکابر علماء سلف کے براہ راست شاگرد ہیں، آپ اپنے وقت میں فقہ وافتاء کے امام ہونے کی حیثیت سے دارالافتاء دارالعلوم کے رئیس اور عارفین وقت کے سرتاج ہونے کی حیثیت سے عارف باللہ شیخ رفیع الدین رحمہ اللہ کے خلفاء میں سلسلہ نقشبندیہ کے چوٹی کے شیخ تھے، آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ "عزیز الفتاویٰ" اردو زبان میں علماء ومفتیین کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتا ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے مؤطا امام مالک بروایت یحییٰ اور بروایت امام محمد ابن الحسن الشیبانی، امام ابو جعفر طحاوی کی شرح معانی الآثار، امام سیوطی وامام محلی کی تفسیر جلالین، علامہ تبریزی کی مشکوۃ المصابیح اور علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح نخبۃ الفکر جیسی عظیم المرتبت کتب آپ رحمہ اللہ ہی سے پڑھی ہیں۔

۳۔ حضرت مولانا شیخ سید اصغر حسین ہاشمی حسنی رحمہ اللہ تعالیٰ، جو اس دور کے علماء کے سرتاج، زہد وتقویٰ کے بلند ترین مقام پر فائز، اسلام کے اخلاقِ کریمانہ کے حامل، تواضع وفنائیت اور خشیت

toobaa-elibrary.blogspot.com

وللّٰہیت کا ایک جامع عملی نمونہ تھے، آپ کی مختلف اردو کتب بھی ہیں، جو انتہائی مفید ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

ہمارے شیخ وامام مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے امام سجستانی کی سنن ابو داؤد، امام نسائی کی "السنن الکبریٰ" اور جامع ترمذی کا آخری حصہ حضرت ہی سے پڑھا، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۴۔ عظیم امام اور داعی کبیر فتح الملہم شرح صحیح مسلم کے جلیل القدر شارح شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ، جو اخیر کے زمانے کی نابغۂ روزگار اور عبقری شخصیات میں سے تھے، آپ کو جملہ علوم ومعارف میں مکمل دسترس اور زبردست ملکہ حاصل تھا، آپ ان ممتاز قائدین میں سے تھے جنھوں نے استقلال پاکستان اور تحریک آزادی کے لیے مرکزی کردار ادا کیا اور پاکستانی قوم کے لیے آپ کی قابل قدر خدمات اور قربانیاں اس درجہ ہیں کہ جنھیں وطن عزیز کے باشندگان کبھی فراموش نہیں کرسکتے، پاکستان کی طرف ہجرت کے بعد سے ہی اقامت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے آپ رحمہ اللہ کی انتھک جدوجہد، سیل رواں کی طرح بلا کسی تعطل کے جاری رہیں، یہاں تک کہ آپ رحمہ اللہ اللہ کو پیارے ہوگئے، قدس اللہ تعالیٰ سرہ وشکر سعیہ، علمی حلقوں میں آپ کی تصنیف "فتح الملہم بشرح صحیح مسلم، خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جو صحیح مسلم کی جلیل القدر اور انتہائی جامع شرح ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے ہر خطے کے مسلمانوں کے درمیان تلقی بالقبول سے نوازا۔

حضرت شیخ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے علامہ عثمانی رحمہ اللہ سے مسلم شریف سمیت ہدایہ کا کچھ حصہ پڑھا، پھر آپ پاکستان کی تحریک آزادی میں اپنے اس عظیم القدر استاذ کے رفیق خاص ہوگئے اور آپ رحمہ اللہ کے شانہ بشانہ رہ کر دین اسلام اور اس خطے کے مسلمانوں کی مدد ونصرت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ جس کا ذکر ان شاء اللہ عنقریب آرہا ہے۔

۵۔ شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی قدس اللہ تعالیٰ سرہ، آپ رحمہ اللہ تمام ہی علوم وفنون میں کمال درجہ دسترس رکھتے تھے، بالخصوص علوم ادبیہ میں آپ اپنے وقت کے امام شمار ہوتے ہیں، مختلف درسی کتب پر آپ کی نہایت مفید اور بیش بہا تعلیقات اہل علم کے لیے عظیم ذخیرہ ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے عربی ادب سے متعلقہ تمام ہی کتب حضرت رحمہ اللہ سے پڑھیں، جن میں علامہ میبذی کی شرح ہدایۃ الحکمۃ، علامہ تفتازانی کی شرح العقائد النسفیہ، علامہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

صدر الشریعہ کی شرح الوقایۃ اور بعض دیگر کتب ورسائل شامل ہیں۔

۶۔ عظیم فلسفی حضرت علامہ ومولانا شیخ محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ تعالیٰ، جو اس دور کے جملہ رائج علوم میں پایہ کے ماہر فن شمار ہوتے تھے، بالخصوص فلسفہ کے متعلق علوم عقلیہ، منطق اور علم کلام میں آپ رحمہ اللہ کو درجۂ کمال حاصل تھا، آپ رحمہ اللہ حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ کے باقیات الصالحات اساتذہ میں سے تھے، جن سے آپ نے "صدرا" اور "شمس بازغۃ" ہر دو کتب پڑھیں۔

اس کے علاوہ حضرت رحمہ اللہ کے اور بھی اساتذہ رہے ہیں، جنہوں نے حضرت شیخ رحمہ اللہ کی تعلیمی واخلاقی تربیت فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات صحیح معنوں میں سلف صالحین واکابرین کی مہکتی یادوں کا ایک عملی مظہر ہیں، جن کے علم کی گہرائی وگیرائی بحرِ بے کراں کی مانند تھی، جو نہ صرف یہ کہ کردار کے غازی تھے بلکہ قوت ایمانی، تصلب فی الدین اور اعمال کی بجاآوری میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

ابتدائی زمانہ طالب علمی ہی سے حضرت شیخ رحمہ اللہ کی پیشانی سے صلاحیت ولیاقت، ذکاوت وہنر مندی اور امتیازی شان جھلکتی تھی، جسے دیکھتے ہوئے آپ رحمہ اللہ کے اساتذہ کرام نے بھی خصوصی توجہات شفقت ومحبت اور نرمی وخیر خواہی کے جذبے سے سرشار ہو کر آپ پر محنت کی اور بلاشبہ آپ رحمہ اللہ کے ذوق سلیم، تعلیمی کارکردگی اور وہبی صلاحیت کے اجاگر ہونے میں ان اساتذہ ومشائخ کا اخلاص سب سے زیادہ کارفرما رہا۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ نے ۱۳۳۰ھ میں اپنا تعلیمی دورانیہ مکمل کیا، اور چوں کہ زمانہ طالب علمی ہی میں آپ رحمہ اللہ کی علمی استعداد وصلاحیت اور عملی کارکردگی اساتذہ کرام کے سامنے تھی، اس لیے دارالعلوم کے اساتذہ نے آپ رحمہ اللہ کا بحیثیت مدرس تقرر کیا، اور اس طرح آپ نے ۱۳۳۶ھ میں باقاعدہ تدریس کا آغاز کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دارالعلوم کے طلبہ کرام سمیت ہندوستان کے پورے خطے میں آپ رحمہ اللہ کی علمی دسترس وفنی پختگی کا ڈنکا بجنے لگا اور آپ رحمہ اللہ برابر چھبیس سال تک حدیث، تفسیر اور فقہ وغیرہ سمیت رائج علوم وفنون سے طلبہ کی علمی پیاس بجھاتے رہے اور آپ رحمہ اللہ کے چشمہ فیض سے بڑی تعداد میں طلبہ کرام سیراب ہوئے، حتی کہ یہ فیض اس قدر عام وتام ہوا کہ شاید ہی ہندوپاک کا کوئی شہر ہو، جہاں آپ رحمہ اللہ کے تلامذہ درس وتدریس، وعظ وخطابت اور دیگر علوم نافعہ کی ترویج واشاعت میں مصروف عمل نہ ہو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

راہ سلوک میں آپ رحمہ اللہ کے مشائخ طریقت

حضرت شیخ رحمہ اللہ کو کم سنی ہی سے اساتذہ و مشائخ کی صحبت و خدمت میں حاضری کا بے حد اشتیاق تھا، گویا یہ شوق و رغبت آپ کی گھٹی میں موجود تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ رحمہ اللہ اکثر حضرت شیخ الہند محمود الحسن قدس اللہ سرہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کے بحرِ معرفت سے بہرہ مند ہوتے، پھر جب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ "مالٹا" میں اسیر ہوئے تو آپ نے شیخ المشائخ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ سے رجوع فرمایا، لیکن جب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ رہا ہو کر دیوبند تشریف لائے تو ۱۳۳۹ھ میں آپ کے دستِ اقدس پر باقاعدہ بیعت سے مشرف ہوئے اور وفات تک برابر آپ کی خدمت و صحبت سے راہ سلوک طے کرتے رہے۔

جب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا وصال ہوا تو آپ نے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ سے دوبارہ رجوع فرمایا اور ۱۳۴۶ھ میں آپ کے دستِ مبارک پر تجدید بیعت فرمائی اور چھبیس سالہ طویل ترین صحبت و ملازمت شیخ نے آپ کو علمی، فکری اور دینی اعتبار سے کندن بنا دیا، حضرت تھانوی رحمہ اللہ بھی اپنے اس عظیم مرید و منتسب سے اسی قدر محبت فرمایا کرتے تھے اور آپ کو اپنے احباب خصوصی میں شمار کرتے تھے اور جملہ اہم دینی امور میں آپ ہی سے مشاورت فرماتے تھے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ نے کافی کتابوں کی تالیف میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی معاونت و مساعدت فرمائی، جیسے "الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة"، جو ایک ایسی فنی و تحقیقی کتاب ہے، جس میں مجنون (پاگل)، متعنت (ظالم و سرکش)، مفقود (گمشدہ) عنین (نامرد) شوہر کے احکام بالتفصیل بیان ہوئے ہیں، اس مسئلہ میں حنفیہ کے مذہب میں کچھ پیچیدگی و مشکل ہے، جس کی وجہ سے اکابر فقہاء نے علماءِ مالکیہ اور مالکی مذہب کی کتب کی طرف رجوع کیا اور انہی کے مذہب پر فتویٰ دیا اور نہ صرف یہ کہ علماء حنفیہ کا اس پر اجماع ہے بلکہ جملہ اصحاب احناف آج اسی پر فتوی دیتے ہیں۔ اسی طرح حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے حکم پر آپ نے کافی کتابیں تالیف فرمائیں، جن میں سرفہرست عربی زبان میں "احکام القرآن" قابل ذکر ہے، جو متعدد جلدوں میں ہے اور اسلام و مسلمانوں کے لیے ایک عظیم علمی ذخیرہ ہے، خلاصہ یہ کہ حضرت شیخ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی خدمت و صحبت سے سالہا سال تک مستفیض ہوتے رہے اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے ۱۳۴۹ھ میں آپ کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فتویٰ نویسی

شیخ رحمہ اللہ کو دارالعلوم کے زمانہ تدریس سے فقہ و فتویٰ سے بدرجہ اتم مناسبت تھی چنانچہ آپ اپنے استاذ اور رئیس دارالافتاء دارالعلوم مولانا مفتی عزیز الرحمن رحمہ اللہ کی معاونت و مساعدت فرمایا کرتے تھے، اس دوران ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس شعبہ میں اس درجہ تلقی بالقبول و مقبولیت کاملہ عطا فرمادی تھی کہ جب حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمہ اللہ کا وصال ہوا تو اس عظیم خلا کو پر کرنے کے لئے حضرت شیخ رحمہ اللہ کا ہی تقرر ہوا اور آپ نے اس حساس منصب کو کمال درجہ نبھاتے ہوئے ۱۳۵۰ھ سے ۱۳۶۲ھ تک تسلسل کے ساتھ فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دیں اور جلد ہی آپ کے تحریر کردہ فتاویٰ شرق و غرب میں پھیل گئے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ نے بارہ سالہ طویل دورانیہ میں چالیس ہزار سے متجاوز فتاویٰ تحریر فرمائے، جن کی بہت مختصر تعداد "امداد المفتین" کی صورت میں طبع ہو کر منظرِ عام پر آچکی ہے اور یہ افتاء کی دنیا کے ایک وسیع علمی ذخیرے کا ایک بہت تھوڑا حصہ ہے، اس کے علاوہ وسیع پیمانے پر اس کا کافی حصہ دارالعلوم کی فائلوں میں محفوظ ہے، جو تا حال طبع نہیں ہو سکا، بلاشبہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے ایک قابلِ قدر علمی ذخیرہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کی طباعت کے وسائل مہیا فرمائے۔

یہ بارہ سالہ وہ عرصہ ہے جس میں دارالعلوم میں رہتے ہوئے حضرت شیخ رحمہ اللہ کے فتاویٰ محفوظ ہوتے رہے، لیکن دارالعلوم سے چلے جانے کے بعد بھی آپ رحمہ اللہ تقریباً نو سال تک فتاویٰ تحریر فرماتے رہے، مگر افسوس کہ وہ محفوظ نہ ہو سکے، پھر جب حضرت شیخ نے پاکستان ہجرت فرمائی تو اس مملکت خداداد کے اول دارالحکومت کراچی میں ۱۳۷۱ھ میں ایک دینی مدرسہ "دارالعلوم کراچی" کی بنیاد رکھی، اس کے بعد دارالعلوم میں ہی آپ کے فتاویٰ اور بہتر انداز میں مرتب ہوئے، جس کے بعد اب ان کی تعداد اسی ہزار تک جا پہنچی ہے اور یہ سب کے سب وہ فتاویٰ ہیں جو ۱۳۷۱ھ سے ۱۳۸۳ھ کے دوران صادر کیے گئے، اور یہ ان فتاویٰ کے علاوہ ہے جو زبانی طور پر بذریعہ فون وغیرہ رات دن صادر ہوتے رہے۔

بلاشبہ یہ ہمارے شیخ رحمہ اللہ ہی کی برکات و جہدِ مسلسل کا ثمرہ ہے کہ دارالعلوم ہند و پاک کا سب سے بڑا فتویٰ کا مرکز گردانا جاتا ہے، جس سے مملکت سعودیہ عرب، مصر، شام، عراق، ایران، افغانستان، ملیشیا، انڈونیشیا، ترکی، امریکا، برطانیہ، افریقا وغیرہ سمیت دنیا بھر سے مستفتین رجوع کرتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تعمیر پاکستان اور آپ کا ناقابل فراموش کردار

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے دارالعلوم کے تدریسی زمانہ سے ہی وہ کڑا وقت آچکا تھا جب کہ مسلمان مغربی استعمار کے ظلم و ستم تلے پس رہے تھے اور دارالعلوم کے علماء ابتداء ہی سے اس کے لیے کوشاں رہے کہ مسلمانوں کو مغربی استعمار کے ظلم و سربریت سے نجات دلائیں، اس جدوجہد میں شیخ الہند حضرت محمود حسن رحمہ اللہ وہ اولین شخصیت تھے، جنہوں نے اس عظیم مقصد کے لیے اپنی پوری زندگی وقف فرمادی اور اسی ناکردہ جرم کی سزامیں آپ نے جزیرۂ "مالٹا" میں سخت ترین قیدوبند کی صعوبتیں برداشت کی اور ظلم و ستم سہتے رہے، آپ رحمہ اللہ کی یہ جدوجہد تاحیات جاری رہی اور آپ اس دارفانی سے کوچ فرماکر رحمت الٰہیہ کی طرف منتقل ہوگئے۔

انہی اکابر کی قربانیوں کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں میں آزادی کا شعور بیدار ہوا اور ان کے دلوں میں حریت کی تمنائیں اور امنگیں پنپنے لگیں، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ اس حقیقی مقصد کو صحیح معنوں میں نہ سمجھ سکے، جس کے لیے ان اکابر نے یہ قربانیاں دیں تھی، اور اس پست فکری کے نتیجے میں وہ ہندوؤں کی سازش کا شکار ہوگئے اور آزادی کے بعد ہندوؤں نے جمہوریت کا ڈھنڈھورا پیٹ کر انہیں اپنے ساتھ حکومت میں شامل کرلیا۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ عرصۂ دراز سے یہ نظریہ رکھتے تھے کہ مسلمانوں کی دین و دنیا کی فلاح و کامرانی اسی میں ہے کہ ایک مستقل آزاد اسلامی مملکت معرض وجود میں آئے، جہاں مسلمان آزادی سے احکام شریعت پر عمل پیرا ہوسکیں اور سچے اور پکے مسلمان بن کر امن و آشتی کے ساتھ پرسکون زندگی بسر کرسکیں، اس نظریہ کی رو سے مسلمانوں کے سامنے صرف یہی ہدف نہیں تھا کہ وہ مغربی استعمار سے آزادی حاصل کریں، بلکہ درحقیقت ان کے دو میدانِ عمل تھے:

(۱) مغربی استعمار سے حریت و آزادی۔

(۲) ایک مستقل اسلامی مملکت کی تاسیس، جس میں نہ تو ہندو شریک ہوں اور نہ ہی کوئی اور کفریہ ملت۔

اس پیچیدہ اور سنگین صورت حال میں اس وقت جتنی آزادی کی تحریکیں تھیں ان کے پیش نظر صرف یہی ہدف تھا کہ سامراجی قوتوں سے نجات حاصل کی جائے اور آزادی کا حقیقی مقصد ذہن سے محو ہونے کے باعث ان کے مد نظر یہ رہا ہی نہیں کہ اس مشترکہ خطے کی تقسیم دوقومی نظریہ کی بنیاد پر مسلمانوں اور کفار کے درمیان ہونی چاہیے، جو درحقیقت ملکی تقسیم کی رو سے نہ صرف یہ کہ فکری پستی تھی بلکہ اس سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

مسلمانوں میں یہ فکراجاگر ہورہی تھی کہ ہندوستان میں بسنے والے تمام لوگ ایک قوم ہے، چاہے وہ مسلمان ہویا کافر، اوران کا خیال یہ تھا کہ ہم توبس انگریزی استعمار سے آزادی چاہتے ہیں، چاہے اس کے لیے مومن مسلمان اور کافر ہندو دونوں کی حیثیت یکساں ہی کیوں نہ تصور کرنی پڑے اور سب سے حیران کن بات یہ تھی کہ مسلمان علماء کی بھی ایک بہت بڑی جماعت اس نظریہ کو صحیح معنوں میں سمجھنے میں لغزش کا شکار ہوگئی اورانہوں نے اسی رائے کو یہ گمان کرتے ہوئے قبول کرلیا کہ انگریزوں سے آزادی کا اس کے سوا کوئی راستہ ہی نہیں کہ مسلمان اور ہندو مشترکہ طور پر ایک کمیونٹی کی حیثیت سے ساتھ رہیں۔

لیکن حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے فکری بلندی اور حد درجہ دوراندیشی عطا فرمائی تھی، چنانچہ وہ اس نظریہ سے کبھی متفق نہ ہوئے کیوں کہ وہ اپنی عاقبت اندیشی اور فراست وبصیرت کی روشنی میں اس بات کا بخوبی ادارک رکھتے تھے کہ اگر ایسا ہوگیا تو ہندوؤں کی اکثریتی حکومت مسلمانوں پر مغربی استعمار سے زیادہ ستم ڈھائے گی اور ہندوؤں کے ساتھ مل جل کر رہنے اور اختلاط برتنے کے نتیجے میں مسلمانوں کے عقائدوافکار، عادات واطوار، آداب واخلاق اور رفتار وگفتار پر جس خطرناک حد تک منفی اثرات مرتب ہوں گے اس کی تلافی انتہائی مشکل ہوجائے گی، اور ان کے اسلامی ودینی اقدار رفتہ رفتہ بالکلیہ ختم ہوجائیں گے، اور ایک وقت آئے گا کہ ان کی آئندہ نسلیں اپنے عظیم علمی ودینی ورثہ سے اس طرح محروم ہوجائیں گی کہ اسلام کا کلمہ طیبہ تک ان کے ذہن وادراک سے محو ہوجائے گا۔

اس دیرینہ فکر کو عملی شکل دینے کے لیے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی یہ تمنا رہی کہ اس اسلامی نظریاتی دعوت کو عام کرنے کی غرض سے باقاعدہ ایک تنظیم ہو، جو اس دعوت کے ذریعے مسلمانوں کی فکری تعمیر کرے اور وطن کے ان بتوں کی بیخ کنی کرے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروں تلے روند ڈالا تھا۔

حکیم الامت رحمہ اللہ کی تمنائیں برآئیں اور علیحدہ ریاست "پاکستان" کا نعرہ لے کر "مسلم لیگ" میدان میں اتری، تو آپ نے تمام مسلمانوں اور علماء کو اس کی حمایت کے لیے دعوت فکر دی، اور آپ کی دعوت پر مسلمانوں اور علماء کی ایک بہت بڑی تعداد نے لبیک کہا، جس کے ہراول دستہ میں شیخ الاسلام داعی کبیر مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور شیخنا ومولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ قائدانہ حیثیت سے شامل تھے، یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے علماء کرام کی تنظیم "جمعیت علماء اسلام" کی بنیاد رکھی، اور یہی وہ سب سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

پہلی تنظیم تھی جس نے اس راستے میں بڑی جدوجہد کی اور مسلمانوں کو حفاظت دین کے لیے بالخصوص باہمی اتحاد و یگانگت کا درس دیا اور علیحدہ وطن پاکستان کی تشکیل کے لیے ان کی فکری تعمیر کی۔

مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ دن رات اسی تگ و دو میں لگے رہے اور ان کا مطمح نظر تشکیل پاکستان کے لیے سیاسی جدوجہد پر مرکوز ہو کر رہ گیا، کیوں کہ وہ اس بات کا ادراک کر چکے تھے کہ مغربی استعمار سے مسلمانوں کی نجات کا یہی ایک راستہ ہے، دوسری طرف وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ اکابر علماء کا ایک طبقہ وہ بھی ہے جو نظریہ پاکستان کا حامی نہیں ہے، تو انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ نہ ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے دارالعلوم میں افتاء و تدریس کے مشغلے کے لیے اس نازک وقت کو مناسب نہیں سمجھا اور اس کے علاوہ فی الوقت درس و تدریس اور افتاء کے اس عظیم مشغلہ کو چھوڑنے کے سوا اپنے لیے کوئی چارہ کار نہیں سمجھا، جس کے لیے آپ نے اپنی زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ وقف کیے رکھا اور بالآخر ۱۳۶۲ھ میں آپ نے افتاء و تدریس کو موقوف فرما کر اپنا سارا وقت پاکستان کی تشکیل کے لیے مختص فرمایا اور اس غرض سے ہندوستان و اطراف میں تسلسل کے ساتھ دورے کیے اور زبان و قلم ہر دو ہتھیاروں سے مسلمانوں میں فکری بیداری کی ایک نئی روح پھونک دی اور انہیں کفار کے مکر و فریب اور مکروہ عزائم سے باخبر کیا۔

شک نہیں کہ جس کسی نے حضرت شیخ رحمہ اللہ کی زیارت کی ہے وہ بخوبی واقف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شخصیت کو کس قدر مقبولیت اور کلام میں کس درجہ اثر آفرینی عطا فرمائی تھی، چنانچہ آپ رحمہ اللہ تشکیل پاکستان کی غرض سے جس جگہ تشریف لے گئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے کامیابی و کامرانی مقدر فرمائی اور فتوحات کے دروازے کھول دیے، حق تو یہ ہے کہ تعمیر پاکستان میں ان کی جدوجہد اس درجہ انتہا تک جا پہنچی تھی کہ تحریک پاکستان کے بعض قائدین اور لیڈران یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ پاکستان کے بہت سے گمبھیر نوعیت کے معاملات ایسے تھے جس میں اگر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ پیش پیش نہ ہوتے تو وہ کبھی حل نہ ہو سکتے تھے۔

بالآخر ان اکابرین کی لازول قربانیاں رنگ لائیں اور ۲۷ / ۱۳۶۶ھ بمطابق ۱۹۴۷ء کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان عظیم فرمایا اور سالہا سال کی جدوجہد کا ثمرہ عملی شکل میں ظاہر ہوا اور پاکستان کی صورت میں ایک خالص اسلامی ریاست دنیا کے نقشہ پر ظاہر ہوئی، فللہ الحمد اولاً و آخراً۔

اسلام کے نام پر معرض وجود پذیر یہ مملکت مسلمانوں کو صرف اس لیے حاصل ہوئی کہ یہاں دینی احکام و اوامر کا قیام عمل میں آئے اور شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہو اور کفار سے اختلاط کے نتیجے میں مسلمانوں میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

جو ہندوانہ رسم رواج اور کفریہ تہذیب و تمدن رچ بس گئی تھی، ان تمام نجاستوں و گندگیوں سے مسلم قوم کو پاک کیا جائے جس میں وہ برسہا برس سے دھنستی چلی آ رہی تھی۔

پاکستان کی طرف ہجرت

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد اس کے لیے جدوجہد کرنے والے علماء کرام پر واجب تھا کہ وہ پاکستان کی طرف ہجرت کریں اور ایک نئے حوصلے سے مملکت خداداد میں ایک ایسے اسلامی دستور کی تشکیل کے لیے کوشاں ہوں جو اس ریاست پر حکومت کرنے میں اساسی و بنیادی حیثیت کا حامل ہو، لہٰذا ہمارے شیخ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس آبائی وطن کو خیر باد کہا اور ہجرت فرمائی، جس میں پورا زمانہ شباب گزارنے کے ساتھ ساتھ اپنی عمر کی پچپن بہاریں دیکھی تھیں۔

پاکستان کی طرف ہجرت کرنے کے بعد اب آپ کے سامنے دو چیلنجز تھے۔

(۱) نمبر ایک وہ جسے ابھی ہم نے ذکر کیا کہ اسلامی دستور و قانون وضع کرنا اور پاکستان میں نفاذ شریعت اور اقامت دین کے لیے ہر ممکن جدوجہد کرنا۔

(۲) ایک ایسے دینی ادارے کی بنیاد رکھنا جو ان تمام علوم اسلامیہ اور معارف دینیہ کا حامل ہو، جس کی مستقبل قریب میں اسلامی مملکت کو ضرورت ہو سکتی تھی۔

پاکستان میں اقامتِ دین کے لیے آپ رحمہ اللہ کی جدوجہد

حکومت پاکستان نے ۱۹۴۹ء میں اکابر علماء کی ایک مجلس شوریٰ بنائی تھی، تاکہ وہ پارلیمنٹ کے لیے کچھ ایسے شرعی اصول و ضوابط تجویز کریں جو مملکت اسلامیہ کے وضع کیے جانے والے قانون کے لیے بنیاد بن سکیں، چنانچہ اس اہم ترین کام کے لئے حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ کا انتخاب عمل میں آیا، جس کے بعد آپ رحمہ اللہ نے چار سال مسلسل اس کام کو بحسن وخوبی انجام دیا۔

دریں اثناء ایک مشکل مرحلہ یہ پیش آیا کہ حکومت وقت نے مقررہ مجلس سے بالاتر ہو کر از خود قانون سازی شروع کر دی، جس کا ایک بہت بڑا حصہ شریعت اسلامیہ کے صریح خلاف تھا، جب علماء کرام

toobaa-elibrary.blogspot.com

نے یہ سنگین صورت حال دیکھی تو اس کی شدید مذمت کی، جس کے بعد حکومت وقت اس بات پر راضی ہوگئی کہ اگر تمام فرقوں کے علماء کرام متفقہ طور پر ایک قانون پر جمع ہوجائیں تو اسے نافذ کردیا جائے گا اور تمام فرقوں کے باہمی اتفاق کی شرط عائد کرنے کا اصل منشاء یہ تھا کہ ان فرقوں کا باہمی طور پر شدید اختلاف ہے، جس کی رو سے یہ کبھی ایک نکتہ پر جمع ہوں گے اور نہ ہی یہ قانون سازی عمل میں آسکے گی، گویا وہ اسے تعلیق بالمحال گردانتے تھے۔

اس صورتحال میں ضرورت اس امر کی تھی کہ تمام فرقوں کے علماء کرام کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے، چنانچہ اس مقصد کے لیے جن مخلصین علماء کرام کی ایک جماعت متحرک ہوئی، ان میں سرفہرست شیخنا و مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تھے۔ ان حضرات نے پورے ملک کے مختلف خطوں کے دورے کرکے ان تمام فرقوں کے سرکردہ علماء کرام سے ملاقاتیں کیں اور شب و روز انتھک محنت و مسلسل جدوجہد کے بعد ایک ایسے کام کو جسے ناممکن اور قطعی محال سمجھا جارہا تھا، نہ صرف یہ کہ ممکن بنادیا بلکہ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی انتہاء تک پہنچایا اور تمام فرقوں کو خالصتاً صرف دین اسلام کی حفاظت کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے اور اتحاد کا مظاہرہ کرنے کی تلقین کی ان حضرات کی اس مخلصانہ محنت کے نتیجہ میں تمام فرقوں کے علماء کرام ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کے لیے راضی ہوگئے، جس کے بعد کراچی میں ایک عظیم الشان جلسے کا انعقاد ہوا جس میں تمام مسلمانوں نے ملی یکجہتی اور اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کیا، اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وطن عزیز میں یہ ایک ایسی تاریخی کانفرنس تھی جس نے دشمنان اسلام کے اس خود ساختہ خیال کو سراسر خاک میں ملادیا کہ یہ علماء کرام سوائے نزاع اور اختلاف کے کچھ جانتے ہی نہیں، اس طرح خالص دین اسلام کی بنیاد پر قانون سازی کے لیے یہ کانفرنس ایک مثال بن گئی، جس میں تمام فرقوں کے مسلمان اکٹھے جمع تھے، جس میں نہ کوئی دو رائے تھی اور نہ ہی کوئی ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچ رہا تھا۔

اتحاد کی یہ فضا دیکھ کر حکومت نے کچھ اور نئے اصولوں کا اعلان کیا اور انہیں عوام الناس میں نشر کرکے قوم سے رائے طلب کی۔ جس کے بعد پھر مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ جیسے علماء مخلصین نے ایک بار پھر اسی طرح ایک کانفرنس کا انعقاد کیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس عظیم مقصد میں کامیابی و کامرانی سے سرفراز فرمایا، اور اس جلسہ نے نہ صرف یہ کہ اپنے ذمہ کا کام بدرجۂ اتم پورا کیا بلکہ نئے دستور میں شامل جملہ خرابیوں کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی پھر قانون کا یہ معاملہ لیت و لعل کی نظر ہوگیا، کبھی امید کی فضاء ہموار

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہونے لگتی تو کبھی ناامیدی کے سیاہ بادل چھانے لگتے، لیکن حضرت شیخ رحمہ اللہ تمام تر وسائل کو روبکار لاتے ہوئے حتی المقدور کوشش کرتے رہے، حالاں کہ یہ وہ وقت تھا جب کہ آپ رحمہ اللہ نہایت ضعف و کمزوری کے عالم میں پیرانہ سالی کی عمر سے گزر رہے تھے، مختلف قسم کے مشاغل کا ہجوم تھا اور قویٰ جواب دے چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی محنتوں اور کوششوں کو ثمر بار فرمائے۔[۲۹۷]

دارالعلوم کراچی کی تاسیس

تقسیم ہند کے بعد ہمارے شیخ حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے پاکستان کی طرف ہجرت کی اور یہ وہ اولین وقت تھا جب کہ وطن عزیز کے بڑے بڑے شہروں سمیت بالخصوص دارالحکومت شہر کراچی میں کوئی بھی ایسا دینی مدرسہ نہیں تھا، جہاں سے اسلامی علوم اور معارف دینیہ کی اشاعت کا کماحقہ اہتمام ہو، لہٰذا پاکستان بننے کے بعد اول درجہ میں اس کی شدید ضرورت تھی کہ نئی آنے والی پود کی عملی زندگی کو تمام تر شعبہائے زندگی میں اسلامی و دینی خطوط پر استوار کیا جائے اور ان کی اس طرح تربیت کی جائے کہ ان کے اذہان اسلام کے خوبصورت قالب میں ڈھل جائیں، اور یہی وہ مقصد تھا جس کے پیش نظر ایک آزاد و خود مختار مملکت کے حصول کی امید باندھی گئی تھی۔

پس شیخنا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے محض اللہ کی توفیق اور مدد و نصرت سے کراچی میں ایک وسیع ادارے کی بنیاد رکھی اور یہی وہ ادارہ ہے، جو آج "دارالعلوم کراچی" کے نام سے معروف و مشہور ہے، جو آج بلاشبہ پاکستان کے دینی علوم کے جملہ مراکز میں سب سے بڑا مرکز شمار ہوتا ہے اور حضرت شیخ رحمہ اللہ کے اخلاص کی برکت سے یہ ادارہ ایک خوشگوار ٹھنڈے پانی کا سرچشمہ ہونے کی حیثیت سے پاکستان سمیت دنیا بھر کے مختلف ممالک سے جوق در جوق آنے والے طلبہ کرام کو اپنے فیضان علم سے سیراب کر رہا ہے اور یہ رجوع اس قدر بڑھتا رہا کہ جگہ کی بے حد تنگی ہوگئی، جس کے بعد صحیح معنوں میں تعلیمی و دینی ضروریات پورا کرنے کے لیے وسیع و عریض اراضی کی ضرورت تھی، تو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و احسان سے شہر کے ہنگاموں سے دور ایک وسیع و عریض خطۂ زمین عطا فرمایا، جس پر بڑے پیمانے پر تعمیرات ہوئیں، اور اب

۲۹۷ انہی علماء کرام کی جہد مسلسل کا ثمرہ تھا کہ بالآخر ۱۹۷۳ء میں از سر نو پاکستان کا دستور پاس ہوا، جو علماء کرام کی اہم تجویزات پر مشتمل تھا۔ والحمد للہ تعالیٰ

toobaa-elibrary.blogspot.com

الحمدللہ تعالیٰ دنیا کے مختلف خطوں سے ہزاروں کی تعداد میں طلبہ کرام سکونت پذیر رہ کر اپنے شب و روز دینی مشاغل میں صرف کررہے ہیں، یہ اس ادارہ کے بانی حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ ہی کا فیض ہے، جنہوں نے اس ادارے کو طویل المدتی حکمت عملی کے ساتھ وسیع تر فکری بلندی سے بہرہ مند کیا۔

تصنیفی و تالیفات خدمات

حضرت شیخ رحمہ اللہ کی انتہائی نافع اور مفید تالیفات کی ایک طویل فہرست ہے، جس کی تعداد سو سے بھی متجاوز ہے، جن میں اکثر اردو زبان میں اور متنوع موضوعات پر ہیں، جیسے علم تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، ادب، کلام، اور معاشرت وغیرہ فی الجملہ ان میں سے بعض اہم اہم تالیفات کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) معارف القرآن

یہ اپنی نوعیت کی بالکل منفرد اور نایاب تفسیر ہے، جسے حضرت شیخ رحمہ اللہ ریڈیو پاکستان پر ہفتہ وار جمعہ کے دن بیان فرمایا کرتے تھے، یہ ایک ایسی جامع اور مفید تفسیر ہے جو ان تمام نادر اور نو پیش آمدہ مسائل و مباحث کو حاوی ہے جن کا عہد حاضر میں کثرت سے وقوع ہے، اور جہاں تک ہم سمجھتے ہیں اس قدر سہل الوصول، معنوی گہرائی لیے ہوئے اور بیش بہا مسائل و مباحث پر مشتمل اردو زبان میں کوئی اور تفسیر نہیں ہے، نہ صرف یہ کہ خواص، بلکہ عوام کے لیے بھی اس کا نفع عام و تام ہے، یہ تفسیر آٹھ ضخیم و فخیم جلدوں میں ہے، جس کا انگریزی، فارسی اور بنگالی سمیت بعض دیگر زبانوں میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

(۲) احکام القرآن

یہ قرآن کریم سے استنباط و استخراج کیے گئے احکام و مسائل کے موضوع پر ایک جلیل القدر تصنیف ہے، جسے حضرت شیخ رحمہ اللہ نے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے حکم پر اردو زبان میں تالیف فرمایا، دراصل حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ قرآن کریم میں ذکر کردہ جملہ احکام و مسائل کو کتابی شکل میں جمع کرنے کی اشد ضرورت سمجھتے تھے، اور ان کی خواہش تھی کہ یہ تفسیر بالخصوص ایسے مسائل کو شامل ہو جن کا اخیر کے زمانے میں کثرت سے وقوع ہو رہا ہے، چنانچہ اس عظیم کام کے لیے انہوں نے چار اکابر علماء کو مقرر کیا:

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۔ ہمارے ذی قدر شیخ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ

۲۔ مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ

۳۔ مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ

۴۔ اور ہمارے شیخ حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ

جن میں آخر الذکر ہمارے شیخ حضرت رحمہ اللہ کو قرآن کریم کے آخری حصے (سورۃ الشعراء سے سورۃ الحجرات تک) کی تفسیر سپرد فرمائی۔

حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ نے تعمیل حکم میں ایک ضخیم جلد تالیف فرمائی، جس میں احکام القرآن سے متعلقہ وہ تمام نفیس وعمدہ مباحث ذکر فرمائی، جو بالعموم اس موضوع کی دیگر کتابوں میں خال خال پائی جاتی ہیں، اور اسی کتاب کے ضمن میں بعض اہم اہم موضوعات پر طویل رسائل تحریر فرمائے جو بعد میں اپنے موضوع پر مستقل کتابوں کی شکل اختیار کر گئے جن میں "کشف الریب عن مساکۃ علم الغیب"، "تکمیل الحبور بسماع اهل القبور" "السعی الحثیث فی تفسیر لھو الحدیث"، "تنقیح الکلام فی معنی الصلوۃ والسلام"، "الابانہ لمعنی التسبب والاعانۃ"، "تفصیل الخطاب فی تفسیر آیات الحجاب"، "تحقیق السبر بعذاب القبر"، "المقالۃ المرضیہ فی حکم سجدۃ التحیۃ" "تحقیق السحر واحکامہ" بطور خاص قابل ذکر ہے۔

(۳) ختم نبوت

حضرت شیخ رحمہ اللہ نے یہ کتاب دجالی فرقے قادیانیوں کے رد میں تالیف فرمائی، جس میں آپ رحمہ اللہ نے قرآن وحدیث اور اجماع امت کی روشنی میں عقیدہ ختم نبوت پر کافی وافی دلائل ذکر فرمائے ہیں، اس فرقے کی طرف سے وارد کردہ ان تمام گمراہ شبہات پر اس عمدہ انداز میں رد کیا ہے، جو ہر ایک کے لیے قابل قبول فہم وادراک سے قریب تر اور شکوک وشبہات کی اس پُر آشوب فضا سے یقین ووثوق کی ٹھنڈی چھاؤں کی طرف نکالنے میں بھرپور معاون ہے، یہ کتاب اردو زبان میں ہے اور اس کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں، پانچ سو صفحات پر مشتمل اس ضخیم کتاب کو ملت اسلامیہ میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، حتی کہ بعض نقد نگاروں کا یہاں تک خیال ہے کہ اردو زبان میں اس موضوع پر اتنی عمدہ کتاب نہیں لکھی گئی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۴) سیرت خاتم الانبیاء

یہ اپنے موضوع پر ایک انتہائی جامع اور مختصر کتاب ہے، جس میں حضرت شیخ نے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے اہم اہم گوشوں اور پہلوؤں پر عشق نبوی ﷺ سے معمور و مخمور ہو کر روشنی ڈالی ہے، یہ اپنے موضوع پر نہایت آسان اسلوب اور مختصر پیرائے میں تحریر کی گئی ایسی تالیف ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے عظیم القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے عشق و محبت سے سرشار کر دینے والی ہے، اردو میں تحریر کی گئی اس کتاب کے پچاس سے زائد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں، اور اس کتاب کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی ہے کہ ہندو پاک کے متعدّد مدارس میں یہ داخل نصاب ہے اور اس کے ہندی، گجراتی اور بنگالی وغیرہ زبانوں میں ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔

(۵) آلات جدیدہ

یہ گرانقدر علمی ذخیرہ پر مشتمل ایک فنی تالیف ہے، جس میں حضرت شیخ رحمہ اللہ نے ان جدید آلات سے متعلقہ احکام بیان فرمائے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہاء مجتہدین کے زمانے میں موجود نہیں تھے، اور ایسے مسائل سے بحث فرمائی ہے جن کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہے، جیسے آلہ مکبر صوت (لاؤڈ اسپیکر) پر نماز، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر یا گراموفون پر تلاوت قرآن، روزے میں انجکشن لگوانا، انسانی خون کے ذریعے علاج کی مروجہ صورتیں، ٹیلی وژن کے لہو ولعب، اور ٹیلی فون پر دی جانے والی گواہی سے متعلقہ جملہ احکام و مسائل پر کافی وشافی بحث فرمائی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اپنے وقت میں جدید مسائل کے حوالے سے یہ گرانقدر اور بھاری بھر کم کام کی امید سوائے حضرت شیخ رحمہ اللہ کے کسی اور سے نہیں ہوسکتی تھی، کیوں کہ یہ حضرت شیخ رحمہ اللہ ہی تھے، جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے علم دین میں کمال درجہ رسوخ، غایت درجہ دسترس، صراط مستقیم پر درست زاویہ فکر اور ذوق سلیم عطا فرمایا تھا، جس کے ذریعے وہ بڑی مہارت سے پیچیدہ سے پیچیدہ اور نازک سے نازک مسئلہ کا بڑی آسانی سے استنباط کر لیا کرتے تھے، یہ کتاب بھی اردو زبان میں ہے اور کئی دفعہ زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔ فجزاھم عن سائر المسلمین خیر الجزاء

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۶) احکامِ اراضی

اس کتاب میں حضرت شیخ رحمہ اللہ نے احکام کے اعتبار سے زمین کی جملہ اقسام مثلاً سرکاری، وقف شدہ اور مملوکہ زمین پر تفصیلی کلام فرمایا ہے، اور ان پر عائد ہونے والے شرعی احکام عشر یا خراج وغیرہ بڑی وضاحت سے تحریر فرمائے ہیں، اور اس باب میں اسلام کا وضع کردہ نظام عدل پر نہایت جامع انداز میں بحث فرمائی ہے، مزید برآں ہندوپاک کی اراضی سے مختص مسائل پر سیر حاصل بحث فرمائی اور غایت درجہ دقت نظری اور لطیف انداز میں مسلمانوں کے ہاتھوں ہندوستان کی فتح کی تاریخ رقم فرمائی ہے، جس کے بعد سرزمین ہند سے متعلقہ اسلامی احکام کھل کر واضح ہو جاتے ہیں۔

بلاشبہ یہ ایک زمینی حقیقت ہے کہ یہ کتاب ملت اسلامیہ پر اتنا بڑا احسان ہے جس سے اس کے کندھے ہمیشہ بوجھل رہیں گے، جس کے لیے آپ رحمہ اللہ راتوں کی نیند اور دن کا چین وسکون قربان کر کے عملی میدان میں مسلسل عرق ریزی کرتے رہے، یہ ایک ایسی گرانمایہ تصنیف ہے، جس نے طبقہ اہل علم کی طرف سے ایک بہت بڑا قرض اور فرض نبھایا ہے۔ اس عظیم علمی وفقہی سرمایہ کا حجم قریباً چار سو صفحات ہیں۔

(۷) امداد المفتیین

یہ حضرت شیخ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کے تحریر کیے گئے ایک لاکھ سے متجاوز فتاوی میں سے ان بعض فتاوی کا مجموعہ ہے، جو حضرت شیخ رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند میں قیام کے دوران تحریر فرمائے یہ دو ضخیم و فخیم جلدوں پر مشتمل ہے، جیسے کہ ابھی ابھی اس کا ذکر گزرا، ان میں سے اکثر فتاوی آسان اردو زبان میں ہیں، جس سے عالم ہو یا غیر عالم بہت آسانی سے استفادہ کر سکتا ہے، اس میں بعض مباحث اس قدر بسط و تفصیل سے ذکر کی گئی ہیں کہ اگر انہیں علیحدہ علیحدہ مجموعہ کی شکل دی جائے تو ایک مستقل کتاب بن سکتی ہے، ہم اللہ تعالیٰ کی قادر مطلق ذات سے پُر امید ہیں کہ وہ ان تمام فتاوی کو عنقریب منصۂ شہود پر لا کر ہماری امنگوں کو ایک نئی روشنی بخشیں گے۔

(۸) التصریح بما تواتر فی نزول المسیح

عربی زبان میں لکھا گیا یہ ایک مختصر مگر جامع رسالہ ہے، جسے حضرت شیخ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے امام المحدثین حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے ایماء پر تالیف فرمایا۔ آپ نے اس میں ان تمام احادیث اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

روایات کو بخوبی جمع فرمایا ہے، جن میں خاتم الرسل نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نشانیوں اور خصائص وصفات کو بیان فرمایا ہے، یہ رسالہ اپنی جامعیت وافادیت میں اس قدر عمدہ ہے، جس سے قادیانی کے اس جھوٹے دعوے کا پردہ فاش ہوجاتا ہے کہ وہ مسیح موعود ہے، اللہ تعالیٰ اس فتنہ سے تمام مسلمانوں کو محفوظ ومامون فرمائے۔

اولاً یہ کتاب دیوبند میں طبع ہوئی اور پھر نایاب ہوگئی، اس کے بعد شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے اپنی گرانقدر اور مفید تعلیقات کے بعد اسے شام سے شائع فرمایا۔

(۹) ہدیۃ المہدیین فی آیات خاتم النبیین

یہ رسالہ بھی حضرت شیخ رحمہ اللہ نے سابقہ رسالہ ہی کی طرز پر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے حکم پر تحریر فرمایا۔

(۱۰) ثمرات الاوراق

یہ کتاب ادب، تاریخ، تصوف، معاشرت ودیگر مختلف و متنوع علوم سے کشید کردہ حکایات وواقعات، ضرب الامثال، احکام مسائل، لطائف وظرائف اور دیگر فنون لطیفہ کا ایک خوبصورت وحسین گلدستہ ہے، جو آپ رحمہ اللہ علیہ کے مطالعہ سے گزری ہوئی سینکڑوں کتابوں کا گویا نچوڑ ہے، جس میں ہر شخص اپنے ذوق وشوق کے مناسب، گرانقدر معلومات وافادات سے بخوبی استفادہ کرسکتا ہے اور اپنی آنکھوں کو جلا بخش سکتا ہے، اب اس کا دوسرا ایڈیشن بھی منظر عام پر آچکا ہے، یہ کتاب قریب پانچ صد صفحات پر مشتمل ہے اور اردو زبان میں ہے۔

جیسے کہ ابھی ذکر کیا گیا کہ حضرت رحمہ اللہ نے کثیر التالیف شخصیت ہونے کی حیثیت سے سو سے متجاوز کتب تحریر فرمائیں، جن میں اکثر اردو زبان میں ہیں، جن میں بعض اہم اہم کتب کا مختصر خاکہ پیش کردیا گیا اور بقیہ کا ذکر اس لئے موقوف کیا کہ ان میں سے ایک ایک کتاب کے تعارف کے لیے ایک مستقل رسالہ درکار ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لیے ہمہ جہت میدانوں میں موفّق فرمایا، اور آپ کی حیات مبارکہ دین اور اہل دین کے لیے وقف رہی، اور شاید کہ یہ مبنی بر مبالغہ نہیں کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

آپ رحمہ اللہ نے کوئی قدم بھی اٹھایا تو وہ کسی نہ کسی دینی غرض سے اٹھایا، کبھی تو دارالعلوم درس و تدریس اور نگرانی کے فرائض میں مشغول عمل نظر آئے تو کبھی کسی کتاب کی تصنیف و تالیف میں شب بیدار دکھائی دیے، کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے اسلام کی جانب بڑھتے فتنہ کا قلع قمع فرمادیں، کبھی منبر رسول پر جلوہ گر نظر آئے تاکہ اپنی خطبات و تقاریر سے لوگوں کو ہدایت اور صلاح و فلاح کی طرف دعوت دیں؛ اور کبھی پاکستان میں اسلامی احکام اور شریعت اسلامیہ کی عملی تنفیذ کے لیے جدوجہد کرتے نظر آئے، آپ ہر خطۂ ارض کے مسلمانوں کے حالات سے واقفیت رکھتے اور ان کی مدد و نصرت کے لیے کوشاں رہتے اور ان کی حالت زار پر آہ و فغاں کرتے اور کڑھتے رہتے۔

یہ میرے والد ماجد حضرت شیخ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کے روز و شب اور انتھک جدوجہد کا مختصر خاکہ اور حیات مبارکہ کی ایک جھلک تھی، جس میں آپ رحمہ اللہ نے پیرانہ سالی میں اپنے صبح و شام جس مجاہدہ کے ساتھ گزارے، اس سے جواں سال شخص کی ہمت بھی جواب دے جائے، اور اس جدوجہد کا سلسلہ برابر جاری رہا، یہاں تک کہ ہمارے شیخ حضرت رحمہ اللہ ۱۱ر شوال المکرم ۱۳۹۶ھ کی شب بمطابق اکتوبر ۱۹۷۶ء وصال فرماگئے، آپ کا مقبرہ 'دارالعلوم کراچی' ہی میں ہے، آپ رحمہ اللہ کے جنازے میں حاضرین نے پچاس ہزار کے قریب افراد کا کھلے آنکھوں مشاہدہ کیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ، وتقبل اللہ تعالیٰ سعیہ وتضحیاتہ الغالیۃ فی سبیل اعلاء کلمۃ اللہ ونشر ھدیتھا۔

شعری وادبی ذوق

حضرت شیخ رحمہ اللہ کو کم سنی سے ہی شعر و ادب کا ذوق و شوق رہا اور دارالعلوم دیوبند ادبی ذوق کے حامل ادارے میں رہتے ہوئے اس میں اور روز افزوں ترقی ہوتی گئی اور تر و تازگی آتی گئی، کیوں کہ آپ کے اکثر اساتذہ کو جہاں اللہ تعالیٰ نے دیگر علوم و فنون میں مہارت کاملہ عطا فرمائی تھی، وہیں اس موضوع میں بھی ایک خاص ملکہ اور کمال درجہ دسترس عطا فرمائی تھی اور اسے اپنے طلبہ میں اجاگر کے لیے بالخصوص آپ رحمہ اللہ کے استاذ حضرت شیخ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے دارالعلوم دیوبند میں شعر و ادب کی تربیت کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی تھی، جو "نادیۃ الادب" کے نام سے معروف تھی، اس مجلس میں ہفتہ وار و ماہانہ بنیادوں پر ایک ادبی مجلس کا انعقاد ہوتا، جس میں طلبہ اور اساتذہ کرام جمع ہوتے، تقریریں کرتے اور اشعار پڑھتے، اس مجلس میں حضرت شیخ رحمہ اللہ، اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ شعری و ادبی ذوق کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے معاصرین میں ہمیشہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

سبقت لے جاتے اور نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرتے۔

اس طرح آپ رحمہ اللہ کا ذوق لطیف اور شوق سلیم زمانہ طالب علمی ہی سے پروان چڑھتا رہا اور آپ رحمہ اللہ نہ صرف یہ کہ اردو بلکہ عربی و فارسی کے ایک قادر الکلام شاعر کے طور پر ابھرے، گو کہ آپ رحمہ اللہ نے شعر و شاعری کو باقاعدہ پیشہ کی حیثیت سے اختیار نہیں فرمایا، تاہم آپ کے پاس مذکورہ ہر تین زبانوں میں سے بعض اردو و فارسی اشعار "ثمرات الاوراق" کتاب میں مندرج ہیں، جنہیں سنا جائے تو کانوں میں رس گھولتے ہیں، اور پڑھا جائے تو شاعر کے عالی ذوق کے آئینہ دار ہیں۔

آپ کے اشعار کا بیشتر مضمون حکمت و دانائی، فراست و بصیرت اور موعظت و نصیحت ہے، جن میں کسی بھی قسم کا کوئی جھول نظر نہیں آتا، انہیں پڑھنے سے واقعی معلوم ہوجاتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ کے دل میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت، اعمال صالحہ کی فکر اور آخرت کا استحضار کس قدر اتم درجہ میں تھا۔

آپ رحمہ اللہ کے عربی اشعار ایک مختصر کتابچہ بنام "نفحات" میں شائع ہو چکے ہیں، جو عربی شعر و ادب کا ایک سرسبز باغ ہے، جس سے کچھ رنگا رنگ پھول چن کر ایک حسین گلدستہ کی صورت میں پیش کیے جاتے ہیں۔

مناجات دربارگاہ رب ذوالجلال

یا ویح نفسی فی الاھواء اھوی بی　　لو صبرت لکان الصبر اولی بی

اے نفسِ ظالم! جس کی خواہشات سب سے زیادہ مجھ پر حاوی ہیں

حالاں کہ میں صبر سے کام لوں تو صبر میرے لئے زیادہ بہتر ہے

امرتھا فابت نھیتھا فاتبت　　حتی ھوت بی فیما لیس یحری بی

میں نے اسے (طاعات کا) حکم کیا تو اس نے انکار کیا، اور (مناہی سے) روکا تو اس نے پیش قدمی کی

حتی کہ ان امور میں بھی مجھے خواہشات کی پیروی میں لگا دیا جن میں مجھے کوئی اختیار حاصل نہیں

یا رب فاکف ھموما لی اکابدھا　　وجعل لنفسک تطوافی وتطلابی

اے پروردگا! آپ (ان پگھلا دینے والے) غموں کے لئے کافی ہوجایئے، جن کی وجہ سے میں مشقت میں مبتلا ہوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور اپنی ذات کو میرے طواف اور طلب کا محور بنادیجئے

انت الولی اذا ولی الولاۃ غدا واسلمت جسدی للترب اترابی

کل کو آپ ہی میرے ولی ہیں جب کہ عزیز واقارب منہ موڑ جائیں گے

دراں حالیکہ میرے ہم جولی میرا بدن مٹی کے حوالے کرچکے ہوں گے

انت اقرب من نفسی الی نفسی وانت عن سائر الادنین ادنی بی

اور آپ میری ذات سے میرے سانس سے زیادہ قریب تر ہیں

اور آپ تمام ہی قریب ترین چیزوں کے مقابلے میں میرے سب سے زیادہ قریب ہیں

اتیت بابك لما عیل مصطبری وحسن ظنك فی نعماك آتی بی

میں آپ ہی کے در پر آیا جب کہ فقر وفاقہ میرے برداشت کا محور ٹھہرا

اور میرے حسن ظن کے باعث آپ کی (بیش بہا) نعمتوں کا مجھ پر ورود رہا

فان طردت، وذاك العدل، یاصمدی فما لعبدك فیما بعد من باب

اور اگر آپ راندہ درگاہ کردیں، تو (مجھ گنہگار کے لئے) یہی قرین انصاف بھی ہے اے صمد! (سب آپ کے محتاج اور آپ کسی کے محتاج نہیں)

تو (آپ ہی بتائیے!) کیا آپ کے بندے کے لئے اس کے بعد کوئی اور دروازہ ہے؟

ازال الشیب، ربّ، سواد شعری فهل لسواد وجهی من مزیل؟

اے میرے پروردگار! میرے بالوں کی سیاہی (جوانی) کو بڑھاپے نے تو زائل کردیا

لیکن کیا (معصیتوں کے بسبب) میرے چہرے کی سیاہی کا بھی کوئی مداوا ہے!

اطعت مطامعی، فاستعبدتنی علی ذل الی مری وبیل

میں لالچ کے پیچھے چلتا رہا، بالآخر اس نے رعایت برتنے والے اور پرواہ کیے جانے والے (اہم امور) کی طرف سے (غافل کرکے) مجھے ذلت ورسوائی کا غلام بنا کر چھوڑا

toobaa-elibrary.blogspot.com

شانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

علا، فکان قاب القوسین منزله　قد حل من شرفات المجد اعلاها

ان کی قدر و منزلت اس قدر بلند ہوئی کہ (اُن کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان صرف) ایک قوس
کا فاصلہ رہ گیا (واقعہ معراج کا قرب بھی مراد ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم)
عظمت و بزرگی کے درجات میں سے بلند ترین درجہ سے آپ ہی بہرہ مند ہوئے

نادی، فسمع اذنا بها صمم　جل، فاعین عمی الخلق جلاها

آپ نے ندا دی، تو ایسی کہ سماعت سے محروم لوگوں کے کانوں کو بھی سماعت کی دولت بخش دی
آپ نے جلا بخشی، تو ایسی کہ مخلوقات میں سے نابینا لوگوں کو بھی بدرجہ اتم بینائی عطا ہوئی

واها! الطیبة مازالت منورة　طابت مشارقها من طیب ریاها

واہ! کیا بات ہے مدینہ طیبہ کی جس پر مسلسل انوارات کی بارش برستی ہے
جس کی سیرابی کی خوشبو سے چہار دانگ عالم معطر ہے

من للشفیع باسحار بها سلفت　وعیشة فی حوالیها تولاها

ان سحر انگیزیوں کے سامنے شفیع کا کون (مددگار) ہے؟ جو گذر گئیں
اور حیات مضطرب اس کے گرد پیچ و تاب کھاتی رہی

وعظ و نصیحت

وهاتف حق کل کون وکائن　بأعلی نداء، ان صغیت لقالها

ہر موجود اور وجود پذیر ہونے والی چیز در حقیقت حق کا آوازہ ہے
جس کی پکار انتہائی فلک شگاف ہے اگر تو اس کی بات کی طرف کچھ میلان ہو

ظهور جمال الحق اورثه الخفاء　به ضلّت الاقوام یالضلالها

جمالِ حق کا ظہور اس طرح ہے کہ وہ اسے پردوں میں چھپا دیتا ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسی کے ذریعے قومیں گمراہ ہوئیں، اے وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں گمراہ کرنا ہے

تحیرت الاراء حتی تفرقت علی فرق الحصب القوی ومجالها

مختلف آراء حیران زدہ رہیں، یہاں تک کہ بانٹ دیا

اپنے اپنے ظرف اور میدان کے مطابق لوگوں کو فرقوں میں

در مدح شیخ انور شاہ کشمیری قدّس سرّہ

فنادی طواغیت الضلال مهددا لینصر دین الله نصرا مؤزرا

جس نے جھنجھوڑتے ہوئے (اپنے مخاطب کو) پکارا کہ تونے گمراہی کی ساری حدیں پھلاندی

جو برابر اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کرتے رہے

فشید ارکان الهدی وانارها ومذر بنیان الضلال ببذرا

ہدایت کے ستونوں کو مضبوط اور روشن کردیا

گمراہی کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا اور ریزہ ریزہ کردیا

فحسبی به فی العلم والدین قدوة وحسبی به فی مشهد القوم مفخرا

آپ ہی میرے لئے علم ودین میں اسوہ ونمونہ کے طور پر کافی ہیں

اور قوم کے روبرو آپ ہی بطور فخر ومباہات میرے لئے کافی ہے

لعل الرؤوف البر یلحقنی به بلی؟ والرجاء بالله فلیك اکثرا

رؤوف وبرّ (بڑے مہربان وسراسر احسان مند) ذات سے امید ہے کہ وہ میرا حشر انہی کے ساتھ فرمائیں گے۔

اور کیوں نہیں! بلکہ اللہ کی ذات سے اس سے بھی کہیں بڑھ کر امید ہونی چاہیے

مرثیہ

اپنے والد ماجد (حضرت مولانا یاسین صاحب رحمہ اللہ) کے غم فراق پر کہے گئے اشعار

حمیناه ایاما فلم تجد حمیة وکنا علی حذر فلا ینفع حذر

toobaa-elibrary.blogspot.com

جن دنوں ہمیں ان کا سایہ عاطفت میسر آیا، کوئی اور پناہ گاہ ہاتھ نہیں آئی

اور اب ہم ان سے دور ہیں تو دوری کا کوئی فائدہ نہیں

وکنا علی خوف من البین دائما فلما تولی کان ادھاہ، بل امر

اور ہمیں ان کی جدائی کا ہمیشہ سے ہی خوف رہا

لیکن جب انہوں نے پیٹھ پھیرلی تو وہ ایک بڑی مصیبت، بلکہ کہیں زیادہ کڑوی تھی

فاضحی ضمیری من دموعی بارزا وأفظع منہ، ما بأحشای مستتر

میرے آنسو ظاہر ہوئے ہی تھے کہ میرے اندرونی پوشیدہ راز ظاہر ہوگئے

جس کی وجہ سے میری آنتوں نے جزع فزع کی

غم فراقِ شیخ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

أحق، عباد اللہ، ان لست زائرا بعینی بعد الیوم انوارا؟

اے اللہ کے بندو! کیا اب ایسا ہوگا کہ مجھے آج کے بعد ان آنکھوں سے اپنے شیخ انور کی زیارت نصیب نہیں ہوگی؟

فلو انھا رزء من الدھر واحد ولکنہ غیم النوائب امطرا

اگر زمانہ بھر کی کوئی بھی مصیبت ہوتی (تو شاید قابل تحمل تھی) لیکن یہ تو مصیبتوں بھرا بادل جو مسلسل برس رہا ہے۔

فما فقدہ، واللہ، فقد لواحد وربی، جناح العلم منہ تکسرا

کسی اور چیز کا فقدان ہوتا تو بخدا! وہ ایک ہی نقصان تھا،

مگر پروردگار کی قسم! ان (کے جانے) سے تو علم (ظاہر وباطن) دونوں ہی کے پر ریزہ ریزہ ہوگئے

مولانا شیخ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی رحلت کے موقع پر آہ وفغاں کے الفاظ

جرت بسری اقلام الجفون علی صحیفۃ الوجہ الاحزان تملیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

میری رازداری میں پلکوں کے قلم چل پڑے

چہرے کے صفحہ پر، اور غموں کا ہجوم انہیں املاء کر رہا تھا

من للارامل والایتام بعدھم　　من للغریب یسلّی اوید اویہ

ان درماندہ محتاجوں اور یتیموں کا اب کون ہے؟

کون ہے جو اس اجنبی کے لئے تسلی کا سامان کرے یا اس (کے درد) کا مداوا کرے

من للمکارم والاخلاق قد یتمت　　والعلم والحلم قد ھدت مبانیہ

خوش خلقی و حسن خلق میں (آپ کے مقابلے میں) کون ہے جو ٹھہر سکے

اور علم اور حلم کی بنیادیں تو جیسے (آپ کے بعد) ڈھا دی گئیں ہوں

غزل

وقفنا علی الاطلال نبکی ونشتکی　　الیھا، وذکر البین من ذاك اطول

ہم (راہ چلتے) ٹیلوں پر رکے اور آہ و فغاں کرتے رہے اور ان کے سامنے حرف شکایت بھی زبان پر آگیا، اور جدائی کا ذکر (پُر غم) تو اس سے بھی زیادہ طویل ہے۔

بکیناہ، وابکینا، ولا مثل ناقف　　لحنظلۃ فی الحی، یوم تحملوا

ہم اس پر روئے، اور اسے رلایا بھی، جس دن انہوں نے کوچ کیا، (تو غم فراق کا یہ عالم تھا کہ) پورے قبیلہ میں اس جیسے اندرائن توڑنے والے کی کوئی مثال نہیں تھی۔[۲۹۸]

یقول نصیحی فی ھواہ توجعا　　تعز فان الصبر بالحر اجمل

میرا خیر خواہ محبت سے لبریز ہو کر درد بھرے انداز میں یہ کہتا ہے

تسلی رکھ، کیوں کہ پریشانی میں صبر کرنا ہی زیادہ بہتر ہے

یصبرنی والصبر عین شکیتی　　وما غالنی فی الحب الا التجمل

---

۲۹۸ یہ دراصل امرأالقیس کے اس شعر کی جانب ایک تعریض لطیف ہے۔

کانی غداۃ البین یوم تحملوا　　لدی سمرات الحی ناقف حنظل (تقی)

toobaa-elibrary.blogspot.com

وہ مجھے صبر کی تلقین کرتا ہے حالاں کہ صبر ہی میرے شکوہ کا اظہار ہے

اور میں نے محبت میں سوائے اظہارِ حسن کے کوئی اور غلو نہیں کیا

شیم اللیالی ان ترینی بدورھا والعین غیر بدورھا یرتاد

راتوں کی عادتیں مجھے ان کے چودھویں کے چاند دکھاتی ہیں

اور آنکھ ہے کہ ان کے علاوہ اور چاندوں کی طرف آتی جاتی ہے

اعیا سقیمھم الرقاۃ وعندہ مرض الطبیب، وعیدت العواد

جن کے بیمار نے عاملوں کو تھکا دیا، اور ان کے پاس رہ کر ڈاکٹر خود بیمار ہو گیا، اور عیادت کرنے والے لوگ بھی لوٹ گئے۔

یا حسرۃ لعشیات الحمی سلفت عند الحبیب بحسن الدل والتیہ

ہائے افسوس! چراگاہ کی ان راتوں پر جو گذر گئیں

محبوب کی قربت میں خوش مزاجی اور سرگرداں رہنے کی حالت میں

کتمت دائی حتی عیل مصطبری ولیس منکتما ما اللہ مبدیہ

اپنے روگ کو میں نے اس قدر مخفی رکھا کہ بالآخر پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا

اور خیر! وہ چھپنے والا ہے بھی نہیں، جسے اللہ خود ظاہر اور عیاں کرنے والا ہے

بین جنبی جمر ذکی سموہ قلبا ولا اراہ

میرے پہلو میں ایک دہکتا ہوا انگارہ ہے

جسے لوگ تو دل کہتے ہیں لیکن مجھے نہیں ملتا

واللہ نسئل ان یھدینا صراطا مستقیما فی کل من امور دنیانا وآخرتنا، ولہ الحمد اولا وآخرا

محمد تقی عثمانی

دار العلوم کراچی

۱۶ ذوالقعدۃ الحرام ۱۳۸۳ ہجری

toobaa-elibrary.blogspot.com

مختصر سوانح حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

مع

”اعلاء السنن“

کتاب اور صاحب کتاب

toobaa-elibrary.blogspot.com

مختصر سوانح حکیم الامّت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

حکیم الامت حضرت تھانویؒ ان منفرد، یکتائے روزگار اور خالصۃً اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے اکابر علماء اور بزرگان دین میں سے تھے، جنھوں نے چہار دانگ عالم کو چکا چوند کردینے والے ابھرتے ہوئے سورج کی مانند دین اسلام کے احیاء اور تجدید کی شمعیں روشن کیں اور اپنی حیات مبارکہ اسلامی سرحدوں کی حفاظت، دعوت الی اللہ پر مداومت اور اس راستے میں پیش آمدہ مصائب و مشکلات پر کمال درجہ استقامت کے ساتھ وقف فرمائی۔

حضرت رحمہ اللہ کی ولادت باسعادت ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ بروز جمعرات بوقت صبح ایک ایسے شریف النسب خانوادہ میں ہوئی، جس کا نسبی سلسلہ و شجرہ امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ و ارضاہ تک پہنچتا ہے، جائے ولادت "مظفر نگر" شہر کا قصبہ "تھانہ بھون" ہے جو ہندوستان کی زرخیز دھرتی ہے، جہاں بہت ممتاز، قابل قدر ہستیاں، ابھرتی ہوئی صلاحیت کے حامل ماہر فن علماء اور تلقی بالقبول پانے والے اکابر اولیاء کرام و بزرگان دین گزرے ہیں، جیسے محقق عالم دین "کشاف اصطلاحات الفنون" کے مصنف علامہ شیخ محمد علی تھانوی رحمہ اللہ ہیں، جن کے اس ضخیم اور گرانقدر علمی مجموعے کو شرق و غرب کے مقتدر اہل علم اور قابل قدر اصحاب وقت نے بے حد سراہا، اس کے علاوہ سرزمین ہند کے اس چھوٹے سے قصبے سے حافظ محمد ضامن شہید، محقق عارف ربانی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی جو اس خطے میں (سلوک و ارشاد کے) تین سلسلوں کے "قطب الاقطاب" سے ملقب ہوئے، رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ علم و دین اور ورع و تقویٰ کی اس آماجگاہ میں پیدا ہوئے اور خالص دینی ماحول میں پرورش پائی، حفظ قرآن کریم سمیت فارسی، عربی اور علوم دینیہ کی ابتدائی کتب اپنے وقت کے ماہر فن اساتذہ سے پڑھیں، علم اور علماء سے حد درجہ مناسبت اور غایت درجہ لگاؤ نیز احکام خداوندی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال درجہ اتباع و فرمانبرداری حضرت رحمہ اللہ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اس رجحان کے باعث آپ رحمہ اللہ زمانہ طفولیت سے ہی لہو و لعب اور کھیل کود سے بیزار رہے، حضرت رحمہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اللہ کی ایک اور خصوصیت جو بچپن ہی سے نمایاں تھی، آپ کی حد درجہ حساس طبیعت تھی، جس کا اس قدر غلبہ تھا کہ اگر اچٹتی ہوئی نظر سے کسی کا پیٹ بھی دیکھ لیتے، تو طبعِ حساس پر یہ ایک نظر بھی گراں معلوم ہوتی، چنانچہ اگر کوئی بچہ ان کے سامنے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹا لیتا تو بے اختیار قے ہو جاتی، جب بچے یہ دیکھتے تو اور ہنسی کرتے اور ان کے سامنے اپنا پیٹ کھول لیتے، تو پھر قے ہو جاتی، جب بچے بار بار اس طرح کرتے تو آپ رحمہ اللہ از حد نازک طبع ہونے کے باعث بار بار قیئ کر دیتے، بلاشبہ حضرت رحمہ اللہ کی یہ رقت طبع اللہ جل شانہ کی طرف سے ایک تکوینی معاملہ تھا، جس سے آپ رحمہ اللہ بچپن ہی سے تمام بچوں سے میل جول اور ان کے ساتھ لہو ولعب اور کھیل کود سے طبعًا بے زار رہے۔

حضرت رحمہ اللہ کو بچپن ہی سے عبادت و ریاضت کا اس قدر شوق اور میلان تھا کہ بارہ سال کی عمر ہی سے صلوٰۃ تہجد کی عادت ہو گئی تھی، ان کے عم بزرگوار کی گھر والی اکثر نصف شب میں بیدار ہوتیں اور آپ رحمہ اللہ کو اس لڑکپن کے زمانے میں مصلّٰی پر دست بستہ حالت نماز میں دیکھتیں تو مارے شفقت کے ان پر زور زبردستی بھی کرتیں کہ وہ مختصر نماز پڑھ لیا کریں، لیکن عبادت کے اس فطری جذبے کے مد نظر وہ اسے خاطر میں نہ لاتے اور برابر نماز میں مشغول رہتے۔

عنفوان شباب کے زمانے تک اپنے آبائی وطن میں ابتدائی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور پندرہ سال کی عمر میں اعلیٰ تعلیم کے لئے "دار العلوم دیوبند" کی طرف رخت سفر باندھا، جو اپنی تاسیس کے بعد سے ہی ہندوستان کا سب سے بڑا علوم دینیہ کا مرکز، علم و فضل اور عارفین و ربانیین سے پر نور ایک عظیم دینی و عصری تعلیمی ادارہ، اور علوم آلیہ و عالیہ سمیت دینی اقدار و روایات کی حامل ایک عظیم الشان علمی سیراب گاہ تھا، جس سے ہزاروں کی تعداد میں ایسے رجال کار تیار ہوئے جو علوم کے بحرِ بے کراں، فنون کے باریک بین سیل رواں، وسیع تر معلومات کے حاملین، علم نافع و عمل صالح کے مجمع البحرین، دینی اقدار و اسلامی طرز عمل کو مضبوطی سے تھامنے والے اور دعوت الی اللہ و جہاد فی سبیل اللہ میں کمال درجہ ذوق سلیم پانے والے تھے۔

حضرت رحمہ اللہ اس مبارک و مقدس جامعہ سے ملحق ہو گئے اور تمام ہی علوم عربیہ و ادبیہ و عقلیہ و نقلیہ اپنے وقت کے ایسے ماہر فن اساتذہ کرام سے حاصل کیے، جنہوں نے اپنے دامنِ علم کے وسیع تر ہونے اور اس میں موجود اپنی ماہرانہ و فاضلانہ حد درجہ علمی پختگی سے علماء متقدمین کی مہکتی یادوں کو ایک بار پھر زندہ کر دیا تھا۔ جن میں سر فہرست اپنے زمانے کے عظیم القدر مجاہد حضرت امام محمود الحسن دیوبندیؒ ہیں، جنہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

علم و تقویٰ میں درجۂ کمال حاصل ہوا، اور ظالمانہ مغربی استعمار کے خلاف ہندوستان کی تحریک آزادی کے لئے جہد مسلسل اور سعی پیہم صرف کرنے کے باعث "شیخ الہند" کے خطاب سے نوازا گیا، اسی طرح عارف باللہ، محقق عالم ربانی حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ، جنہیں نہ صرف یہ کہ جملہ علوم و فنون میں مکمل دسترس اور ید طولیٰ حاصل تھا بلکہ ذکر اللہ پر مداومت اور عبادت و ریاضت میں بھی اس خطے میں بہت معروف تھے، اسی طرح ام المدارس دار العلوم دیوبند کے بانی و مؤسس عظیم فلسفی حضرت مولانا امام قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بھی حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے اساتذہ میں سے تھے، جو تمام ہی علوم و فنون میں گہرائی و گیرائی لئے علم کلام، عقائد، فقہ اور حدیث میں اپنی گرانمایہ تصانیف کی وجہ سے چہار دانگ عالم میں اپنی مثال آپ ہیں، نیز حضرت شیخ احمد دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ جو علوم عقلیہ میں چوٹی کے مقام پر فائز تھے، بالخصوص ریاضی اور اعداد و شمار سے متعلق علوم میں ان کی مہارت اس درجہ پہنچی ہوئی تھی کہ بغیر کسی استاذ سے پڑھے محض ذاتی مطالعہ سے ہی فن کی پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیوں کو سلجھا دیا کرتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ دار العلوم دیوبند جیسے عظیم المرتبت ادارے میں ان اکابر اساتذہ و مشائخ کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پاتے رہے اور ان کے علوم و فنون، خدمت اور صحبت سے بدرجۂ اتم مستفیض ہوتے رہے، حتیٰ کہ اپنے پورے تعلیمی دورانیہ میں کتابیں اور اساتذہ و مشائخ کی خدمت و مصاحبت ہی ان کی کل کائنات تھی، جس میں وہ اسقدر مگن اور پر کیف تھے کہ دیوبند میں موجود اپنے اعزاء و اقارب کے ہاں دعوت اور کھانے وغیرہ پر بار ہا بلانے کے باوجود بھی یہ کہہ کر معذرت فرما لیتے کہ وہ اس شہر میں داخل ہی اس مقصد سے ہوئے ہیں کہ دینی تعلیم و تربیت حاصل کریں، چنانچہ جب تک کہ تعلیم سے فارغ نہیں ہو گئے دار العلوم کے پانچ سالہ تعلیمی دورانیہ میں کبھی کسی کے ہاں نہیں گئے۔

دار العلوم میں ان کے زمانہ طالب علمی میں عیسائیوں اور ہندوؤں نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی غرض سے پورے ہندوستان کے گرد و نواح میں اپنی گمراہ کن مشنریوں کو متحرک کر دیا تھا، یہ لوگ مسلمانوں کو چیلنج کرتے پھرتے اور بحث و مباحثہ اور مناظرہ کی دعوت دیتے، حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ جب موقع پاتے، ان کے ہاں جا کر مناظرہ کرتے اور اپنی فصاحت لسان اور بلاغت بیان سے ایسے مُسکت دلائل دیتے کہ ان کے بڑے بڑے فلسفی اور علوم عقلیہ کے ماہرین ڈھیر ہو جاتے، یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے زمانہ طالب علمی ہی میں طلبہ و عامۃ الناس کے درمیان اپنی مناظرانہ صلاحیت اور ملکہ خطابت سے مشہور ہو گئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

تھے، لیکن مناظرہ کا یہ رنگ دیوبند میں دوران قیام تک ہی محدود رہا، لیکن بعد میں جب آپ ایک نبض شناس مصلح و مربی ہونے کی حیثیت سے مسند مشیخت پر فائز ہوئے تو بالعموم مناظرہ و بحث و مباحثہ سے منع فرماتے، کیوں کہ وہ اس راستے سے پہلے ہی گزر کر یہ جان چکے تھے کہ ان جیسے مناظروں اور بحث مباحثوں سے نہ صرف صدق و اخلاص میں کمی واقع ہونے کا خدشہ ہوتا ہے بلکہ لوگوں کے راہ ہدایت پر لانے کے لئے بھی یہ طریقۂ کار زیادہ سود مند نہیں۔

اسی غایت درجہ اہتمام اور بلند فکری کے ساتھ آپ دیوبند میں واقع اس دار العلوم میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور ۱۳۰۰ھ میں اپنے تعلیمی دورانیہ کی تکمیل کی۔ آپ کے غلبہ تواضع اور فنائیت کا یہ عالم تھا کہ جب مدرسہ کے منتظمین نے فارغ التحصیل ہونے والے فضلاء کی حوصلہ افزائی کے لئے تقسیم اسناد اور دستار بندی کے لئے جلسہ عام کا اعلان کیا تو حضرت رحمہ اللہ پر گریہ طاری ہو گیا اور اپنے بعض ہم درس ساتھیوں کے ہمراہ اپنے استاد حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ (جو اس وقت دار العلوم کے صدر مدرس تھے) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ ادارہ ہمیں علوم دینیہ سے سند فراغت دے رہا ہے اور ہماری دستار بندی کی جارہی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم ان اسناد اور عزت افزائی کے مستحق نہیں اور ہمیں یہ خدشہ ہے کہ لوگ مدرسہ سے بدظن ہوں گے کہ یہاں سے ہم جیسے لوگ فارغ ہو رہے ہیں، جنہیں علم کی ہوا بھی نہیں لگی۔

لیکن حضرت شیخ نانوتوی رحمہ اللہ نے برجستہ جواب دیا کہ یہ محض تمہارا خیال ہے کیوں کہ تم اپنے اساتذہ کے زیر تربیت رہتے ہوئے ان کے سامنے اپنے علم کو کچھ بھی نہیں سمجھتے، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ جیسے ہی تم اس مدرسہ سے نکلو گے تمہاری قدر و قیمت لوگ جان لیں گے اور علم کے اس وسیع میدان میں تم ہی تم ہو گے۔ ان شاء اللہ

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے حق میں اپنے اس مقدس استاذ کے پیشین گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی اور آپ رحمہ اللہ سے علماء و عامۃ الناس کی بہت بڑی تعداد نے رجوع کیا اور آپ اس وسیع پیمانے پر علم و دین کے مرجع الخلائق ثابت ہوئے کہ اس وقت کے چوٹی کے علماء نے بزبان حال و مقال یہ گواہی دی کہ آپ علم و تقویٰ میں یکتائے روزگار ہیں، آپ کی نظیر ہے اور نہ کوئی مثال۔

تدریس کا مشغلہ

۱۔ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے تدریس کا آغاز "کانپور" میں واقع ایک مشہور و معروف دینی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ادارے "الفیض العام" سے کیا، جس میں حضرت مولانا احمد حسن امروہوی رحمہ اللہ پڑھایا کرتے تھے، جو اپنے وقت کے انتہائی لائق وفائق اساتذہ میں شمار ہوتے تھے، ان کے دیگر علوم سمیت علوم عقلیہ پر کامل درجہ دسترس کا بڑا شہرہ تھا، آپ ادارہ کے کچھ منتظمین سے نالاں ہوگئے تھے، جس کے بعد انہوں نے وہاں سے تدریس کا سلسلہ ختم کیا اور قریب ہی نئے مدرسہ کی بنیاد رکھ دی۔

اس صورتحال کے بعد مدرسہ 'الفیض العام' کے منتظمین نے اکابر علماء دیوبند و منتظمین سے ایک استاد کے سلسلے میں رجوع کیا، اسی سال حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے دار العلوم سے تکمیل کی تھی، پس دار العلوم کے اساتذہ نے پڑھانے کے لیے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا انتخاب فرمایا اور حضرت رحمہ اللہ ۱۳۰۰ھ ماہ صفر میں کانپور منتقل ہوگئے، اور اس طرح لوگوں کی نفع رسانی کے لئے ان کے نکلنے کا اولین زمانہ چودھویں صدی ہجری کا بالکل ابتدائی زمانہ ٹھہرا، جس سے بعض علماء نے برصغیر کے خطے میں آپ کے لیے اس صدی کے "مجدّد" ہونے کا استیناس کیا۔

غرضیکہ حضرت رحمہ اللہ کانپور ہی میں درس و تدریس، دعوت و ارشاد اور تصنیف و تالیف کے مبارک مشاغل میں مصروف عمل رہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنی علمی وسعت، تدریسی ملکہ اور زورِ خطابت سے طلبہ کے منظور نظر بن گئے، ساتھ ہی ساتھ آپ کو اس عنفوان شباب کے زمانے ہی میں من جانب اللہ ایک نبض شناس شیخ و مربی ہونے کا عظیم المرتبت منصب ودیعت ہو چکا تھا۔

پھر آپ رحمہ اللہ نے کانپور ہی میں "جامع العلوم" کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی، جو اللہ کے فضل سے اب بھی موجود ہے۔ جس سے ایک خلق کثیر آپ سے فیضیاب ہوئی اور اپنے وقت کے اکابر علماء نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ آپ کے اجل تلامذہ میں مولانا شیخ محمد اسحاق بردوانی رحمہ اللہ ہیں، جو مکمل صحیح بخاری از ابتداء تا انتہا کے زبردست حافظ تھے، اور مولانا حکیم محمد مصطفٰی بجنوری رحمہ اللہ ہیں، جن کی اردو زبان میں گرانقدر اور نافع تصنیفات ہیں۔ اسی طرح حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ جن کے علمی رسوخ اور وسعت جاننے کے لئے ان کی گرانمایہ تصنیف "اعلاء السنن" ہی کافی ہے۔

وطن اصلی کی طرف سفر

کانپور میں مسلسل چودہ سال تک درس و تدریس، مواعظ و بیانات اور تصنیفی خدمات سے لوگوں کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

مستفید کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لئے خلوت نشینی مقدر و محبوب کر دی گئی، پس آپ نے ۱۳۱۵ھ میں مدرسہ کانپور کو خیر آباد کہا اور اپنے علوم کو ادارہ ہٰذا میں مستقل بنیادوں پر قائم رکھنے کے لئے اپنے ماغلف نہایت ذی استعداد اور ماہر فن شاگرد رشید حضرت مولانا محمد اسحاق بردوانی رحمہ اللہ کو مقرر کیا اور اپنے وطن اصلی "تھانہ بھون" تشریف لے گئے، اور اپنے شیخ و مربی کی خانقاہ "خانقاہ امدادیہ" کو تا حیات احیاء دین، اعلاء کلمۃ اللہ اور اصلاح و ارشاد کا مرکز بنایا، کیوں کہ ان کے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ اس زمانے میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے اور حضرت تھانویؒ کو اسی کی نصیحت و وصیت فرمائی، چنانچہ حضرت رحمہ اللہ ۱۳۶۲ھ تک اسی خانقاہ میں مقیم رہے، یہاں تک کہ آپؒ کی وفات ہوئی، ان کی حد درجہ خشیت و للّٰہیت، امت مسلمہ کا درد و غم اور غایت درجہ اخلاص اور سعی پیہم و جہد مسلسل تھی کہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس خانقاہ سے اسقدر عظیم الشان دینی کام لئے، جس کا فی زمانہ بڑی بڑی جماعتیں اور تنظیمیں بھی تصور نہیں کر سکتیں۔

گو کہ ان تمام ترہمہ جہت دینی خدمات کو یا ان میں سے اکثر ہی کا ذکر کرنا بھی اس مختصر سوانحی تحریر میں بہت مشکل ہے، تاہم سرسری طور پر ہم انہیں یہاں ذکر کریں گے، واللہ الموفق

۱۔ تالیفی خدمات

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے معاصرین میں کثیر التالیف شخصیت تھے، بلکہ اپنی زندگی کی اس پوری صدی میں ان سے زیادہ تصنیفی و تالیفی خدمات کسی کے حصے میں نہیں آئیں، اور اگر آپ کی جملہ تصنیفات و تالیفات کا ایک سرسری مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ ملت اسلامیہ کی دینی ضروریات کے حوالے سے کوئی موضوع ایسا نہیں، جس پر حضرت رحمہ اللہ کی کتاب، رسالہ یا وعظ مطبوعہ شکل میں موجود نہ ہو، آپ رحمہ اللہ کی کم و بیش چھوٹی بڑی ایک ہزار کے قریب کتب مطبوعہ شکل میں موجود ہیں، اگرچہ ان تمام کتب و رسائل کا احاطہ کرنا اس مختصر مقالہ میں ممکن نہیں ہے، لیکن ان میں سے چند ایک اہم اہم تصانیف اور ان کی خصوصیات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم کے علوم و معارف اور اسرار و رموز حضرت رحمہ اللہ پر بدرجہ اتم منکشف فرمائے تھے، چنانچہ کلام اللہ کی تفسیر پر آپ رحمہ اللہ کی اردو زبان میں منفرد اور یکتائے روزگار

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر "بیان القرآن" چار ضخیم جلدوں میں وسیع پیمانے پر شائع ہوئی جس میں تفسیر، نحو، بلاغت، فقہ، کلام اور تصوف جیسے اہم موضوعات پر تمام اہم علمی مباحث کا انتہائی جامع انداز میں استقصاء کیا گیا ہے، اس جامع تفسیر کی قدر وہی شخص جان سکتا ہے جو بڑی بڑی مطول تفاسیر کے بعد اس تفسیر کی طرف مراجعت کرتا ہے اور اس میں تمام تر متعلقہ و مطلوبہ مباحث سے تھوڑے سے وقت میں مستفید ہوتا ہے، کیوں کہ حضرت رحمہ اللہ نے انتہائی مختصر اور جامع ومانع عبارت میں طویل سے طویل مباحث کا حاصل اور مغز بخوبی ذکر کیا ہے۔

تفسیر بیان القرآن کے ساتھ ساتھ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کی بڑی تمنا تھی کہ عربی زبان میں بنفس نفیس "احکام القرآن" کی تالیف فرمائیں، جس میں قرآن کریم سے مستنبط علم فقہ اور علم کلام سے متعلقہ مسائل جمع فرمائیں، بالخصوص عصر حاضر کے ایسے نوادر مسائل جن کا متقدمین کی کتابوں میں ذکر نہیں ملتا، اس کتاب کی اہم ترین خصوصیت تھی، مگر یہ حضرت رحمہ اللہ کی عمر گرانمایہ کا آخری زمانہ تھا، جبکہ بنفس نفیس اس کتاب کی تالیف متعذر تھی، چنانچہ آپ رحمہ اللہ نے یہ عظیم ذمہ داری اپنے وقت کے چار اکابر علماء کے سپرد فرمائی، جن میں میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد شفیع، مولانا مفتی جمیل احمد، صاحب اعلاء السنن مولانا شیخ ظفر احمد عثمانی اور محدث عظیم التعلیق الصبیح علی مشکاۃ المصابیح کے مؤلف حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شامل تھے۔

چنانچہ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس کے دو حصے، میرے والد ماجد مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے دو حصے اور مولانا ادریس کاندھلویؒ نے ایک حصہ کی تالیف فرمائی اور یہ ہر چہار حصے کراچی سے سنگی طباعت کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں اور باقی حصے بعد میں طبع نہ ہو سکے۔[۲۹۹] اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق بخشے کہ ہم یہ کتاب کما حقہ اس طرح شائع کریں جو قارئین کی امنگوں کے عین مطابق ہو۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا ایک انتہائی مفید رسالہ "التقصیر فی التفسیر" بھی ہے، جس میں حضرت رحمہ اللہ نے اس دور میں لکھی جانے والی بعض تفاسیر پر شافی رد فرمایا ہے، اور اس میں تفسیر سے متعلقہ ایسے اصول وقوانین ذکر کیے ہیں، جس سے ہمارے دور کے اکثر لوگ غافل نظر آتے ہیں، آپؒ کے تفسیر اور قرآنی علوم کے علاوہ ۲۳ سے زائد ایسے رسائل ہیں جو علمی وتحقیقی دنیا میں اپنی مثال آپ ہیں۔

---

۲۹۹ اور اب الحمد للہ تعالیٰ ادارہ اشرف التحقیق والبحوث الاسلامیہ (لاہور) کی طرف سے اس کا باقی حصہ بھی طبع ہو کر منصہ شہود پر آچکا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

علاوہ ازیں حدیث کے موضوع پر آپ رحمہ اللہ نے بنفس نفیس دو کتب "جامع الآثار" اور "تابع الآثار" تحریر فرمائی، اور "اعلاء السنن" کی تالیف کی سرپرستی فرماتے ہوئے اسے شائع کرنے کے حوالے سے ہردم فکرمند رہے، ان شاء اللہ تعالیٰ ان کتب مذکورہ کا مستقل ذکر آگے آرہا ہے۔

حضرتؒ نے فقہ کے موضوع پر "امداد الفتاویٰ" چھ ضخیم جلدوں میں بزبان اردو تصنیف فرمائی، جو درحقیقت آپؒ کے بنفس نفیس تحریر کردہ فتاویٰ کا مجموعہ ہے، حضرت رحمہ اللہ ہندوستان میں فتاویٰ کے سب سے بڑے مرجع تھے، جن سے شرق و غرب کے مسلمان تحریری صورت میں پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے رجوع کرتے تھے، نیز آپ رحمہ اللہ کے معاصر اکابر علماء مختلف پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے آپ ہی کی طرف تحریری استفتاء ارسال کرتے تھے، جن کا حضرت رحمہ اللہ پوری تحقیق و تدقیق اور مسائل میں موجود پیچیدگی کا پوری گہرائی و گیرائی کے ساتھ حل پیش فرماتے، اور اس دقتِ نظری کے ساتھ جواب تحریر فرماتے کہ سائلین کے قلوب کو اطمینان اور تشنگی سے مکمل سیرابی مل جاتی، حضرت رحمہ اللہ کی فقہ اسلامی پر جس قدر گہری نظر تھی "امداد الفتاویٰ" اس کا سب سے بڑا شاہد ہے، جس میں تمام تر نفیس فقہی مباحث کا استقصاء کیا گیا ہے، اور اس کی علمی حیثیت کو اجاگر کرنے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ فتاویٰ کا یہ مجموعہ اخیر کے زمانوں کے جدید اور پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے ایک انتہائی مفید اور گرانمایہ شرح ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب ہمیشہ ہی ہندوپاک اور بنگلہ دیش کے مفتیین کے افتاء کا سب سے بڑا ماخذ رہی ہے۔

نیز فقہ پر آپ کی شہرت یافتہ اور تلقی بالقبول پانے والی شہرہ آفاق اردو تصنیف "بہشتی زیور" بھی ہے، جو بڑے سائز پر تقریباً سات سو صفحات پر مشتمل ہے، جس میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے فقہ، عقائد اور تصوف سے متعلقہ مسائل کو انتہائی جامع انداز میں جمع فرمایا ہے، دراصل یہ کتاب حضرتؒ نے خواتین کی تعلیم و تربیت کے لئے تصنیف فرمائی، چنانچہ اس میں دیگر دینی مسائل کے ذکر کے ساتھ بالخصوص وہ تمام مسائل ذکر کیے گئے ہیں جن کی بالعموم خواتین کو امور خانہ داری میں کثرت سے ضرورت رہتی ہے، گو کہ یہ کتاب خواتین سے متعلقہ مسائل کے پیش نظر تحریر کی گئی، تاہم مرد حضرات بھی اس سے کثرت سے مستفید ہوتے ہیں اور علماء تک کو اس سے استغناء نہیں، اس کتاب کے اسی نفع عام کے مدنظر اس کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

اسی طرح زیر بحث موضوع کے حوالے سے حضرت رحمہ اللہ کی "تحذیر الاخوان عن

toobaa-elibrary.blogspot.com

الربا فی الھندوستان"، "رافع الضنک عن منافع البنک"، "الاقتصاد فی التقلید و الاجتھاد"، اور "الحیلۃ الناجزۃ للحیلۃ العاجزۃ" ہر چہار کتب اپنے موضوع پر انتہائی جامع اور نافع ہیں، اول الذکر تینوں اقتصادیات اور معاشیات سے متعلقہ مسائل پر بے حد مفید کتب ہیں، جبکہ آخر الذکر کتاب میں حضرت رحمہ اللہ نے جو طویل عرصہ تک لاپتہ شوہروں کی بیویوں، شادی کے قابل نہ رہنے والے مردوں، مجنونوں، سرکشوں، طلاق کا اختیار دینے اور بالغ کے شرعی اختیار سے متعلقہ انتہائی اہم اور نازک مسائل پر حیران کن تحقیق فرمائی ہے اور اکثر مسائل میں مالکیہ کے قول پر فتویٰ صادر فرمایا ہے اور متعدد مالکی علماء کے استفتاء کی رو سے ان کے مذہب کی مکمل تحقیق کی ہے، اس کے علاوہ بہت بڑی تعداد میں جزوی نوعیت کے فقہی مسائل میں حضرت رحمہ اللہ کے رسائل ہیں۔

عقائد و کلام کے موضوع پر آپ کی تصنیف "الانتباھات المفیدۃ فی الاشتباھات الجدیدۃ" نہایت معروف ہے، جو اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب ہے، جس میں آپ رحمہ اللہ نے ملحدین کی طرف سے ذکر کردہ شبہات سمیت ان تحریفات کو جمع فرمایا ہے، جن کے ذریعے مغربی افکار کا حامل تجدد پسند طبقہ سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرتا ہے اور ان پر اس بلیغ انداز میں رد کیا ہے جس کی نظیر بہت خال خال نظر آتی ہے، نیز اسلام کے بنیادی عقائد عقلی دلائل سے اس خوبی سے ثابت کئے ہیں، جو ہر عقل سلیم کے حامل اور طالب حق کی تشفی و قلبی اطمینان کے لئے کافی ہے، جنہیں حال ہی میں ہم نے انگریزی اور عربی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کیا ہے، اس کے علاوہ زیر بحث موضوع کی مناسبت سے ایک اور لاجواب کتاب "المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ" بھی ہے، جس کا انگریزی ترجمہ بھی اب طبع ہو چکا ہے، ایک اور کتاب "شھادۃ الاقوام علی صدق الاسلام" بھی ہے، جس میں اسلام اور اس کی ہمہ گیر تعلیمات کے حق میں کفار کی طرف سے ہونے والی مدح سرائی کو انتہائی جامع انداز میں ذکر فرمایا ہے، اس موضوع پر حضرت رحمہ اللہ کی دیگر گرانمایہ تصانیف ہیں۔ اصلاح الخیال، اشرف الجواب، اکسیر فی اثبات التقدیر، الخطاب الملیح فی تحقیق المھدی و المسیح، ذیل علی شرح العقائد النسفیہ، "درایۃ العصمۃ"، اور فلسفہ کے رد میں "ھدایۃ الحکمۃ" سمیت بہت سے دیگر رسائل بھی اہل علم کے استفادہ کے لئے موجود ہیں، جبکہ تصوف و سلوک اور اصلاح و ارشاد کے موضوع پر اپنے وقت کے امام ہونے کی حیثیت سے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا حد درجہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مفید مجموعہ "مسائل السلوك من كلام ملك الملوك" عربی زبان میں ہے، جس میں حضرت رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی روشنی میں تصوف وسلوک سے متعلقہ مسائل کا استنباط فرمایا ہے، نیز موضوع کی مناسبت سے "التشرف بمعرفة احاديث التصوف" بھی حضرت رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جس میں آپ رحمہ اللہ نے وہ احادیث جمع فرمادی ہیں جن سے تصوف کے متعلق مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔

تصوف کے اصول اور بنیادی مسائل کے بیان کے ساتھ احادیث کی کماحقہ شافی ووافی شرح فرمائی ہے، اس کے علاوہ آٹھ جلدوں پر محیط مبسوط اور جامع شرح "شرح المثنوی لمولانا رومی" دو ضخیم جلدوں میں "معارف العوارف" اور "التكشف عن مهمات التصوف" "تلخيص البداية للغزالي" اور "تربيت السالك و تنجية الهالك" اس فن کے جلیل القدر امام کی ایسی تصانیف ہیں، جن کے بعد تصوف وسلوک سے متعلق کوئی اشکال یا ابہام کی گنجائش باقی نہیں رہتی، بالخصوص آخر الذکر کتاب ان رسائل و خطوط کے جوابات کا مجموعہ ہے جو حضرتؒ کے مریدین و منتسبین اور مسترشدین نے اپنی نفسانی بیماریوں کے علاج کے لئے لکھے، جس میں آپ رحمہ اللہ نے امراض نفسانیہ کے علل اور اسباب کے ادراک اور ان کے شافی علاج کے لئے تیر بہدف نسخے اور بدیع نکات ذکر فرمائے ہیں، اس اہم ترین موضوع پر ہمارے علم میں اس کے علاوہ کوئی کتاب نہیں، تصوف سے متعلق حضرتؒ کے اور بھی بہت سے مفید اور اصلاحی رسائل ہیں۔

جبکہ دعوت وارشاد کے موضوع پر آپ کی غایت درجہ نافع اور دین کا ضروری علم سیکھنے کی غرض سے ہر مسلمان کے لئے بے حد مفید کتب دینیہ اپنی مثال آپ ہیں، یہ کتب ہر گھر کی ضرورت ہے، حیات المسلمین، تعلیم الدین، فروع الدین، جزاء الاعمال، آداب المعاشرت، حقوق الاسلام، حقوق الوالدین، ارشاد الہائم فی حقوق البہائم، القول الصواب فی مسئلۃ الحجاب، القاء السکینۃ فی ابداء الزینۃ، اصلاح الرسوم، بدعت وعقائد باطلہ کے رد پر "حفظ الایمان"، اغلاط العوام، اصلاح انقلاب الامت، حقوق العلم، کثرۃ الازواج لصاحب المعراج صلی اللہ علیہ وسلم، اصلاح النساء وغیرہ۔

ذکر و اذکار اور دعاؤں کے موضوع پر برصغیر پاک وہند میں تلقی بالقبول پانے والی کتاب "المامول المقبول فی قربات عند الله و صلوات الرسول" ہے، جس میں آپ نے حصن حصین سے ادعیہ ماثورہ کی مختصر وجامع انداز میں ذکر فرمایا ہے اور اسے ہفتہ وار سات دنوں کے مد نظر منزلوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

پر تقسیم فرمایا ہے، یہ کتاب اس خطے میں اکثر گھروں میں پابندی سے یومیہ بنیادوں پر پڑھی جاتی ہے، آپ رحمہ اللہ کا ایک رسالہ "زاد السعید" ہے، جس میں آپ رحمہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھنے کے مختلف صیغے ذکر فرمائے ہیں، علماء کے حلقے میں ایک اور بے حد مقبول کتاب "الخطب الماثورہ" ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے مختلف خطبے جمع فرمائے ہیں، نیز اس طبقہ میں قبولیتِ عامہ پانے والی ایک اور کتاب "خطبات الاحکام لجمعات العام" اور "زوال السنۃ عن اعمال السنۃ بھی قابل ذکر ہیں۔

اسی طرح سیرت کے موضوع پر آپ رحمہ اللہ نے "نشر الطیب فی ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم" تالیف فرمائی ہے، جو سیرت جیسے اہم موضوع کا بخوبی احاطہ کرتی ہے، اس کے علاوہ آپ رحمہ اللہ کی متفرق نادر کتابوں میں "بوادر النوادر" "بدائع الفرائد، اللطائف و الظرائف شامل ہیں۔ یہ آپ رحمہ اللہ کی کتب و رسائل پر ایک سرسری نظر تھی، اور یہ سب بھی وہ ہیں جو آپ رحمہ اللہ کے کئی ضخیم جلدوں میں مطبوعہ مواعظ وملفوظات کے علاوہ ہیں، جن کا ذکر آگے مستقل عنوان کے تحت آرہا ہے۔

مواعظ وبیانات

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ دیوبند کے زمانہ طالب علمی ہی سے وعظ وخطابت کی مشق اور تمرین فرماتے تھے، جس کا نظم دار العلوم میں کچھ اس طرح تھا کہ ہر شب جمعہ کو طلبہ کرام کا ایک جلسہ ہوتا تھا، جس میں یکے بعد دیگرے طلبہ اپنے فن خطابت کا مظاہرہ کرتے تھے، حضرت رحمہ اللہ اس مسابقہ میں ہمیشہ سبقت لے جاتے اور سب پر حاوی رہتے، یہ سلسلہ آپ رحمہ اللہ کی دار العلوم سے فراغت تک چلتا رہا اور ابھی دار العلوم سے باہر قدم بھی نہ رکھا تھا کہ آپ اپنے وقت کے ہر دل عزیز واعظ اور مشہور و معروف خطیب ہونے کی حیثیت سے مقبولیت عامہ پا چکے تھے اور کانپور میں سکونت پذیر رہنے کے دوران ہی لوگوں کو وعظ و نصیحت فرماتے رہتے اور خیر وفلاح کے کاموں کی دعوت دیتے رہتے، آپ رحمہ اللہ کے لئے شہر کے مختلف اطراف میں عظیم الشان جلسوں اور محافل کا انعقاد ہوتا، اور پھر آپ رحمہ اللہ کی قوت خطابت اور زور بیان سے ہندوستان کا چپہ چپہ گونج اٹھا، لوگ دور دور سے سفر کر کے آپ رحمہ اللہ کے اصلاحی مواعظ و خطبات سے مستفید ہونے کے لئے جوق در جوق حاضر ہوتے، حالانکہ سفر کرنا اس دور میں نہایت مشقت آمیز اور تکلیف دہ تھا مگر لوگ حضرتؒ کی محبت وعقیدت اور وعظ سننے کے ذوق وشوق اور رغبت کے باعث

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہر قسم کی سفری مشکلات سہتے اور جہاں کہیں، جس طرح موقع ملتا آپ کے علمی و اصلاحی نسخوں سے فیضیاب ہوتے اور سچ تو یہ ہے کہ واقعتاً آپ رحمہ اللہ کے مواعظ ایک سیل رواں اور ٹھاٹھیں مارتے سمندر کے مانند ہوتے تھے، جس میں علم و حکمت کے بیش قیمت موتی، امثال و نوادر کے طلسماتی جوہر اور لطائف وظرائف کے بیش بہا خزانے اس وافر مقدار میں ہوتے تھے، جو قدیم زمانے میں میلوں تک مشقت در مشقت اسفار کرنے کے بعد حاصل ہوا کرتے تھے اور ان میں جابجا تفسیری نکات، احادیث مبارکہ سے برجستہ استنباط و استخراج اور فقہ و تصوف کے بصیرت و حکمت آمیز مضامین اس پیرائے میں ہوتے تھے کہ رائج کتابوں میں بالعموم ان کا ملنا دشوار تھا، جنہیں حضرت رحمہ اللہ اپنے علم و عرفان کے موتیوں میں پرو کر اس خوبی سے نچھاور کرتے تھے کہ تنگ و تاریک دلوں میں بھی شمع ہدایت روشن ہو جاتی اور سامعین کے اذہان نور تقویٰ سے منور ہو جاتے۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے مواعظ کی سب سے بڑی اور واضح امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹکے ہوئے گم کردہ راہ لوگوں کے لئے اصلاح کے نہایت آسان نسخے اور ذہنی طور پر مفلوج قوم کے لئے فکری تعمیر کے ایسے اثر انگیز مضامین ہوتے تھے، جس کی نظیر اس زمانے میں نہیں ملتی، چنانچہ آپؒ کے مواعظ سے گناہوں کے دلدل میں دھنسے ہوئے کتنے ہی لوگ توبہ تائب ہو کر راہ یاب ہوئے، اور کتنے ہی لوگ بدعات و خرافات اور خواہشات نفسانیہ سے نکل کر لوگوں کے لئے ہادی بن گئے اور کتنے ہی لوگ تھے جو شکوک و شبہات اور ابہام و ابہام سے پاک ہو کر غیر متزلزل ایمان و یقین سے مزین ہو گئے، حضرت رحمہ اللہ نے طویل المدتی حکمت عملی کے تحت اپنے ان مواعظ سے جو خاموش انقلاب برپا کیا، ان کے ذریعے رشد و ہدایت کے مینارۂ نور پر فائز ہونے والے مردوں و عورتوں کی تعداد لاکھوں میں ہے، ہم اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر بجالاتے ہیں، جس ذات نے ان کے تلامذہ و مسترشدین کو اس عظیم دینی خدمت کی توفیق بخشی اور انہوں نے دوران وعظ ہی ان مواعظ کو مدوّن کیا اور اب یہ مواعظ تیس جلدوں میں طبع ہو چکے ہیں، جن میں سے ہر ہر جلد کم از کم تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ مواعظ اس وقت سے تاحال ایک جاری چشمے کی مانند لوگوں کو مستفید کر رہے ہیں، ایک ایسا چشمہ جس کا پانی اس قدر رواں اور روحانی طور صحت بخش ہے کہ نہ گدلا ہوتا ہے اور نہ ہی اس میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے، اور حضرتؒ کے اخلاص و للّٰہیت کا تا ابد کرشمہ ہونے کی حیثیت سے اس کے ختم ہونے کی کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی دوبارہ گہرائی میں چلے جانے کی، بلکہ اس میں روز افزوں برکتوں کا ظہور اس کی مقبولیت

toobaa-elibrary.blogspot.com

عامہ کا چشم دید شاہد ہے، جس کی روز روشن کی طرح عیاں اور بین دلیل یہ ہے کہ حضرتؒ کے زمانے سے اب تک لاتعداد ایسے لوگ ہیں، جنہوں نے حضرت رحمہ اللہ کی زیارت کی اور نہ صحبت اٹھائی مگر ان کے انہی مواعظ و خطبات سے اسقدر فوائد و ثمرات حاصل کیے، جیسے حضرتؒ کی صحبت میں بیٹھے ہوں اور ان کی زندگیوں میں ایک عظیم دینی انقلاب رونما ہوا۔

کسی بھی دینی اجتماع یا جلسہ میں بغرض وعظ تشریف لے جانے کے لئے حضرتؒ کے سخت اصول و ضوابط مقرر تھے، جس سے حضرت رحمہ اللہ کبھی تخلف نہ فرماتے، چنانچہ آپؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ وعظ سے پہلے یا بعد کبھی کوئی ہدیہ یا تحفہ قبول نہ فرماتے تھے، یہاں تک کہ اس موقع پر اگر کوئی ہدیہ پیش کرتا اور اس کی صورت عوض کی سی ہوتی تو ہرگز قبول نہ فرماتے تھے۔

حضرت رحمہ اللہ چوں کہ حاضرین و سامعین کے مزاج و مذاق کے واقف کار اور وسیع تجربہ کے حامل و عظیم المرتبت نبض شناس حکیم و مربی تھے اس لئے اپنے مواعظ میں ترہیب و تخویف کے بجائے ترغیبی مضامین کو ترجیح دیتے تھے، چنانچہ آپؒ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اس زمانے میں جہاں تک لوگوں کے مزاجوں اور طبیعتوں کی جانچ کی ہے، اس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ وعظ کے دوران ترہیبی مضامین کی بنسبت ترغیبی مضامین زیادہ فائدہ مند ہیں، یہی وجہ ہے کہ اکثر میرے مواعظ میں ترغیبی مضامین زیادہ اور ترہیبی مضامین کم رہتے ہیں۔

(سیرت اشرف: ۱۳۷ عن وعظ الباطن: ۱۳۷)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی یہ عادت شریفہ تھی کہ وعظ سے پہلے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے مناجات و دعا کا ان الفاظ میں اہتمام فرماتے: اے اللہ! مجھے ایسے مضامین بیان کرنے کی توفیق عطا فرما جن کے حاضرین محتاج ہوں اور ان کے احوال کی اصلاح ہو۔ (سیرت اشرف: عن ذم النسیان: ۱۵)

بالخصوص حضرت رحمہ اللہ مسلمانوں کے درمیان پائے جانے والے اختلافی مسائل سے کوئی تعرض نہیں کرتے تھے، اور دوران گفتگو اگر کوئی اختلافی مسئلہ آجاتا تو نہایت نرم خوئی شیریں بیانی اور حکمت و خیر خواہی کے انداز میں اس قدر مفصل اور مبسوط شرح فرماتے کہ مسئلہ واضح ہوجاتا۔ اپنے مخالف پر کبھی لعن طعن نہ کرتے اور نہ شدت پسندی و تند خوئی کو قریب آنے دیتے، جیسے کہ فی زمانہ خطیبوں کے ہاں اس کا چلن ہے، بلکہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی سچی اور کامل اتباع کرتے ہوئے خیر خواہی کے ساتھ نرم بات کہتے تھے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ملفوظات

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ خانقاہ امدادیہ میں بعد ظہر عام مجلس فرماتے تھے، جس میں تلامذہ و مریدین سمیت عوام الناس بھی شریک ہوتے، آپ رحمہ اللہ وعظ و نصیحت فرماتے اور متفرق سوالات کے جوابات دیتے اور لگے بندھے موضوع سے بالاتر ہوکر حکمت و نصیحت آمیز علمی و اصلاحی جواہر پارے بکھیرتے، حاضرین میں سے بعض ذوق و شوق رکھنے والے تلامذہ و مریدین نجی مجالس کے ان گرانقدر افادات کو نوٹ کر لیتے جو جمع ہوتے ہوتے بعد میں "ملفوظات" کے عنوان سے بیس جلدوں پر محیط ایک ضخیم مجلد کتاب بن گئی، یہ ملفوظات علم و حکمت کے نایاب موتیوں، لطائف و ظرائف کی متبسم کلیوں، حکایات و واقعات کی مہکتی یادوں، موعظت و نصیحت کی بہاروں، اصلاح وارشاد کی خوشبوؤں، آداب واخلاق اور نقد ورد کی صورت میں نسیم ہدایت کے جھونکوں سے معطر و مزین ہیں، اور مشرقی خطے کے علماء کرام کی ایک بڑی تعداد کا تجربہ ہے کہ ان ملفوظات کا لوگوں پر نہایت گہرا اثر ہوتا ہے اور لوگ ان کی مدد سے رفتہ رفتہ خالص دینی مزاج، وذوق سلیم کے حامل اور اعمال صالحہ کی طرف راغب ہوجاتے ہیں۔

راہ سلوک میں حضرت رحمہ اللہ کا اصلاحی تعلق اور بیعت

تجربہ شاہد ہے کہ محض علمی استعداد و صلاحیت اور مطالعہ کی وسعت کسی بھی انسان کی درست زاویہ پر دینی تربیت کے لئے ہرگز کافی نہیں ہوتی، اور نفس کی صحیح معنوں میں اصلاح، دلوں کا تزکیہ، مزاجوں کی درستگی اور اخلاق و کردار کی بلندی اس وقت تک کسی کو حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ وہ اپنی عملی زندگی کو ایسے نیک صفت، باصفا اور باخدا اللہ والے کی زندگی کے سانچے میں نہیں ڈھال لیتا اور ان کے ساتھ مضبوط بنیادوں پر اصلاحی تعلق اور ایک طویل عرصے تک ان کی صحبت نہیں اٹھالیتا، ان کی دینی تعلیمات اور تربیت سے مستفیض نہیں ہوجاتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمودہ ان تمام روحانی واحسانی کیفیات، خالص دینی مزاج اور ذوق سلیم کو اپنے اندر منتقل نہیں کرلیتا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "صراط مستقیم" کی تفسیر از خود اپنے اس ارشاد سے فرمائی "صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ"[۳۰۰] جس سے در حقیقت اشارہ اس طرف

---

۳۰۰ الفاتحہ:۶

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے کہ صراط مستقیم وہی راستہ ہے جس پر وہ لوگ چلے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات اور نوازشات کی بارش فرمائی، اور یہی تک نہیں بلکہ منعم علیہم کی تفسیر اپنے ہی ایک اور قول میں اس طرح فرمائی "مِّنَ النَّبِيِّنَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِينَ"[۳۰۱] کہ اللہ تعالیٰ نے جن پر انعام فرمایا وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مزید وضاحت اور تخصیص کے لئے اس آیت کی اس طرح تفسیر فرمائی "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ" (یعنی صراط مستقیم وہ راستہ ہے) جس پر میں اور میرے صحابہ گامزن ہیں، ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے "وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ" (اور ایسے شخص کا راستہ اپناؤ جس نے مجھ سے لو لگا رکھی ہو)[۳۰۲] نیز فرمایا: "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ"[۳۰۳] (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو)

آخر الذکر ہر دو آیتوں سے دلالۃً یہ معلوم ہو رہا ہے کہ صراط مستقیم جو مطلوب ہے، اس کی طرف ہدایت اور رہنمائی ان لوگوں کی اتباع کر کے حاصل کی جاسکتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور ایسے صدیقین کی مصاحبت و ملازمت اختیار کر کے راہ یاب ہوا جاسکتا ہے جن کا پہلے اپنا تزکیۂ نفس ہو چکا ہو جس کے باعث ان کے نفسانی جذبات راہ اعتدال پر قائم ہو، انہی نصوص کے پیش نظر صحابہ و تابعین کے عہد مبارک سے ہی علماء حق کا یہ طریق اور شیوہ رہا ہے کہ وہ محض کتابوں کے مطالعہ، حفظ النصوص اور درس و تدریس کے مشاغل پر اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اللہ والوں کی صحبت و ملازمت کا غایت درجہ اہتمام کرتے ہیں اور ان کی خدمت و مصاحبت سے ہمیشہ مستفید رہتے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ بھی چوں کہ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے اس لئے وہ ابتداء ہی سے اپنے مشائخ کی صحبت اور ان کی خدمت میں حاضری کے حد درجہ حریص رہے اور اپنے تعلیمی دورانیہ سے فراغت کے بعد بلا تاخیر عارف باللہ اور صاحب بصیرت شخصیت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے دست مبارک پر بغرض تزکیہ نفس بیعت ہوئے اور عرصہ دراز تک ان کی صحبت میں رہ کر روحانی و احسانی کیفیات سے مستفید ہوئے اور جب ان کے والد ماجد نے زیارت حرمین کے لئے ۱۳۰۰ھ میں حجاز کا

۳۰۱۔ النساء: ۶۹

۳۰۲۔ لقمان: ۱۵

۳۰۳۔ التوبۃ: ۱۱۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

سفر کیا تو حضرت رحمہ اللہ نے بھی ان کے ساتھ رخت سفر باندھا اور بیت اللہ شریف کا حج کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی زیارت کی اور پھر اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک مدت تک رہے، پھر ۱۳۱۰ھ میں ایک اور حج فرمایا اور شیخ کی خدمت میں متواتر چھ مہینے تک رہے اور اپنی بھرپور استعداد و صلاحیت اور شیخ رحمہ اللہ کی کمال درجہ عنایات و توجہات کے باعث اس مختصر مدت میں شیخ کا رنگ ان پر اس طرح چڑھ گیا جیسے کہ اپنے شیخ کا آئینہ ہو، ان کی ایک ایک ادا سے اپنے شیخ کی ادائیں چھلکتی ان کا ایک ایک عمل اپنے شیخ کے عمل کا آئینہ دار اور ایک ایک فعل اپنے شیخ کے اخلاق کریمانہ کا عکاس ہوتا، جب حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ ان عظیم المرتبت خصوصیات اور محاسن سے مزین ہو گئے تو دیکھتے ہی دیکھتے اپنی عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ اور خالص انبیاء کے طریق پر تعلیم و تربیت کے باعث پورے خطۂ ہندوستان میں انتہائی معروف و مقبول ہو گئے، آپ رحمہ اللہ نے سلوک و ارشاد اور تصوف کو صحیح معنوں میں نکھار کر پیش کیا، اور اس میں نو وارد بدعات و خرافات کا بڑی خوبی سے صفایا کرتے ہوئے اس کی درست نہج پر اس طرح تجدید فرمائی جس کی نظیر نہیں ملتی، انہی تجدیدی کارناموں کو قدرے تفصیل سے ہم یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

تصوف و سلوک کا نکھار، حضرت تھانویؒ کا تجدیدی کارنامہ

اس مشرقی خطے میں تصوف و سلوک جیسے مبارک راستہ کی صورتحال یہ تھی کہ لوگ اس میں بے حد افراط و تفریط کا شکار ہو گئے تھے، ایک جماعت وہ تھی جس کے نزدیک تصوف و سلوک کی حیثیت بدعات و خرافات سے بڑھ کر کچھ نہیں تھی، وہ اپنے زعم میں یہ خیال کرتے تھے کہ اس کی قرآن و سنت میں کوئی اصل نہیں، اور دوسری جماعت یہ سمجھتی تھی کہ تصوف و سلوک محض کشف و کرامات، وجدانی کیفیات، اور نورانی مشاہدات کا نام ہے، جو اس راہ پر چلنے والے کو لاحق ہوتے ہیں، اور اسی کو پورا دین سمجھ بیٹھے تھے کہ ہر وقت حال طاری رہے اور انسان باطنی کشمکش میں مبتلا رہے اور جیسے ہی کوئی احکام شرعیہ ظاہرہ کی پابندیوں کا طوق اتار پھینکنے میں کامیاب ہو گیا اور جس کسی سے شعبدہ بازیاں اور بے جا تصرفات سمیت بیداری یا خوابیدہ حالت میں بے معنی کشف و کرامات اور بے ہنگم وجدانی کیفیات صادر ہوئیں، بس وہ امام اور مقتدا کے بلند ترین رتبہ پر فائز ہونے کی حیثیت سے عوام الناس کا منظور نظر ہو جاتا اور وہ اس وقت تک اس کی پیروی و فرمانبرداری کرتے جب تک کہ ان کے عقائد میں فساد نہیں آجاتا یا ان کے اعمال و اخلاق برباد نہ ہو جاتے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اس دور پر فتن میں وہ یکتائے روزگار شخصیت تھے، جنہوں نے نوع انسانیت کی ہر دو زاویوں سے اصلاح فرمائی (۱) فکری (۲) عملی:

فکری و نظریاتی اصلاح تو اس طرح فرمائی کہ اپنے رسائل و کتب اور خطبات و مواعظ سے یہ ثابت کر دیا کہ تصوف و سلوک اور ارشاد و احسان در حقیقت اسلام کے شعبوں میں سے ایک اہم ترین شعبہ اور دین کے اجزاء میں سے ایک عظیم الشان جزء ہے، اور پوری تحقیق کے ساتھ اس پر روشنی ڈالی کہ کتاب اللہ اور سنت رسول علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات دو قسموں پر منقسم ہیں، (۱) ظاہری اعمال (۲) باطنی اعمال۔

ظاہری اعمال وہ ہیں جن کا تعلق مکلف کے اعضاء و جوارح سے ہے، جیسے نماز، روزہ، زکوۃ، حج، نکاح، طلاق و دیگر وہ احکام جنہیں فقہاء کرام نے اپنی کتب میں بالتفصیل بیان فرمایا ہے۔

اور کتاب اللہ و سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ احکام جن کا تعلق براہ راست دل اور روح سے ہے، باطنی اعمال کہلاتے ہیں، ان میں کچھ اعمال وہ ہیں جن کا حکم دیا گیا ہے اور کچھ وہ ہیں جن سے منع کیا گیا ہے، یعنی اول الذکر مامورات ہیں اور ثانی الذکر منہیات ہیں۔

مامورات کی مثال جیسے صدق و صفائی، اخلاص وللّٰہیت، خوف وخشیت، امید ورجاء، تعلق مع اللہ و اعمال کی طرف شوق و رغبت، صبر و شکر، تواضع و فنائیت، خشوع و خضوع، محبت الٰہیہ اور عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم رجوع اور انابت الی اللہ وغیرہ۔

جبکہ منہیات جیسے دکھلاوا اور ریاکاری، عجب و تکبر، بغض و حسد، یاس و ناامیدی، حب مال وحب جاہ وغیرہ۔

احکام الٰہیہ کی ثانی الذکر قسم "اعمال باطنی" کی رعایت تصوف و سلوک میں رکھی جاتی ہے، جیسے کہ فقہ اسلامی اول الذکر قسم "اعمال ظاہری" سے بحث کرتی ہے، اور ظاہر ہے کہ جس طرح اعمال ظاہری سے متعلقہ احکام الٰہیہ سے قرآن وسنت کی نصوص صریحہ وارد ہیں اس طرح اعمال باطنی سے بھی کتاب اللہ وسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکمل طور پر پر ہیں، چنانچہ جہاں ظاہری اعمال نماز، روزہ وغیرہ کے تعلیم و تعلم کی ضرورت ہے اور وہ رائج ہیں، وہیں قرآن و حدیث کے وہ اوامر جن کا تعلق باطنی اعمال سے ہیں، وہ بھی اشد درجہ میں ضروری ہیں، سنت اللہ یہی ہے کہ ان کی فکر اور پابندی بھی اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب ان کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

تدریب اور عملی مشق کی جائے، اس لئے کہ باطنی امراض جیسے ریاکاری عجب و تکبر وغیرہ اس قدر پیچیدہ اور پوشیدہ امراض ہیں جن کا ادراک مریض اپنے تئیں نہیں کر سکتا، جس کی وجہ سے یقیناً اسے ایک ایسے تجربہ کار و نبض شناس اور حقیقت شناس شخص کی ضرورت ہے جو اس کی حرکات و سکنات، اعمال و اخلاق، افکار و نظریات اور من حیث المجموع زندگی کی عملی سرگرمیوں کی نگرانی کرے اور ان پر گہری نظر رکھے، مراقبت و نگرانی کے فرائض انجام دینے والی یہی وہ شخصیت ہے جسے تصوف کی اصطلاح میں "شیخ" کہتے ہیں، جن کی طرف لوگ اصلاح وتزکیہ کی غرض سے رجوع کرتے ہیں، اصلاحی تعلق قائم کرتے ہیں اور باقاعدہ بیعت ہوتے ہیں۔

جہاں تک تصوف کو کشف و کرامات، خارق عادت امور، شعبدہ بازی، طلسماتی تصرفات، خوابیدہ احوال اور بے ہنگم وجدانی کیفیات کا نام دیا جاتا ہے تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے وقت کی وہ اوّلین شخصیت تھے، جنہوں نے قرآن و سنت سے مبرہن و مدلل کر کے پوری تحقیق کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ تصوف و سلوک کا ان چیزوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور جہاں تک اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اولیاء کرام کے ہاتھ پر کرامات ظاہر فرمائی ہیں یا اپنے بعض مقرب بندوں کو صحیح معنوں میں کشف کی نعمت سے نوازا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ وہ امور ہیں جو دین میں مقصود بالذات نہیں اور نہ شرعی طور پر حجت ہیں، اور نہ ہی تقویٰ، تقرب الی اللہ اور ولایت کے لئے کوئی معیار ہے، کیوں کہ صلاح و فلاح اور ورع و تقویٰ اس طرح کے کشف اور تصرفات کے ساتھ مشروط نہیں ہے، اور نہ ہی اسلام اور ایمان کا اس پر مدار ہے کیوں کہ یہ چیزیں تو ذرا سی تمرین اور مشق کرنے سے، بہت سے فساق و فجار اور کفار تک کو حاصل ہو جاتی ہیں، جیسے کہ میسمیریزم کے ذریعے شعبدہ بازی و تصرفات ایک عام مشاہدہ ہے۔

غرضیکہ تصوف سے مقصود یہ ہے کہ انسان بلند اخلاق و کردار سے مشرف و مزین اور نفسانی خواہشات سے باز آجائے اور اس راستے میں کامیابی و کامرانی اور صلاح و فلاح کا مدار اسی پر ہے کہ ایک مسلمان شریعت اسلامیہ کی طرف سے عائد کردہ تمام تر ذمہ داریوں و پابندیوں کو بجالا کر اور سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کر کے اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ فضائل سے بہرہ مند ہو جائے، جس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ اسے فراست ایمانی کا ایک وافر حصہ عطا فرمائیں گے یا اگر کشف و کرامات سے بھی نوازیں گے تو یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے ایک اضافی فضل و احسان ہو گا، لیکن جو کوئی ان اخلاق کریمانہ اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات سے محروم رہا اور خواہشات نفسانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے باز نہ آیا تو اس کا تصوف وسلوک اور معرفت وولایت سے دور دور کوئی واسطہ نہیں، چاہے وہ ہواؤں میں اڑے، پانی پر چلے یا آسمان کی بلندیوں کو چھولے۔

تصوف کے حوالے سے یہی معتدل اور درست زاویہ فکر حضرت تھانویؒ نے قرآن وسنت اور سیرت صحابہ وحیات اولیاء کی روشنی میں عقل سلیم، ذوق لطیف اور ذاتی تجربہ کی بناء پر اس تحقیقی انداز میں بیان فرمایا کہ اس حوالے سے تمام تر شبہات واوہام کا ازالہ فرد یا اور کبار صوفیاء کے اعمال وافکار اور رفتار و گفتار کو قرآن وسنت سے عملی تطبیق دے کر اس مفصل انداز میں بیان فرمایا ہے کہ اس طریق کا شاید ہی کوئی مسئلہ ایسا رہا ہو، جس پر حضرت رحمہ اللہ نے کافی وشافی کلام نہ فرمایا ہو، جس کے بعد دلوں کو اطمینان کامل ہوجاتا ہے، سینوں کو اس کی حقانیت کے حوالے سے مکمل شرح صدر ہوجاتا ہے اور اذہان اس کے نور سے منور ہوجاتے ہیں، اور سوائے ہٹ دھرم جاہل اور جانتے بوجھتے از خود جہالت کا مظاہرہ کرنے والے سرکش و شدت پسند شخص کے کسی کو اس طریق میں اشکال یا اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

اس طرح حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے نہ صرف یہ کہ فکری تعمیر پر خصوصی توجہ دی بلکہ اپنے ایک ایک عمل کو سنت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات کی عملی زندگی کے سانچے میں ڈھال کر اور شریعت اسلامیہ کے عین نہج پر اپنے مریدین ومسترشدین کی تربیت فرماکر، تصوف وسلوک کے مذکورہ ان ہر دو نظریات کو جو اس عظیم المرتبت راستے کی صحیح ترجمانی نہیں کر رہے تھے، یکسر مسترد فرمادیا، چنانچہ اگر کوئی شخص ان کے پاس بیعت کے لئے حاضر ہوتا تو آپ اولین درجے میں اسے شرعی فرائض وواجبات کی ادائیگی اور اعمال ظاہری کی پیروی کا حکم فرماتے، چاہے ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، بلکہ حقوق العباد پر آپ رحمہ اللہ کی نظر زیادہ گہری ہوتی اور اس پر زیادہ زور دیتے، کیوں کہ آپ رحمہ اللہ ایک تجربہ کار نبض شناس شیخ ہونے کی حیثیت سے لوگوں کے عام معاملات کا مشاہدہ کرکے اس بات کا بخوبی ادراک کر چکے تھے کہ فی زمانہ لوگ عبادات اور ذکرو اذکار ہی کو کامل دین سمجھ بیٹھے ہیں، اور دین کے نصف حصے یعنی معاملات کو عملی طور پر دین سے خارج کردیا ہے اور اس میں حد درجہ کوتاہی برتتے ہیں، اکثر معاملات ہی میں شرعی اصول وضوابط کی پابندی نہیں کرتے، نیز آپ رحمہ اللہ کے ہاں اوراد ووظائف اور نفلی عبادات کی بنسبت معاشرتی آداب اور اسلامی اقدار کی تعلیم کا زیادہ اہتمام تھا۔

جیسے کہ آپ رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

میری غایت درجہ کوشش یہ ہوتی ہے کہ میری ذات سے یا میرے احباب سے کسی کو ادنیٰ تکلیف نہ ہو، چاہے بدنی ہو، جیسے مار پیٹ اور جھگڑا فساد، یا مالی ہو، جیسے کسی کا حق غصب کرنا یا اکل بالباطل وغیرہ، یا عزت وآبرو سے متعلق ہو جیسے کسی کی اہانت وتذلیل یا غیبت، یا ذاتی ہو، جیسے کسی کو پریشانی یا تشویش میں مبتلا کرنا یا اس طرح معاملہ کرنا جو کسی کو ناگوار گذرے، اور اگر باوجود احتیاط ان میں سے کچھ سرزد ہو جائے تو ضروری ہے کہ معافی مانگنے اور صلح صفائی میں جلدی کی جائے۔

اور میں دوسری چیزوں کی بنسبت ان باتوں کا حد سے زیادہ اہتمام کرتا ہوں، حتیٰ کہ اگر میں کسی کو دیکھتا ہوں کہ وہ اپنی ظاہری وضع قطع میں شریعت کی پاسداری نہیں کرتا تو مجھے قدرے تکلیف ہوتی ہے، لیکن اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ حقوق کی ادائیگی میں کوئی لاپرواہی برتتا ہے تو مجھے شدید تکلیف ہوتی ہے، اور میں اس کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس میں مبتلا شخص کو ان ہلاکت خیز باتوں سے نجات عطا فرمائے۔ (ماخذ اشرف السوانح: ۱۷۹/۲)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

فی الحقیقت حسن اخلاق مع الناس کا رأس واساس یہی امر ہے کہ کسی کو کسی سے ایذاء اور کلفت نہ پہنچے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت جامع الفاظ میں ارشاد فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ

مسلمان تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

اور جس امر سے اذیت ہوگی وہ صورۃ خدمت مالی ہو یا جانی ہو یا ادب وتعظیم ہو عرف میں حسن خلق سمجھا جاتا ہے، مگر اس حالت میں وہ سوء خلق میں داخل ہے، کیوں کہ راحت جان خلق مقدم ہے خدمت پر، کہ پوست خلق ہے اور قشر بلا لب کا بے کار ہونا ظاہر ہے گو شعائر ہونے کے مرتبہ میں باب معاشرت مؤخر ہے باب عقائد وعبادات فریضہ ہے، لیکن اس اعتبار سے کہ عقائد وعبادات کے اخلال سے اپنا ہی ضرر ہے، اور معاشرت کے اخلال سے دوسروں کا ضرر ہے، اور دوسروں کو ضرر پہنچانا اشد ہے، اپنے نفس کو ضرر پہنچانے سے، اس درجہ میں اس کو ان دونوں پر تقدم ہے، آخر کوئی بات تو ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے سورہ فرقان میں اَلَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ

toobaa-elibrary.blogspot.com

> ھَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا [۳۰۴] کو جو دال ہے حسن معاشرت پر ذکر میں مقدم فرمایا صلوٰۃ و خشیت و اعتدال فی الانفاق و توحید پر جو کہ باب طاعت و فریضۂ عقائد سے ہے اور یہ تقدم علی الفرائض تو محض بعض وجوہ سے ہیں لیکن نفلی عبادت پر اس کا تقدم من کل الوجوہ ہے۔ [۳۰۵]

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے نزدیک کھوکھلے نظریات اور عملی زندگی سے بالاتر ہوکر محض افکار کوئی معنیٰ نہیں رکھتے تھے، ان کے نزدیک صرف انہی نظریات کی حیثیت تھی جو اعمال و اخلاق اور عملی زندگی سے مزین ہو بلکہ ان کے مریدین و مسترشدین اس کے حامل ہوں۔

پس "خانقاہ امدادیہ" دنیا بھر کا وہ منفرد دارالتربیت تھا جہاں اخلاق و کردار سنوارے جاتے، افکار و نظریات کو صحیح اسلامی رخ پر ڈالا جاتا اور نوع انسان کی انفرادی و اجتماعی معاملات میں زندگی گزارنے کے آداب و اطوار کی تعلیم دی جاتی، یہ وہ مبارک جگہ تھی جہاں مسلمان ہندوستان کے کونے کونے سے جمع ہوتے، جن میں اکابر علماء چوٹی کے مشائخ، حاذق اطباء، ماہر ڈاکٹرز و انجینئرز، سرکاری و غیر سرکاری اداروں کے ملازمین بھرپور استعداد و صلاحیت کے حامل اساتذہ کرام و مدرسین، کھیتی باڑی کرنے والے کسان، پیشہ ورانہ مہارت رکھنے والے محنت کش اور دینی و عصری طالب علموں سمیت ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کی ایک کثیر تعداد جمع ہوتی، جو حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں بغرض اصلاح و تزکیۂ نفس حاضر ہوتے اور عرصہ دراز تک ان کے پاس قیام پذیر رہتے۔ کبھی ایسے بھی ہوتا کہ نہ صرف یہ کہ وہ خود آتے بلکہ اپنے آل و اولاد اور مستورات کو بھی ساتھ لاتے، جن کے قیام کا باپردہ انتظام ہوتا، حضرت رحمہ اللہ آنے والے شخص کے احوال اور اعمال و اخلاق کی از خود نگرانی فرماتے، انہیں عملی طور پر علم دین سکھاتے، آداب معاشرت سے متعلق باریک سے باریک باتوں کی پوری وضاحت کے ساتھ تشریح فرماتے، اور ان کے سامنے اصلاح و تزکیہ کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالتے اور انہیں ان کے نفسانی امراض کی طرف متوجہ فرماتے اور اس سے خلاصی و نجات کا عملی طریقہ بھی بتاتے۔

یہ خانقاہ محض ایک قیام گاہ نہیں تھی بلکہ یہاں ایک ایک چیز ایک مستقل نظم کی پابند تھی، جس میں ذرہ برابر بھی کسی کے لئے کوئی لچک تھی، اور نہ ہی کوئی ادنیٰ مخالفت کر سکتا تھا، بلکہ یہاں کا نظام اسلامی آداب و

۳۰۴؎ الفرقان: ۶۳
۳۰۵؎ آداب المعاشرت

toobaa-elibrary.blogspot.com

معاشرت کی ایک زندہ مثال تھی، جہاں ہر شخص اپنی زندگی گزارنے کے لئے اصول وضوابط اور ہر ہر عمل کے لئے مقررہ اوقات کا پابند تھا، اور ہر ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا غایت درجہ اہتمام کرتا تھا اور دوسروں کو ایذاء وتکلیف دینے سے قطعی احتراز کرتا تھا۔

مذکورہ امور کی پابندی ورعایت کے بعد یہ خانقاہ ایک بہت بڑی مردم ساز فیکٹری بن چکی تھی، جس میں بڑے نظم وضبط اور اہتمام سے افراد سازی ہوتی تھی، اخلاق رذیلہ کی صفائی ہوتی اور اخلاق حمیدہ ان کی جگہ لے لیتے، معاشرتی بے راہ روی کا خاتمہ ہوتا اور خالص اسلامی معاشرت وآداب زندگی حاصل ہوجاتے، اگر ہم ان اخلاق وآداب کی تفصیل میں جائیں جن کا حضرت شیخ تھانوی رحمہ اللہ سب سے پہلے از خود التزام فرماتے اور پھر دوسروں کو بھی ان کی تعلیم فرماتے تو یہ موضوع بہت طویل ہوجائے گا، تاہم ہماری خواہش ہے کہ ان کی سیرت وعادات سے متعلق بعض مثالیں ضرور پیش کریں، تاکہ موضوع کا صحیح معنوں میں حق ادا ہو اور مقصود مزید واضح ہوجائے:

۱۔ باوجودیکہ حضرت رحمہ اللہ شیخ ومربی تھے، لیکن اگر کبھی کسی سے کوئی بات کرنے کی ضرورت در پیش ہوتی یا کسی کو کسی معاملے میں حکم دینا مقصود ہوتا تو اسے کبھی بھی اپنے پاس نہیں بلاتے تھے بلکہ بنفس نفیس اس کے پاس چل کر جاتے، چاہے وہ ان کا شاگرد ہوتا، مرید ہوتا، چھوٹا ہوتا، بڑا ہوتا، رشتہ دار ہوتا یا اجنبی ہوتا اور ہر ایک کو اس بات کی تلقین فرماتے کہ:

> "محتاج" کے لئے ضروری ہے کہ وہ از خود "محتاج الیہ" کے پاس جائے، اس کے برخلاف نہ ہو، حکیم محمد ہاشم جو آپ رحمہ اللہ کے مریدین میں سے تھے، اور کثرت سے آپ کے پاس آنا جانا رکھتے تھے، اس کے باوجود جب کبھی آپ رحمہ اللہ کو علاج معالجہ کی ضرورت ہوتی آپ بنفس نفیس تشریف لے جاتے۔ (اشرف السوانح ۲/ ۴۳)

۲۔ اپنے خدام میں کسی خادم کو کبھی بھی دو کام ایک ساتھ نہیں بتاتے تھے، بلکہ انتظار فرماتے کہ وہ ایک کام سے فارغ ہوجائے، پھر دوسرا کام بتاتے، اور اس بات کی تلقین فرماتے:

> میں یہ اس لئے کرتا ہوں کہ خادم پر دوسرے کام کو یاد رکھنے کا بار نہ ہو، اور اسے یاد رکھنے کی مشقت میں خود اٹھاؤں اور خادم کو اس کا مکلف نہ بناؤں۔ (ایضاً)

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳۔ کسی کے لئے ناحق سفارش نہیں فرماتے تھے، اور اگر اس کا علم ہو جاتا یا گمان ہوتا کہ جس سے سفارش کی جا رہی ہے اسے بار ہو گا تو ہرگز سفارش نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے لوگ مشفوع لہ کی رعایت کرتے ہیں مشفوع الیہ کی نہیں ... (سیرت اشرف: ۲۸۰)

۴۔ مہمان کے طیب نفس اور رضامندی کے بغیر اپنے پاس طویل قیام کے لئے کبھی اصرار نہیں فرماتے تھے، چاہے مہمان کتنا ہی محبوب ہو اور اس کے مزید قیام کا کتنا ہی جی چاہتا ہو، نیز کبھی کسی مہمان کی رغبت سے بالاتر ہو کر مزید کھانے یا کثرت طعام پر مصر نہیں ہوتے تھے، تاکہ اس کی طبیعت پر بوجھ نہ ہو اور اس کے مزاج کو گراں نہ گزرے۔

۵۔ اگر کسی کو خط لکھتے اور اس میں کوئی جواب طلب امر ہوتا تو اس کی سہولت کے لئے اپنا پتہ لکھ کر اور ڈاک ٹکٹ چسپاں کر کے باقاعدہ جوابی لفافہ رکھتے، چاہے مکتوب الیہ ان کا شاگرد ہوتا یا اعزاء و اقارب میں سے اپنے سے چھوٹا ہی ہوتا۔

اس طرح حضرت رحمہ اللہ آداب معاشرت سے متعلق انتہائی باریک سے باریک باتوں کی رعایت فرماتے اور اس کی تعلیم کے لئے "آداب المعاشرت" کے نام سے حضرت رحمہ اللہ کی ایک مستقل تالیف ہے، اور حق تو یہ ہے کہ ان کی اپنی حیات مبارکہ سمیت مریدین، مسترشدین کی عملی زندگی اور خانقاہ امدادیہ کا نظم انہی اسلامی آداب کی عملی تفسیر تھی، اور اس سارے نظام کے حد درجہ مربوط ہونے کے باعث جملہ مقیمین و مسترشدین باہمی طور پر اخلاقیات اور معاشرت سے متعلق ان باریک سے باریک باتوں کا حد درجہ لحاظ رکھتے اور قدم قدم پر ان کی رعایت رکھتے۔

اسی نظم و ضبط اور باریک سے باریک امور کی رعایت کے ساتھ حضرت رحمہ اللہ کے کوئی ایک دو دن یا مہینے یا سال نہیں گزرے، بلکہ اپنی حیات مبارکہ کے پورے اڑتالیس سال "خانقاہ امدادیہ" میں اسی احتیاط سے گزرے، جس سے آپ رحمہ اللہ اپنے علم و عمل، مواعظ و خطبات، تصنیفات و تالیفات اور تربیت و تمرین سے لوگوں کو غایت درجہ مستفیض فرمایا، اور ماہ صفر ۱۳۶۲ھ میں اپنی زندگی کی انتھک جدوجہد کے ثمر سے بار آور ہونے کے لئے دربار خداوندی میں حاضر ہو گئے۔ تغمدہ اللہ بمغفرتہ و رضوانہ و اسکنہ اوساط جنانہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مختصر سوانح صاحبِ "اعلاء السنن"

حضرت شیخ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ اپنے وقت کی مقبولیت عامہ وخاصہ سے بہرہ مند ہونے والی عظیم المرتبت عبقری شخصیت تھے، آپ رحمہ اللہ کی ثناء خوانی و مدح سرائی میں حضرت علامہ و شیخنا عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر جو انہوں نے اپنی تصنیف "انهاء السكن الى من يطلع اعلاء السنن (جسے حضرت شیخ نے "قواعد علوم الحديث" کے نام سے شائع فرمایا) کے مقدمہ میں لکھی، یقیناً "ختامہ مسک" کا درجہ رکھتی ہے، چنانچہ ہم یہاں اس تحریر کے نقل پر اکتفاء کریں گے اور حضرت شیخ ابوغدہ رحمہ اللہ کی یہ تحریر اس وقت کی ہے جب حضرت مولانا عثمانی رحمہ اللہ بقید حیات تھے، لہٰذا اولاً ہم ان کی تحریر نقل کریں گے، وبعد کچھ سطروں کا اضافہ کریں گے۔ حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں:

> وہ ایک مقتدر عالم دین، عظیم محقق، دقیق النظر، صاحب قلم، قادر الکلام، مفسر و محدث، ماہر فن، ذی شعور، مؤرخ و ادیب، متقی و پرہیزگار، زہد و غنی کے حامل، عظیم صوفی و صاحب بصیرت عالم دین ظفر احمد بن لطیف عثمانی تھانوی رحمہ اللہ ہیں، جو ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ میں ہندوستان کے سب سے بڑے علمی مرکز دیوبند میں واقع "دارالعلوم کے قریب ہی اپنے آبائی گاؤں میں پیدا ہوئے، ابھی تین سال کی عمر کو پہنچے تھے کہ والدہ ماجدہ کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا اور ان کی دادی نے نہایت احسن انداز میں ان کی تربیت فرمائی، چونکہ وہ خود ایک نیک و صالح خاتون تھی، لہٰذا نیکی اور تقویٰ کی تعلیم ابتداء ہی سے ان کی گھٹی میں پڑ گئی تھی۔
>
> جب عمر پانچ سال ہوئی تو دیوبند ہی کے اکابر حفاظ سے قرآن کریم کی تعلیم کا آغاز کیا، جن میں دارالعلوم کے مدرس حافظ نامدار، ان کے نائب غلام رسول اور مولانا نذیر احمد جو ان کی دادی کے بھائی تھے، شامل ہیں۔ جب عمر سات سال ہوئی تو ابتدائی تعلیم اردو، فارسی، ریاضی و حساب وغیرہ کتب حضرت شیخ مولانا محمد یاسین سے پڑھیں، جو سرزمین پاکستان کے حال ہی کے اکابر علماء میں حضرت مولانا علامہ شیخ محمد شفیع دیوبندی مدظلہ (کراچی میں سکونت پذیر مفتی اعظم اور وہاں کے دارالعلوم اسلامیہ کے بانی و مؤسس) کے والد گرامی تھے۔
>
> اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے دیوبند سے اپنے ماموں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ کی خدمت میں تھانہ بھون تشریف لے آئے اور صرف، نحو اور ادبِ عربی کی کتب ماہر فن استاذ

toobaa-elibrary.blogspot.com

علامہ و مولانا محمد عبداللہ لکھنوی رحمہ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ جب کہ حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ سے علم تجوید، تلخیصات العشر کا کچھ حصہ اور مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ کی ''مثنوی'' کا ایک جز اور اپنے برادر کبیر عالم دین مولانا سعید احمد سے ''تلخیصات'' کا کچھ حصہ پڑھا۔

پھر جب حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنی جلیل القدر تفسیر ''تفسیر بیان القرآن'' میں مشغول ہو گئے تو آپ کانپور تشریف لے گئے اور وہاں کے معروف دینی ادارے ''جامع العلوم'' سے ملحق ہو گئے، جس کی بنیاد کانپور میں دوران قیام حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بنفس نفیس رکھی تھی اور (تھانہ بھون واپسی کے وقت) اپنے تلمیذ رشید مولانا محمد اسحاق البردوانی اور مولانا رشید کانپوری کو منصب تعلیم و تدریس سپرد فرمایا تھا، پس ان دونوں اکابر اساتذہ سے اس خطے میں بالعموم داخل نصاب کتب حدیث صحیح البخاری، صحیح المسلم، سنن الترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن نسائی اور مشکوٰۃ المصابیح سمیت ان میں فنی مہارت پیدا کرنے والی علوم حدیث اور فن مصطلح حدیث سے متعلق کتب پڑھیں، اس کے علاوہ ان دونوں شخصیات سے فقہ، تفسیر، ادب وغیرہ سے متعلق درسی کتب اور علوم عقلیہ کا کچھ حصہ بھی پڑھا۔

جب آپ اللہ تعالیٰ کے فضل اور جہد مسلسل سے دیگر فائق طلبہ پر امتیازی حیثیت رکھتے ہوئے علوم شرعیہ و عقلیہ سے بہرہ مند ہوئے تو سہارنپور منتقل ہو گئے اور مدرسہ مظاہر العلوم سے ملحق ہوئے، چوں کہ آپ رحمہ اللہ کو علم حدیث سے بے حد مناسبت ہو چکی تھی، اس لیے دروس حدیث کو مزید پختہ کرنے کی غرض سے امام کبیر، محدث عظیم، فقیہ کبیر مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ (مؤلف ''بذل المجہود فی شرح سنن ابی داؤد'') کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اپنے وقت کے اس عظیم محدث، امام اور عارف ربانی کی خدمت میں جب عرصہ دراز گزر گیا، تو انہوں نے اپنے اس شاگرد کو اپنے علوم و فنون اور حدیث شریف سمیت دیگر علوم عقلیہ و نقلیہ کی اجازت مرحمت فرمائی اور ۱۳۲۸ھ میں آپ تکمیل اور سند فراغت پا کر اعلیٰ تعلیم سے بھی بہرہ مند ہو گئے اور اس وقت آپ کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی، گویا آپ رحمہ اللہ اپنی کم سنی ہی میں اس عظیم مرتبہ پر فائز ہو چکے تھے جس پر بالعموم اپنے وقت کی نابغہ روزگار شخصیات فائز ہوتی ہیں، نیز اسی مدت میں منطق، ہندسہ اور ریاضی کی فوقانی کتب مذکورہ مدرسہ کے فنی اساتذہ مولانا عبداللطیف (ناظم مدرسہ) اور مولانا عبدالقادر پنجابی سمیت بعض دیگر اساتذہ سے پڑھیں۔

زمانہ طالب علمی ہی سے آپ کے علمی جوہر ظاہر ہو چکے تھے اور فنی صلاحیت و استعداد اور ذکاوت کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ستارہ روشن ہوچکا تھا، چنانچہ اسی مدرسہ میں بحیثیت مدرس آپ کا تقرر ہوا اور آپ نے سات سال تک اپنے جن عظیم القدر علوم کے جواہر لٹائے اور فنون کے موتی بکھیرے، ان میں علم فقہ، اصول، منطق، فلسفہ وغیرہ سرفہرست ہیں، پھر آپ مدرسہ "امداد العلوم" تھانہ بھون منتقل ہوگئے اور علم حدیث کی مقررہ کتب پڑھانے کا آغاز کیا، جن کا ذکر ابھی گزرا، اس کے علاوہ غایت درجہ افادیت اور عمدگی کے ساتھ فقہ وتفسیر کی تدریس فرمائی اور آپ سے شرف تلمذ کے بعد چوٹی کے اکابر علماء کی ایک جماعت تیار ہوئی، جنہوں نے اپنے نور علم سے چہار دانگ عالم کو منور کیا اور لوگوں کے لیے دین و شریعت کے روشن چراغ کے طور پر ابھرے۔

آپ رحمہ اللہ کے علمی مقام اور بالخصوص فن حدیث پر دسترس کا بخوبی ادارک کرتے ہوئے حکیم الامت رحمہ اللہ نے "اعلاء السنن" کی تالیف اور افتاء وتدریس کا عظیم الشان منصب آپ کے سپرد فرمایا، جس پر وہ خوش اسلوبی کے ساتھ فائز رہے اور "اعلاء السنن" کی تالیف میں برابر بیس سال تک انتھک جدوجہد کرتے رہے اور ۱۸ ضخیم جلدوں میں نہ صرف کہ یہ جلیل القدر کتاب تصنیف فرمائی بلکہ ساتھ ہی ۲ حصوں میں ۲ مبسوط مقدمے بھی تالیف فرمائے اور مؤلف علام کا عظیم کرشمہ ہونے کی حیثیت سے یہ کتاب بیس جلدوں میں پایۂ تکمیل تک پہنچی، جس پر آپ رحمہ اللہ نے ایک اور کتاب کا بھی اضافہ کیا اور اسے "انجاء الوطن عن الازدراء بامام الزمن" کے نام سے موسوم فرمایا، جس میں نہ صرف یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ، بلکہ ان کے تلامذہ کی بھی وسیع اور عمدہ پیمانے پر سوانح لکھی، جن میں فقہاء و محدثین پر اکتفاء کیا، جس کا پہلا حصہ ۱۳۷۷ھ میں کراچی سے شائع ہوچکا ہے۔

اس تاریخی اور عظیم دینی خدمت کے بعد حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے انہیں "دلائل القرآن علی مسائل النعمان علی منوال احکام القرآن (للجصاص)" کی تالیف کا حکم فرمایا، مولانا ظفر احمد عثمانی نے بدرجۂ اتم اس حکم کی بھی تکمیل فرمائی اور موضوع کا حق ادا کرتے ہوئے سورۃ النساء تک دو ضخیم جلدوں میں یہ کتاب تالیف فرمائی، اس کتاب کے جلیل القدر ہونے کا اندازہ اکابر فقہاء و علماء کے اس گرانمایہ تبصرے سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جس میں وہ کہتے ہیں "النظر فیہ نعیم مقیم والظفر بمثلہ فتح عظیم" (اس کتاب میں جس درجے گہرائی وگیرائی کی گئی ہے وہ بڑی ہی نعمت اور استقامت (کی بات) ہے، اور اس جیسی کامیابی کا ہاتھ آنا

toobaa-elibrary.blogspot.com

بڑی عظیم فتح ہے۔)

نیز آپ رحمہ اللہ نے تھانہ بھون میں دوران قیام اور بھی متعدد کتب تصنیف فرمائیں، جن میں "القول المتین فی الاخفاء بآمین"، "شق الغین عن حق رفع الیدین" اور "رحمة القدوس فی ترجمہ بھجة النفوس" سمیت "فاتحہ الکتاب فی القراءة خلف الامام" خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، جس میں آپ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کی جامع تحقیق فرمائی ہے کہ امام کے پیچھے دیگر تمام نمازوں میں بالعموم اور جہری نمازوں میں بالخصوص قراءت واجب نہیں ہے۔ تاہم سری نمازوں میں جائز ہے، جیسے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ایک قول یہ بھی ہے، اور جب میں نے شیخ حفظہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کی تھی تو میں نے آپ سے اس مسئلہ کے حوالے سے استفسار کیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ " ایک قول امام محمد رحمہ اللہ کا بھی یہی ہے۔" اور فرمایا کہ "ہاں! البتہ علامہ ابن الہمام نے اس پر رد کیا ہے، اس کے علاوہ دیگر کتب میں "کشف الدجی عن وجہ الربا" عربی زبان میں آپ کی واحد مطبوعہ تصنیف ہے اور مستفتیین کی طرف سے ان کے ماموں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ پر فقہ وغیرہ کے مسائل سے متعلق جو سوالات آتے رہتے تھے، اس کا جامع جواب "فتاویٰ امدادیہ" کے ضمن میں تحریر فرمایا اور یہ کتاب بھی چار ضخیم جلدوں تک جا پہنچی، جسے بعد میں حضرت شیخ حکیم الامت رحمہ اللہ نے از خود "امداد الاحکام فی مسائل الحلال والحرام" کے نام سے موسوم فرمایا۔

پھر آپ مدرسہ محمدیہ برنگون (برما) تشریف لے گئے اور وہاں قریباً دو سال تک تبلیغ، وعظ اور اصلاح کے کاموں میں مشغول عمل رہنے کے بعد دوبارہ اپنے وطن تھانہ بھون پہنچے اور افتاء و دیگر دینی خدمات سمیت "دلائل القرآن" بھی تالیف فرمائی۔

اسی دوران مولانا ظفر احمد عثمانی نے مشرقی پاکستان ڈھاکہ کا دورہ کیا، یہ وہ وقت تھا جب کہ پاکستان بھی نہیں بنا تھا اور وہاں کے ایک جامعہ میں حدیث، فقہ اور علم اصول کے مدرس مقرر ہوئے، اسی دوران آپ کا خوب شہرہ ہوا اور آپ ڈھاکہ کے ایک بڑے مدرسہ کے صدر المدرسین مقرر ہوئے اور آٹھ سالہ طویل عرصہ تک دینی خدمات میں مشغول رہے اور وہاں "جامعہ محمدیہ قرآنیہ" کی بنیاد رکھی، جو تاحال مشرقی پاکستان کے بڑے مدارس میں شمار ہوتا ہے اور وہاں قرآن، حدیث اور فقہ وغیرہ کی معیاری تعلیم دی جارہی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ڈھاکہ میں وسیع بنیادوں پر دینی جدوجہد اور اس میں فتح یابی کے بعد اب آپ قصبہ مغربی پاکستان تشریف لے آئے ہیں، جہاں قصبہ ٹنڈو الہ یار (شرف آباد تابع حیدر آباد) کے معروف دینی ادارے "دارالعلوم الاسلامیہ" میں صدر مدرس کی حیثیت سے درس حدیث سمیت افتاء سے متعلقہ خدمات انجام دے رہے ہیں، جو تاحال جاری ہیں اور صرف درس و تدریس ہی نہیں بلکہ ان کے اعمال و کردار، رفتار و گفتار اور اصلاح وارشاد سے بھی طلبہ کرام برابر مستفید رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے، خیر کے کاموں اور علوم نافعہ میں برابر برکتیں عطا فرمائے، اور انہیں دین و دنیا کی عافیت کے پردے میں مکمل ڈھانپ لے تاکہ آپ کی نافعیت دوچند ہو جائے، اس وسیع پیمانے پر آپ سے دینی خدمت لے کہ آپ کے مابعد اس کے دیرپا، گہرے اور مثبت اثرات مرتب ہوں اور اپنی رضائے کاملہ کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز فرمائے۔ (یہاں تک حضرت شیخ علامہ عبدالفتاح ابوغدہ کا اپنی کتاب "قواعد علوم الحدیث" کے مقدمے میں ذکر کردہ انتہائی مفید اور نافع کلام اختتام کو پہنچا۔)

حضرت مولانا شیخ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس وقت بقید حیات تھے، جب کہ علامہ عبدالفتاح ابو غدہ (حفظہ اللہ) کی یہ تحقیقی کتاب، قواعد فی علوم الحدیث" شائع ہو کر منظر عام پر آئی، اس وقت آپ رحمہ اللہ دارالعلوم اسلامیہ اشرف آباد (ٹنڈو الہ یار) میں پیرانہ سالی، شدت مرض اور قویٰ کی کمزوری کے باوجود شیخ الحدیث ہونے کی حیثیت سے "صحیح البخاری" پڑھا رہے تھے، ایک دفعہ آپ رحمہ اللہ نے مجھ سے فرمایا: "جب کبھی میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ بیماری کی شدت بڑھ رہی ہے تو میں صحیح بخاری کے درس میں اور اضافہ کر دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ اس درس کی برکت سے مجھے شفاء عطا فرما دیتے ہیں۔"

مولانا ظفر احمد عثمانی اپنے اس حد درجہ ضعف، پیرانہ سالی اور شدت مرض کے باوجود ذکر و اذکار اور نوافل میں مشغول رہتے، تمام نمازوں کے لیے مسجد میں حاضری دیتے اور اس کے لیے انتہائی درجہ مشقت سے بھی گریز نہیں کرتے تھے، عمر کے آخری حصہ میں آپ ذکر اللہ سے رطب اللسان رہتے، حتیٰ کہ ۱۳۹۴ھ میں آپ کی مسلسل بیماری اور ضعف و نقاہت کو دیکھتے ہوئے اطباء نے روزے موقوف کرنے کا مشورہ دیا لیکن آپ اس پر راضی نہ ہوئے اور فرمایا "حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے روزے موقوف نہیں فرمائے جبکہ آپ کی عمر مبارک نوے سال تھی اور وہ بھی روزہ کے لیے حد درجہ مشقت برداشت کرتے تھے، پیاس کی شدت بڑھتی تو پانی کے ٹب میں بیٹھ جاتے لیکن روزہ ترک کر کے فدیہ دینے پر راضی نہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوئے تو میں کیسے اسے پسند کر سکتا ہوں؟

آپ رحمہ اللہ نے اس طرح مسلسل دینی خدمات کے ساتھ زندگی بسر کی اور ذوالقعدہ ۱۳۹۴ھ میں وصال فرمایا، اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور اپنی رضائے کاملہ نصیب فرمائے ان کے صاحبزادے نے ان کی تاریخ وفات ان حوصلہ افزاء کلمات سی نکالی ہے:

انہ لفی روح و ریحان وجنۃ نعیم

۱۳۹۴ھ

"اعلاء السنن" تذکرہ و تبصرہ

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ عرصہ دراز سے یہ محسوس کر رہے تھے کہ لوگ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ فقہی مسائل میں آپ کا مسلک مدلل و مؤید بالحدیث نہیں بلکہ آپ قیاس آرائی کو حدیث صحیح پر ترجیح دیتے ہیں وغیرہ، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے بے تحقیق دعوے کرتے نظر آتے ہیں، جس کی کوئی دلیل یا حجت ان کے پاس نہیں، حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے جملہ فقہی مسائل کے دلائل و براہین اور ماخذ و مراجع قدیم کتب میں بالتفصیل موجود ہیں، گوکہ مختلف کتابوں اور رسائل میں بکھرے ہوئے اور غیر مربوط شکل میں ہیں، حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے یہ ارادہ فرمایا کہ انہیں ایک کتاب میں جمع فرمادیں اور اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لیے ایک کتاب بنام "احیاء السنن" کی تالیف کا آغاز کیا اور اس میں جملہ ابواب فقہیہ سے متعلقہ احادیث صحیحہ سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے دلائل جمع فرمائے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس کتاب کا مسودہ طبع ہونے سے پہلے ہی ضائع ہو گیا۔ وما شاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن

پھر ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد ایک بار پھر حضرت شیخ رحمہ اللہ نے اس کی تالیف کا آغاز فرمایا اور اس کے منہج اور ترتیب کو بھی تبدیل فرمایا اور اپنے اس مجموعے کو "جامع الآثار" کے نام سے موسوم فرمایا اور اس میں وہ احادیث جمع فرمائی جن سے احناف اپنے مذہب کا استنباط کرتے ہیں، نیز ساتھ ہی مختصراً کیفیت اسناد اور وجہ استدلال پر بھی کلام فرمایا، پھر اس پر ایک تعلیق کا اضافہ فرما کر "تابع الآثار" کا نام دیا، جس میں احادیث کی وہ توجیہات ذکر فرمائی جو ظاہر کے خلاف معلوم ہوتی ہیں، مذکورہ دونوں کتب مکتبہ قاسمیہ دیوبند سے ۱۳۱۰ھ میں کتابت کی صورت میں سنگی طباعت کے ساتھ شائع ہوئیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

لیکن ہر دو کتابیں غایت درجہ مختصر اور ابواب الصلوٰۃ تک ہی منحصر تھیں، جس کے باعث آپ رحمہ اللہ کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ اپنی پہلی کتاب "احیاء السنن" کے طرز پر کوئی کتاب تالیف ہوجائے، جس میں احادیث کے سند، متن اور روایت ودرایت سے متعلقہ جملہ مباحث پر مبسوط کلام کیا جائے، چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا الشیخ احمد حسن سنبھلی رحمہ اللہ کو تحریض فرمائی اور اس کتاب کی تالیف ان کے سپرد فرمادی، حضرت شیخ سنبھلی رحمہ اللہ نے مختصراً سند پر بحث کرتے ہوئے احادیث کا متن مع آثار جمع فرمایا اور متن وسند پر بسط وتفصیل کے ساتھ شرح کرتے ہوئے جامع کلام فرمایا اور کتاب کے متن کو اسی سابقہ نام "احیاء السنن" جبکہ اس پر کی گئی تعلیقات کو "التوضیح الحسن" کے نام سے موسوم فرمایا، جس پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے حرفاً حرفاً نظر ثانی فرمائی اور جہاں مناسب معلوم ہوا تبدیلی کرتے گئے، آپ ابھی کتاب الحج تک ہی پہنچے تھے کہ حضرت مولانا سنبھلی رحمہ اللہ کو یہ محسوس ہوا کہ اس پر وہ خود نظر ثالث فرمالیں، چنانچہ اس دفعہ انہوں نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی نظر ثانی کو دیکھتے ہوئے پوری کتاب میں اسی طرز پر کافی تبدیلی کی اور اس درجہ تغیّر وتبدّل کیا کہ کتاب اپنے سابقہ طرز پر باقی نہ رہی اور ساتھ ہی ساتھ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی نظر سے بھی نہ گزر سکی اور اس کی پہلی جلد طبع ہوگئی، چوں کہ اب یہ کتاب اس نہج پر نہیں رہی تھی جو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا منشاء تھا اور اس میں جابجا تسامحات بھی تھے، اس لیے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے چچیرے بھائی مولانا شیخ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کو حکم فرمایا کہ وہ جلد اول میں موجود کمی بیشی کا تدارک کریں اور انہیں ان تسامحات کے حوالے سے بھی بتایا جو مولانا سنبھلی سے واقع ہوگئی تھیں، حضرت مولانا عثمانی نے حضرت تھانوی کی منشاء کے عین مطابق ایک کامل حصہ تحریر فرمایا اور اسے "الاستدراك الحسن علی احیاء السنن" کا نام دیا۔ جس کے بعد حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے یہ ارادہ فرمالیا کہ حضرت شیخ سنبھلی رحمہ اللہ کی تالیف کا بقیہ حصہ شائع نہ ہو اور مولانا عثمانی کو حکم فرمایا کہ وہ مستقل بنیاد پر ایک نئی کتاب تالیف کریں، چنانچہ انہوں نے کتاب کا بقیہ حصہ (ابواب الصلوٰۃ سے ابواب فقہیہ کے آخر تک) مبسوط وضخیم سولہ جلدوں میں تحریر فرمایا، حضرت مولانا سنبھلی کی رعایت اور اپنی طرف سے غایت درجہ احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہوئے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ اب اس مبسوط کتاب کا نام سابقہ نام کے موافق "احیاء السنن" ہو بلکہ اس کی جگہ آپ رحمہ اللہ نے اس کے متن کو "اعلاء السنن" کا نام دیا اور شرح کو "اسداء المنن" کے نام سے موسوم فرمایا اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس نئے نام کے ساتھ سولہ جلدوں پر مشتمل یہ ضخیم تالیف شائع ہوئی۔

خلاصہ اور حاصل کلام یہ کہ پہلی جلد "احیاء السنن" کے نام سے، اس کا تتمہ "الاستدراک الحسن" کے نام سے اور باقی کتاب "اعلاء السنن" کے نام سے شائع ہوئی لیکن چوں کہ ناموں کا یہ اختلاف قارئین کے لیے خلط اور تشویش کا باعث ہو سکتا تھا اس لیے حضرت مولانا عثمانی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی طبع ثانی کے وقت اسے ایک ہی نام سے موسوم کر دیا اور "احیاء السنن" کی عبارت کے ساتھ ساتھ "الاستدراک الحسن" کو بھی بڑی خوبی اور موقع سے یکجا کر کے اسے ایک جامع اور مسلسل کتاب کی انتہائی عمدہ شکل دی۔ انہوں نے یہ قابل قدر کام حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد کیا اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے آپ رحمہ اللہ نے اپنی پیرانہ سالی اور عمر کے آخری حصے میں نہایت مشقت برداشت کی، اسی جہد مسلسل کے نتیجے میں یہ پہلی جلد نہ صرف یہ کہ ایک کتاب بن گئی ہے بلکہ یوں کہنا زیادہ درست ہوگا کہ حضرت مولانا عثمانی رحمہ اللہ کی مستقل تصنیف ہے اور اس کی قدر داتی یہی ہے کہ اسے مستقل حیثیت سے مولانا عثمانی رحمہ اللہ کی تصانیف میں شامل کرنا چاہیے اور اس کا نام یہ تجویز کیا جا سکتا ہے کہ "المجلد الاول اعلاء السنن" یہ اس عظیم القدر تالیف اور اس کے مختلف ناموں کا ایک مختصر سرگزشت تھی، تاہم اب یہ پوری کتاب ایک ہی نام سے موسوم ہے اور وہ ہے "اعلاء السنن" جو ایک ہی مؤلف کی ہے اور وہ ہیں "مولانا شیخ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ۔

اس کتاب کے کل تین مقدمات ہیں، جن کا ذکر یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے:

(۱) پہلا مقدمہ ہے "المجلد الاول من انهاء السكن الى من يطالع اعلاء السنن" جس میں حضرت مولانا عثمانی رحمہ اللہ نے اصول حدیث سے متعلق اہم اہم مباحث کی مبسوط شرح فرمائی ہے، جو اولاً آپ کے وطن اصلی "تھانہ بھون" سے کتابت کی صورت میں سنگی طباعت کے ساتھ شائع ہوئی، وبعد کراچی سے برقی کتابت کے ساتھ نہایت دیدہ زیب طباعت کے ساتھ منصۂ شہود پر آئی، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا بھر میں اس کتاب کو تلقی بالقبول عطا فرمائی اور تیسری دفعہ ہمارے شیخ عظیم مقالہ نگار و نقد نگار علامہ شیخ عبد الفتاح ابو غدہ نے شام (حلب) سے اپنی تحقیق و تعلیقات کے ساتھ کماحقہٗ اس کی طباعت کا اہتمام فرمایا، جس نے اس کی قدر و منزلت، افادیت اور خوشنمائی و خوبصورتی میں کئی گنا اضافہ کر دیا اور اپنی تحقیقات و تعلیقات کو "قواعد فی علوم الحدیث" کا نام دیا۔ جزاه الله تعالىٰ خيرا واجزل اجرا

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۲) دوسرا مقدمہ "المجلد الثانی من انهاء السکن" مولانا شیخ حبیب احمد کیرانوی کی تالیف "اعلاء السنن" کا ایک فقہی مقدمہ ہے جس میں حدیث اور اصول فقہ سے متعلق حد درجہ نفیس اور مفید مباحث جمع کی گئی ہیں، یہ مجموعہ بھی کراچی سے سنگی طباعت کے ساتھ طبع ہو چکا ہے۔

(۳) "انجاء الوطن عن الازدراء بامام الزمن" یہ بھی مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ ہی کی ایک تالیف لطیف ہے، جس میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی قدر و منزلت، بالخصوص علم حدیث و دیگر علوم میں ان کے مقام و مرتبہ پر مفصل کلام سمیت امام صاحب رحمہ اللہ کے حوالے سے محدثین کی بزبان خویش بیان کردہ مدح و ثناء کو انتہائی جامع اسلوب میں بیان کیا ہے، نیز آپ کے کبار محدثین تلامذہ کے ذکر سمیت علم حدیث میں آپ کی گرانقدر خدمات کا ذکر کیا ہے، اس ضمن میں ہونے والے بے جا اعتراضات و شبہات کا شافی جواب دیا ہے۔

تو یہ تھی اس عظیم الشان کتاب کی تصنیف کے سلسلے میں مولانا شیخ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی انتھک اور قابل قدر کاوش، کہ انہوں نے بڑی خوبی سے "الاستدراک الحسن" کو اصل کتاب میں شامل کرکے اس پوری کتاب کو "اعلاء السنن" کا نام دیا، اگرچہ یہ کاوش حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ہوئی، تاہم انہوں نے "اعلاء السنن" کی جلد ثانی پر جب مقدمہ تحریر فرمایا تھا تو اس طرف باقاعدہ اشارہ فرمایا تھا، چنانچہ طبع ثانی کے وقت "احیاء السنن" کے خطبہ کے یہ الفاظ بعینہ ملاحظہ ہوں:

طبع ثانی کے وقت حضرت تھانوی کے تحریر کردہ "احیاء السنن" کا خطبہ

الحمد للہ استعینہ واستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا، من یھدی اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ وارسلہ بالحق بشیرا ونذیرا بین یدی الساعۃ، من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصھما فانہ لا یضر الا نفسہ ولا یضر اللہ شیئا۔

یہ حضرت امام ابو حنیفہ نعمان رحمہ اللہ کے ان تمام فروعی مسائل کے دلائل کا مجموعہ ہے، بلاشبہ ہر چہار ائمہ مجتہدین فی الدین میں سے سب سے قدیم مذہب ابو حنیفہ نعمان رضی اللہ عنہ وعنہم وعن اتباعھم اجمعین کا ہے اور یہ ان کے مذہب میں ذکر کردہ فقہ سے متعلق تمام فروعی مسائل کے دلائل پر مشتمل ہے،

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کی ضرورت اس لیے محسوس کی گئی کہ عہد حاضر میں جبکہ لوگوں کی زبانیں دو دو گز لمبی ہو چکی ہے اور حال یہ ہے کہ وہ چپ ہونے کا نام ہی نہیں لیتیں، چنانچہ میں نے اس غرض سے تمام ہی ابواب فقہیہ سے متعلق قریباً دو سال قبل ایک مسودہ تیار کر لیا تھا اور اس کا نام "احیاء السنن" بھی تجویز کر دیا تھا، لیکن وہ ضائع ہو گیا، (والحمد للہ علی کل حال) تاہم ایک عرصہ گزر جانے کے بعد میں نے سابقہ نہج سے ہٹ کر ایک نئے طرز پر دوبارہ اس مبارک کام کا آغاز کیا اور ایک کتاب "جامع الآثار" کے نام سے تحریر کی، جو بحمد اللہ طبع ہو چکی ہے لیکن یہ ابواب الصلوٰۃ تک ہی تھی، جس کی تکمیل و تتمہ کی پھر کوئی صورت نہ بن سکی، حال ہی میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا اور توفیق بخشی کہ میں ان بعض حضرات کو جو میرے ساتھ علم دین کی خدمت میں شریک رہتے ہیں، اس گرانقدر کام کی طرف توجہ دلاؤں، چنانچہ میرے توجہ دلانے پر وہ اس مشقت طلب کام میں میرے ساتھ شریک ہوئے اور اس درجہ میری امیدوں پر پورے اترے کہ میں ان کے لیے یہ تک کہنے میں حق بجانب ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم خدمت انہی سے لی ہے، اور اس پورے کام میں میری حیثیت ایک مددگار کی رہی، اس مجموعہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ میں نے اس کا منہج یکسر بدل دیا ہے اور محض احادیث مبارکہ جمع کر لینے کے بجائے اپنے سابقہ طرز ہی کو اختیار کیا ہے، تاکہ یہ سہل الوصول ہو، اور "ہدایہ" کی ترتیب پر اسے سمجھنا اور ضبط کرنا آسان رہے، نیز اس دفعہ مقصود سے متعلق اختلافی مسائل ہی پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ اس میں بعض متفق علیہ فروعی مسائل کا بھی اضافہ کیا ہے، اگرچہ مختصر ہے مگر اس کے اپنے مخصوص فوائد و ثمرات ہیں۔

چوں کہ یہ گمشدہ مجموعہ "احیاء السنن" کے مسودہ سے کافی حد تک میل کھاتا ہے اور مشابہ ہے، اس لیے میں نے اس کا نام بھی وہی (یعنی "احیاء السنن") تجویز کیا ہے، تاکہ ناپختہ کار پڑھنے والے کو بھی حیات نو بخشے، اور ظاہر ہے کہ اس عظیم اور مشقت طلب کام کی تکمیل بجز توفیق الٰہی ممکن نہیں تھی، لہٰذا محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے معانیِ حدیث کی وضاحت کے لیے میں نے نہ صرف یہ کہ توضیحی تعلیقات تحریر کی ہیں، بلکہ ان کی سند سے بھی بحث کی ہے، جس کا نام میں نے "التوضیح الحسن علی احیاء السنن" تجویز کیا ہے۔

واضح رہے کہ "مؤلف کو اس کام کی طرف توجہ دلانے کے بعد سے ہی "کتاب الحج" تک یہ کتاب میں نے حرفاً حرفاً دیکھی ہے اور جہاں کہیں ضرورت محسوس کی، تبدیلی بھی کی ہے، پھر مؤلفِ کتاب نے بجا طور پر میری تصحیح و تغییر کو دیکھتے ہوئے اس طرز پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کی اور وسعت نظری سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

کام لیتے ہوئے حسب ضرورت تبدیلی کرتے گئے، بالآخر یہ تبدیلی اکثر مقامات پر کافی تغییر پر منتج ہوئی اور ان بعض مواضع کے حوالے سے مجھ سے رجوع بھی کیا، جو ان پر مشتبہ ہوگئے تھے، نتیجۃً یہ تحریر ایک مستقل شکل اختیار کرگئی اور کتاب اپنے سابقہ طرز پر برقرار نہیں رہی بلکہ اس کا موضوع ہی تبدیل ہوگیا، اس کے بعد اس کتاب کے حوالے سے میرے علم میں کوئی بات نہیں آئی یہاں تک کہ اس کا پہلا حصہ چھپ کر منظر عام پر آگیا اور یہی وہ کتاب ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، اور اسی وجہ سے اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی گئی کہ اس تالیف پر "ھندیہ" کے حوالہ جات ہوں، جو آپ ملاحظہ کررہے ہوں گے، اس کام کی ابتداء رمضان المبارک کے آخری جمعہ ۱۳۱۳ھ نبوی علی صاحبہا الف الف سلام وتحیہ کو ہوئی۔

نمقه العبد الراجی رحمة ربه القوی اشرف علی التهانوی غفرله ذنبه الخفی والجلی

اور اب "اعلاء السنن" کی جلد ثانی کی تمہید کی طور پر لکھی گئی حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی یہ تحریر ملاحظہ ہو:

الحمد لله استعينه واستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا، من يهدى الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمداً عبده ورسوله وارسله بالحق بشيرا ونذيرا بين يدى الساعة، من يطع الله ورسوله فقد رشد ومن يعصهما فانه لا يضر الا نفسه ولا يضر الله شيئا، اما بعد!

برادر عزیز! اولاً "احیاء السنن" کے پہلے حصہ کا خطبہ بغور پڑھنا ضروری ہے تاکہ اس رسالہ کے تمام پہلو سامنے رہے، اگلی بات یہ ہے کہ جن اسبابِ ضروریہ کے پیش نظر اس کتاب کی تالیف کی خدمت میرے ذہین وفطین اور ماہر فن بھانجے مولوی ظفر احمد کے سپرد کی گئی جس کی توضیح وتفصیل کی یہاں ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سے بہت ہی اعلیٰ نہج پر یہ خدمت لی ہے اور اس کا نام "احیاء السنن" کے بجائے "اعلاء السنن" کردیا ہے اور تعلیقات کے سابقہ نام "التوضیح الحسن" کے بجائے نیا نام "اسداء المنن" تجویز کیا ہے تاہم اس کے ترجمہ کا نام علی حالہ برقرار رکھا گیا ہے۔[۳۰۶] نیز اولاً شائع شدہ

---

۳۰۶ جب اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تو اس کے حاشیہ میں اعلاء السنن کے مجموعہ احادیث کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوا تھا، جسے حضرت شیخ رحمہ اللہ نے "اطفاء الفتن" کا نام دیا تھا، لیکن اس طبع جدید میں حاشیہ سے ترجمہ حذف کردیا گیا۔ تقی

toobaa-elibrary.blogspot.com

پہلے حصہ کے بعض مقامات میں ترمیم بھی کی گئی ہے، اور اصل کتاب مع اضافہ جات (یعنی پورے مجموعہ کے) پہلے حصہ کو "اعلاء السنن" کے نام سے ملقب کیا ہے، جس کے بعد یہ دوسرا حصہ بھی آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ الحمد للہ تعالیٰ جلد اول کی طرح یہ جلد بھی دیکھ کر آنکھوں کو بے پناہ ٹھنڈک محسوس ہوئی، جو پہلی جلد کے مقابلے میں جس میں غیر معمولی تبدیلی و ترمیم کی گنجائش رہی، ان وجوہ سے حد درجہ قابل تحسین ہے:

روایت کے اعتبار سے، درایت کے لحاظ سے، موضوع کے احاطہ کرنے کے اعتبار سے، چند ایک مقامات پر بہت معمولی ترمیم کے ساتھ باقی التزامات کے لحاظ سے، میرے تحریر اور مؤلف کی تحریر میں واضح تمیز کرنے کے اعتبار سے۔

وللہ الحمد علی ما ابدی واسری، وللآخرۃ خیر لك من الاولیٰ

العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی اشرف علی التھانوی الحنفی، غفر لہ ذنبہ الجلی والخفی، والزمان وسط ۱۳۴۱ھ من الھجرۃ النبویۃ علی صاحبھا الف الف سلام وتحیۃ۔

یہ وہ تحریر ہے جو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے بنفس نفیس قلمبند فرمائی، گو کہ اس وقت ان پر دو خطبوں کے ذکر کی ضرورت نہیں کیوں کہ اس کتاب کے متعلقہ تمام ہی تفاصیل و واقعات ذکر کیے جا چکے ہیں، جس کے بعد یہ پوری کتاب ایک ہی مؤلف کی طرف منسوب اور ایک ہی نام سے موسوم ہوئی، تاہم ان دونوں خطبوں کو نقل کرنا اس لیے مناسب سمجھا، تاکہ یہ پوری تحریر اور نکھر کر سامنے آجائے اور ان لوگوں پر جملہ احوال کھل جائیں جو اس پر اطلاع پا کر قلبی خوشی محسوس کریں۔

اعلاء السنن کی تخریج میں میرا طریقۂ کار

اس کتاب کی پہلی دو جلدوں میں تخریج کے حوالے سے جہاں تک میری کاوش کا تعلق ہے، وہ ان نکات سے واضح ہے:

۱۔ میں نے مؤلف علام کے اس مسودہ کا موازنہ کیا ہے جس میں انہوں نے "الاستدراک الحسن" کو مطبوعہ اصلی شکل میں موجود "احیاء السنن" میں بڑی خوبی سے شامل کیا ہے اور اس کی تصحیح بھی کی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۔ کتاب میں اکثر مقامات پر جن نصوص کا حوالہ لگایا گیا ہے، ان کا موازنہ کیا ہے، اور جہاں کہیں روایات میں اختلاف تھا اسے واضح کیا ہے۔

۳۔ مؤلف علام رحمہ اللہ نے قاری کی وسعت علمی پر اعتماد کرتے ہوئے مذاہب فقہاء کی تنقیح کا اہتمام نہیں کیا تھا، میں نے ہر باب کے شروع میں معروف معتبر کتابوں سے مذاہب کو نقل کرتے ہوئے جملہ مذاہب فقہاء کو تعلیقات کی شکل میں ذکر کر دیا ہے، تاکہ یہ مجموعہ قاری کی تمام ہی ضروریات کو بدرجۂ اتم حاوی ہو اور اسے دوران مطالعہ کسی اور کتاب کی طرف مراجعت کی ضرورت نہ رہے۔

۴۔ مؤلف رحمہ اللہ نے اس کتاب میں حوالہ کے طور پر جن کتبِ مراجع کا صفحہ نمبر ذکر کیا ہے، وہ بالیقین مطابع کے اختلاف سے بدل جاتا ہے، چنانچہ میں نے اپنی ان تعلیقات میں اس جیسی تمام عبارات کے ساتھ متعلقہ ابواب یا حدیث کے نمبرات یا فصول کی وضاحت اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے کی ہے کہ مطابع کے اختلاف سے ان میں تبدیلی واقع نہ ہو، الا یہ کہ کوئی مقام ایسا ہو جو پہلے ہی مکمل طور پر واضح ہو۔

۵۔ جس دور میں یہ کتاب تالیف ہوئی، متعدد کتب حدیث مطبوعہ شکل میں موجود نہیں تھیں، جیسے مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، صحیح ابن خزیمہ و دیگر کتب، چنانچہ مصنف نے مجبوراً ان کتب میں مذکورہ احادیث کو بھی دیگر کتبِ حدیث سے ہی لیا ہے۔ لہٰذا نصوص احادیث کی طرف مراجعت کے دوران میں نے جہاں کہیں اضافی فائدہ محسوس کیا، کتاب میں اپنی تعلیق کے ضمن میں ذکر کر دیا ہے۔

۶۔ بعضے مقامات پر ایسی عبارتوں کا اضافہ بھی کیا ہے جو مؤلف رحمہ اللہ کی تحریر پر واضح تائید کا درجہ رکھتی ہیں، نیز بعض مقامات پر فوائد یا مختصر نقد بھی ذکر کر دیا ہے۔

اس کتاب پر تخریج کے حوالے سے یہ ایک مختصر روئیداد تھی، اس موقع پر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنے للّٰہ فی اللّٰہ برادرِ عزیز، نیک و کار نوجوان سالہ فاضل مولانا محمد اسحاق جہلمی کا شکریہ ادا کروں کہ انہوں نے عملی کام کے اس پورے دورانیہ میں نصوص کے موازنہ، حوالہ جات کی تلاش اور مطبوعہ مواد کی مکمل تصحیح میں قدم بقدم معاونت کی، اگر ان کی مساعدت نہ ہوتی تو اس مختصر مدت میں میرے لیے اس وقت طلب کام سے فراغت نہیں ہو سکتی تھی، فجزاہ اللہ خیرا واجزل اجرا ووفقہ لما یحبہ ویرضاہ۔ آمین

toobaa-elibrary.blogspot.com

اخیراً یہ کہ میں اپنی کم ہمتی وعلمی زادِ راہ کی کمی کا بزبانِ حال ومقال معترف ہوں کہ کماحقہ اس عظیم القدر کتاب کا حق ادا نہیں کرسکا، تاہم اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ اس نے ان تعلیقات کو منصۂ شہود پر لانے کی توفیق بخشی، اگر اس خدمت میں کوئی فائدہ کا پہلو ہے فھو من اللہ، جہاں کہیں غلطی سرزد ہوئی ہے فھو منی ومن الشیطان وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

۸؍ربیع الاول ۱۳۹۶ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

عالم اسلام کی معروف و مقبول شخصیت

محترم ڈاکٹر یوسف القرضاوی

عصر حاضر کی چوٹی کی شخصیات کے مجموعہ تحاریر بعنوان

"یوسف القرضاوی"

کلمات فی تکریمہ و بحوث فی فکرہ فقھیہ مھداۃ الیہ مناسبۃ

بلوغہ السبعین کی مناسبت سے نشر ہونے والا مقالہ... اس تحریر کے حوالے سے

کلیۃ الشرعیہ جامعہ قطر میں فکرا جاگر ہوئی، یہ وہ وقت تھا جب کہ شیخ قرضاوی کے

نیک و کار صاحبزادے ڈاکٹر علی الاحمدی وہاں کے نگران اعلیٰ تھے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

عالم اسلام کی معروف و مقبول شخصیت

محترم ڈاکٹر یوسف القرضاوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ، اَمَّا بَعْدُ!

۱۹۷۴ء میں جب حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوئی اور میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی معیت میں رابطۃ العالم الاسلامی کی طرف سے مساجد کے حوالے سے منعقد کردہ مؤتمر العالمی کے اجلاس میں حاضر ہوا۔ اس دوران ہم مسجد الحرام کے قریبی ہوٹل میں مقیم تھے، ایک دن میں اپنے کمرے سے حرم کی جانب اتر رہا تھا اور لفٹ میں داخل ہوا ہی چاہتا تھا کہ اچانک میری نظر ایک انتہائی باوقار شخصیت پر پڑی، جن سے علمی وجاہت و متانت اور علم وعمل کے ملے جلے آثار نمایاں طور پر ظاہر ہورہے تھے، ان کی جیسے ہی مجھ پر نظر پڑی، سلام میں پہل کرتے ہوئے آگے بڑھے اور میری کم سنی کے باوجود نہایت شگفتہ چہرے کے ساتھ پُرتپاک انداز میں ملے، جب میں نے سلام کا جواب دیا تو وہ انسیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے وطن اصلی اور حاضری کی غرض سے متعلق باتیں دریافت کرنے لگے، سچ پوچھیے تو مجھے ان کا یہ مزاج و مزاق اور رویہ اس لئے اجنبی معلوم ہوا کہ میں نے بالعموم عرب بھائیوں کی مقتدر شخصیات کو دیکھا ہے کہ عجمی لوگوں کو زیادہ ترمنہ نہیں لگاتے لیکن اس کریم النفس اور متاثر کن شخصیت نے کھلے دل سے مجھے مخاطب کیا، حالانکہ وہ مجھ سے عمر میں بھی کافی سینئر اور بڑے تھے۔

اس محبت اور شفقت بھرے انداز نے مجھے ان کی طرف حد درجہ مائل، غایت درجہ مانوس، ان کے اخلاق کریمانہ کا کامل درجے میں معترف اور روحانیت کے اس احساس کا کامل درجہ میں قدردان بنادیا جو ان میں بدرجہ اتم موجود ہونے کے باعث ان کی شخصیت سے چھلکتی تھی، حالانکہ تاحال میں ان کے نام یا علمی قدر و منزلت اور عمل کی بلندی سے خاطر خواہ متعارف بھی نہیں ہوا تھا اور جب میں نے انہیں اپنے والد ماجد مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی معیت میں اس کانفرنس میں آنے کی غرض بتائی تو انہوں نے از خود یہ بتایا

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہ والد محترم کی بعض تحریریں ان کی نظر سے گزری ہیں، جس کی وجہ سے وہ ان سے واقف ہیں، ان کی اس وقت ذکر کردہ مجملہ تحریروں میں حضرت والد صاحب کے ہر دو مقالے "توزیع الثروۃ فی الاقتصاد الاسلامی" اور "البعث الاسلامی" قابل ذکر ہے، جو انہوں نے مطالعہ کیے اور انہیں بے حد پسند آئے، کیوں کہ اس میں ایسی بحثیں ہیں جو نہایت خوبصورت اسلوب میں ایک منفرد فکر کی ترجمانی کرتی ہیں، یہاں سے مجھے ایک اور اندازہ ہوا کہ وہ ان تمام علم دوست علماء سے بے حد محبت کرنے والے ہیں، اگرچہ ان کا علمی قد کاٹھ عرب دنیا کی سرحد سے باہر ہی کیوں نہ ہو، جس کے بعد ان سے محبت میں اور اضافہ ہوا، اور میں نے ان سے ان کا اسم گرامی پوچھا تو انہوں نے نہایت شگفتگی کے ساتھ جواب دیا "یوسف القرضاوی"

عظیم مبلغ و داعیِ اسلام علامہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی سے یہ میری سب سے پہلی ملاقات تھی (حفظه الله تعالىٰ فى عافية سابغة ورفاهية دائمة) جن کی گرانقدر کتابوں سے میں غائبانہ طور پر متعارف تھا، لیکن اب ان کی پر نور شخصیت، کریمانہ اسلامی اخلاق اور تواضع وفنائیت کے بلند مرتبہ پر فائز ہونے کے عملی مشاہدہ کے بعد انہیں زیادہ قریب سے جاننے کا موقع ملا، گوکہ یہ چند منٹ کی مختصر ملاقات تھی جس میں ہم ایک ساتھ نیچے کی طرف اترے اور حرم کی طرف گئے، لیکن در حقیقت یہی مختصر ملاقات بعد میں جاکر پے در پے ملاقاتوں کا ایک ذریعہ و مقدمہ ثابت ہوئی اور میں عالم اسلام کے مختلف ممالک میں منعقد ہونے والے بین الاقوامی اجتماعات و کانفرنسز میں ان سے ملاقات سے مشرف ہوا چنانچہ ان کا پاکستان کا دورہ ہوتا یا میرا قطر کا سفر، بہر حال باہمی علمی و اصلاحی نوعیت کی مجلس ضرور ہوا کرتی، حتّٰی کہ اسی باہمی تعلق اور آپس میں مل جل کر دینی خدمات کا یہ سلسلہ اس قدر آگے بڑھا کہ ہم متعدد اسلامی و فلاحی تنظیموں کی طرف سے اجتماعی دوروں پر جانے لگے اور باہمی کام کی نوعیت اس قدر مربوط ہوئی کہ یوں معلوم ہوتا جیسے ہم ایک ہی خاندان کے دو فرد ہیں، اس طرح قریب سے قریب تر ہو کر ان کے بارے میں اور زیادہ جاننے کا موقع ملا اور جیسے جیسے ان کی کمال درجہ صفات کا علم ہوتا گیا ان سے عقیدت و محبت بڑھتی چلی گئی اور ان کے عظیم الشان علمی کارناموں، دینی و فلاحی جدوجہد اور متنوع محاذوں پر ملت اسلامیہ کے دیرینہ معاملات کی اصلاح و درستگی کے سلسلے میں آپ کی قابل قدر کاوشوں کا اندازہ ہوتا چلا گیا۔

مجھے اپنے ان بھائیوں کے اس مبارک اقدام سے انتہائی مسرت ہوئی کہ وہ شیخ یوسف قرضاوی کے علمی کارناموں اور دعوت و تحقیق سمیت تعلیمی کارناموں کے اعتراف میں ایک دستاویز شائع کر رہے ہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور اس ضمن میں انہوں نے مجھ سے بھی یہ مطالبہ کیا کہ میں علامہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی جیسی مقتدر شخصیت کے حوالے سے کچھ تحریر کروں، تاکہ وہ بھی اس کتاب کا حصہ بن سکے، لیکن پے در پے مشغولیات اور کاموں کے ہجوم کی وجہ سے گو کہ فی الحال میرے لیے ان کی جملہ تحریروں کا تجزیاتی مطالعہ مشکل ہے، تاہم اس امید کے ساتھ کہ اور لوگ اس عظیم القدر خدمت کے لیے ضرور آگے بڑھیں گے، اس تفصیلی تجزیاتی مطالعہ کی بجائے اختصار کے ساتھ اپنے کچھ تاثرات ضرور پیش کرنا چاہوں گا کیوں کہ ما لا یدرك كله لا یترك كله (اگر پورا نہیں تو تھوڑا ہی صحیح)۔

محترم ڈاکٹر قرضاوی اپنی چھوٹی بڑی اسی (۸۰) سے متجاوز گرانقدر تالیفات و تصنیفات کے ساتھ اسلامی کتب خانوں پر چھائے نظر آتے ہیں اور شاید یہ کہنا مبنی بر مبالغہ نہیں کہ مسلم دنیا سے متعلق عصر حاضر کا کوئی اہم موضوع نہیں جس پر شیخ قرضاوی نے اپنی تالیفات، محاضرات اور خطبات کے ذریعہ کلام نہ فرمایا ہو اور یہ ایک ایسا ناقابل تردید دعویٰ ہے، جسے جھٹلانا عصر حاضر کے چند ایک قلمکاروں و نامہ نگاروں کے علاوہ کسی بھی علم دوست شخص کے لیے ممکن نہیں۔

سب سے پہلی ان کی تالیف جس کے بالاستیعاب مطالعہ کا موقع ملا وہ اپنے موضوع کو حاوی اور گرانمایہ کتاب "فقه الزكاة" تھی، مجھے مؤلف علام کے اس عظیم الشان اور حد درجہ مفید علمی انسائیکلوپیڈیا سے بھرپور استفادہ کا موقع میسر آیا، جس میں مؤلف نے اسلام کے اس دوسرے رکن کی اس قدر بڑے پیمانہ پر قابل قدر خدمت کی ہے جس کی انفرادی و اجتماعی سطح پر زکوٰۃ کی تطبیق و تنفید کے معاملے میں امت مسلمہ کو ضرورت تھی، اس مجموعہ میں ایک انوکھے و اچھوتے اندازِ بیان کے بھرپور ملکہ کے ساتھ علمی دنیا میں مؤلفِ علام ایک عبقری شخصیت ہونے کی حیثیت سے نکھر کر سامنے آتے ہیں، کیوں کہ یہ تحریر محض زکوٰۃ کے مسائل اور اس مؤلفِ علام کی کی تدوین کو حاوی نہیں ہے، بلکہ اس میں عصر حاضر کی ایسی انوکھی اور منفرد مباحث ہیں، جن پر ان سے پہلے کسی نے قلم نہیں اٹھایا اور فقہ و اصول فقہ کے مدون قواعد کی ایسی خوبی سے تطبیق دی گئی ہے جس کی مثال خال خال ملتی ہے، اس کتاب کے دو پہلو بالخصوص قابل ذکر ہیں:

(۱) فاضل مؤلف وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے اس قدر بسط و تفصیل کے ساتھ زکوٰۃ کے مسائل کی عصر حاضر میں عملی تطبیق کے موضوع پر کلام فرمایا ہے کہ اس ضمن میں شاید ہی کوئی نو وارد مسئلہ رہا ہو جس پر اس کتاب میں کتاب و سنت یا سلفِ صالحین وائمۂ مجتہدین کی تطبیقات سے مستنبط احکام

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہایت ضبط و ترتیب کے ساتھ موجود نہ ہو۔

(۲) یہ کتاب اگرچہ صرف زکوٰۃ کے موضوع سے متعلق ہے، لیکن عصر حاضر کے جملہ فقہی موضوعات میں سے کسی بھی فقہی موضوع کا تعاقب مقصود ہو، مؤلف نے نہ صرف یہ کہ اس کے لیے راہیں کھول دیں ہیں، بلکہ انہیں اپنے نور علم سے مستنیر بھی کر دیا ہے، جس کے بعد یہ کتاب فقہ کی درس و تدریس کے لیے ایک قابل تقلید نمونہ کی حیثیت اختیار کر گئی ہے، جس میں مؤلف نے عملی طور پر روانی انداز میں شرح فرمائی ہے کہ فقہ اسلامی کے پر ہجوم اور پیچیدہ مسائل کے مجموعہ سے کس طرح خوش اسلوبی کے ساتھ یہ مطلوبہ موتی چنے جاتے ہیں اور قدیم مصادر و مراجع سے عصر حاضر کے نوادر مسائل کی پیچ در پیچ گتھیوں کو کس مہارت سے سلجھایا جاتا ہے؟ اور پرانی کتابوں سے قدیم زمانے کے پیش آمدہ امثال و نظائر میں آج کے نت نئے مسائل کا استنباط کس انداز سے کیا جاتا ہے؟

میں یہ بات پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ شیخ قرضاوی عہد حاضر کی کثیر التصنیف شخصیت ہیں، اگر غور کیا جائے تو محض تصنیفات و تالیفات کی کثرت میں اور لوگ بھی ان کے ساتھ شریک ہیں، لیکن اس ضمن میں ان کے لیے لائق تحسین و قابل ستائش اور قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ تصنیفی دنیا میں وہ روایتی طرز کے راہی نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ کسی پرانے گھسے پٹے موضوع پر کسی مؤلف کا قلم اٹھا لینے کا کیا فائدہ؟ جبکہ مؤلف نے اس میں ایسی نئی تحقیق یا اپنی فنی مہارت کا مظاہرہ نہ کیا ہو، کیوں کہ یہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کا نام مؤلفین کی فہرست میں کسی نہ کسی درجے میں آجائے؟ جس کا عملی دنیا میں کوئی فائدہ نہیں لہٰذا اگر کوئی واقف علوم اسلامیہ کی علمی خدمت کی غرض سے اس میدان میں قدم رکھتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ایسے جدید موضوعات و متعلقہ مباحث سے لیس ہو جو حقیقی معنوں میں اس خلاء کو پر کر سکے، جس کی فی زمانہ ضرورت ہے، یا کسی قدیم موضوع کی ان شاہراہوں کے گرد قندیلیں روشن کرے، جو گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوبی ہوئی ہیں، یا غور و فکر اور فکری جنگ کا کوئی نیا محاذ فتح کرے، یا پہلے ہی سے علم سے لدے ہوئے علم دوست قاری کے علم میں اس طرح اضافہ کرے جو علمی دنیا میں صحیح معنوں میں "اضافہ و افادہ" شمار ہوتا ہو، اگر اس زاویے سے شیخ قرضاوی کی عبقری شخصیت کا مطالعہ کیا جائے تو شیخ کی تحریریں اس طرح کے نو بہ نو "افادات" سے بھری ہوئی ہیں، اور موضوعات کے اعتبار سے وہ بالعموم ایسے انوکھے موضوع کا انتخاب کرتے ہیں جس طرف عام طور پر مؤلفین کی توجہ بھی نہیں جاتی، جیسے ان کی عجیب و غریب و منفرد تالیف " فی فقہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

الأولويات" ہی کو لے لیجیے کہ جس میں انہوں نے اسلام کے رہنما اصولوں میں سے اہم ترین اور قابل ذکر اصولوں پر بالتفصیل روشنی ڈالی ہے، جن سے نہ صرف یہ کہ اکثر عوام غافل ہیں بلکہ علماء اور دعوت وفکر کا حامل طبقہ بھی لاعلم نظر آتا ہے اور یہ معمولی نوعیت کے بھی نہیں بلکہ ان کی طرف توجہ نہ ہونے سے مسلم قوم بڑے فتنوں میں مبتلا ہوئی ہے، نہ صرف یہ کہ مؤلف نے اس زاویہ فکر سے یہ مستقل کتاب لکھی ہے بلکہ انسان جب ان کی اس جیسی کتابوں کو پڑھتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ مؤلف نے ایسے افکار ونظریات سے پردہ اٹھایا ہے جو ایک زمانہ طویل سے لوگوں کے ذہنوں سے اوجھل تھے، اور ان مباحث کے ساتھ انہیں فصاحت لسانی کے ساتھ قلمبند کیا ہے، اور ضبط وترتیب کا ایسا اسلوب اختیار کیا ہے، جس کا نفع عام وتام ہو۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شیخ قرضاوی کوئی پرانا موضوع لیتے ہیں اور اس کی نئی راہوں کی طرف اپنے مخصوص انوکھے اسلوب میں متوجہ کرتے ہیں، جیسے ان کی ایک اور کتاب "السنة مصدراً للمعرفة والحضارة" ہے، جس میں انہوں نے سنن نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کو جمع فرمایا، انہیں مختلف ابواب میں تقسیم کیا ہے اور نت نئے عناوین سے اس اچھوتے انداز میں ترتیب دیا ہے کہ ہر قاری کے سامنے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ سنت نبویہ علی صاحبہا السلام ہمارے تمام ہی اہم امور میں زندگی گزارنے کا اعلیٰ ترین معیار ہے، چاہے وہ انفرادی معاملات ہو، اجتماعی ہو یا معاشرے کے جدید سے جدید مسائل ہوں۔

نیز میں فقہ اسلامی کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں، لیکن محترم ومکرم ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی قابل قدر کتابوں سے کافی استفادہ کا موقع ملا ہے اور ان کی گرانقدر تحریروں کا بجا طور پر معترف ہوں، تاہم ان کی تحریروں میں یا بعض جزوی مسائل ایسے بھی ملے ہیں، جن میں ان کے اخذ کردہ نتائج سے میں پوری طرح متفق نہیں ہوں، لیکن اجتہادی مسائل میں اس طرح کے اختلافات کا ہونا ایک طبعی امر ہے، جس کے خلاف اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ اہل علم عقل وشعور اور امانت ودیانت کا دامن تھامے رکھیں، اور یہ جزوی نوعیت کی چیزیں ان کی کتابوں کی اہمیت اور عملی حیثیت سے ان کی قدر وقیمت کو ذرہ برابر کم نہیں کرتی، بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ ڈاکٹر قرضاوی تشنہ لب محققین کو اپنی تحقیقات و تدقیقات سے سیراب کرنے کے لیے اسلامی کتب خانوں پر بڑی حد تک اثرانداز نظر آتے ہیں، اور طلباء وعلماء سمیت دیگر لوگوں کی علمی ضرورت کو بدرجہ اتم پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اہل نظر اور ارباب فکر کے لیے نت نئے موضوعات کا دروازہ کھولتے ہیں۔ فجزاه الله تعالىٰ خيرا واجزل له اجراً

toobaa-elibrary.blogspot.com

بس اس سے بڑھ کر میرے پاس الفاظ نہیں کہ شیخ ڈاکٹر یوسف قرضاوی کی شخصیت میری نظر میں اس سے کہیں بڑھ کر ہے جو میں نے ان کی کتب اور تالیفات کے ذکر کے ضمن میں بیان کیا ہے اور جہاں تک ہم مشاہدہ کرتے ہیں تو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جس کسی کو اپنی تحریروں میں بلند تر افکار اور بیانات وخطبات میں اونچے نظریات مقدر آتے ہیں تو وہ اپنی معاشرتی زندگی (سوشل لائف) میں عامۃ الناس سے زیادہ کوئی بلند درجہ پر فائز نہیں ہو پاتا بلکہ بلند درجہ تو کجا، کبھی ان سے بھی زیادہ نچلی سطح تک پہنچ جاتا ہے، اس ضمن میں جہاں تک علامہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی کو دیکھیں تو اللہ تعالیٰ نے سفر وحضر میں طویل تر اور پے در پے ملاقاتوں کے دوران نہایت مفید صحبت ومرافقت اور مجالست ومصاحبت سے بہرہ مند فرمایا اور میں نے ان کی شخصیت کو ایک ممتاز، مثالی، اسلامی اور قد آور شخصیت کے روپ میں قریب سے دیکھا اور اس کا بخوبی ادراک کیا کہ وہ مسلمان ہونے سے پہلے ایک اچھے انسان ہیں اور اسلام کے داعی ہونے سے پہلے دین پر کاربند ایک عظیم مسلمان ہیں اور ایک عالم دین وفقیہ ہونے سے پہلے ایک عظیم القدر اسلام کے داعی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی حیات طیبہ کو اور دراز فرمائے اور ایک قیمتی سرمایہ ہونے کی حیثیت سے اسلام اور مسلمانوں پر ان کا سایہ تادیر قائم رکھے اور ان کے فیوض وبرکات سے اسلامی اور مسلم دنیا کو محروم نہ فرمائے۔ والحمد للہ اولاً وآخراً

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

عراقی وفد کی دارالعلوم آمد پر پیش کیا گیا سپاس نامہ

محرم الحرام ۱۴۰۵ھ کو جمہوریہ عراق کے وزیر اوقاف محترم سید عبداللہ عباس کی مع وفد دارالعلوم کراچی آمد پر کہے گئے ترحیبی کلمات

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین وعلیٰ کل من تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین، اما بعد!

بلاشبہ ہمارے قلوب مسرت وفرحت اور خوشی وشادمانی کے جذبات سے معمور ہیں اور ہم اس مبارک جگہ اس کے برملا اظہار کرتے ہوئے، جمہوریہ عراق کے وزیر اوقاف محترم ومکرم جناب سید استاذ عبداللہ فاضل عباس اور ان کے قابل قدر وفد میں شامل ہمارے شیخ عظیم محقق، علم وعلماء کی آنکھوں کی ٹھنڈک فضیلۃ الاستاذ شیخ عبدالفتاح ابوغدۃ حفظھم اللہ فی عافیۃ تامۃ ورفاھیۃ سابغۃ کو تہِ دل سے خوش آمدید کہتے ہیں، متعنا اللہ بطول حیاتھم اجمعین

محترم المقام مہمانانِ گرامی!

ہم آپ حضرات کو تہِ دل سے خوش آمدید کہتے ہیں اور قلب وروح کی گہرائیوں سے اظہار تشکر کرتے ہیں اور ہدیۂ سلام پیش کرتے ہیں۔

ہم آپ حضرات کے انتہائی ممنون ہیں کہ آپ نے اپنی زیارت سے ہمیں شرف بخشا اور اپنی آمد سے ہمیں سعادت ورحابت کا پیغام دیا، آپ حضرات وہ اولین شخصیات ہیں جن کی زیارت سے ہم محرم الحرام کے اس اسلامی قمری سال کا آغاز کر رہے ہیں اور یہ نیک فال لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کے ذریعے اس نئے سال کو اسلام اور مسلمانوں کے لیے خوب خوب مبارک، امن وآشتی کا پیامبر، فلاحی ورفاہی خدمات کا حامل اور پوری ملت اسلامیہ کے لیے سلامتی کا باعث بنا کر ہم سب کو اپنا مقبول ومحبوب بنائیں گے اور ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعاگو ہیں کہ وہ اس نیک فال کو ہم سب کے حق میں سچ کر دکھائے اور ہمیں ہر طرح کے ظاہری وباطنی بیماریوں سے محفوظ ومامون فرمائے اور ہمارے ذریعے خیر وصلاح اور دعوت اللہ کو دنیا کے چپے چپے میں پہنچادے۔ آمین یا ارحم الراحمین

toobaa-elibrary.blogspot.com

محترم المقام جناب عالی!

دین اسلام اللہ تعالیٰ کا قائم کردہ ایک ایسا مبارک رشتہ ہے جس کے تحت تمام مسلمان اس طرح مربوط اور یکجا ہیں کہ جیسے ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہوں، جس نے شرق و غرب کی پوری مسلم آبادی کو آپس میں بھائی بھائی اور رفیق و دوست بنادیا ہے، اور اس کے بعد گو کہ مسلمان آپس میں جسمانی طور پر کتنے ہی دور ہوں اور ان کا ملک و وطن کتنا ہی مختلف ہو لیکن ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے کبھی اجنبی نہیں رہ سکتا، یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں بسنے اور پاکستانی ہونے کے باوجود ہمارا تعلق عراق اور اہل عراق سے اس درجہ مضبوط بنیادوں پر قائم ہے، جس کی واضح امتیازی شان اور قابل ذکر خصوصیات ہیں اور وہ اس طرح کہ حرمین شریفین کے بعد دنیا بھر میں عراق ہی وہ ملک ہے جس کا سب سے پہلے ہم نے اس وقت سے ہی نام سن رکھا تھا جبکہ ابھی ہم بچپن کی عمر سے گزر رہے تھے، کیوں کہ ہر ایک پاکستانی بچہ حروف تہجی الف، باء سمجھنے کے لیے جو سب سے پہلا کتابچہ اپنے سینے سے لگائے مکتب کا رخ کرتا ہے، اسے ہمارے ہاں "قاعدہ بغدادی" کے نام سے جانا جاتا ہے، اس کے بعد دینی مدارس اور اسلامی جامعات میں ہم جو بھی علوم عربیہ اسلامیہ پڑھتے پڑھاتے ہیں اس کا بیشتر حصہ بھی اہل عراق ہی کا رہین منت ہے۔

ہمارے اس پورے مشرقی خطے میں قرآن کریم کی متواتر قرآءات میں سے جو قرأت رائج اور شائع وذائع ہے وہ امام عاصم کی روایت ہے، جو امام حفص کی روایت سے ہے، اور یہ بلاشبہ اہل کوفہ کی قراءت ہے، گویا ہماری قراءت عراق کی قراءت ہے، پھر ہمارے ان ممالک کے اکثر شہری اپنے فقہی مذہب کی نسبت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف کرتے ہیں لہٰذا ہماری فقہ بھی اہل عراق کی فقہ ہے، اسی طرح ہمارے ان ممالک میں رائج تصوف و سلوک کے چاروں معروف سلسلے حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ پر پہنچتے ہیں، جو بصرہ کے ہیں، جس سے واضح ہے کہ ہمارا تصوف بھی عراقی ہے، اسی طرح ہمارے علوم عربیہ کے طلباء کرام نحو صرف اور ادب عربی پڑھتے وقت بصریین و کوفیین کے اقوال یاد کرتے نظر آتے ہیں، یہاں تک کہ ہمارے اکابر نے عربی شعر و شاعری کا ذوق پیدا کرنے کے لیے جس کتاب کو اپنے نصاب کا حصہ بنایا وہ بھی ایک کوفی شاعر کی دیوان ہے، جسے ابو الطیب المتنبی کہا جاتا ہے، لہٰذا ہمارے عربی اشعار بھی عراقی ہی ہیں، اور آگے جا کے ہمارا طالب علم جب علوم عربیہ سے فارغ ہو کر حدیث نبوی اور اصول حدیث کے فوقانی درجات میں داخل ہوتا ہے تو وہ شرح نخبۃ الفکر میں علامہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ قول ضرور پڑھتا ہے، ان

toobaa-elibrary.blogspot.com

الناس عِیال فی اصول الحدیث علی الخطیب البغدادی کہ لوگ اصول حدیث میں خطیب بغدادی کے خاندان سے ہے اور آخر میں یہ ہے کہ... جو در حقیقت آخری نہیں... قرآن کریم کی سب سے جامع اور منضبط تفسیر جس سے کسی عالم کا گھر خالی نہیں اور جس پر اس خطے کے اکثر علماء دیگر تفاسیر کے مقابلے میں بدرجۂ اتم اعتماد کرتے ہیں، وہ تفسیر روح المعانی ہے، جس کے تحریر کرنے والے بھی عظیم مفسر علامہ آلوسی السید محمود بغدادی رحمہ اللہ ہی ہیں، لہٰذا ہماری تفسیر بھی عراقی ہے۔

مہمانانِ گرامی!

اس تفصیل کے بعد ہم بجاطور پر کہہ سکتے ہیں کہ ہم فقہ، حدیث، قراءت، تفسیر، ادب اور سلوک ہر لحاظ سے عراقی ہیں، اگرچہ عراق ہماری جائے پیدائش نہیں، نہ ہمارا وطن اصلی ہے، اب آپ حضرات بخوبی ادراک کرسکتے ہیں کہ عراق اور اہل عراق سے ہمارا محبت و عقیدت کا یہ تعلق کس انتہاء درجے کا ہے، اسی غایت درجہ محبت و عقیدت کے ساتھ ہم سب اپنے محترم مہمانوں کو دارالعلوم میں ''خوش آمدید'' کہتے ہیں اور یہ ترحیبی کلمات محض رسمی نہیں ہیں، بلکہ یہ الفاظ در حقیقت اہل عراق کے لیے دل کی گہرائیوں سے محبت و عقیدت اور مسرت سے بھرے اِن جذبات کی ترجمانی ہے جو ابتداء آفرینش سے لے کر علوم دینیہ و عربیہ کے منتہٰی تک ہمارے دلوں میں گھول دیے گئے ہیں، ہم اپنے مہمانانِ گرامی کے بے حد ممنون ہیں کہ انہوں نے اپنی زیارت سے اس ادارہ کے اساتذہ، طلبہ اور عملہ کو شرف بخشا، بلاشبہ یہ ادارہ ''دارالعلوم کراچی'' غیر سرکاری اسلامی یونیورسٹیوں میں قدیم ترین تعلیمی ادارہ ہے، جس کی بنیاد پاکستان کی آزادی کی پہلی ہی دہائی میں ہمارے شیخ و والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے رکھی، جن کا شمار برصغیر پاک و ہند کے ان عالمگیر علماء و مشائخ میں ہوتا ہے جنہوں نے اس خطے کو علم اور دین سے جلا بخشی اور خالص اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اپنی زندگیوں کو وقف کردیا، اس ادارہ کے بانی اپنے علم و فضل، تفقہ فی الدین، ورع و تقویٰ، اسلامی مملکت کی آزادی و خود مختاری کے لیے انتھک جدوجہد اور اپنی سو سے زائد علمی و تحقیقی تصانیف سمیت ایک لاکھ سے متجاوز فتاویٰ لکھنے کے حوالے سے اس پورے خطے میں بے حد معروف و مقبول ہیں۔

یہ حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کی فکری گہرائی اور وسیع تر حکمت عملی تھی کہ انہوں نے اس ادارہ کے لیے شہر کے شوروغل سے دور کراچی کے اس آخری کنارے کا انتخاب کیا تاکہ یہاں کے اساتذہ و طلبہ کے لیے ایک پرفضا علمی و دینی ماحول مہیا ہوں اور وہ شہر کے ہنگاموں سے دور رہ کر خالصۃً علم دین کے لیے یکسو ہوسکے، جیسے کہ ہمارے علماء

toobaa-elibrary.blogspot.com

متقدمین مؤسسین مدارس دینیہ کا طرز فکر رہا کہ انہوں نے مدرسہ کی فضا کو خوشگوار اور یہاں کی سرزمین کو سرسبز و شاداب رکھنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی، تاکہ اس علمی طبقہ کی افکار و افکار بھرپور طریقے سے پروان چڑھ سکے۔

بفضل اللہ تعالیٰ و عونہ یہ جامعہ گزشتہ پینتیس سالوں سے خدمت دین اور علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت کے لیے کوشاں ہیں، جس کی طرف نہ صرف یہ کہ پاکستان بلکہ دنیا بھر کے دیگر ممالک سے بھی طلبہ کرام علم کی پیاس بجھانے کے لیے آتے ہیں، جن میں ہندوستان، بنگلہ دیش، برما، ایران، افغانستان، سری لنکا، ملیشیا، انڈونیشیا، ترکی اور ایشیائی ممالک میں سے مملکت عربیہ سعودیہ، مالی، یوگنڈا، کینیا، گھانا، نائجیریا اور افریقہ میں جنوبی افریقہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جبکہ دارالعلوم ان اللہ تعالیٰ کے مہمانوں کے لیے درس و تدریس، قیام وطعام اور دیگر ضروریات بغیر کسی معاوضہ کے بہم پہنچانے کے لیے شب و روز سرگرم عمل ہے۔

الحمدللہ تعالیٰ اس عظیم الشان مردم ساز تعلیمی ادارے سے اب تک ہزاروں کی تعداد میں طلبہ کرام فارغ التحصیل ہو چکے ہیں، جو درس و تدریس، افتاء وارشاد، دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف سمیت دین کے ہمہ جہت شعبوں میں پوری تندہی سے مصروف عمل ہیں۔

ہمارے ہاں جہاں ایک جانب بھرپور تحقیقی بنیادوں پر تخصص فی الافتاء کا شعبہ قائم ہے، وہیں اس شعبہ کے متخرجین کے لیے تدریب افتاء کا بھی جامع نظام موجود ہے اور اس شعبہ کے لیے بھی دنیا بھر سے علماء کرام رجوع کرتے ہیں، نیز جب سے اس خطے کی ریاست حدود اللہ وغیرہ کے قیام کے حوالے سے شرعی عدالتیں بنانے کے لیے دلچسپی ظاہر کر رہی ہیں، دارالعلوم نے باقاعدہ طور پر "قضاء" کے خصوصی کورسز اور دوروں کا بھی اہتمام کیا ہے تاکہ اس شعبے میں بھی افراد سازی ہو سکے۔

اس کے علاوہ یہاں کم سن بچوں کے لیے نرسری اسکول بھی قائم ہے، جہاں انہیں علم دین پڑھانے کے ساتھ ساتھ ان کی خالص دینی تربیت بھی کی جاتی ہے، مزید برآں مدرسہ ابتدائیہ و سیکنڈری اسکول بھی ماہر اساتذہ کی زیر نگرانی قائم ہے، جہاں عصری تعلیم سمیت علوم دینیہ کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔

ہمارے ہاں ایک مستقل شعبہ تصنیف و تالیف، ترجمہ و تعریب اور نشرو اشاعت کے لیے قائم ہے، جہاں سے سینکڑوں کتب، اردو، عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں اور یہ شعبہ مختلف علمی و تحقیقی بنیادوں پر قابل قدر کام کے لیے کوشاں ہے، اس شعبہ سے ہمارا ماہنامہ ترجمان رسالہ "البلاغ" اردو میں نشر ہوتا ہے جو پاکستان کے علمی، دینی اور صحافتی طبقہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

محترم مہمانان گرامی!

یہ اس ادارہ میں ہم سب کی مشترکہ و معمولی سی خدمت کا ایک خاکہ ہے جس کے تسلسل کے لیے آپ حضرات سے دعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو قبولیت اور فلاح و کامرانی سے سرفراز فرمائے۔

بلاشبہ اس ادارے کا تمام تر نظام محض اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق سے چل رہا ہے، جو ہر لحظہ وہر آن اس قدر شامل حال رہتی ہیں جس کا ہم تصور نہیں کر سکتے، ہم اللہ تعالیٰ کا ہر ہر لحظہ ہر آن شکر بجالاتے ہیں کہ وہ اپنے دینی غیرت حمیت سے سرشار بندوں کو اس ادارہ کی طرف متوجہ کرتا ہے، جو اس کی منشاء کے مطابق دارالعلوم کے ساتھ کھلے دل سے تعاون کرتے ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ابتداء ہی سے اس ادارہ کو لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے اور ان کے درپے ہونے سے محفوظ و مامون رکھا ہے اور محض اپنی رحمت وقدرت سے غیور مسلمانوں کے دلوں کو اس ادارہ کی طرف متوجہ کر رکھا ہے۔

گرامی قدر مہمانان گرامی!

ہم جہاں اس ادارہ میں آپ حضرات کو "خوش آمدید" کہتے ہیں، وہیں اس سعی پیہم اور جہد مسلسل کا اعتراف کرتے ہیں اور انہیں سراہتے ہیں جو خالص علم اور دین کی نشر و اشاعت کے لیے آپ حضرات نے صرف کی ہے، بلاشبہ آپ کی وزارت مذہبی امور نے ایسی نادر و نایاب کتابوں کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے جو اس سے پہلے طبع نہیں ہو سکی تھیں، جیسے المعجم الکبیر للطبرانی، شرح ادب القاضی للصدر الشھید، التاج شرح کتاب الخراج لابی یوسف وغیرہ، جن تک رسائی علماء کرام کی ایک دیرینہ خواہش تھی اور ہمیں یہ اطلاع بھی پہنچی ہے کہ اس جیسی سو سے زائد کتابوں کو آپ کی یہ وزارت طبع کروا چکی ہے، شک نہیں کہ یہ ایک عظیم القدر علمی و دینی خدمت ہے جو سالہا سال تک ہمیشہ کے لیے جاری وساری رہیں گی، ہمیں امید ہے کہ اس خطے کے لوگوں کے لیے بھی یہ گرانقدر علمی سرمایہ مہیا کیا جائے گا۔

اخیراً ایک بار پھر میں آپ مقتدر مہمانان گرامی کی آمد کا ممنون ہوں کہ آپ حضرات نے میلوں سفر کی مشقت برداشت کی اور اپنی باعث برکت آمد سے ادارہ سمیت یہاں کے طلبہ، اساتذہ اور عملہ کو اپنی زیارت سے مشرف کیا اور امید ہے کہ آپ حضرات اپنی دعاؤں و نیک تمناؤں میں ہمیں یاد رکھیں گے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مختلف کتب پر تحریر کئے گئے

مقدّمات

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدمہ "احکام القرآن"

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

"قرآن کریم" اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم القدر کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے "خاتم الکتب" ہونے کا اعزاز و امتیاز بخشا ہے، کیوں کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے اس محبوب و آخری پیمبر پر نازل ہوئی جسے اللہ تعالیٰ نے "خاتم النبیین" کے لقب سے ملقب فرما کر ختم نبوت کی مہر ثبت فرمادی اور جملہ آسمانی کتب و مصاحف میں یہ واحد کتاب ہے جس کی تاقیامت حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے، جس میں نہ کبھی ایک جملہ کی تبدیلی ہوسکتی ہے نہ کسی ایک حرف میں کوئی تحریف، یہ وہ منفرد اور یکتائے روزگار کتاب ہے جو اپنے الفاظ و معانی اور کلمات و حروف کے دائمی و ابدی بقاء کے ساتھ تاقیامت بالکل اسی طرح تابندہ و پائندہ رہے گی، جس طرح وہ صاحب کتاب نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، بدلتی دنیا کے بے ہنگم تغیرات سے اس کے عجائب و غرائب میں نہ کبھی انقطاع آسکتا ہے اور نہ ہی کسی تحریف کے نتیجے میں اس کے پُر مغز ابدی و سرمدی پیغام اور فصیح و بلیغ، جامع و مانع عبارات میں کوئی کمی واقع ہوسکتی ہے، جس طرح اس کے الفاظ و عبارات میں کسی قسم کی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں، بالکل اسی طرح گردش زمانہ اور تغیر دوراں بھی اس کے معانی و مفاہیم پر بھی قطعاً اثر انداز نہیں ہوسکتے، یہ ایسی معنیٰ خیز، پُر مغز اور عالمگیر کتاب ہے کہ اس میں بغرض عبرت وہدایت جس قدر بھی غور و فکر اور بحث و تمحیص کی جائے، اس کا ہر ہر لفظ ایک نئے خدائی پیغام کا پتہ دیتا ہے اور ہر جملہ ابدی کامیابی و سرمدی فلاح کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات محکم ہیں، اور ایک حکیم و خبیر ذات کی طرف سے جابجا اس کی توضیح و تشریح کی گئی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس قدر محبوب تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسی امت کو اپنے اس عظیم القدر پیغام کا مخاطب بنایا اور پھر اس کی مزید تشریح و توضیح کے لئے اس امت میں ایسے رجال کار اور عبقری شخصیات کا انتخاب فرمایا، جنہوں نے ہر جہت، ہر گوشہ اور ہر پہلو سے اس کی خدمت کے لیے اپنی زندگیوں کو اس طرح وقف کردیا، جس کی نظیر نہ دنیا کی کسی اور کتاب کے محافظین میں پائی جاتی ہے اور نہ تاقیامت پائی جاسکتی ہے، چنانچہ یہ حضرات اس خدائی پیغام کی تلاوت و قراءت، تجوید و

toobaa-elibrary.blogspot.com

ترتیل، تشریح و تفسیر، استنباط و اجتہاد اور دعوت و تبلیغ کے لئے عمر بھر مشغول عمل رہے، حتیٰ کہ امت مسلمہ کے اکابر علماء و فقہاء جس گہرائی و گیرائی اور باریکی سے اس عظیم کتاب کے علمی فیضان اور عملی واقفیت سے بہرہ مند ہوئے ہیں، ان کی ان گرانقدر خدمات کی تعداد تک معلوم کرنا کسی کے بس میں نہیں، چہ جائے کہ کوئی اس کا ادراک کر سکے کہ اس کے محض پڑھنے اور سمجھنے والے لوگ کتنے ہیں؟

اگر اسلامی کتب خانوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو وہ ہمیں ذخیرۂ کتبِ تفسیر سے پُر نظر آتے ہیں، جو ملت اسلامیہ کے علماء امت کی طرف سے ایک جلیل القدر دینی خدمت ہے، جن میں بعض تفاسیر وہ ہیں جو مطول ہیں اور ان میں جملہ فنون تفسیر سے متعلقہ مباحث بالتفصیل ذکر کی گئی ہیں، اس کے علاوہ تفاسیر کا ایک بیش بہا ذخیرہ وہ بھی ہے جن میں تفسیر کے کسی خاص فن اور پہلو سے بحث کی گئی ہے، جیسے بعض مفسرین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق تفسیر قرآن کے اس گوشہ کا انتخاب کیا جس میں قرآنی کلمات کے معانی و تفسیر، غریب و اجنبی الفاظ کی تشریح، اور نحوی ترکیب کی وجوہ بیان کی جاتی ہے، اسی طرح بعض مفسرین وہ ہیں جنہوں نے اپنی تفاسیر میں ان آثار و روایات کو جمع کیا جو قرآنی آیات کی تفسیر میں وارد ہیں، جبکہ بعض مفسرین نے قرآن کریم میں موجود علم الکلام سے متعلقہ مباحث پر جہد مسلسل صرف کی اور بعض حضرات مفسرین وہ ہیں جنہوں نے نہایت عرق ریزی سے قرآن کریم کے اعجاز اور فصاحت و بلاغت کی وجوہ سے پردہ اٹھایا، اسی طرح بعض دیگر معروف تفسیری پہلوؤں و گوشوں پر لکھی گئی تفاسیر انہی مختلف گوشوں میں سے ایک جلیل القدر، نافع اور عظیم المرتبت تفسیری پہلو قرآن کریم سے احکام شرعیہ کا استنباط و استخراج بھی ہے، اور یہ اس وجہ سے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ یہی احکام شرعیہ در حقیقت قرآن مجید کا وہ پیغام ہے جو انسان کی عملی زندگی کی راہوں کو روشن کرتا ہے اور یہی وہ احکام شرعیہ ہیں جو انسانوں کی روز مرہ زندگی میں پیش آمدہ رقت آمیز اور ہلاکت خیز حالات میں اس کا ہاتھ تھامے اسے ایسی خیر اور ہدایت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جس کے بعد فلاح دارین اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

قرآن کے اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے اکابر علماء امت اور فقہاء دین کی ایک بہت بڑی جماعت عملی میدان میں اتری اور انہوں نے اس اہم ترین موضوع پر ملت اسلامیہ کے لئے کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا، جن میں زیر بحث موضوع پر معروف تالیفات میں سب سے قدیم تالیف "احکام القرآن" ہے، جو امام شافعی رحمہ اللہ کی تالیف ہے اور صاحب "کشف الظنون" کے بقول یہ اس موضوع پر لکھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

جانے والی سب سے پہلی کتاب ہے، لیکن یہ کتاب ہم تک نہیں پہنچ سکی اور جہاں تک "احکام القرآن للشافعی" ہے تو یہ در حقیقت امام بیہقی رحمہ اللہ کی تالیف ہے جس میں انہوں نے امام شافعی رحمہ اللہ کی مختلف کتابوں میں ذکر کردہ قرآنی احکام جمع کیے ہیں۔

موضوع کی اہمیت وضرورت کے پیش نظر ہر مذہب کے فقہاء امت نے "احکام القرآن" کے نام سے متعدد کتب تحریر فرمائیں، جن میں مشہور تالیفات یہ ہیں:

۱) شیخ ابوالحسن علی بن حجر سعدی (التوفی ۲۴۴ھ) کی "احکام القرآن"

۲) قاضی ابو اسحاق بن اسحاق ازدی بصری (التوفی ۲۸۳ھ) کی "احکام القرآن" جو مالکیہ کے طرز پر لکھی گئی تالیف ہے، جس کا امام جصاصؒ اکثر تعاقب کرتے نظر آتے ہیں، اور بکر بن علاء قشیری نے "مختصر احکام القرآن" کے نام سے اس کی تلخیص کی ہے۔

۳) شیخ ابوالحسن علی بن موسیٰ بن یزداد قمی حنفی (التوفی ۳۰۵ھ) کی احکام القرآن۔

۴) امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی (التوفی ۳۷۱ھ) کی احکام القرآن۔

۵) شیخ ابو محمد قاسم بن اصبغ القرطبی النحوی کی الجامع لأحکام القرآن (التوفی ۳۷۱ھ)

۶) شیخ منذر بن سعید بلوطی قرطبی (التوفی ۳۵۵ھ) کی احکام القرآن۔

۷) امام ابوبکر احمد بن علی (التوفی ۳۷۰ھ)، کی احکام القرآن جو جصاص رازی حنفی سے معروف ہیں۔

۸) شیخ امام ابوالحسن علی بن محمد (التوفی ۵۰۴ھ)، کی احکام القرآن، جو الکیا الہراسی شافعی بغدادی سے معروف (اور امام غزالی رحمہ اللہ کے رفقاء میں سے) ہیں۔

۹) قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ (التوفی ۵۹۷ھ) کی احکام القرآن، جو ابن عربی مالکی کے نام سے معروف ہیں۔

۱۰) شیخ عبدالمنعم بن محمد بن فرس الغرناطی (التوفی ۵۹۷ھ) کی احکام القرآن۔

۱۱) شیخ ابو محمد مکی بن ابوطالب قیسی (التوفی ۴۳۷ھ) کی احکام القرآن۔

۱۲) شیخ جمال الدین محمود بن احمد (التوفی ۷۷۰ھ) کی تلخیص احکام القرآن، جو ابن سراج قونوی حنفی کے نام سے معروف ہیں۔

۱۳) علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ (التوفی ۹۱۱ھ) کی الاکلیل فی استنباط التنزیل۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۴) شیخ احمد جونپوری ہندی حنفی جو ملا جیون کے نام سے معروف ہیں، کی "التفسیرات الاحمدیۃ"

۱۵) شیخ سید محمد صدیق حسن قنوجی بخاری رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۰۷ھ) کی "نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام"

۱۶) اس موضوع پر سب سے آخری لکھی جانے والی کتاب شیخ محمد علی صابونی حنفی حفظہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "روائع البیان فی تفسیر آیات الاحکام" ہے۔

اب تک ہمارے علم کے مطابق جو کتب طبع ہوئی ہیں، ان میں امام بیہقیؒ، امام جصاص، علامہ ابن عربی، الکیا الہراسی کی کتابوں سمیت اخیر کی ذکر کردہ چار کتابیں ہیں۔

دائی کبیر اور ہمارے امام حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ احکام القرآن کے موضوع پر ایک مطول کتاب تحریر کرنے کے لئے حد درجہ فکر مند رہے اور ان کا زاویہ فکر اس نوعیت کا تھا کہ ابتدائی طور پر اس کتاب میں حنفیہ کے ان تمام دلائل کو بسط و تفصیل اور استقصاء کے ساتھ یکجا کر دیا جائے جو قرآن کریم سے مستنبط ہیں، اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے حکم پر ہی "اعلاء السنن" تحریر فرمائی، جس میں ذخیرۂ احادیث سے مستنبط حنفیہ کے دلائل بالتفصیل ذکر فرمائے، اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اولاً اس کتاب کا نام "دلائل القرآن علی مذہب النعمان" تجویز فرمایا۔

لیکن بعد میں آپ رحمہ اللہ کو یہ زیادہ مناسب معلوم ہوا کہ یہ کتاب نہ صرف یہ کہ حنفیہ کے دلائل کو حاوی ہو بلکہ آیات قرآنیہ سے مستنبط جملہ علوم وفنون، فقہ و اصول، آداب و اخلاق اور اصلاح و ارشاد سمیت بالخصوص ان جدید مسائل پر مشتمل ہو جو اخیر کے زمانے تک ظاہر ہو رہے ہیں، جن کا متقدمین کے کتب میں معتد بہ کافی وشافی ذکر نہیں ملتا، اسی وسیع تر مفہوم کے مدنظر آپ رحمہ اللہ نے اس کتاب کا نام "احکام القرآن" تجویز کیا۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کی یہی خواہش رہی کہ یہ کتاب بنفس نفیس تالیف فرمائیں لیکن چوں کہ یہ حضرت رحمہ اللہ کی عمر گرانمایہ کا اخیر وقت تھا، چنانچہ ہجوم اشغال اور ضعف قویٰ کے باعث آپ رحمہ اللہ کو اس کا تحمل نہ ہو سکا اور آپ پہلے ہی اپنے خواہر زادہ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کو "اعلاء السنن" پر کام کا حکم فرما چکے تھے، جس کی بحسن وخوبی اور بدرجہ اتم بجاآوری کے لئے آپ نے عملی کاوش شروع فرمادی، لیکن اس بار آپ کو بیرون ملک ایک سفر درپیش تھا، جس کے باعث حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے یہ ارادہ فرمایا کہ "احکام

toobaa-elibrary.blogspot.com

القرآن" پر بلا تاخیر جس قدر جلد ممکن ہو سکے، کام ہو جانا چاہیے، چنانچہ انہوں نے اپنے ان چار احباب خصوصی اکابر علماء کو یہ کام سپرد فرمایا۔

(۱) محقق عظیم علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (۲) میرے والد ماجد فقیہ ملت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ (۳) محدث عظیم علامہ و مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (صاحب التعلیق الصبیح) (۴) علامہ و مولانا شیخ مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ اور قرآن کی منزلوں کو ان چہار حضرات پر تقسیم فرمادیا جس کے بعد یہ حضرات مقرر کردہ حصہ پر کام کے لئے گویا وقف ہوگئے، اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ وقتاً فوقتاً ان حضرات کو "تھانہ بھون" بلاتے اور بقدر ضرورت ان کے کام کی مراجعت فرماتے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ نے اس مبارک کام پر حد درجہ توجہ مرکوز رکھی اور نہ صرف یہ کہ باقاعدگی سے نظر ثانی فرماتے رہے بلکہ اگر کہیں کوئی کمی محسوس کرتے تو اس کی طرف رہنمائی فرماتے اور تصحیح و تعدیل کا اہتمام کرتے، اسی طرح اس کتاب کی ایک عظیم الشان امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس پر اپنے وقت کے مجدد حضرت تھانویؒ کی نظر ثانی ہوئی ہے اور یہ کتاب آپ کی گرانقدر فکر کا آئینہ دار ہے، جس کے حوالے سے آپ رحمہ اللہ مسلسل فکر مند رہے کہ کس طرح یہ کتاب زیادہ سے زیادہ نفع بخش اور فائدہ مند ہو کر تمام تر علوم قرآنیہ کو حاوی ہو، حتیٰ کہ یہ فکر بایں طور شاملِ حال رہتی تھی کہ دوران تلاوت یا غور و خوض کرتے ہوئے کسی آیت سے کوئی ادنیٰ سا استنباط بھی قلب پر وارد ہوتا تو مذکورہ ہر چہار علماء میں سے جس کسی کے مقررہ حصے سے متعلق وہ آیت ہوتی انہیں جلد مطلع فرماتے، جس کے بعد یہ حضرات اس آیت سے متعلقہ تحریر کردہ تفسیر کے ضمن میں اس کا اضافہ کردیتے جس سے نہ صرف یہ کہ اس آیت کی مزید تفسیر ہو جاتی بلکہ آپ کے اس توجہ دلانے کی وجہ سے دیگر شواہدات و تفریعات کی راہیں بھی ہموار ہوتیں۔

اسی حوالے سے مجھے اپنے شیخ اور حضرت تھانویؒ کے خلیفہ اجل عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ انہوں نے حضرت تھانویؒ کو مرض وفات میں بارہا دیکھا، جبکہ آپؒ کی بیماری و ضعف اپنے منتہیٰ کو پہنچ چکے تھے کہ آپ اپنی چارپائی پر لیٹے ہوئے ہوتے اور آنکھیں بند ہوتیں، پھر یک دم سے آنکھیں کھولتے اور کمرے کے چاروں طرف اسی طرح دیکھتے جیسے کسی کو ڈھونڈ رہے ہوں، پھر فرماتے "مفتی محمد شفیع کہاں ہے؟ چوں کہ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ دوسرے کمرے میں اسی احکام القرآن کی تالیف میں مشغول ہوتے تھے، لہٰذا حاضرین میں سے کوئی فوراً جا کر حضرت مفتی صاحبؒ کو بلا لاتا، پھر حضرت تھانویؒ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان سے فرماتے کہ ابھی ابھی توجہ ہوئی کہ فلاں آیت سے فلاں مسئلہ مستنبط ہوتا ہے، حضرت مفتی محمد شفیعؒ اسے بطور یادداشت اہتمام سے تحریر فرمالیتے اور بعد میں مقررہ جگہ پر اضافہ فرمادیتے، اس تفصیل سے آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ اس کتاب کی تکمیل کے لئے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے کس قدر توجہ اور اہتمام فرمایا، جیسے قرآن کی یہ عظیم خدمت کی فکر آپ رحمہ اللہ کے دل کی دھڑکن کے ساتھ چل رہی ہو اور زاویہ فکر ہر وقت اسی طرف مرکوز ہو، حتیٰ کہ بستر مرگ پر بھی اگر فکر لاحق رہی تو وہ یہی تھی۔ رحمہ اللہ وطیب ثراہ۔

اس طرح حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس کا پہلا حصہ سورۃ البقرۃ تا سورۃ النساء تحریر فرمایا، اور مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی حفظہ اللہ (جواب رحمہ اللہ ہوگئے) نے سورۃ یونس تا سورۃ النحل تک مسودہ تحریر فرمایا، نیز مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے سورۃ الشعراء سے سورۃ النحل تک کے حصے پر کام کیا۔ جبکہ مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے سورۃ ق سے سورۃ الناس تک کا آخری حصہ تالیف فرمایا۔

مذکورہ چاروں حضرات میں سے آخر الذکر دو علماء نے اپنے مقررہ حصے مکمل کیے اور اول الذکر دو حضرات اپنے مقررہ حصہ کی تکمیل نہ فرماسکے، اور ان ہر دو حضرات نے نصف حصہ تحریر فرمایا اور بقیہ نصف حصہ ہجوم مشاغل، مقررہ حصہ کے طویل ہونے اور بالخصوص پاکستان کی طرف ہجرت کرتے وقت دیگر مہاجرین کی طرح ان دونوں حضرات کو بھی پیش آمدہ مشکلات کے باعث بقیہ نصف حصے کی تکمیل نہ فرماسکے اور افسوس کہ اس کتاب کے یہ دو حصے باقی رہ گئے۔

(۱) سورۃ المائدہ تا سورۃ التوبۃ

(۲) سورۃ بنی اسرائیل تا سورۃ الفرقان

اس طرح اس کتاب کا یہ حصہ تحریر کردہ مسودات کی شکل میں سالہا سال تک اہل علم و ہنر کے لئے ایک وسیع تر میدان عمل ہونے کی حیثیت سے قرآنی خدمت کے ایک عظیم موقع کے طور پر علی حالہ موجود رہا اور جب کچھ زیادہ ہی عرصہ بیت گیا اور اہل علم میں سے کوئی بھی اس خلا کو پُر کرنے کے لئے آگے نہ آسکا تو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی طرف سے کتب کی نشر و اشاعت کے منتظم مولانا شبیر علی تھانوی رحمہ اللہ کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ مسودہ ضائع نہ ہوجائے، چنانچہ انہوں نے محض اس غرض سے کہ یہ مسودات ضائع نہ ہوں اور کسی نہ کسی درجے میں اہل علم کے پاس محفوظ ہوجائیں انہیں ترجیحی بنیادوں پر طبع کروادیا، چوں کہ اس سے غرض محض حفاظت تھی، اس لئے طباعت کے وسائل ناکافی ہونے کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

باعث یہ عظیم علمی سرمایہ معمولی معیار کی کتابت اور بہت ہلکے کاغذ پر چھپ کر منظر عام پر آیا لیکن اس میں بھی حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ کا تحریر کردہ دوسرے حصہ کا مسودہ حوادث زمانہ اور تغیر دوراں کے باعث بہت بوسیدہ ہو چکا تھا، جس کی تبییض کی اشد ضرورت تھی، لیکن شیخ رحمہ اللہ کو کوئی ایسا شخص میسر نہ آسکا جو اس کی تبییض کرتا، چنانچہ اس حصہ کی طباعت ان کے لئے ممکن نہ ہو سکی۔

بہر حال معمولی کتابت اور ہلکے کاغذ پر ہی سہی، ان مطبوعہ حصوں کو منصۂ شہود پر لاکر مولانا شبیر علی تھانوی رحمہ اللہ نے اس گرانمایہ علمی ذخیرے کو علم کے قدر دانوں تک پہنچا کر اس طبقہ کی طرف سے ایک بہت بڑا قرض چکا دیا اور یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اگر مولانا شبیر علی تھانوی رحمہ اللہ اس وقت اس کی طباعت کی فکر نہ فرماتے تو ہم اس عظیم علمی سرمائے سے محروم ہو جاتے جو حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی دیرینہ تمنا رہی۔

بلاشبہ اس عظیم کتاب کا علم کے ان قدردانوں تک پہنچانا مولانا شبیر علی کا رہین منت ہے، جو علم کو اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھتے ہیں، اور علمی ذخائر کو قدر و اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جن کے پیش نظر علم کی قدر و منزلت اس درجہ ہوتی ہے کہ وہ کتابوں پر چڑھے چاندی کے اوراق کی مانند غلاف اور دیدہ زیب سنہرے سرورق کی چکا چوند سے محظوظ ہونے کے بجائے کتاب کے اندر موجود پُر مغز مواد ہی کو اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، چنانچہ ان وسیع النظر اور سلیم الفکر حضرات اہل علم نے اس کتاب سے استفادہ کیا اور اس کی حفاظت کے لئے حریص رہے لیکن یہ مطبوعہ نسخے بھی ختم ہو گئے اور اہل ذوق قارئین کی طلب بڑھتی گئی، کتنے ہی علماء نے مختلف اسلامی ممالک سے یہ کتاب مجھ سے منگوائی کہ کوئی ایک نسخہ ہی انہیں مل جاتا، اور اس کے لئے وہ بھاری سے بھاری قیمت دینے کو بھی تیار تھے لیکن کافی کوشش کے باوجود ایک نسخہ بھی مجھے میسر نہ آسکا، حتیٰ کہ ناشر کے پاس بھی کوئی نسخہ نہیں بچا تھا۔

لہٰذا اشد ترین ضرورت تھی کہ اس کی از سر نو طباعت کا اہتمام کیا جائے اور اس طبع جدید کے حوالے سے اہل علم حضرات کی یہی خواہش رہی کہ اس دفعہ اس کتاب کی طباعت میں عصر حاضر کے ان جدید تقاضوں کو ملحوظ رکھا جائے جو کتابوں کی نشر و اشاعت میں فی زمانہ پایا جاتا ہے لیکن چوں کہ عربی کتابوں کی اس طرح طباعت دیدہ زیب عربی فونٹ کے نایاب ہونے، عربی کے پروف ریڈرز کی کمیابی اور بے پناہ اخراجات آنے کے باعث پاکستان میں بہت مشکل تھی، اور سب سے بڑھ کر اس قحط کے دور میں بھلا کس کے لئے ممکن ہو سکتا تھا کہ وہ اس مشقت طلب کام کے لئے اپنا وقت، سرمایہ اور توانائی صرف کرے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس عظیم علمی خدمت کی لاج رکھتے ہوئے ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ کے بانی اور ہمارے استاذ مولانا نور احمد صاحب رحمہ اللہ کا انتخاب فرمایا، جو اپنے عزم صمیم اور بلند ہمتی کے باعث اپنے ہم عصروں میں معروف تھے، ان کے اخیر عمر کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ الہام فرمایا کہ وہ ملت اسلامیہ کے لئے نادر ونایاب اور قیمتی علمی سرمائے کو زیور طباعت سے آراستہ فرما کر منصۂ شہود پر لائیں، چنانچہ اس باہمت اور حوصلہ مند شخصیت نے بہت بڑا دینی وعلمی سرمایہ اہل علم کے لئے اپنے ادارہ سے مہیا کیا، جس میں سرفہرست "اعلاء السنن" جیسی ۲۰ جلدوں پر مشتمل فخیم وضخیم کتاب کہ اگر پاکستان میں موجود مکتبات جسے چھاپنے کا سوچ بھی لیں تو مذکورہ مشکلات اور پیچیدگیوں کو دیکھتے ہوئے ان کا پتہ پانی ہو جائے لیکن حضرت رحمہ اللہ نے اس قسم کی کسی بھی مشکل اور پیچیدگی کو خاطر میں لائے بغیر اس کتاب کی طباعت کے لئے دن رات ایک کر دیے، اور صبح وشام اسی مقصد کے لئے گویا اپنے آپ کو وقف کیے رکھا، اور بلا کسی شکایت واکتاہٹ اور حزن وملال کے کئی سال تک مسلسل جدوجہد کرتے رہے، بالآخر اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں سرخروئی عطا فرمائی اور وہ اس کتاب کو علم سے شغف ومحبت رکھنے والوں کو مہیا کرنے میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

اور یہی نہیں بلکہ اس کتاب کی طباعت کے بعد گویا ان کی جان میں جان آگئی اور انہوں نے دیگر نادر ونایاب کتابوں کو منظر عام پر لانے کی ٹھان لی، جیسے مصنف ابن ابی شیبہ، امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب الاصل، شرح الحموی علی الاشباہ والنظائر، کتاب الآثار، امام محمد رحمہ اللہ کی الجامع الصغیر وغیرہ۔

اور اپنی اخیر عمر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق سے آپ کے ہاتھوں میں موجود زیر بحث کتاب "احکام القرآن" پر بھی ہنگامی بنیادوں پر کام کا آغاز کیا، لیکن افسوس کہ وہ اس کتاب کو اس مطبوعہ شکل میں اپنی زندگی میں نہ دیکھ پائے، اور نہ اس کتاب کے لئے یہ مقدر ہوا کہ وہ آپ رحمہ اللہ کی وفات سے قبل اس 'نور' کی ضو فشانیوں کا کھلے آنکھوں سے مشاہدہ کر پاتی کیوں کہ ابھی طباعت کے آخری مراحل کے کچھ لوازمات باقی ہی تھے کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی جوار رحمت کی طرف منتقل ہو گئے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وجزاہ عن جمیع المسلمین خیراً

اور مجھے حد درجہ خوشی ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں، جو از خود جید علماء ہیں، انہی کے نقش قدم پر گامزن ہیں اور کتابوں کی دنیا میں بیش بہا علمی ورثہ کے نشر واشاعت میں انہی کے طریقہ کار پر کاربند ہے، اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ کتاب بھی انہی حضرات کی رہین منت ہے کہ اس عمدہ انداز میں طبع ہو کر ہر علم کا ذوق وشوق رکھنے والے طالب کی آنکھوں کے لئے باعث ٹھنڈک ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، اور اس طرح کے قابل قدر کاموں کی توفیق پیہم بخشے اور انہی کمال درجہ توفیق اور تیسیر کے ذریعے ان حضرات کی دستگیری فرمائے، انہ تعالیٰ علی کل شئ قدیر۔

اور جہاں تک کتاب کی اوصاف وخصوصیات کے ذکر کا تعلق ہے تو میں اس میں زیادہ کچھ لکھنا نہیں چاہتا، کیوں کہ آپ حضرات کے ہاتھوں میں پہنچنے اور عملی طور پر اس کے خصائص اور اوصاف ظاہر ہونے کے بعد یہ کتاب کسی ثناء خواں کی ثناء خوانی اور مدح سرا کی مدح سرائی سے بالیقین مستغنی ہے، اس پر افضل درجہ تو یہی ہے کہ محض تقریظات کے ذریعے اس کے عمومی تعارف کے بجائے اس میں پنہاں مشک و عنبر کے دلفریب مہکتے جھونکوں سے مشام جاں کو معطر کیا جائے۔

دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کتاب کو تمام مسلمانوں کے لئے نافع بنائے، اور اس کی تالیف، طباعت اور نشر واشاعت کے مرحلہ تک کے تمام فکر مندوں اور اسے منظر عام پر لانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنے والے جملہ حوصلہ مندوں کے لئے حسنات و خیرات میں پیہم اضافہ کا باعث بنائے۔ آمین، انہ تعالیٰ سمیع قریب مجیب الداعین

محمد تقی عثمانی

۲۵ جمادی الثانیہ ۱۴۰۷ھ

خادم الطلبہ دار العلوم کراچی

رکن شریعہ ایپلیٹ بینچ

سپریم کورٹ آف پاکستان

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدمہ "الکنز المتواری فی معادن لامع الدراری وصحیح البخاری"

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

یہ پیش رفت ہم جیسے حدیث نبوی علیٰ صاحبہ الصلوۃ والسلام کے طالب علموں کے لئے حد درجہ باعث مسرت ہے کہ حدیث کے موضوع پر یہ عظیم القدر کتاب "الکنز المتواری فی معادن لامع الدراری وصحیح البخاری" دیدہ زیب عمدہ طباعت میں دیکھ رہے ہیں، اور اس کا سہرا ہمارے برادر مکرم علامہ شیخ عبدالحفیظ بن ملک عبدالحق مظاہری مکی حفظہ اللہ تعالیٰ ورعاہ کے سر جاتا ہے، جنہوں نے اس جلیل القدر کام کے لئے جہد مسلسل اور سعی پیہم صرف کی اور اسے مکمل تزئین وآرائش کے ساتھ مزین کر کے اہل علم کے لئے استفادہ کے طور پر پیش کیا ہے، **فجزاہ اللہ تعالیٰ خیراً واجزیٰ لہ اجراً**

بلاشبہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تصنیف وتالیف، درس وتدریس اور بحوث ومقالات کے ذریعے محدث عظیم شیخ محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو ان اخیر کی صدیوں میں سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کی گرانقدر خدمت کی توفیق بخشی، ان کی تحریر کردہ موطا امام مالک کی شرح "اوجز المسالک" امام مدینہ کی اس مقبول کتاب کی جملہ شروح میں سے پایہ کی شرح شمار ہوتی ہے، اسی طرح انہوں نے "بذل المجہود فی حل ابی داؤد" کی تالیف میں بھی اپنے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی معاونت فرمائی لیکن "صحیح البخاری" کی نسبت سے ان کا قلبی لگاؤ اور کمال درجہ توجہ اس قدر تھی جیسے ان کی زندگی کا اہم ترین مقصد ہو، چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے انہوں نے "لامع الدراری" تالیف فرمائی، جو در حقیقت حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی گرانقدر ومفید تعلیقات کا مجموعہ ہے، پھر انہوں نے تراجم ابواب بخاری پر ایک مستقل کتاب تالیف فرمائی۔ حضرت رحمہ اللہ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ کو امام بخاری رحمہ اللہ کے تراجم ابواب کے مقصود تک رسائی سے ایک خاص مناسبت تھی، چنانچہ آپ نے ان تراجم کو اپنی ذہنی فراست اور فکری بلندی سے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ پرکھا، یہی وجہ ہے کہ آپ نے ایسے اصول وضوابط ذکر فرمائے ہیں، جن سے یہ بآسانی پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان تراجم کو وضع کرتے وقت امام بخاری رحمہ اللہ کے پیش نظر کیا تھا، اور یہی اصول انہوں نے "لامع الدراری" کے مقدمہ میں ذکر فرمائے ہیں، اور تراجم

toobaa-elibrary.blogspot.com

صحیح بخاری کے حوالے سے ان کی ہر کتاب اس موضوع پر اس قدر انوکھی اور بدیع تصنیف ہے کہ امام سخاوی رحمہ اللہ، جنہوں نے تراجم ابواب بخاری کی شرح کے حوالے سے علماء امت کی طرف سے ایک بڑا قرض چکایا ہے، اگر اس کتاب کو دیکھتے تو ان کے دل کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی، اور اندازہ ہوتا کہ حضرت شیخ نے بھی کس عمدہ انداز میں امت مسلمہ کی طرف سے یہ قرض نبھایا ہے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کا اول حصہ پندرہ دفعہ اور مکمل کتاب سولہ مرتبہ پڑھائی، اور دوران درس آپ کے امالی متعدد تلامذہ نے قلمبند کیے، جن میں سرفہرست فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا شاہد صاحب حفظہ اللہ ہیں، جن کے ضبط کردہ امالی ہندوپاک میں اردو زبان میں طبع ہوئے۔

اب ضرورت اس امر کی تھی کہ ان تمام ہی افادات کو ایک ہی مجموعہ میں جمع کر دیے جائیں، تاکہ یہ سارا خزینہ یکجا شکل میں قاری کو مستفیض کر سکے۔ اس عظیم مقصد کے لئے حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری کی ہدایت پر فضیلۃ الشیخ عبدالحفیظ مکی حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مساعی جمیلہ صرف کرتے ہوئے اول وہلہ میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے تلامذہ کی ایک جماعت کو فکرمند کیا، جنہوں نے اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے ان کا ہاتھ بٹایا، جن کے اسماء گرامی کتاب کے اخیر میں دیکھے جاسکتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب معاونین و مساعدین کو جزائے خیر عطا فرمائے، جنہوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے اس کتاب کی صحیح بخاری کی مستقل شرح کی حیثیت سے تالیف کیا اور اس کے متن سمیت حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے امالی کے متن کو کتاب کے سب سے اوپر کے حصے میں رکھا، پھر ”لامع الدراری“ کو ”الابواب والتراجم“ اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی امالی کے عربی ترجمہ کے ساتھ ضم کر کے جملہ تعلیقات کو دیگر کتابوں یا شروح کے ایسے اضافہ جات کے ساتھ، جو اصل متن سے کسی درجے میں ممتاز ہے، بڑی خوبی سے رکھا ہے، اس طرح یہ کتاب حضرت شیخ زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ کے ان علمی خزانوں تک بڑی سہولت سے رسائی دیتی ہے، جو پہلے اس ترتیب سے نہ ہونے کے باعث نظروں سے اوجھل اور چھپے ہوئے تھے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان تمام حضرات کو دنیا و آخرت میں جزائے عظیم عطا فرمائے اور ان کی اس مساعی مشکورہ کا نفع عام و تام فرمائے، اور ہم جیسے طالب علموں کو اس گرانمایہ علمی سرمائے کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اس سے اس طرح علمی و عملی نفع اٹھانے کی توفیق بخشے جس سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔

محمد تقی عثمانی

۸ رجب ۱۴۳۱ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدّمہ "تکملہ معارف السنن"

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّا بَعْدُ!

محدث عصر شیخنا و مولانا علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "معارف السنن" کے نام سے "جامع الترمذی" کی ضخیم و فخیم اور نہایت مفید شرح تحریر فرمائی، اور یہ کتاب الحج تک ہی چھ جلدوں پر پہنچ چکی تھی، اس شرح پر کام کے لئے حضرت شیخ بنوری رحمہ اللہ نے ابتداءً یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ صرف انہی افادات کی شرح فرمائیں جو انہوں نے اپنے شیخ امام انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ سے دوران درس سنے تھے، حضرت کشمیری رحمہ اللہ بالعموم دیگر علوم اسلامیہ و بالخصوص علوم الحدیث میں قوی الحافظہ ہونے کی حیثیت سے آیۃ من آیات اللہ تھے، اور ایک طویل عرصہ آپ نے صحیح البخاری و جامع الترمذی دار العلوم دیوبند میں پڑھائی، جس میں پورے برصغیر سے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت حاضر ہوتی تھی اور آپ رحمہ اللہ کے علوم و معارف کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر سے اپنے اپنے ظرف کے مطابق فیضیاب ہو کر لوٹتی، انہی تلامذہ میں سے آپ رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید مولانا شیخ چراغ علی رحمہ اللہ بھی تھے، جنہوں نے آپ رحمہ اللہ کے دروس و تقاریر کو ضبط فرمایا اور "العرف الشذی" کے نام سے طبع کیا۔

ہمارے شیخ حضرت مولانا علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے ابھی ابتداءً یہی ارادہ کیا تھا کہ اسی "العرف الشذی" کے ذیل میں ان افادات کا اضافہ فرمائیں جو انہوں نے حضرت کشمیری رحمہ اللہ سے دوران درس سنے تھے، اور اس میں موجود اجمال کی کافی و وافی شرح کریں اور تحقیق طلب مقامات کی تحقیق کریں لیکن جب حضرت رحمہ اللہ نے اس عظیم القدر کام کا باقاعدہ آغاز کیا تو انہوں نے مناسب یہی سمجھا کہ صرف اسی پر اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ اس میں اپنے خاص علم حدیث کے ذوق کے مطابق کچھ مزید مفید و نفیس مباحث کا اضافہ کر دیا جائے، پس وہ اپنے اس عظیم مقصد میں بدرجۂ اتم کامیاب ہوئے اور ایک مستقل اور جامع شرح "معارف السنن" کے نام سے تحریر فرمائی، جو سہل الوصول ہونے کے لحاظ سے جامع الترمذی کی سب سے زیادہ مبسوط اور مفصل شرح ہے، جس میں شیخ رحمہ اللہ نے احادیث کی شرح میں متعلقہ مباحث کو انتہائی باکمال انداز میں تحریر فرمایا ہے اور نادر و نایاب افادات، نت نئے معانی و مفاہیم اور علم حدیث میں اپنے

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہایت عمدہ و نفیس ذوق کا انتہائی جامع اسلوب اور سہل الوصول عبارت کی صورت میں مظاہرہ کیا ہے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے شیخ حضرت بنوری رحمہ اللہ آخر حیات میں اپنی ہمہ جہت علمی و دینی مصروفیات کے باعث اس نافع اور مفید شرح کی تکمیل نہ فرما سکے۔

اس شرح کی غایت درجہ افادیت اور کمال درجہ نافعیت کے مدنظر میری ہمیشہ سے تمنا رہی کہ اکابر علماء کرام میں سے کوئی ہو جو حضرت بنوری رحمہ اللہ کے اختیار کردہ جامع اسلوب کو بعینہ برقرار رکھتے ہوئے اس شرح کی تکمیل کرے، بالآخر میں نے برادر عزیز، نیک و کار، جواں سال، ماہر فن عالم دین مولانا شیخ محمد زاہد حفظہ اللہ تعالیٰ (استاذ الحدیث جامعہ امدادیہ فیصل آباد) سے التماس کیا کہ وہ اس جلیل القدر کام کا بتوفیق الٰہی آغاز کریں، جس کے بعد انہوں نے بحمد اللہ تعالیٰ باقاعدہ اس کا تکملہ لکھنے کا آغاز کر دیا اور حال ہی میں انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ وہ "تکملہ معارف السنن" کی پہلی جلد کتاب الجنائز تک بتوفیق اللہ سبحانہ مکمل کر چکے ہیں، اور مجھے موقع دیا کہ طباعت سے پہلے اس پر نظر ثانی کروں، جب میں نے اس شرح کو پڑھا تو بخوبی معلوم ہوا کہ شارح نے کافی وافی شرح فرمائی ہے اور حدیث کی اسناد، متن اور ان تمام متعلقہ مسائل و مباحث کا اس گہرائی سے استقصاء کیا ہے، جو حدیث کے پڑھنے پڑھانے والوں سمیت مطالعہ کا ذوق رکھنے والے کسی بھی شخص کے لئے نافع و مفید ہے، مؤلف نے رجال سند سے متعلق گفتگو کی ہے، حدیث کے مشکل اور اجنبی الفاظ کی شرح کی ہے اور اس میں پنہاں معانی کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا ہے، احکام شرعیہ کے استنباط و استخراج میں تمام فقہاء کے مذاہب کا احاطہ کیا ہے اور ہر فن کے مصادر و مراجع سے مدد لیتے ہوئے ان تمام قدیم و جدید مسائل کا نہایت عمدہ حل پیش کیا ہے جن میں علماء و فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، نیز مباحث و مسائل میں جہاں کہیں آراء مختلف و متعدد ہیں، وہاں عدل و انصاف کا دامن تھام کر درست مسلک اختیار کیا ہے اور اپنے نزدیک جس کے قول کی طرف رجحان ہے، اس کی وضاحت سے ترجیح بھی دی ہے، فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

ہمارے شیخ حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "معارف السنن" میں رجال سند حدیث سے بحث نہیں فرمائی تھی، اور حدیث باب کی تخریج کا اہتمام بھی نہیں فرمایا تھا، کیوں کہ وہ خاص اس مقصد کے لئے مستقل کتاب تحریر کرنے کے خواہاں تھے، چنانچہ انہوں نے اس عظیم کام کو اپنے تلمیذ رشید اور جوار رحمت میں اعلیٰ مرتبہ پانے والی عظیم شخصیت حضرت شیخ ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفویض فرمایا، چنانچہ انہوں نے اپنے شیخ کے تعمیل حکم میں اپنی کتاب "کشف النقاب عما یقول فیہ الترمذی و فی الباب" میں گرانقدر توانائیاں صرف فرمائیں، اور باب سے متعلقہ ان تمام احادیث کو اپنے شیخ حضرت بنوری رحمہ اللہ کے حکم کے عین مطابق جمع فرمایا لیکن اس عظیم المرتبت کام کی تکمیل سے قبل ہی آپ رحمہ اللہ مظلومانہ طور پر شہید ہو کر بارگاہ خداوندی میں سرخرو ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

بہر حال اس کتاب کی بھی تکمیل نہ ہونے کے باعث ہمارے بھائی شیخ علامہ محمد زاہد حفظہ اللہ تعالیٰ و رعاہ نے اپنے تحریر کردہ اس تکملہ میں ہی ان مباحث کی بھی کافی ووافی شرح فرمادی ہے، اور الحمد للہ تعالیٰ اس مقصد میں بھی وہ ہمارے شیخ صاحب "معارف السنن" کے مقررہ معیار پر بخوبی پورے اترے ہیں۔

میں بارگاہ رب ذوالجلال میں دعاگو ہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مؤلف کے علم وعمل میں پیہم برکات عطا فرمائے اور اپنی رضا کے مطابق پورے صدق واخلاص کے ساتھ آغاز کردہ اس کام کی تکمیل مقدر فرمائے اور اس عظیم خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے، اور ذخیرہ آخرت بنائے اور بالخصوص حدیث نبوی علی صاحبہ الصلوات والتسلیمات کے لئے برابر افادہ واستفادہ کا ذریعہ بنائے۔

وما ذلك على الله تعالى بعزيز وانه سميع قريب مجيب وله الحمد اولاً وآخراً

کتبہ العبد

محمد تقی عثمانی

خادم طلبہ دار العلوم کراچی نمبر ۱۴

۱۵ / ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدمہ "الکاشف عن حقائق السنن"

المعروف بہ- شرح الطیبی علیٰ مشکوۃ المصابیح

بلاشبہ علم حدیث اور اسکی جملہ انواع واقسام اور تمام تر شعبے سیدنا ومولانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ وجاوید اور کھلا ہوا معجزہ ہے، دیگر انبیاء کرام میں سے کسی نبی یا قوم کی قدآور شخصیات میں سے کسی شخصیت یا قائدین میں سے کسی قائد کے پیروکاروں نے اس طرح ان کی سیرت وکردار، سنن وعادات اور اقوال ومقال کی اس درجہ دقت نظری اور امانت ودیانت کے ساتھ محفوظ کیا ہو، جس طرح امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی جماعت محدثین نے ان تمام امور کو مالہا وعلیہا محفوظ کیا ہے، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، اور اگر اس زاویے سے غور کیا جائے کہ اس امت کے علماء کرام نے اس عظیم القدر علم کے جن ہمہ جہت شعبوں میں پوری تحقیقات وتدقیقات کے سات کل وقتی درس وتدریس کے مشغلہ اپنا کر اپنی قابل قدر خدمات انجام دیں ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان عبقری شخصیات کو پیدا ہی اس غرض سے کیا ہو کہ وہ قیامت تک سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات کی حفاظت وخدمت ہی کرتی رہیں، اور اب تک صرف لکھی جانے والی کتابوں کا شمار نہیں ہوسکا، چہ جائے کہ اس کے درس وتدریس اور تلاوت وقراءت کا اندازہ لگایا جاسکے، یہی وہ کتابیں تھیں جو اپنے اپنے زمانے میں اس علم کی نشرواشاعت اور قراءت وتلاوت کا سبب بنی، جن سے اہل علم نے بھرپور استفادہ کیا، پھر وہ ختم ہوگئیں تو اگلے ہی لمحے اس علم کی خدمت کے لئے دوسری کتابوں نے ان کی جگہ لے لی۔

لیکن بعض کتابوں کے لئے اس درجہ مقبولیت وحفاظت مقدر ہوئی کہ وہ اپنی تالیف کے زمانے سے لے کر تاحال اسی طرز پر اپنے مستفیدین کو شادابی وسیرابی سے بہرہ مند کررہی ہیں، علماء کرام اور طلباء عظام کے ایک بڑے طبقے نے دنیا کے ہر خطے میں درس وتدریس، شرح وتخریج اور مختلف زاویوں سے علم کے چراغ کو جلا بخشنے کے لئے انہی کتب کا سہارا لیا، منجملہ ان کتابوں میں سے علامہ خطیب تبریزی رحمہ اللہ کی کتاب "مشکوۃ المصابیح" بھی ہے، جس میں انہوں نے امام بغوی رحمہ اللہ کی کتاب "مصابیح السنۃ" کو بنیاد بناتے ہوئے تمام تر شعبہائے زندگی سے متعلقہ ذخیرۂ احادیث کو جمع فرمایا ہے اور ماخذ ومصادر کے صحاح ستہ ودیگر متداول کتب حدیث کو معیار بنایا ہے اور اس گرانقدر اور تلقی بالقبول پانے والی کتاب میں اپنے کمال درجہ ذوق کے مطابق کئے بعد دیگرے کئی چھلنیوں میں چھان کر ان احادیث مبارکہ کو جمع فرمایا ہے، جن کا پڑھنا ایک علم حدیث کے طالب علم کے لئے حدیث کے ماخذ ومراجع سے استفادہ سے قبل نہایت ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ علم حدیث کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

لازمی مضمون کے طور پر ان کی یہ کتاب مدارس دینیہ اور اسلامی یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہے۔

گوکہ بہت سے علماء نے اس کتاب "مشکاۃ المصابیح" کو تشریحات و تعلیقات سے مزین کیا ہے، لیکن ان تمام شروحات میں سب سے زیادہ قدیم ترین اور طبقہ اہل علم میں مقبولیت عامہ پانے والی شرح علامہ حسین بن محمد بن عبد اللہ الطیبی الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۷۴۳ھ) کی ہے، جسے آپ رحمہ اللہ نے "الکاشف عن حقائق السنن" کے نام سے موسوم فرمایا ہے۔

اس شرح کی اولین خصوصیت تو یہی ہے کہ اس کے مؤلف صاحب مشکاۃ شیخ علامہ تبریزی رحمہ اللہ ہیں، جسے علامہ تبریزی نے اپنے شیخ علامہ طیبی رحمہ اللہ کے حکم پر تالیف فرمایا، اور پھر استاذ نے اپنے شاگرد کی کتاب کی شرح فرمائی، جو بلاشبہ استاذ اور طالب علم ہر دو حضرات کے کمال درجہ اخلاص اور للّٰہیت پر بیّن دلیل ہے۔

"طِیبِیْ" کی تحقیق یہ ہے کہ یہ لفظ "طاء" کے زیر اور "یاء" کے جزم کے ساتھ "طِیْبْ" کی طرف منسوب ہے، جو کہ "واسط" اور "کور" و "اہواز" کے درمیان واقع ہے جیسا کہ علامہ زرقانی نے شرح مواہب ۵/۷۷ پر جبکہ علامہ حموی نے معجم البلدان میں ۵۳/۴ پر ذکر فرمایا ہے کہ "طِیْبْ" واسط اور خوزستان کے درمیان واقع ہے، جس کے باسی "نبط" کہلاتے ہیں اور ان کی زبان "نبطی" ہے، اور اس علاقے کی یہ عجیب و غریب خصوصیت ذکر کی ہے کہ اس پورے علاقہ میں سانپ، بچھو، کوا وغیرہ اور اس جیسے موذی جانور ڈھونڈھنے کو نہیں ملتے، اگر وہ داخل ہونا بھی چاہتے ہیں تو اس علاقے میں آنے سے پہلے ہی مر جاتے ہیں۔

ایک مردم خیز علاقہ ہونے کی حیثیت سے نہ صرف یہ کہ علامہ طیبی رحمہ اللہ بلکہ دیگر علماء و محدثین کی بھی اس علاقے کی طرف نسبت کی جاتی ہے، جیسے احمد بن اسحاق بن نیخاب الطیبی، بکر بن محمد بن جعفر الطیبی، ہلال بن عبد اللہ الطیبی المعلم وغیرہ سمیت دیگر وہ علماء جن کا تذکرہ علامہ سمعانی رحمہ اللہ نے "انساب" ۹/۲ اور علامہ حموی نے معجم البلدان میں کیا ہے، رحمہم اللہ کلہم اجمعین۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ کی اس شرح کی اہمیت و افادیت اس سے واضح ہے کہ یہ حدیث کی شرح کے اہم ترین ماخذ و مصادر میں سے ہے، جس سے اگلے لکھنے والے شراح میں سے کوئی بھی مستغنی نہیں اور یہ بات صرف "مشکاۃ المصابیح" ہی سے متعلق نہیں بلکہ دیگر تمام شروحات سے متعلق بھی ہے، حتیٰ کہ بخاری شریف کے "لا ھجرۃ بعد الفتح" کے مصداق شارح علامہ حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے اپنی مقبولیت عامہ و تامہ پانے والی کتاب "فتح الباری" میں شرح حدیث سے متعلقہ مسائل و مباحث میں اعتماد کرتے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوئے اس عظیم کتاب کے جابجا حوالہ جات نقل فرمائے ہیں، اگرچہ زرقانی رحمہ اللہ نے حافظ سیوطی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے تتبع احادیث میں کی کمی کے حوالے سے ان پر نقد کیا ہے، لیکن بغیۃ الوعاۃ ۱/۵۲ (ترجمہ:۱۰۸۰) میں ان کی مدح سرائی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ علوم عقلیہ، عربیہ اور علم معانی وبیان کے بڑے ہی واقف کار ہیں۔

علامہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "الدرر الکامنہ" ۲/۶۸ پر تحریر فرمایا ہے کہ یہ قرآن وسنت کے دقیق سے دقیق علوم کے استخراج واستنباط میں آیۃ من آیات اللہ تھے، اور امام شعرانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "لطائف المنن والاخلاق" ۱/۱۴ پر یہ تحریر فرمایا ہے:

انہ کان محدثا، صوفیا، نحویا، فقیھاً، اصولیاً، وقل ان تجتمع ھذہ الصفات فی عالم

کہ وہ ایک محدث، صوفی، نحوی، فقیہ، اور علم اصول کے ماہر فن تھے، اور ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ ایک عالم میں یہ سب صفات جمع ہو جائیں۔

انہوں نے علامہ زمخشری کی "الکشاف" پر ایک جامع شرح تالیف فرمائی ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں:

"انہ اخذ علی ابی حفص السھروردی، وانہ قُبیل الشروع فی ھذا الشرح رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی النوم وقد ناولھا قدحا من اللبن، فشرب منہ کما حکی انہ السیوطی فی بغیۃ الوعاۃ والشوکانی فی بدر المطالع"

انہوں نے ابو حفص سہروردی رحمہ اللہ سے احادیث لی ہیں، اس شرح کی ابتداء سے کچھ ہی پہلے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ علیہ السلام نے دودھ کا پیالہ انہیں عطا فرمایا جس سے انہوں نے پیا، جیسا کہ علامہ سیوطی نے "بغیۃ الوعاۃ" میں اور شوکانی نے "البدر المطالع" میں اسے ذکر کیا ہے۔

افسوس کہ یہ عظیم الشان علمی ذخیرہ تاحال عصر حاضر کے جدید تقاضوں کے مطابق زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر نہ آسکا، حالاں کہ یہ وہ دور ہے جبکہ کوئی بھی کتاب چاہے وہ واقعتاً پڑھنے کے قابل ہو یا دریا برد کر دیے جانے کے قابل، نہایت سنہری اور فاخرانہ غلاف اوڑھا کر منصۂ شہود پر لائی جاتی ہے، علم حدیث کا یہ عظیم علمی سرمایہ بعض مکتبات کی طرف سے کتابت کی صورت میں شائع ہوا، اور وہ بھی بہت کم کہیں دستیاب ہے، اس کی عدم دستیابی کے باعث نتیجہ یہ ہوا کہ علماء اگر علامہ طیبی کی اس شرح سے حوالہ دیے گئے کسی منفرد علمی نکتہ سے اجمالاً مستفیض ہو کر اس تگ ودو میں لگتے کہ اصل کتاب تک رسائی ہو جائے تاکہ ما لہا وما علیہا تفصیلاً اس سے استفادہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

کریں تو اس قیمتی خزانے کے ہاتھ نہ آنے کے باعث حسرت ویاس کے بادل ان کے قلوب واذہان پر چھا جاتے۔

اللہ تعالیٰ میرے بہنوئی حضرت علامہ شیخ نور احمد پر پیہم رحمت کی بارش فرمائے کہ انہوں نے اپنی زندگی کے اخیر حصے کو صرف اس مقصد کے لئے وقف فرمادیا تھا کہ اپنے مکتبہ "ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ" سے جس کی آپ نے بڑی ہمت اور جانفشانی سے بنیاد رکھی تھی، نادر ونایاب کتب کو مطبوعہ شکل میں منظر عام پر لائیں، جن میں بالخصوص ان کتابوں کی طباعت ان کی مرہون منت ہے، جن میں "اعلاء السنن" اور "کتاب الاصل للامام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ" سر فہرست ہیں۔ آپ رحمہ اللہ ہی وہ پہلی شخصیت تھے جو شرح الطیبی رحمہ اللہ کو بھی نشر کرنے کا عزم صمیم رکھتے تھے۔

اور اسی غرض سے آپ رحمہ اللہ نے اس کے تمام نسخوں کو جمع کرنا شروع کردیا لیکن ان کی یہ "اُمْنِیَۃٌ" (امید) برآنے میں "مُنْیَۃٌ" (پیام اجل) حائل ہوگیا اور آپ رحمہ اللہ اس کتاب کو طلباء علم کے لئے مہیا کرنے سے قبل ہی جوار رحمت الٰہی میں منتقل ہوگئے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی سعادت مند اولاد کو توفیق بخشی اور یہ حضرات اپنے والد (مرحوم) کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کتابوں کی طباعت کے لئے سرگرم عمل رہے، جن کی طباعت ان کے والد بزرگوار کی دیرینہ تمنا رہی، جن میں سر فہرست یہ عظیم المرتبت کتاب بھی ہے، جو منصہ شہود پر آ کر ان شاء اللہ طالب علموں کی آنکھوں کو فرحت وٹھنڈک بخشے گی۔

اس کتاب کے مقدمہ کے طور پر جو کافی ووافی تحریر مولانا نعیم اشرف بن شیخ نور احمد نے لکھی ہے (اور وہ بذات خود ایک ذکی وفطین عالم دین ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں مزید خیر کے کاموں کے لئے موفق فرمائے) نے اس کتاب کی خصوصیات اور طباعت کے عمدہ طرز کے حوالے سے کسی طویل گفتگو کی ضرورت سے مجھے مستغنی کردیا ہے۔ لہٰذا آپ بھی اس عظیم علمی سرمائے سے اسی طرح مستفید ہوں جس طرح صدیوں سے علماء کرام اس سے مستفیض ہوتے رہے ہیں۔

بارگاہ رب ذوالجلال میں دعاگو ہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کاوش کو شرف قبول عطا فرمائے اور اس کے اہتمام کرنے والے جملہ احباب کو اجر جزیل عطا فرمائے، اور ہر خطے کے شہروں اور بندوں کے لئے اس کا نفع عام وتام فرمائے، واللہ تعالیٰ ھوالموفق والمعین۔

محمد تقی عثمانی

دار العلوم کراچی ۱۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدمہ "المحیط البرہانی"

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ!

عصر حاضر کی یہ امتیازی خصوصیت ہے جس میں ہمارے آباء کے قدیم علمی و تحقیقی ورثے کو جدید ترین تقاضوں کے مطابق، نہایت عمدہ غلاف اور جاذب نظر تحریر کے ساتھ مجلد کتابوں کی شکل میں طباعت سے آراستہ کیا گیا جس سے ہر پڑھنے و پڑھانے والے کی آنکھوں کو ٹھنڈک و فرحت نصیب ہوتی ہے اور اس کی دلچسپی دو چند ہو جاتی ہے، کتب خانوں کے بوسیدہ شیلفوں میں کتابوں کی ایک بہت بڑی تعداد جن پر سینکڑوں سال سے چند ایک علم کے گہرے ذوق و شوق رکھنے والے طالبین کے علاوہ کسی کی نظر تک نہیں پڑی تھی، آج زیور طباعت و اشاعت سے آراستہ ہو کر علم کے محبین و مستفیدین کو باغ باغ کر رہی ہیں حالاں کہ صورت حال یہ تھی کہ طلباء کرام و علماء عظام کی کثیر تعداد قدیم طرز پر لکھے گئے کتابت والے ان نسخوں کی تحقیق و جستجو میں سالہا سال سے سرگرداں تھی اور مکتبات کو نئے اور خوبصورت طرز پر ان کتابوں کی طباعت پر زور دے رہے تھے لیکن اب اللہ عزوجل کا جتنا شکر بجالایا جائے کم ہے، اس طرح قدیم علمی ورثہ بھی اب تیزی سے طبع ہو رہا ہے اور شائقین کے ذوق و شوق کو دیکھتے ہوئے شخصی و عمومی مکتبات ان کتابوں کی طباعت میں دلچسپی لے رہے ہیں۔

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جب علم فقہ سے متعلق کتابوں کو اس جدید اسلوب پر طبع کرنے کا معاملہ درپیش ہوتا ہے تو ہمتیں جواب دے جاتی ہیں اور کتابوں کے نشریاتی ادارے قدیم مطبوعہ شکل ہی کی نقل بنا کر طبع کرنے سے آگے بڑھتے ہی نہیں اور ان گھلی ملی خلط شدہ عبارتوں کو بلا کسی تحقیق و درستگی اور اعراب کے بعینہ چھاپ دیتے ہیں، حتّٰی کہ فہرست تک مرتب نہیں کی جاتی تاکہ اس کے پڑھنے والا بسہولت مطلوبہ مسئلہ تک پہنچ سکے اور جہاں تک بات ہے ان ہاتھ سے لکھے گئے نسخوں کی جو طبع ہی نہیں ہو سکے ہیں، ان پر کام کرنے والے محققین گنے چنے ہی ہیں، جس کے یکسر منفی نتائج میں سے یہ بھی ہے کہ فقہ کا طالب علم انہی مشکلات اور مصائب سے دوچار ہے جن کا سامنا تحقیق و مراجعت اور طبع نو کے اس جدید دور سے پہلے کیا جاتا رہا اور فقہ اسلامی کے طالب علم کے مطالعہ کے لیے وہ تمام تر وسائل ناپید ہو کر رہ گئے جو

toobaa-elibrary.blogspot.com

دیگر علوم وفنون کے طالب علموں کو فی زمانہ بخوبی میسر ہیں اور نہ اس کے لیے ان کتابوں سے استفادہ ممکن ہورہا ہے جو اب طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر نہیں آئیں، فقہی کتب کی طرف اس درجہ عدم توجہی کے بظاہر دو بڑے اسباب ہیں:

(۱) کتب فقہ کی طرف لوگوں کی اس درجہ توجہ نہیں ہے، جس طرح دیگر علوم وفنون حدیث، تاریخ اور ادب وغیرہ کی طرف ہے، نیز دیگر موضوعات کی نسبت اس موضوع پر تحقیق کرنے والوں کی تعداد بھی خال خال نظر آتی ہے۔

(۲) کتابوں کی شکل میں فقہ کا جتنا بھی علمی ورثہ ہے وہ اکثر ضخیم وفخیم ہے اور ان کے نسخے دنیا کے مکتبات میں بھی دیکھیں تو بہت کم ہے اور اگر ان ضخیم کتابوں کی تحقیق کی جائے تو یہ ایک انتہائی مشقت طلب اور وقت طلب کام ہے۔ اسی طرح ان کی جزئیات کی کثرت، اقسام کا پھیلاؤ اور متفرقہ مسائل کے باعث فہرست مرتب کرنا بھی جان جوکھوں میں ڈال دیتا ہے، لہٰذا یہ محنت طلب کام صرف اسی کے حصے میں آسکتا ہے جو عالی ہمت، مستقل مزاج، علمی وفنی حیثیت سے لائق وفائق، بلند ذوق سلیم کا حامل اور علم ودین کے راستے میں بالکلیہ فنا ہو۔

اسی نوعیت کے علمی ورثہ میں سے فقہ حنفی کی یہ کتاب "المحیط البرہانی" بھی تھی جس کے نسخے ڈھونڈنے کو نہیں ملتے تھے، حتی کہ کتابت والے نسخے بھی سالہا سال سے اہل علم کی دسترس سے بالکل باہر ہوچکے تھے، ہر زمانے اور شہر میں اس تک رسائی اہل علم کی دیرینہ تمنا رہی، کیوں کہ یہ کتاب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں ایک بڑے انسائیکلوپیڈیا کا درجہ رکھتی ہے اس کا نام بھی 'المحیط" اسی لیے رکھا گیا ہے کہ اصحاب مذہب سے مروی تمام تر مسائل کا بخوبی استیعاب و احاطہ کرتی ہے، چاہے وہ ظاہر الروایۃ ہوں، یا نوادر مسائل میں سے ہوں، نیز یہ عظیم القدر مجموعہ ان تمام تخریجات وتفریعات کو حاوی ہے جو ان کے بعد صادر ہوئیں، اسی طرح اس میں وہ تمام فتاویٰ اور نوادر مسائل بھی بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں، جس کے بارے میں مؤلف کے زمانے میں اہل فتویٰ سے رجوع کیا گیا ہے۔

میری بڑی ہی تمنا تھی کہ یہ کتاب نہ صرف یہ کہ طبع ہوجائے بلکہ جدید تقاضوں کے مطابق نشر ہو، لیکن جب علم فقہ کی کساد بازاری کی طرف دیکھتا اور مذکورہ وجوہات کی بناء پر محققین کے میلان کی کمی اور رغبت کی قلت سمیت اس بھاری بھرکم کام کی طرف دیکھتا تو میری امیدیں مدھم پڑجاتیں اور اس کی تحقیق میں حائل

toobaa-elibrary.blogspot.com

رکاوٹوں اور مشکلات کے باعث میری امنگوں پر یاس و قنوط کے سیاہ بادل چھا جاتے۔

لیکن میرے بہنوئی مجاہد کبیر حضرت مولانا نور احمد مرحوم رحمہ اللہ تعالیٰ ان رجال کار میں سے تھے جو اپنے عالی ہمت ہونے میں بے حد معروف اور مشکل سے مشکل گھاٹیوں کو بڑی آسانی سے سر کرنے میں ایک امتیازی شان رکھتے تھے، ان کی پوری زندگی دین و دعوت کے راستے میں سخت سے سخت اہداف حاصل کرنے کے لیے جہد مسلسل اور سعی پیہم سے عبارت تھی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آخر حیات میں ہماری علمی ورثہ کی بڑی بڑی اور ضخیم و فخیم کتابوں کو طبع کرنے کا انہیں ایسا قابل ستائش جذبہ عطا فرمایا تھا، بالخصوص "پاکستان" میں یہ کام اس لیے بھی بھاری بھرکم اور دشوار گزار معلوم ہوتا تھا کہ یہاں اس طرح کے صبر آزما علمی و دینی سرگرمیوں کے لیے معاونین کی کمی ہے، ضروری وسائل کا فقدان ہے، عربی کتابت کی طباعت کے لیے درکار آلات بھی اس درجہ میسر نہیں، لیکن وہ اس کام کو اس جانفشانی سے انجام دے رہے تھے کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں اسی غرض سے تخلیق فرمایا تھا کہ ان کے لیے سخت سے سخت زمین کو نرم اور ہموار کردیں۔

چنانچہ جہاں وہ کوئی ہدف مقرر کرتے تو مواہب ربانیہ، انتھک محنت اور غیبی نصرت لیے چلتے چلے جاتے، جس کے سامنے نہ کوئی رکاوٹ آڑے آسکتی تھی اور نہ ہی کوئی ایسی دشوار گزار گھاٹی، جسے وہ سر نہ کرسکتے ہوں۔

منجملہ ان اہداف میں ایک بہت بڑا ہدف فقہ حنفی کے اس بڑے انسائیکلوپیڈیا "المحیط البرہانی" کی طباعت بھی تھی، چنانچہ اس غرض سے اولاً وہ ہر اس بند دروازے تک پہنچے جہاں سے اس کا کوئی ایک نسخہ بھی میسر آسکتا تھا، پھر اس کی بہتر سے بہتر انداز میں اسکیننگ (صفحات کو عکسی صفحات میں منتقل کرنے) کے مراحل سمیت اس کے لیے میسر تمام وسائل کو روبکار لاتے ہوئے اس کی تحقیق اپنے فاضل فرزند میرے خواہر زادہ استاذ شیخ نعیم اشرف صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ ورعاہ کے سپرد فرمائی اور اس بھاری بھرکم کام کے لیے جسے دیکھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور ہمت جواب دے جائے، ان کی ہمت افزائی کی اور ان کی دلچسپی کا سامان کیا، سب سے بڑھ کر جس بات نے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دلوں کو فرحت بخشی وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان نوجوان سال فاضل عالم دین کے ہاتھوں سے جس خوش اسلوبی کے ساتھ کام لیا ہے، اس نے اہل علم کی امنگوں کو بدرجۂ اتم پورا کیا ہے، انہوں نے برسہا برس تک جس ہمت و حوصلہ اور استقامت

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے اس صبر آزما کام کو جس خوبی سے نبھایا ہے اس کی نظیر بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے، انہوں نے اس عظیم خدمت کو سرانجام دینے کے لیے کتنے ہی رَت جگے کیے اور اپنی سوچ وفکر کو اسی کے گرد مرکوز رکھا، حالاں کہ وہ پہلے ہی کافی حد تک ذمہ داریوں سے بوجھل اور گوناگوں مصروفیات میں گھرے ہوئے تھے، بالخصوص ان کے والد رحمہ اللہ کی وفات کے بعد بھی اسی طرح اس کام کو تسلسل کے ساتھ جاری رکھنا ان کے لیے یقیناً ایک مشکل مرحلہ تھا، لیکن بفضل اللہ سبحانہ وتعالیٰ انہوں نے ان حالات میں بھی اس کام کو حق المقدور بدرجۂ اتم نبھایا ہے، چنانچہ انہوں نے اس کتاب کے مختلف شہروں کے پانچ نسخوں کو جمع کیا ہے اور غایت درجہ اہتمام کے ساتھ ان تمام نسخوں کا مقارنہ وموازنہ کیا ہے، نیز کتاب کی عمدہ تحقیق کی ہے، عبارات کی صف بندی کی ہے، مسائل واحکام کو رقم کیا ہے، فہرست ترتیب دی ہے اور آیات واحادیث کی تخریج کی ہے۔

بعد ازاں کتاب کے اوپر بڑی وضاحت کے ساتھ ایک مفید مقدمہ لکھ کر نہایت خوشنما انداز میں گویا اس کتاب کی تاج پوشی کی ہے، جس میں حنفی مذہب اور اس کی ابتداء وارتقاء کو شرح وبسط سے بیان کیا ہے اور مؤلف کے حالاتِ زندگی، ان کی علمی ودینی خدمات اور مذہب حنفی کی دیگر کتب میں "المحیط" کے مقام ومرتبہ اور قدر ومنزلت پر روشنی ڈالی ہے اور اس کے درمیان اور علامہ رضی الدین سرخسی کی "المحیط" کے درمیان فرق کی وجوہ پر قابلِ قدر تحقیق کی ہے۔

جس نے اس مقدمہ کو اس موضوع پر ایک مستقل کتاب کی شکل دے دی ہے جسے پڑھ کر قاری مذہب حنفی کو علی وجہ البصیرت سمجھ سکتا ہے۔ جہاں تک "المحیط البرہانی" پر کلام کا تعلق ہے تو میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا کیوں کہ محققِ کتاب نے کافی وشافی تحقیق لکھ کر مجھے اس سے مستغنی کر دیا ہے، تاہم میں ایک اہم نکتہ سے اس کتاب کی قدر افزائی ضرور کرنا چاہوں گا اور وہ یہ ہے کہ "شرح عقود رسم المفتی" میں علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے "المحیط البرہانی" کو ایک غیر موثق مأخذ باور کرایا ہے اور کہا ہے کہ اس سے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے اور آگے وجہ یہ لکھی ہے کہ یہ کتاب بالعموم مفقود اور اس کے نسخے بہت نادر ونایاب ہیں، یعنی اس وجہ سے اسے غیر موثق نہیں کہا کہ اس کے مؤلف ثقہ نہیں ہیں، یا اس میں رطب ویابس جمع ہے، اسی طرف علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ نے "الجامع الصغیر" کے مقدمہ "النافع الکبیر" میں اشارہ کیا ہے، لہٰذا "المحیط البرہانی" کے کسی قاری کو علامہ ابن عابدین وغیرہ کے اس مشہور قول سے دھوکہ نہ ہونا چاہیے کہ یہ ایک غیر موثق مأخذ ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حق بات یہ ہے کہ یہ کتاب بھی فقہ حنفی کے قابل اعتماد مصادر و مراجع میں سے ہے، جس میں مؤلف رحمہ اللہ نے بیش بہا اصول، نت نئے مسائل اور فتاویٰ کو بہت عمدہ ترتیب سے جمع کیا ہے، بالخصوص اس نئے نسخے میں جبکہ فاضل محقق نے مختلف شہروں کے تمام نسخوں کو یکجا کر کے ان کا موازنہ کیا ہے اور ایک تحقیقی نسخہ مرتب کر دیا ہے، تو اب اس سے استفادہ کرنے، اس پر اعتماد کرتے ہوئے فتویٰ دینے، اور معروف قواعد و ضوابط کی رعایت کرتے ہوئے اس کی درس و تدریس میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

امید ہے کہ یہ کتاب نہ صرف یہ کہ محققین کے لیے باعث مسرت و فرحت ہوگی، بلکہ اس کے ذریعے ان کے لیے تحقیق کی نئی راہیں کھلیں گی، کیوں کہ یہ کتاب ایسے مسائل اور فوائد پر مشتمل ہے جو دیگر کتابوں میں نہیں ملتے، اسی طرح یہ کتاب ان ہر دو اقوال میں امتیاز کرنے میں بھی معین و مددگار ہے جو اصحاب مذہب سے منقول ہیں اور جو ان کے بعد کے لوگوں نے نکالے ہیں۔

"المحیط البرہانی" پر اس قابل قدر کام کے بعد کتاب کے محقق اور ناشر کی طرف سے علم کے قدر دانوں کے کاندھے ہمیشہ بوجھل رہیں گے، میں دعاگو ہوں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس سعی پیہم کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور بروز قیامت اس بھاری بھرکم کام کو میزان عمل کے جھکنے کا عظیم ذریعہ بنائے اور طبقہ اہل علم کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے، ان کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے اور انہیں مزید اس جیسے قابل قدر کاموں کی توفیق عطا فرمائے جس کے ذریعے امت مسلمہ کو نفع پہنچے، وصلّی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وللہ الحمد اولاً وآخراً۔

محمد تقی عثمانی

دار العلوم کراچی پاکستان

۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدمہ "شرح الزیادات"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّا بَعْدُ!

حضرت امام محمد بن الحسن شیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتب ستہ مذہب حنفی کی بنیاد رہی ہیں اور ہر دور اور شہر کے لوگوں کے لیے متفقہ طور پر مذہب حنفی کو جاننے پہچاننے کے لیے یہ ایک انتہائی قابل اعتماد ذریعہ ہونے کی حیثیت سے متداول ہیں، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہ کے عظیم القدر امام ہونے کی حیثیت سے اس میں جو کچھ بھی تحریر فرمادیا ہے، اسے فقہ کی اصطلاح میں "ظاہر الروایہ" کہا جاتا ہے، امام محمد رحمہ اللہ کی دیگر کتابیں ہیں یا ائمہ احناف کی تحریر کردہ اور ماٰخذ و مصادر، یہ چھ کتابیں ان سب پر بلاشبہ فوق تر ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء احناف نے ان کتابوں کو درس و تدریس، شرح و توضیح اور فرع و تاصیل کے طور پر اس درجہ تسلیم کیا ہے کہ حنفی مذہب کی تدوین اور اس موضوع پر بعد کی تمام تر تالیفات کے لیے یہی کتب ماٰخذ و مصادر شمار ہوتی ہیں۔

لیکن اس بات پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے کہ ان کتب ستہ سمیت اس کی شروحات کا ایک بہت بڑا حصہ مفقود ہو چکا ہے اور سوائے "جامع صغیر" "جامع کبیر" اور "مبسوط" کے چند ابواب جنہیں "الاصل" کہا جاتا ہے، دستیاب ہیں اور جہاں تک ان کی بڑی شروحات کی بات ہے تو امام سرخسی رحمہ اللہ کی "سیر کبیر" کی شرح کے علاوہ کوئی اور شرح میسر نہیں اور باقی شروحات بھی چند ایک مکتبوں میں کتابت والے اور بہت ہلکے نسخوں کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔

ان کتب ستہ میں سے امام محمد رحمہ اللہ کی ایک اور اہم ترین کتاب "الزیادات" جسے انہوں نے "الجامع الکبیر" کے بعد تالیف فرمایا اور ان بیشتر مسائل کا اضافہ فرمایا جو "الجامع الکبیر" میں رہ گئے تھے اور اسی وجہ سے اسے "الزیادات" کے نام سے موسوم فرمایا، لیکن افسوس ہے کہ اس کا ایک نسخہ بھی موجود نہیں ہے، حتیٰ کہ ان مکتبوں میں بھی نہیں مل سکا، جو کتابوں اور قدیمی علمی ورثہ کی حفاظت میں اپنی مثال آپ ہیں، اس کتاب کی متعدد شروحات میں سے سب سے زیادہ اہم اور قابل ذکر کتاب قاضی خان رحمہ اللہ کی "شرح الزیادات" ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور اس عظیم المرتبت کتاب کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے "قاضی خان" رحمہ اللہ کا نام ہی کافی ہے، جو فقہاء حنفیہ میں سے فقہ حنفی پر گرفت اور حد درجہ دسترس رکھنے والی شخصیت ہیں، حنفی مذہب کے فروعی مسائل کی مراجعت کے لیے ان کے فتاویٰ ایک عظیم مصدر و مرجع ہے۔

آپ رحمہ اللہ نے اپنی فقہی بصیرت سے 'شرح الزیادات' میں "تاصیل" (اولاً متعلقہ اصول و ضوابط کے بیان) کا طریق اختیار فرمایا ہے، جس کی رو سے وہ اس باب سے متعلقہ مسائل فقہیہ کے اصول و ضوابط باب کے شروع میں ہی ذکر کر دیتے ہیں، پھر اس پر مثالیں اور تفریعات متفرع کرتے ہیں، جو فقہ حنفی کی درس و تدریس کا سب سے زیادہ مفید اور اقرب الی الفہم طریقہ ہے۔

یہ کتاب اس قدر اہم ترین ماخذ ہونے کے باوجود تاحال بعض مکتبوں میں کتابت کے نسخوں کی صورت میں ایک مخفی خزانے کے طور پر نظروں سے اوجھل رہی، کسی نے اس کی تحقیق کی نہ تخریج، یہاں تک کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے میرے خواہر زادہ فاضل ڈاکٹر شیخ قاسم اشرف حفظہ اللہ تعالیٰ کو توفیق بخشی اور انہوں نے اس کتاب پر نہ صرف یہ کہ تحقیق کی، بلکہ کلیۃ الشریعہ جامعہ امام محمد بن سعود (ریاض) میں اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ کے لیے اسی کام کو موضوع بنایا، اس کتاب کی ضخامت کو دیکھ کر یہ کہنا مبنی بر مبالغہ نہ ہوگا کہ ڈاکٹریٹ کے مقالے کے لیے اگر وہ اس کتاب کے کسی ایک جز کا انتخاب بھی کر لیتے تو محض مقالہ بڑی خوش اسلوبی سے مکمل ہو جاتا، لیکن اس ضخیم و فخیم مقالہ کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ فاضل مؤلف نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لینے سے زیادہ علم اور فقہ کی خدمت کو اپنی گرانقدر کاوش کا محور بنایا، جس کے باعث وہ اس پوری ہی کتاب پر کام کی ہمت و توفیق سے سرفراز ہوگئے اور اس جلیل القدر کام کو بدرجۂ اتم اختتام تک پہنچایا، حالاں کہ اگر دیکھا جائے تو انہیں بہت سی ایسی مشکلات اور اس راستے میں سخت ترین گھاٹیوں سے سامنا رہا، جو ان کے ابتدائی کام سے حائل ہونی شروع ہوگئی تھیں، جیسا کہ انہیں اس غرض سے بعض اسلامی ممالک کا سفر بھی کرنا پڑا، جہاں کے مکتبات سے استفادہ کر کے وہ اس کتاب کو اس طرح جامع انداز میں مرتب کر سکتے تھے جو مقبولیت عامہ حاصل کرے، لیکن انہوں نے اس کی تکمیل کے لیے کسی چیز سے دریغ نہیں کیا۔

کتاب دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ محقق موصوف نے کتاب کی تحقیق، دیگر کتب سے اس کے موازنہ عبارات کی تصحیح، مشکل و اجنبی الفاظ کی تشریح اور مذہب حنفی کی دیگر کتابوں کی مدد سے کتاب کے مسائل کی تنقیح میں کس قدر عرق ریزی سے کام لیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

بلاشبہ کتاب کا ایک ایک صفحہ مؤلف فاضل کی سعی پیہم اور جہد مسلسل کا آئینہ دار ہے، جسے وہ اہل علم کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کی فرحت کے لیے پیش کر رہے ہیں۔

کتاب کی اور تعریف کرتے ہوئے مزید تفصیل میں جائے بغیر اب یہ قارئین کرام کے استفادہ کے لیے پیش کی جاتی ہے جو اس کی مشک وعنبر سے مستزاد خوشبوؤں کے جھونکوں سے مشام جان کو معطر کر کے مدح سرائی مدح سرائی اور ثناء خواں کی ثناء خوانی کی حاجت وضرورت محسوس نہیں کریں گے۔

دعاگو ہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فاضل محقق کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے اور اس طرح کی مزید سے مزید تردینی خدمات سے بہرہ مند فرمائے اور ان کے اس مبارک عمل کے بدلہ نیکیوں میں گرانقدر اضافہ کا باعث بنائے اور اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے اور ہر زمان ومکان کے طلبہ وعلماء کو اس سے استفادہ کی توفیق بخشے، انک علی کل شی قدیر وبالاجابۃ جدیر۔

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

شب جمعہ ۷ رجمادی الاولی ۱۴۲۱ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدمہ ''ردّالمحتار''

مطبوعہ ''فیض القرآن''

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّا بَعْدُ!

شک نہیں کہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ کی کتاب ''ردالمحتار'' متاخرین حنفیہ کی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور و مفید اور اس کا نفع عام و تام ہے، یہ صرف ''الدر المختار'' ہی کی شرح نہیں بلکہ یہ حنفی مذہب کی تحقیق اور نقل فتاوی و مسائل کا سب سے زیادہ قابل اعتماد ذریعہ ہے، جس میں مؤلفِ علام نے مذہب کی تحقیق سمیت معتبر مصادر و مراجع سے مراجعت کر کے مسائل کی تنقیح کی ہے اور محض متاخرین سے مسائل کو نقل کرنے پر اکتفاء نہیں کیا، جس کے باعث وہ ان غلطیوں اور تسامحات کی نشاندہی میں بدرجہ اتم سرفراز ہوئے ہیں جو مسائل کے نقل در نقل کی وجہ سے واقع ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اصل ماخذ کی طرف مراجعت کیے بغیر مذہب حنفیہ کے ارباب افتاء ان تمام فقہ حنفی کی کتابوں پر سب سے زیادہ فوقیت اسے ہی دیتے ہیں جو اخیر کے زمانے میں اس سے پہلے لکھی گئیں اور یہ کتاب شرق و غرب کے تمام دارالافتاؤں میں فتویٰ دینے کا سب سے بڑا مرجع و مصدر ہونے کی حیثیت سے متداول ہے۔

بلاشبہ عرب ممالک سمیت دیگر ممالک میں بھی اس کتاب کی پے در پے بہت زیادہ طباعت ہوئی ہے، بالخصوص ان ممالک میں جہاں اکثریت مذہب حنفی پر عمل کرنے والوں کی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے طبع کرنے والے مکتبات بھی کثیر ہیں اور اسی طرح اس کے نسخے بھی شائع و ذائع ہیں، جس کے باعث علمی مباحث میں جہاں کہیں اس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہوتا ہے، اس کے ان صفحات تک رسائی اسی تعدد نسخ کے باعث کافی مشکل ہوجاتی ہے۔

مکتبہ ''فیض القرآن'' اس کتاب کو عمدہ صفحات اور بڑے سائز پر اس اہتمام سے شائع کرنے کا خواہاں ہے کہ اس کی جلدیں بھی زیادہ نہ ہو اور اس غرض سے انہوں نے ان کثیر الاستعمال نسخوں کا انتخاب کیا ہے، جن پر بالخصوص گزشتہ صدی کے محققین اور علماء کا خاص اعتماد ہے، تاکہ ان کی طرف سے دیے گئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

کتاب کے حوالہ جات کی طرف مراجعت سہل سے سہل تر ہو اور تقریرات الرافعی (جو "ردالمحتار" پر انتہائی نافع ومفید تعلیقات سے عبارت ہے،) کو اصل کتاب کے ساتھ طبع کی گئی ہے، تاکہ سہل الوصول ہو اور قاری کے لیے "ردالمحتار" سے مالہا وما علیہا استفادہ کرنا آسان ہو، اس عظیم المرتبت کتاب کے ناشرین کے لیے ایک تجویز یہ بھی ہے کہ وہ کتاب کی فہرست اس طرح وضع کرنے کا ضرور اہتمام کریں جس سے مراجعت میں خاطر خواہ سہولت رہے، اس طباعت میں ممکن ہو تو اس میں، وگرنہ اگلی طباعت میں ان شاء اللہ، کیوں کہ اب تک کی مطبوعہ کتابوں کی فہرستیں آج تک مراجعت کرنے والوں کی اس طرح ضرورت پوری نہیں کر سکی ہیں، جیسی کہ ضرورت پوری ہونی چاہیے، لہٰذا کتاب کے لیے ایک جامع فہرست مرتب کرنے کی اشد ضرورت ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے لئے کویت کے مطبوعہ نسخے کی فہرستوں سے استفادہ کر لیا جائے۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس نسخہ کو دیگر مطبوعہ نسخوں کی بنسبت مستفیدین کے لیے زیادہ نفع بخش، مراجعت کی نسبت سے آسان اور سہل الوصول بنائے، اس کتاب کی طباعت کے جملہ کرم فرماؤں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی کاوشوں کی شرف قبول عطا فرما کر ہر خطے اور ہر بندے کے لیے اس کا نفع عام وتام فرمائے۔ آمین۔

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی

۸ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

فقہی انسائیکلوپیڈیا (کویت) کے ترجمہ کے لیے دی گئی تجاویز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم جسٹس محمد تقی عثمانی (دارالعلوم کراچی ۱۴)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام!

آپ کو اس حوالے سے اطلاع دینا ہمارے لیے حد درجہ باعث مسرت ہے کہ ہماری وزارت اوقاف حد درجہ خواہش مند ہے کہ ہمارا صادر کردہ "الموسوعۃ الفقھیہ" (عربی فقہی انسائیکلوپیڈیا) کا انگریزی سمیت دیگر رائج زبانوں میں بھی ترجمہ کیا جائے اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے وزارت اوقاف کے ماتحت باقاعدہ ایک "کمیٹی" قائم ہے جو انتظام وانصرام اور حکمت عملی کے مدنظر ان تمام علمی پہلوؤں کی رعایت رکھنا چاہتی ہے، جو اس کام کے لیے ضروری ہے۔

امید ہے کہ اس کار خیر میں ہر ممکن تعاون فرما کر ہمیں شرف بخشیں گے اور ان تمام اصول وضوابط کو تحریری صورت میں ارسال فرمائیں گے جو نقشہ کار تجویز کرنے میں معاون ہو، کیوں کہ وزارت اوقاف اس سلسلے میں بھرپور جدوجہد صرف کر رہی ہے کہ اس غرض سے جلد متخصصین اہل علم کی ایک کانفرنس منعقد کریں۔ از راہ عنایت اس سلسلے میں نشر کردہ علمی خدمات کو ہماری امنگوں کے مطابق قبولیت سے سرفراز فرما کر شرف بخشیں۔

علی فہد الزمیع

نائب معاون برائے

اسلامی امور رئیس ترجمہ کمیٹی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت محترم علی فہد الزمیع

نائب معاون برائے اسلامی امور وزارت اوقاف (کویت)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

گرامی نامہ نمبر آف ر م ق / ۹۹۵ / ۷ / ۱۴ بتاریخ ۴ / ۳ / ۱۴۰۵ھ کو موصول ہوا اور وزارت اوقاف

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی طرف سے "الموسوعہ الفقہیہ" انگریزی ترجمہ سمیت دیگر معروف زبانوں میں ترجمہ کی خبر سن کر بے حد مسرت ہوئی اور اس مبارک مقصد پر میں آپ حضرات کو دلی مبارک باد دیتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ اس جلیل القدر کام کے لیے حتی المقدور خدمات پیش کروں گا۔ تاہم وہ امور جو اس عظیم کام کی تکمیل میں حسب ضرورت اہم اور ضروری معلوم ہوتے ہیں، یہ ہیں:

(الف) ایسے رجال کار افراد کی قدر افزائی جو باصلاحیت و تجربہ کار ہوں تاکہ مقالات کا عربی زبان سے انگریزی، اردو، فارسی و دیگر معروف زبانوں کے ترجمہ سمیت برعکس ترجمہ کر سکیں۔

(ب) منسلکہ بیان کے مطابق مقالات کی تحریر میں تعاون۔

(ج) موسوعہ کی موضوعات سے متعلق اب تک جس قدر مواد پاکستان میں صادر ہو رہا ہے یا ہوا ہے اس کو مہیا کرنے کا اہتمام۔

(د) اس سلسلے میں اگر کوئی اور خدمت ہو تو یاد کر لیا جائے۔

اس عظیم علمی مقصد کے لیے اب تک جو کچھ ہماری کاوش ہے، ان میں ایک تو یہ ہے کہ ہم نے متفرق دینی موضوعات پر بعض گرانقدر علمی کتابیں طبع کی ہیں، نیز پنجاب یونیورسٹی سے شائع شدہ ایک بہت بڑے اسلامی انسائیکلوپیڈیا کی تیاری میں بھی ہمارا حصہ ہے، اگر اس کی ضرورت محسوس ہو تو وہ آپ حضرات کے مطالبہ پر ان شاء اللہ ارسال کر دیں گے۔

اس خط سے منسلک ایک مختصر تحریر بھی ارسال ہے، جو ان بنیادی تجاویز پر مشتمل ہے، جو اس کام کو بہتر سے بہتر طریقے پر انجام دینے کے لیے بایں طور کارگر ہوگی جس کا فائدہ عام و تام ہوگا۔

نیز ایک اہم بات یہ ہے کہ انسائیکلوپیڈیا کے جن اجزاء مع دیگر پمفلٹ کے ارسال کرنے کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے، اس خط ملنے کے دو ہفتے گزرنے کے بعد بھی وہ موصول نہیں ہو سکا ہے، اگر وہ بھی وصول ہو جائیں تو مزید تجاویز دینا بسہولت ممکن ہو سکے گا۔ امید ہے کہ اس تجویز نامہ کو قبولیت سے سرفراز فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محمد تقی عثمانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

تجاویز برائے ترجمہ "فقہی انسائیکلوپیڈیا (کویت)"

(الف) گو کہ "الموسوعۃ الفقہیہ" کا ترجمہ دیگر تمام رائج زبانوں میں ہونا مستحسن امر ہے، تاہم انگریزی اور اردو زبانوں میں اس کے ترجمہ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد بنسبت دیگر زبانوں کے کہیں زیادہ ہے۔

(ب) موسوعہ کا انگریزی وار دو ہر دو زبانوں میں محض ترجمہ کر دینے پر یہ کام ختم نہ ہو کیوں کہ ان دونوں زبانوں پر ایک مستقل اکیڈمی کی سطح پر کام کی ضرورت ہے، جس میں ترجمہ سے زیادہ مطالعہ و تحقیق پر زور دینا ہو گا۔

وجہ یہ ہے کہ اکثر علمی واسلامی مصادر و مراجع کا مدار ان دو زبانوں پر ہے، جس کے باعث یہ ہر دو زبانیں ابتداء ہی سے دشمنان اسلام کی طرف سے افتادزدہ رہی ہیں، جس کے ذریعے اسلامی و دینی احکام میں تحریف کرنا، اس کے مبادیات بالخصوص عقائد میں شکوک پیدا کرنا اور اس کی روشن تعلیمات پر عوامی وسوسوں اور شبہات کو ہوا دینا ان کا وطیرہ بن چکا ہے اور علم سے نسبت رکھنے والا ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ مستشرقین کی ایک بڑی جماعت ہے جس نے باقاعدہ طور پر اسلام کے اصول، عقائد، فقہ اور سلوک جیسے اہم اور حساس موضوعات پر اس قدر کتابیں لکھ دی ہیں کہ کتب خانوں کے کتب خانے بھر چکے ہیں اور انہوں نے اپنی تالیفات میں جو انداز تحریر اپنایا ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی مجادلانہ یا مناظرانہ اسلوب نظر نہیں آتا، وہ بظاہر نہایت علمی گہرائی کے ساتھ لکھی گئی قلمی نگارشات ہیں، جس سے اول وہلہ میں ہی ایک سادہ لوح شخص کی نگاہیں چندھیا جاتی اور عقل جواب دے جاتی ہے، اگر انہیں سنیں تو کانوں میں رس گھول دیں اور ایک عامیانہ زاویۂ فکر سے انہیں سوچیں تو ذہن فوراً قبول کرلے۔

منجملہ مستشرقین کی ان تحریروں میں سے ایک معروف "انسائیکلوپیڈیا" "موسوعۃ الاسلام" بھی ہے، انگریزی زبان میں تاحال ایسا کوئی انسائیکلوپیڈیا اس موضوع پر نہیں، اس میں اکثر لکھنے والے یہود، نصاریٰ اور ملحدین ہیں اور اس کا مطالعہ کرنے والے کسی بھی شخص کو ادنیٰ شک نہیں رہتا کہ یہ مجموعہ بڑی بڑی غلطیوں (Blunders) اور باطلانہ تحریفات اور کتر و بیونت سے پر ہے، لیکن مستشرقین کا ایک طبقہ وہ ہے جس نے اپنے تحریر کردہ مقالات کا وافر حصہ اس میں شامل کیا ہے، جن کے بطلان پر وہی لوگ واقف ہو سکتے ہیں جو علمی گہرائی و گیرائی اور جملہ علوم دینیہ پر وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فی زمانہ اگر عالم اسلام پر ایک نظر ڈالی جائے تو اس کے ہر ہر خطے کا یہ حال ہے کہ بچہ بچہ انگریزی زبان کی گود میں پلتا بڑھتا ہے اور یہی ایک زبان ہے جس میں وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہے لہٰذا اگر وہ ان موضوعات کے متعلق کوئی بھی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے سوائے دین اسلام سے کوسوں دور ان مستشرقین کی گمراہ کن تحریروں کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہیں آتا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابتداء ہی سے اسلام کی اصولیات کے حوالے سے وہ فکری ارتداد کا شکار ہو جاتے ہیں، اور کفریہ ولادینی افکار کی زد میں آکر بڑی تیزی سے پگھلنا شروع ہو جاتے ہیں اور سرے سے اپنا اسلامی تشخص بھلا کر ان کی زبان بولنے لگتے ہیں۔

ان نازک حالات کے پیش نظر محض انگریزی ترجمہ سے اتنا بڑا خلا پر نہیں ہوگا، جس کا ہم سالہا سال سے سامنا کرتے آئے ہیں، کیوں کہ آگے جن اہم امور کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے ان کو سامنے رکھتے ہوئے یوں لگتا ہے کہ اس انسائیکلوپیڈیا کا محض ترجمہ کرنا استفادہ کرنے والوں کے لیے ایک اجنبیت کا باعث ہوگا، جس میں انہیں ان سوالوں کا جواب نہیں ملے گا جن کے ذریعے مستشرقین سادہ لوح عوام کو گمراہ کر رہے ہیں۔

لہٰذا اگر واقعتاً ہم اس بڑے خلا کو پر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور استفادہ کرنے والے تمام شعبہائے زندگی سے وابستہ افراد کی صحیح معنوں میں حاجت روائی چاہتے ہیں، تو ہم پر لازم ہے کہ اس عظیم فقہی سرمائے کے انگریزی ترجمہ سے قبل ہم مستشرقین کی جملہ تحریروں کے حوالے سے پوری بصیرت حاصل کریں، بالخصوص ان کے اسلام سے متعلق انسائیکلوپیڈیا کا بغور جائزہ لیں اور اپنے انسائیکلوپیڈیا میں ایسا فکری مواد اس مؤثر انداز میں داخل کر دیں جو ان کی طرف سے پیدا کردہ شبہات کی تردید کرے، موقع بموقع اٹھائے گئے سوالات کا مُسکت جواب دے اور ان کی طرف سے شروع کیے گئے نت نئے موضوعات کے حوالے سے اس طرح شعور وآگہی کی فضا ہموار کرے جو دلوں کو اطمینان اور سینوں کو کشادگی بخشنے والی ہو۔

(ج) سابقہ نکتے میں ذکر کردہ امور کے پیش نظر ضروری ہے کہ فقہی انسائیکلوپیڈیا میں شامل مقالات کے انگریزی ترجمہ کے وقت مستشرقین کے تحریر کردہ "موسوعة الاسلام" میں شامل اسی موضوع کے مقالے کو ملاحظہ کر لیا جائے، اور ملاحظہ کرنے کے بعد ترجمہ کے ساتھ ساتھ جہاں کہیں مناسب ہو، ان موضوعات کی تشریح کرتے ہوئے ایسا فکری اسلامی مواد جابجا بڑھا دیا جائے، جن کو سامنے رکھتے ہوئے مستشرقین نے شکوک وشبہات کو ہوا دی ہے۔

(د) اس طرح کے اسلامی انسائیکلوپیڈیا پر کام کے بارے میں ہمارا تجربہ یہ کہتا ہے کہ پنجاب یونیورسٹی کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

طرف سے تالیف کردہ وشائع کردہ اردو اسلامی انسائیکلوپیڈیا غایت درجہ مفید ہے، مناسب ہے کہ اس انسائیکلوپیڈیا کے ترجمہ کے دوران اس سے بھی استفادہ کیا جائے۔

(ہ) اس عظیم مقصد کی صحیح معنوں میں تکمیل کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کام کے لیے ایسے باصلاحیت وذی استعداد علماء کرام کی ایک جماعت ہو جو نہ صرف یہ کہ جملہ دینی علوم میں گہرائی کے ساتھ دسترس رکھتے ہوں بلکہ مستشرقین کی ان گمراہ کن تالیفات سے بھی وسیع پیمانے پر باخبر ہو، جو ان مقالات کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ باہمی مشاورت سے ایسے مقالات کا تعین بھی کریں جن کی آئندہ وقتوں میں ضرورت ہو سکتی ہے اور باصلاحیت مقالہ نگاروں سے قلمی خدمات لی جائیں، اس طرح جہاں مستشرقین کی طرف سے عائد کردہ سوالات وشبہات کا ازالہ ہوگا، وہیں مستفیدین کے سامنے اضافی مواد آتا رہے گا، جو مستشرقین کی طرف سے مستقبل میں پیش آمدہ خطرات کا پہلے سے تدارک کرنے میں معاون ہوگا۔

(و) اس کام کو شروع کرنے سے قبل بطور مقدمہ یہ بھی ضروری ہے کہ سابقہ نکتہ میں جس جماعت کی طرف اشارہ کیا گیا وہ پہلے ہمارے ترجمہ کے اصول وضوابط مقرر کرے، جس کی رو سے ترجمہ دینی و فقہی اصطلاحات کے عین مطابق ہو اور باقاعدہ ایک طریقۂ کار وضع کرلیں کہ عربی حروف کا انگریزی رسم الخط کیا ہونا چاہیے، تاکہ یہ تراجم دنیا بھر میں ایک ہی طرز پر شائع وذائع ہوں کیونکہ فی زمانہ اس میں کافی اختلاف آچکا ہے۔

واللہ سبحانہ ھو الموفق

محمد تقی عثمانی

جسٹس شرعی وفاقی عدالت عظمیٰ پاکستان

نائب رئیس دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴ پاکستان

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدمہ، الانتباهات المفيدة لحل الشبهات الجديدة

شیخ المشائخ حضرت امام اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ عالم اسلام کی ان عبقری شخصیات میں سے ہیں، جنہیں ہر شہر و زمانے کے علماء نے "حکیم الامت" کے خطاب سے نوازا، کسی بھی زمانے اور شہر میں اس طرح کی عبقری شخصیات خال خال پائی جاتی ہیں، آپ رحمہ اللہ نے اپنی پوری حیات مبارکہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لیے وقف فرمادی تھی۔

حضرت رحمہ اللہ نے اپنی گرانقدر علمی وفکری خدمات کے ذریعے برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں میں شعور وآگہی کی جو روح پھونکی ہے اور جس انداز میں اس خطے کی عملی تربیت کا قرض وفرض نبھایا ہے، اس سے یہاں کے لوگوں کے کاندھے ہمیشہ بوجھل رہیں گے، آپ رحمہ اللہ نے اپنے ماخلف گرانمایہ علمی ورثہ چھوڑا ہے، جو چھوٹی بڑی ایک ہزار کتابوں سے متجاوز ہونے کے باعث باقاعدہ ایک کتب خانہ کی شکل اختیار کرگیا ہے، جو اردو، عربی اور فارسی ہر تین زبانوں میں ہے، لیکن چوں کہ ان میں اکثر حصہ اردو زبان میں ہے، اس لیے عرب ممالک کا ایک وسیع خطہ آپ کے اس علمی ورثہ سے مستفید نہ ہوسکا اور ہمیشہ سے ہی اس کی شدت سے ضرورت محسوس کی گئی کہ حضرت رحمہ اللہ کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ ہوجائے، تاکہ تمام خطوں کے مسلمان مستفیض ہوسکیں۔

ان ابتدائی کتب میں سے جن کے ترجمہ کے لیے میں بے تاب تھا، آپ رحمہ اللہ کی کتاب "الانتباهات المفيدة لحل الشبهات الجديدة" بھی ہے، بلاشبہ یہ کتاب مختصر پر اثر ہونے کی حیثیت سے ایک علمی سرمایہ ہے، جس نے تجدد پسندانہ وگمراہ کن مغربی افکار کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا، بالخصوص اس جدت پسند طبقہ کے دینی واسلامی عقائد کی بدرجۂ اتم نگہبانی کی ہے، جن کی رگوں میں جدید فلسفے کا زہر خون کی طرح دوڑ رہا تھا اور جنہوں نے مغربی اقدار وروایات کے سائے میں آنکھ کھولی، چنانچہ وہ بھی سمجھتے رہے کہ اسلام کے تمام معتقدات علم اور عقل کے معارض ہیں اور ان جدید ایجادات واکتشافات کے سامنے جو عہد حاضر کے ترقی پسند اقوام کی ہیں، ان عقائد کی کوئی حقیقت وحیثیت نہیں۔

لیکن جب میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی اس کتاب کا گہرائی سے مطالعہ کرتا ہوں تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ جن اصولی نکات کی طرف حضرت شیخ رحمہ اللہ نے توجہ دلائی ہے، وہ ان گمراہ کن نظریات وضلالت کے آگے بند باندھنے کے لیے کافی وشافی ہے، اور جو کوئی بھی اس کتاب کو حق اور درست بات

toobaa-elibrary.blogspot.com

تک پہنچنے کی غرض سے بنظرِ انصاف پڑھے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے سامنے قرآن و سنت سے قطعی معارض ان جدت پسندانہ افکار کا کھوکھلا پن بالکل واضح ہو جائے گا اور نہ صرف یہ کہ صحیح معنوں میں اس کی قلعی کھل جائے گی بلکہ یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ اسلام کے عقائد و نظریات عقلِ سلیم کے معارض ہے اور نہ ہی زمینی حقائق کے خلاف۔

اس وجہ سے میں نے اپنے محترم دوست مرحوم محمد حسن عسکری سے التماس کیا کہ وہ اس کا انگریزی ترجمہ کریں، پس انہوں نے میری دعوت پر لبیک کہا اور بحمد اللہ یہ کتاب انگریزی میں بنام Answer to Modernism شائع ہوئی اور اب تک الحمد للہ اس کے ہزاروں نسخے شائع ہو چکے ہیں۔

پھر میں اپنے ایک نوجوان سال ساتھی فاضل اور ماہر فن استاد نور البشر حفظہ اللہ (خریج دار العلوم کراچی) سے التماس کیا کہ وہ اس کا عربی میں ترجمہ کریں، پس انہوں نے بھی اس مبارک کام کو خوش اسلوبی سے انجام دیا اور بڑی ہی مہارت و قابلیت اور مضمون کا احاطہ کرتے ہوئے اسے تکمیل تک پہنچایا۔ ابتداء میں ان کی تحریر کی مراجعت کرتا رہا اور بعض خاص خاص مقامات پر فاضل مترجم کی رہنمائی بھی کرتا رہا، لیکن اس کے بعد مجھے اس کی فرصت نہیں مل سکی کیوں کہ عملی جدوجہد کو دیکھتے ہوئے ان کی بیدار مغزی پر مکمل اطمینان ہو چکا تھا۔

جب مکمل ترجمہ ملاحظہ کیا تو بے حد قلبی مسرت ہوئی کیوں کہ مترجم فاضل نے نہ صرف یہ کہ اسے بخوبی عربی قالب میں ڈھال لیا تھا بلکہ اس میں عمدہ اور نافع تعلیقات کا اضافہ بھی کیا تھا، آیات و احادیث کی تخریج سمیت متن میں موجود اجنبی اصطلاحات اور مشکل عبارات کی شرح کی تھی اور مختلف مواضع پر نت نئے دلائل کے ذریعے انوکھے انداز میں مصنف ماتن رحمہ اللہ کی تائید کی ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی توفیق و عنایت سے عربی ترجمہ کے ساتھ یہ کتاب نہایت احسن انداز میں منصۂ شہود پر آئی ہے، اور گوکہ اس کی بہت بھاری ضخامت نہیں، تاہم میرے خیال میں اس کے گرانقدر اور وسیع پیمانے پر مفید ہونے کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جیسے علمی ذوق سلیم عطا ہوا ہے۔

باری تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہر شہر و ہر بندہ تک اس کا نفع عام و تام فرمائے اور اس کے دائمی پیغام کو تادیر باقی رکھے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ مترجم فاضل کو جزائے خیر عطا فرمائے، ان کے علم، عمل اور عمر میں برکات عطا فرمائے اور انہیں اس طرح کی اور دینی خدمات سے موفق فرمائے۔ آمین

محمد تقی عثمانی

۲۱ ذوالحجہ ۱۴۱۸ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدمہ

دارالعلوم دیوبند، ایک فکری، تحریکی، اصلاحی، تعلیمی وتربیتی وہمہ جہتی مؤقر ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّا بَعْدُ!

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے دین متین کی حفاظت، اس کے پیغام کو عام کرنے، اس کے کلمہ کو بلند کرنے، اور اس کی بقاء کے لیے ہر دور وہر شہر سے کچھ ایسے رجال کار کو وہ ہمت وحوصلہ عطا فرمایا جس سے انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں دین میں جاہلانہ تاویلات کا قلع قمع کیا اور تحریف کرنے والوں کی تحریف کارد کیا۔

انہی رجال کار میں سے دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ وہ علماء کرام بھی ہیں، جنھوں نے دین حنیف کی تبلیغ واشاعت، دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ایسی لازوال قربانیاں پیش کیں، جن پر آج بھی تاریخ اسلامی فخر کرتی ہے اور یہ وہ ادارہ ہے جو اس پورے خطے میں علوم اسلامیہ وعربیہ کی سب سے بڑی اسلامی یونیورسٹی شمار ہوتا ہے، جس کی بنیاد غاصبانہ وظالمانہ انگریزی استعمار کے اندوہناک دور میں صرف اس غرض سے رکھی گئی کہ ان کے پیدا کردہ اس فکری وتعلیمی ارتداد کا قلع قمع کیا جائے جس نے اس خطے سے دین حنیف کے نقوش تک مٹا دیے تھے اور اس کے مظلوم ومقہور باسیوں کو اسلام کی ان روشن تعلیمات اور دائمی ہدایت سے محروم کر دیا تھا، جو درحقیقت اس قوم کی دین ودنیا کی فلاح کا ضامن ہے۔

یہی وہ مردم ساز اسلامی یونیورسٹی ہے، جس کے فارغ التحصیل علماء کرام کو "علماء دیوبند" کا نام دیا جاتا ہے، جو ایک طرف مذکورہ انگریزی سربریت کے خلاف برسرپیکار رہے تو دوسری طرف شرک وبدعت اور ان تمام خرافات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جو پتھروں کے پجاری ان ہندوؤں کے ساتھ رہن سہن کے نتیجے میں ان میں سرایت کر گئی تھیں۔ بلاشبہ علماء کرام کی یہ مقتدر جماعت اسی ادارے کی رہین منت ہے، جس

toobaa-elibrary.blogspot.com

نے اپنے مواعظ وخطبات، تحریر وتقریر، تعلیم وتربیت اور دعوت وتبلیغ کے ذریعے سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات کا پرچار کیا، گمراہ کن فتنوں کا مقابلہ کیا اور مسلم امۃ کی اسلامی خطوط پر فکری تعمیر کی اور یہی وہ مقدس طبقہ ہے جس نے اردو، عربی اور فارسی سے دیگر زبانوں میں ہر اس موضوع پر گرانقدر تالیفات وتصنیفات کا ذخیرہ چھوڑا، جن پر ایک اسلامی لائبریری ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔

بلاشبہ عالم اسلام کی یہ وہ عبقری شخصیات ہیں جن کی جلیل القدر خدمات کے سامنے ان لوگوں کی نگاہیں ہمیشہ پست رہیں گی جو کہ ہمیشہ ہی سے فروعی نوعیت کی معمولی معمولی باتوں کو بلاجواز بنیاد بنا کر ان پر اعتراضات کرتے رہے اور انہیں ضلالت وگمراہی کا طعنہ دیتے رہے، کبھی تو چھوٹی چھوٹی چیزوں سے خوفزدہ کرکے، تو کبھی ان کی طرف ایسی باتوں کو منسوب کرکے جن سے وہ ہمیشہ سے ہی بری تھے اور یہ وہ معمولی نوعیت کے امور ہیں جن سے ہر زمانے اور ہر جگہ کے مخلص اور مصلحین علماء کرام کا دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں رہا۔

ہمارے برادرِ عزیز جوان سال جلیل القدر عالم دین شیخ محمد عبید اللہ اسعدی صاحب نے یہ کتاب انہی علماءِ ربانیین کے تعارف، تاریخ، علمی وعملی کارکردگی اور حیرت انگیز کارناموں کو اجاگر کرنے کے لیے تحریر کی ہے، نیز قرآن وسنت اور سلف صالحین کے اقوال کی روشنی میں ان کے عقائد وافکار سے بحث کرتے ہوئے ان کی تالیفات کی ان نصوص اور اقوال سے تطبیق دی ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے پر امید ہوں کہ یہ کتاب ہمارے بھائیوں کے لیے علماء کرام کی اس مقدس جماعت کے تعارف، ان کے افکار ونظریات کے علم اور ان کے علمی ورثہ کی صحیح نہج کو جو یقیناً قرآن و سنت سے ادنیٰ درجہ بھی منحرف نہیں، جاننے کے لیے ایک سنگ میل ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ مؤلفِ کتاب کو جزائے عظیم عطا فرمائے، یوم الحساب کو بے شمار اجر کا ذریعہ بنائے اور ہر دور وشہر کے لوگوں کو اس سے مستفید فرمائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ ھو الموفق

محمد تقی عثمانی

۱۰ شوال المکرم ۱۴۱۷ھ

دارالعلوم کراچی

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدمة

المقالات المكية في دراسة القاديانية

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ أَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ-اَمَّا بَعْدُ!

"قادیانیت" وہ طبقہ ہے جو ہندوستان کے قادیان شہر میں ظہور پذیر ہوا، جو جھوٹے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی سے منسوب ہے، اور یہ وہ شخص تھا جس نے شروع شروع میں کچھ کتابیں لکھ کر لوگوں کو بہلایا پھسلایا، پھر بتدریج جھوٹے دعوے کرتا چلا گیا، چنانچہ اولاً اس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ مجدد ہے، پھر یہ دعویٰ کیا کہ وہ مسیح موعود ہے، پھر مہدی منتظر اور پھر پوری دیدہ دلیری سے یہ دعویٰ بھی کر بیٹھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ ہے، جس سے آپ کا ظہور ثانی ہوا ہے، جو آپ علیہ السلام کے ظہور اول سے اکمل اور افضل ہے، والعیاذ باللہ۔

اس کی اس گستاخی و ہرزہ سرائی کی خلاف ہندو پاک کے علماءِ کرام برسرپیکار ہوگئے اور اس کے پیدا کردہ ان شبہات کے مقابلے میں شعور و آگہی کی فضا ہموار کی، جن سے مسلمانوں کا سادہ لوح طبقہ سخت متاثر ہو رہا تھا اور انہوں نے ملت اسلامیہ کو ایک نکتہ پر جمع کیا کہ وہ اور اس کے متبعین اسلام سے خارج ہیں اور دین سے بالکلیہ طور پر اس طرح الگ تھلگ ہوگئے ہیں جس طرح تیر کمان سے الگ ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ علماء کرام کی اس تحریک کے اثرات عالمی دنیا پر مرتب ہوئے اور بین الاقوامی تنظیموں نے بھی متفقہ طور پر انہیں غیر مسلم قرار دیا، جیسے رابطۃ العالم الاسلامی اور اس کے ذیلی ادارے مجمع الفقہی، مجمع الفقہ الاسلامی، مجمع البحوث الاسلامیہ مصر وغیرہ۔

حق تو یہ ہے کہ قرآن و سنت پر کامل یقین رکھنے والے مسلمانوں میں مرزا قادیانی کے ان نامعقول اور بے ہودہ نظریات کو کبھی پذیرائی نہیں ملی، بلکہ یورپی و مغربی طاقتیں اسے تھپکی دیتی رہیں اور مسلمانوں کی صفوں کو درہم برہم کرنے کے لیے مادی اور خارجی طور پر اس کی امداد کرتی رہی، جس کے باعث ان کی یہ تحریک اس خطہ میں پھیل گئی، اس کے بعد علماء کرام کی جدوجہد اور عوامی ردعمل کے نتیجے میں پارلیمنٹ نے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ریاستی سطح پر اس جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا، تو انہوں نے دوسرے ممالک تک قادیانیت کی دعوت پہنچانے کے لیے اقدامات کیے اور عرب ممالک میں اپنے نظریات کے پرچار کے لیے عربی زبان کے ماہرین کا ایک مضبوط نیٹ ورک قائم کیا، جو عرب ممالک میں قادیانیت کی تبلیغ میں مصروف عمل رہے اور مرزا قادیانی کے ان نامعقول نظریات کو بیچ سے غائب کردیا تاکہ اس کا بدیہہ البطلان جھوٹ واضح نہ ہوسکے، جس کے باعث بعض سادہ لوح عرب مسلمان ان کے مکروفریب کے جال میں پھنس گئے تھے، اس تشویشناک صورت حال میں اس کی اشد ضرورت تھی کہ عربی زبان میں کوئی ایسی جامع تحریر مرتب ہوجائے جو ان کا اصلی چہرہ بے نقاب کردے تاکہ سادہ لوح عرب مسلمان اس پردہ کے پیچھے چھپے اس کفر اور ضلالت وگمراہی کو سمجھ سکیں۔

اس عظیم خدمت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمارے بھائی ڈاکٹر سید احمد عنایت اللہ حفظہ اللہ کے دل میں داعیہ پیدا فرمایا اور انہوں نے یہ مقالات بنام ''المقالات المکیہ فی دراسۃ القادیانیۃ'' کے نام سے تالیف کیے، بلاشبہ جملہ مقالات میں سے ہر مقالہ اپنے موضوع کو مکمل حاوی ہے، جن میں اولاً وہ اصولیات دین کو ذکر کیے گئے ہیں، جن پر چودہ سو سال سے ملت اسلامیہ برابر عمل پیرا ہے، پھر قادیانیت کے ان تمام افکار و نظریات اور عقائد کو اس طرح مدلل و مبرہن کر کے پیش کیا ہے، جس سے یہ کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ اس گمراہ طبقہ کے عقائد کا اسلامی عقائد سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں اور پھر مرزا قادیانی اور اس کے پیروکاروں کے اپنی کتابوں ورسائل میں ذکر کردہ ان ہوائی باتوں کو باحوالہ ذکر کے پورے وثوق سے یہ ثابت کیا ہے اس طبقہ کے عقائد وافکار قرآن وسنت علی صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات سے کوئی میل نہیں کھاتے۔ دعا گو ہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان گرانقدر مقالات کو سادہ لوح عربی داں طبقہ کے لیے اس کفریہ فرقہ کے چہرے سے نقاب کشائی کرنے میں معین ومددگار بنائے۔ اللہ تعالیٰ ان کی جدوجہد کو شرف قبول عطا فرمائے اور اس کا نفع عام وتام فرمائے۔ آمین۔

محمد تقی عثمانی

۹ر صفر المظفر ۱۴۳۳

مکۃ المکرمۃ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدمہ "البلاغة الصافية"

"علم بلاغت" علوم اسلامیہ کے ایک طالب علم کے لیے حد درجہ اہمیت کا حامل اور اس کی اہم ترین ضرورت ہے، کیوں کہ یہی وہ علم ہے جس کے ذریعے قرآن کریم اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے اسرار ورموز سے پردہ اٹھتا ہے، فصیح وبلیغ عبارات میں مستور دقیق سے دقیق معانی منکشف ہوتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر اعجاز قرآنی کی ان کے مختلف و متنوع وجوہ کے دریچے کھلتے ہیں، جو اپنی معنی خیز تعبیرات کی ایسی تابندہ و پائندہ آب و تاب لیے ہوئے ہیں کہ صدیاں گزر گئیں مگر اس کی رونق و خوشنمائی میں کمی آئی اور نہ ہی اس کی شادابی متاثر ہوئی، اس کے معانی میں کوئی جھول آیا اور نہ ہی اس کے عجائبات میں کوئی نقص، اس کلام کی علم بلاغت کے ذریعے معلوم ہونے والی یہی وہ خصوصیات ہیں جن کے آگے عرب کے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء کی گردنیں ہمیشہ سے ہی جھکی رہیں۔

مزید برآں "علم بلاغت" دین کی نشر واشاعت، اس کے پیغام کو عام کرنے، اس کی ابدی تعلیمات کو اجاگر کرنے کے لیے ایک عالم دین کا وہ متاع گرانمایہ ہے، جس کی اہمیت سے انکار ایک مسلمہ زمینی حقیقت کو جھٹلانے کے مترادف ہے، کیوں کہ یہی وہ علم ہے جو نرم خو واعظ، شعلہ بیان خطیب اور ایک معتدل و محتاط قلمکار کے کلام میں وہ تاثیر پیدا کرتا ہے جو "از دل خیزد بر دل ریزد" کا مصداق ہوتی ہے، جس سے ذہن و دماغ کے بند تالے کھلتے ہیں، دیمک زدہ ہمت و حوصلہ کو نئی توانائی ملتی ہے، دشوار گزار گھاٹیاں سر ہو جاتی ہیں اور سخت سے سخت چٹانیں ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ علم بلاغت قرآن وسنت کی تعلیم و تدریس کے ایک اہم ترین عنصر کے طور پر مدارس عربیہ میں ابتداء ہی سے داخل نصاب رہا ہے، اور اس مضمون کے لیے ہمارے ہاں جو کتب مقرر ہیں، منجملہ ان میں ان میں علامہ قزوینی کی "تلخیص المفتاح" مع علامہ تفتازانی کی "المختصر" اور "المطول" ہر دو شروحات شامل ہیں لیکن "تلخیص المفتاح" باوجودیکہ اس علم کے جملہ مبادی کا مکمل استیعاب کرتی ہے، حد درجہ مختصر ہے، کیوں کہ بعض مواضع پر اس کا اسلوب انتہائی مغلق ہے اور علامہ تفتازانی کی شروحات کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کا اسلوب بیان ایک بحث سے دوسری بحث تک منتقل ہونے کے لحاظ سے توسع کا حامل ہے، نیز جابجا ایسی مغلق و مشکل مباحث کا اضافہ ہے جن کا بلاغت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان کا فائدہ صرف اس حد تک محدود ہے کہ وہ دیگر موضوعات کی تمرین اور ذہن کو تیز کرنے کے لئے ہیں، جن میں الجھ کر ایک مبتدی طالب علم اصل بحث سے دور نکل کر بھول بھلیوں میں گم ہو جاتا ہے، اور زیر بحث موضوع کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقاصد کو پڑھنے اور سمجھنے کے لئے درکار ایک فطری رفتار سخت متاثر ہوتی ہے، حتیٰ کہ بھی بھی ادب اور بلاغت کا وہ ذوق ہی فوت ہونے لگتا ہے جو اس درس وتدریس کے ماوراء صحیح معنوں میں مقصود ہے۔

ہمارے برادر مکرم فاضل وعالم دین شیخ انور بدخشانی حفظہ اللہ تعالیٰ فی عافیۃ سابغۃ و نفع بہ الطالبین، نے "مختصر المعانی" کی تلخیص، تہذیب اور اس کے معانی کی تسہیل کر کے یہ مفید کتاب "البلاغۃ الصافیۃ" تالیف فرمائی اور طباعت سے قبل اس کا مسودہ بھیج کر مجھے شرف بخشا، میں متفرق جگہوں پر سرسری نگاہ ڈالنے سے باشرف ہوا، اور مباحث دیکھ کر آنکھوں کو ٹھنڈک ملی، انہوں نے علامہ تفتازانی کی علم بلاغت سے متعلق بے ہنگم مباحث کے اصول ومبادی کے موتیوں کو چن کر اس قدر احسن اور عمدہ انداز میں ترتیب دیا ہے کہ طالب علم کے لئے اس کا سمجھنا اور ضبط کرنا نہایت آسان ہو گیا ہے، مزید یہ کہ مؤلف حفظہ اللہ نے دیگر کتابوں سے مفید اقتباسات لے کر اس کتاب کو اور مزین کیا ہے اور ہر بحث کے بعد کچھ ایسی نافع ومفید تمرینات بھی شامل کی ہیں جن کی مدد سے طالب علم کے لئے قواعد کا حفظ اور مشق دونوں آسان ہو جائیں گے۔

نیز شروع میں ایک علمی ومفید مقدمہ درج کر کے بڑی خوبی سے کتاب کی تاج پوشی کی ہے، جس میں علم بلاغت کی ابتداء وارتقاء، اس فن کی ممتاز شخصیات کے سوانحی خاکہ سمیت ان کی اس فن میں موجود گرانقدر علمی ورثہ کا تعارف اور اس کی نمایاں خصوصیات سے اس طرح پردہ اٹھایا ہے کہ طالب علم کے سامنے اس فن کی اہمیت اور ان کی کتب کی ضرورت واضح ہو جاتی ہے۔

غرض یہ کہ مؤلف علام نے "مختصر المعانی" کی مباحث کو طلبہ کرام کے اذہان کے قریب کرنے، متفرق مباحث کو یکجا کرنے اور قواعد کو ضبط کرنے کے لئے ایک قابل قدر کاوش کی ہے، جس کے بعد یہ کتاب تلخیص المفتاح اور اس کی شرح تفتازانی ہر دو داخل نصاب کتابوں کو حل کرنے کے لئے ایک عمدہ سنگ میل ہے، بلکہ اس کا نفع اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ان شاء اللہ، کاش کہ اس کی تمرینات میں فصحاء وبلغاء کے منتخب کلام کے ذریعے اور توسع کیا جائے، تو طالب علم کے لئے قواعد کی مشق سمیت اس کی عملی تطبیق میں اور زیادہ معاون ہو۔ مؤلف حفظہ اللہ سے امید ہے کہ اس عاجزانہ تجویز کو سراہتے ہوئے اگلے ایڈیشنز میں اس کا اہتمام کر لیں گے۔ دعا گو ہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مؤلف کی ان مساعی جمیلہ کو شرف قبول عطا فرمائے، طلبہ کرام کو مستفید فرمائے اور کتاب اللہ وسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فہم وادراک کا ذریعہ عظیم بنائے، مؤلف کتاب کے علم و عمر میں برکت فرمائے اور اس طرح کے اور نافع علمی وعملی کاموں کی توفیق بخشے جن کا نفع عام وتام ہو۔

محمد تقی عثمانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

افتتاحی مقالہ برائے "مجلة البلاغ (عربی)"

اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و توفیق سے "البلاغ" عربی کا پہلا شمارہ پیش خدمت ہے، جو اگرچہ ایک دیرینہ تمنا تھی، مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر کام کا ایک وقت مقدر ہوتا ہے، دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جامعہ دار العلوم کراچی کی طرف سے صادر شدہ اس رسالہ کے ذریعے ہمیں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی توفیق بخشے۔

بلاشبہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں مدارس و اسلامی جامعات کا ایک جال بچھا ہوا ہے، جو خوشگوار ماحول میں علوم عربیہ کی تعلیم و تدریس میں مصروف ہیں، اور کسی بھی قسم کے سیاسی یا خارجی دباؤ سے بالاتر ہو کر یہاں کے طلبہ ایسے اساتذہ کرام سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں، جو علماء سلف ہی کو صحیح معنوں میں ایک درست ذریعہ علم سمجھتے ہیں اور ان علوم کو زمانہ قدیم سے رائج اسی طرز و طریقے پر پڑھا رہے ہیں، جس طریقہ تدریس سے پڑھ کر ہر میدان میں ایسے رجال کار افراد تیار ہوئے جو ہمارے شاندار ماضی کی روشن مثالیں ہیں۔

دار العلوم دیوبند جو "ازہر الہند" کے نام سے ملقب اور شرق و غرب میں پھیلے ہوئے مدارس عربیہ و جامعات اسلامیہ کا سب سے بڑا مرکز ہے، اسی ادارے کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جامعہ دار العلوم کراچی، جو یہ گرانمایہ عربی مجلہ شائع کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے، بھی پاکستان کے تمام ہی دینی مدارس میں سب سے بڑا دینی جامعہ ہے، جس کی بنیاد عظیم فقیہ اور داعی اسلام حضرت علامہ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ (مفتی اعظم پاکستان) نے ۱۳۷۱ھ میں رکھی، اس وقت سے ہی الحمد للہ یہ ادارہ پورے اطمینان اور جامع حکمت عملی کے ساتھ علوم اسلامیہ اور اس کے طالب علموں کی خدمت میں مصروف عمل ہے، جس سے ہزاروں علماء کرام فارغ التحصیل ہو چکے ہیں، جن کی آج نہ صرف یہ کہ پاکستان بلکہ دنیا بھر کے مسلم اکثریتی ممالک میں انتہائی قابل قدر تبلیغی، اصلاحی، تصنیفی و تالیفی، صحافتی اور فتویٰ نویسی کی خدمات ہیں جن کا ہر شخص کھلے آنکھوں مشاہدہ کر سکتا ہے۔ والحمد للہ

یہاں علوم و فنون کی تدریس کے لیول بتدریج مختلف ہیں، چنانچہ بالترتیب مونٹیسوری، پرائمری، سیکنڈری اور پھر اعلیٰ تعلیم (ہائر ایجوکیشن) سمیت تخصص فی الافتاء و تخصص فی الدعوۃ والارشاد تک کی تعلیم نہایت خوشگوار علمی ماحول میں دی جاتی ہے، اس کے علاوہ جامعہ کی اور بھی کئی تحقیقی، تالیفی، تبلیغی اور تدریسی سرگرمیاں ہیں، جن میں "البلاغ" اردو و انگریزی پاکستان کا ممتاز ترین دینی و فکری مجلات کے طور پر مقبول عام و خاص ہیں اور اب اللہ کی توفیق سے "البلاغ" عربی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس موقع پر یہ سوال بے محل نہیں ہے کہ اس جدید عربی مجلہ کی کیا ضرورت ہے، اور اس ماحول میں جبکہ اخبارات و جرائد اور رسائل و مجلات کا ڈھیر کا ڈھیر ماہانہ وار لائبریریوں میں بکھرا نظر آتا ہے، ایک اور رسالہ کا اضافہ اپنے اندر کیا فوائد و ثمرات رکھتا ہے، بلکہ دوسرے لفظوں میں وہ کونسی امتیازی خصوصیت جس کے پیش نظر ہم یہ رسالہ پیش کررہے ہیں؟۔

حقیقت یہ ہے کہ الحمدللہ یہ سوال اس وقت بھی ہماری نظروں سے اوجھل نہیں تھا جبکہ اس مجلہ کے لئے لائحہ عمل طے ہورہا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ علمی، دینی اور صحافتی میدان میں ان شاءاللہ یہ مجلہ دیگر رسائل پر بہت سی امتیازی خصوصیات کے ساتھ اپنے افق پر طلوع ہوگا، جس کی قدرے وضاحت ہم شرح و بسط سے کررہے ہیں۔

شک نہیں کہ عربی زبان کے بعد اردو زبان کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس زبان میں اسلامی مکتبہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تالیفات، تصنیفات، مقالات اور مضامین کی صورت میں موجود ہیں، جو علوم اسلامیہ میں تحریر کیے گئے ہیں اور یہ ہماری مقتدر و عبقری شخصیات اکابر علماء دیوبند کا رہین منت ہے، جنہوں نے اپنی زندگیوں کو جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے اٹے اس خطہ برصغیر پاک و ہند میں علمی و دینی خدمات کے لیے وقف فرمادیا، جن کی عربی تالیفات بالخصوص علوم حدیث میں مثلاً اعلاء السنن، فتح الملہم بشرح صحیح مسلم، بذل المجہود فی شرح سنن ابی داؤد، اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک، معارف السنن، شرح جامع الترمذی وغیرہ وہ شروح ہیں جنہیں بین الاقوامی طور پر اہل علم کے مقتدر طبقے نے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور سراہا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ان اکابر علماء کی عربی کے مقابلے میں اردو زبان میں علمی و دینی خدمات کافی زیادہ ہے، لیکن برصغیر کے باہر اردو زبان دانی نہ ہونے کے باعث ان حضرات کی یہ گرانقدر خدمات اور علمی ورثہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہا، بلاشبہ اگر اسے عربی زبان میں منتقل کردیا جائے تو اس کا نفع عام و تام ہوگا اور میں نے عرب دنیا کو اس گرانمایہ علمی ذخیرے کا بے حد قدردان پایا اور بلاد عرب کے بہت سے ہمارے بھائیوں نے یہ مطالبہ کیا کہ اس عظیم علمی سرمائے کی تعریب کردی جائے، تاکہ وہ بھی اس سے استفادہ کرسکیں۔

اسی اشد ضرورت کے پیش نظر ہمارا ارادہ ہے کہ اس نئے عربی مجلہ کو اس طرح امتیازی شان بخشی جائے کہ وہ ان جلیل القدر افادات کو عربی میں منتقل کرنے کے لیے ایک عظیم سنگ میل ثابت ہو، چاہے اردو سے عربی تعریب کے ذریعے ہو، تلخیص کے ذریعے ہو یا عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اسے ایک نئے اسلوب میں ڈھال کر یہ عظیم خدمت ممکن ہو۔

نیز اسی شمارے سے ہم نے ہمارے والد ماجد فقیہ الملت شیخ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ (بانی دارالعلوم

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی عالمگیر و شہرہ آفاق اردو تفسیر "معارف القرآن" کا بھی عربی میں درس شروع کردیا ہے، جسے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے ۸ ضخیم جلدوں میں تالیف فرمایا جس میں آپ رحمہ اللہ نے نہ صرف یہ کہ قرآنی علوم کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا ہے، بلکہ معارف و مسائل اور عملی زندگی سے متعلق ایسے دروس شامل کیے ہیں جو ہر مسلمان کی یومیہ زندگی کی اشد ضرورت ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ تفسیر برصغیر پاک و ہند میں سب سے زیادہ تلقی بالقبول پانے والی تفسیر ہے، جس میں ایک طرف کتاب اللہ کے مفہوم کو نہایت آسان اور سہل اسلوب میں بیان کیا گیا ہے، تو دوسری طرف اس تفسیر کا مخاطب عصر حاضر کا مسلمان ہے، جس کے ذہن کے دریچے اس کے اسرار و رموز کے فہم و ادارک سے واہوتے ہیں، اس کے معارف سے پردہ اٹھتا ہے، اور اس عظیم کتاب کے دائمی و ابدی پیغام کا صحیح مفہوم معلوم ہوتا ہے۔

اس عظیم تفسیر کی عالمگیریت کے مدنظر عرب دنیا کے بیشتر علماء نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ اس تفسیر کو عربی میں منتقل کردیا جائے، تاکہ برصغیر سے باہر پوری دنیا تک اس کا نفع عام و تام ہو، چنانچہ اس عظیم قرآنی خدمت کے لیے میں نے علماء کرام کی ایک جماعت سے التماس کیا، جن میں سرفہرست عالی مقام شیخ محمد قاسم حفظہ اللہ تعالیٰ (متخرج دارالعلوم کراچی و استاذ کبیر جامعہ دارالعلوم زاہدان) ہیں کہ وہ اس تفسیر کی تعریب کریں، جسے وہ الحمدللہ پوری محنت اور نشاط کے ساتھ شروع فرماچکے ہیں اور میری خواہش تھی کہ اس کی ابتداء اسی مجلہ "البلاغ" عربی سے ہو، چنانچہ اس کی پہلی قسط ان شاء اللہ آپ اس شمارے میں ملاحظہ فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ اس کارخیر کے جملہ رجال کار کو جزائے جزیل عطا فرمائے۔

اس طرح آپ اس مجلہ میں حضرت شیخ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ ہی کے دو اور مقالات کا عربی ترجمہ بھی ملاحظہ کریں گے، اس طرح ہم کوشش کریں گے کہ ہر مجلہ اسی طرح کے اردو مقالات اور بحوث کو عربی میں منتقل کرنے کا ایک عظیم ذریعہ ثابت ہو، بالخصوص عصر حاضر میں وقوع پذیر ان جدید معاملات سے متعلق فقہی مضامین بھی اس رسالہ کی ایک امتیازی خصوصیت ہوگی، نیز مختلف اصلاحی، فکری اور دینی مضامین ہمارے یومیہ معمولات میں ایک نئی روح پھونکنے کی غرض سے شامل اشاعت ہوں گے اور کچھ ایسی خبریں اور معلومات بھی ہم اس میں ملاحظہ کرسکیں گے جو ایک قاری کے لیے عملی زندگی کے لیے ایک عظیم زادِ راہ ثابت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ وہ ہمیں اپنی رضا کے مطابق اس کی اشاعت کا اہتمام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ہماری خطاؤں و لغزش سے درگزر کرتے ہوئے صراطِ مستقیم کی طرف ہماری رہنمائی فرمائے، انہ سمیع قریب مجیب الدعوات، وما توفیقنا الا بہ، علیہ توکلنا والیہ ننیب۔

محمد تقی عثمانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

عورت کا مقام و مرتبہ قرآن کریم و احادیث صحیحہ کی روشنی میں

اس کتاب میں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں بیان کردہ اصولیات و احکامات کی روشنی میں دین اسلام میں عورت کے مقام و مرتبہ کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے، ابتداءً مؤلف فاضل نے عورت اور اس کے رشتہ ازدواج کی نسبت سے ان طور طریقوں اور روایات کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے جو قدیم زمانے سے مختلف مذاہب و ادیان اور اقوام کے درمیان رائج ہے، وبعد اس معاملے میں اسلام اپنے نور ہدایت سے جس طرح عورت کے حقوق کی پاسداری کرتا ہے، اس کا بیان شروع ہوتا ہے اور پھر مؤلف فاضل مرد و عورت کے مساوی حقوق کے معاملے پر خاطر خواہ گفتگو کرتے ہیں اور نتیجہ خیز طور پر اپنی اس علمی گفتگو کی انتہاء اس کلیہ پر کرتے ہیں کہ مرد و عورت میں ہر چیز میں مساوات قائم کرنا نہ مطلوب ہے، نہ اس کا تصور ہو سکتا ہے، اور نہ ہی عملی طور پر اس کا کوئی فائدہ ہے، بلکہ فطرت کا تقاضا یہی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے فرائض و وظائف کو بخوبی سمجھا جائے اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں سے ہر ایک کو جو خصوصیات و صفات عطا فرمائی ہیں، ان سے مستقل حیثیت سے فائدہ اٹھایا جائے، اس کے علاوہ مؤلف نے ان احکام و حقوق کو بالتفصیل بیان کیا ہے، جن میں دین اسلام مرد و عورت دونوں میں بلا امتیاز و تفریق مساوات قائم کرتا ہے اور ان احکام کو بھی قدرے وضاحت سے بیان کیا ہے، جن میں ہر دو جنسوں کی امتیازی خصوصیات کے پیش نظر اسلام نے ان میں سے ہر ایک کو مستقل حیثیت سے ایک الگ مقام کے ساتھ ممتاز کیا ہے، جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مستقل خصوصیات کے پیش نظر کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشنے یا فضیلت دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ علی الاطلاق فضیلت کا حامل ہے، بلکہ یہ فضیلت اس لحاظ سے ہے کہ ہر ایک کا دائرہ عمل فطرتاً مقرر و متعین ہے، پھر مؤلف فاضل نے عورت سے متعلقہ فروعی مسائل پر کلام کیا ہے اور ان اسلامی احکام پر سیر حاصل گفتگو کی ہے، جنہیں مغرب زدہ افکار کے حاملین کی طرف سے نشانہ بنایا جاتا ہے، جیسے طلاق، میراث، تعدد ازدواج، عورت کا جاب کرنا، لباس و پوشاک، زیب و زینت، ستر و حجاب، تعلیم و تربیت کا حق، نکاح میں حق ولایت اور عورت کی گواہی وغیرہ۔

اخیراً، ان بے اصل احادیث کا تذکرہ کیا ہے، جو زبان زد عام ہیں اور دشمنان اسلام ان سے جابجا استدلال کرتے ہیں کہ اسلام کے نزدیک عورت کا مقام و مرتبہ اس درجہ نہیں، جو اس کا حق ہے اور اپنے اس درس حدیث میں تحقیق کے ساتھ ثابت کیا ہے، ان میں اکثر وہ احادیث ہیں جن کی کتب حدیث میں کوئی اصل نہیں۔

جہاں تک میری رائے کا تعلق ہے (اگرچہ مؤلف کے اخذ کردہ ان بعض نتائج کے بارے میں مجھے تحفظات ہیں جو انہوں نے کچھ فروعی مسائل کے ذیل میں ذکر کیے ہیں) تاہم من حیث المجموع میں ان کے اس کام کو ان عمدہ مقالات میں سے ایک سمجھتا ہوں جو مندرجہ ذیل وجوہ سے ممتاز ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۔ مؤلف کا طریق موضوع سے متعلقہ مباحث کے بیان میں دلائل سے مبرہن اور علمی ہے اور یہ واضح محسوس ہوتا ہے کہ مؤلف ذاتی رجحانات کے اثرات دلائل پر پڑنے نہیں دیتے۔

۲۔ مؤلف اپنے زور بیان میں ان جذباتی نعروں سے قطعی متاثر نہیں ہیں جن کی گونج "آزادی نسواں" کے نام پر اکثر مغرب سے سنائی دیتی ہے چنانچہ انہوں نے ہر ہر مسئلہ کو قرآن و سنت اور علمی حقائق سے مدلل کر کے بیان کیا ہے۔

۳۔ مؤلف نے جملہ متعلقہ مسائل میں عصر حاضر کے ان قلمکاروں کا تعاقب کیا ہے، جو اپنی کتابوں میں عورت سے متعلقہ احکام میں رائے زنی کرتے ہیں، اور اجتہاد کا لیبل لگا کر اسلام کے اِن عالمگیر احکام کو مغربی افکار پر منطبق کرتے نظر آتے ہیں، مؤلف نے ان گمراہ کن آراء پر شدید تنقید کرتے ہوئے ان کا علمی انداز میں جائزہ لیا ہے۔

۴۔ مؤلف اپنی تحریر میں اعتدال کا دامن تھامے نظر آتے ہیں، جس میں افراط کی طرف راغب ہے، نہ تفریط کی طرف مائل، وہ اپنی تحریر میں اس پروپیگنڈے کے مدمقابل احکام اسلامیہ کی آفاقیت پر آنچ نہیں آنے دیتے، جس کا ڈھنڈورا آج مغرب اس طرح پیٹ رہا ہے، جیسے یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے ادنی انحراف انسان کو جمود اور قدامت پسندی کی گہری کھائی میں جا گراتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ قرآن و سنت کو احکام شریعت کے لیے قابل اعتماد ذریعہ و واسطہ قرار دیا ہے اور مختلف اقوام و ملل اور ممالک میں رائج ان رسم و رواج اور روایات کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے، جنہیں اسلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، جبکہ اسلام قرآن و سنت کی ایک ایک نص کے ذریعے ان سے مکمل طور پر بری ہے، اس نقطہ نظر پر بحث کے دوران مؤلف فاضل نے اپنے اجتہاد سے نصوص شرعیہ کی جو تفسیر کی ہے وہ کہیں کہیں جمہور فقہاء کے خلاف ہے، تاہم من حیث المجموع جملہ ابحاث میں وہ جمہور کے دلائل پر قائم نظر آتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہ کتاب نہ صرف یہ کہ عورت سے متعلقہ خاندانی اور معاشرتی، اسلامی احکام کا استقصاء کرتی ہے، بلکہ اس سے کہیں اوپر اس کی قدر و منزلت کو بیان کرتی ہے، جو دیگر ادیان و اقوام کے ہاں رائج ہے۔

تاہم اس کتاب میں ایک مضمون کی کمی معلوم ہوئی جو زیر بحث موضوع کا عین مقتضیٰ تھا اور وہ یہ کہ شریعت اسلامیہ سے متصادم نوادر مغربی افکار کے عملی نفاذ سے عورت کے حقوق جس درجہ پامال ہوئے ہیں اور معاشرتی طور پر سنگین نتائج برآمد ہوئے ہیں، اس حوالے سے بیداریِ شعور کی بڑی ضرورت ہے، اس اہم موضوع سے متعلق کتاب میں بحث نہیں کی گئی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

عورت "شریعت اسلامیہ اور مغربی معاشرہ کی نظر میں"

یہ کتاب استاذ وحید الدین خان ہندی کی کتاب "خاتون اسلام" کا عربی ترجمہ ہے، جو اردو زبان میں ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی، غرض یہ کہ اصلاً یہ کتاب استاذ وحید الدین خان کی ہے، جسے استاذ سید رئیس احمد ندوی نے عربی میں منتقل کیا ہے اور ڈاکٹر ظفر الاسلام خان (مدیر معہد الدراسات الاسلامیہ العربیہ، دہلی) نے اس کی مراجعت کی ہے۔

اس کتاب کا سبب تالیف یہ ہے کہ ہندوستان کی عدالت عظمیٰ نے یہ حکم نامہ جاری کیا تھا کہ عدت گزارنے کے بعد تک بھی مطلقہ عورت کا نفقہ شوہر پر واجب ہے جو وہاں کے ایک مشہور مقدمہ کے طور پر بنام "شاہ بانو کا مقدمہ" معروف ہوا۔ جس کے بعد مسلمانان ہند نے شریعت اسلامیہ سے متصادم ہونے کے باعث اس حکم نامہ کو یکسر مسترد کر دیا اور اسلام کے بیان کردہ عورت کے مقام و مرتبہ سے آگہی نہ ہونے کے باعث وہاں ایک نئی بحث چھڑ گئی اور ہندوستان کے سیکولر طبقہ کی طرف سے عورت سے متعلقہ اسلامی احکام کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور عین مغرب کے شانہ بشانہ چلتے ہوئے آزادی نسواں کے نعرے بلند ہوئے اور ان گھسے پٹے اعتراضات کو ایک بار پھر دوہرایا گیا، جو اسلام کے خلاف اکثر مغرب کی طرف سے سامنے آتے ہیں کہ اسلام عورت سے امتیازی سلوک روا رکھتا ہے۔ معاذ اللہ۔

اس نازک صورتحال کے مد نظر استاذ وحید الدین خان نے یہ کتاب شائع کی جس میں انہوں نے "آزادی نسواں" کی رو سے عورتوں کے مردوں کے مساوی حقوق جیسے اہم موضوعات کا علمی انداز میں جائزہ لیا اور واضح کیا کہ یہ جذباتی نعرے عورت کی طرف سے کن سنگین نتائج پر منتج ہوتے ہیں؟ جس نے عورت کو مردوں کے ہاتھوں ایک کھیل بنا دیا ہے، جن سے ایک طرف وہ اپنی خواہشات کی تسکین کا سامان کرتے ہیں تو دوسری صنف نازک کے ایام شباب میں اسے کمائی اور شہوانیت کے فروغ کا ذریعہ بناتے ہیں، پھر بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اسے ایک چھلکے کی طرح پھینک دیا جاتا ہے، جس کی نہ بازار میں کوئی قیمت ہوتی ہے اور نہ ہی اپنی زندگی میں کوئی قدر و منزلت۔

استاذ وحید الدین خان اپنی کتاب میں جابجا اس طرح کی مثالوں کو بیان کرتے ہیں اور اہل مغرب ہی کے تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے اس نظریہ کو تحقیقات کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ "آزادی نسواں" اور "مردوں کے مساوی عورتوں کے حقوق" کے نام پر اہل مغرب کے تمام تر افسانوں کا نتیجہ اس کے سوا کچھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہیں کہ عورت بالآخر غربت و افلاس اور ذلت و بدبختی کی کھائی میں جا گرے۔

یہ کتاب ہر دو جنسوں سے تعلق رکھنے والے مغربی مفکرین کے اس طرح کے بیشتر اعتراضات سے بھری ہوئی ہے کہ نکاح و طلاق اور حجاب سمیت خواتین کے تمام ہی امور میں اگر قدرت کے وضع کردہ فطری اصولوں سے انحراف کیا جائے گا تو ہمارے شعبہائے زندگی اس طرح سخت ترین دشواریوں سے دوچار ہو جاتے ہیں، جن کی کوئی انتہا نہیں۔ اس طرح کے بے تحاشا اعترافات و واقعات کو مؤلف نے تسلسل کے ساتھ نہایت جامع انداز میں ترتیب دیے ہیں، جو اس موضوع کی مختلف کتابوں، مقالات اور ملکی و غیر ملکی اخبارات و رسائل سے ماخوذ ہیں، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان معلومات کے حصول کے لیے مؤلف نے مختلف مصادر کی طرف مراجعت کی ہے، جو اس کتاب کی واقعی ایک خصوصیت ہے، گو کہ بعض مسائل (جیسے تعدد ازدواج کو خواتین کی آبادی کی کثرت کے ساتھ مشروط کرنے) میں مؤلف کا موقف کافی کمزور نظر آتا ہے، جو شرعی دلائل سے میل نہیں کھاتا۔

مقدمہ امام مولانا محمد قاسم نانوتوی

امام کبیر، داعی اجل، عظیم فلسفی حضرت شیخ قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ برصغیر پاک و ہند کی ان عبقری شخصیات میں سے ہیں، جنہوں نے اس سرزمین پر اپنے انتہائی گہرے نقوش چھوڑے، اور آپ رحمہ اللہ ان رجال کار میں سے تھے جنہوں نے اپنی جہد مسلسل، سعی پیہم اور لازوال قربانیوں سے یہاں بسنے والے لوگوں کی زندگیوں کے تمام تر شعبہائے زندگی میں علمی و دینی انقلاب برپا کر دیا، حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انگریزی استعمار کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ میں ہراول دستے کا کردار ادا کیا اور پھر سب سے زیادہ حد شہرت کو پہنچی ہوئی اسلامی یونیورسٹی "دارالعلوم دیوبند" کی بنیاد رکھی، جو اپنی ہمہ جہت علمی و دینی کارکردگی کے باعث دنیا بھر میں "ازہر الہند" کے نام سے جانی جاتی ہے، یہ اس پورے خطے کی وہ سب سے پہلی مردم ساز اسلامی درسگاہ ہے جہاں یکتائے روزگار علماء کرام و ارباب فکر کی ایک کثیر تعداد تیار ہوئی، جنہوں نے اس دھرتی کو علم و عرفان، دعوت و ارشاد اور عملی کردار سے جس پائے کے معیار کے ساتھ روشناس کرایا اس کی مثال اور اداروں و یونیورسٹیوں میں خال خال نظر آتی ہے، حضرت امام نانوتوی رحمہ اللہ ایک طرف عیسائی مشنریوں اور ہندو مبلغین کی طرف سے سادہ لوح مسلمانوں کے خلاف ہونے والی یلغار

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے مد مقابل سیسہ پلائی دیوار بنے رہے تو دوسری طرف ان کے دین و اسلام کی حفاظت کے لیے ہر لمحہ وہر آن بر سرپیکار رہے، آپ رحمہ اللہ نے ان گمراہ کن کفار و مشرکین سے اسی وثوق کے ساتھ تاریخی مناظرے کیے جس سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں ہر میدان میں شکست ہوئی اور ہر اسٹیج پر منہ کی کھانے کے بعد وہ ذلیل ورسوا ہو کر لوٹے۔

یہ ایک مسلمہ زمینی حقیقت ہے کہ حضرت مولانا امام قاسم نانوتوی رحمہ اللہ علم وعمل کے ایک ایسا بحر بے کراں تھے، جن کا نفع کسی خاص زمانے یا خاص جگہ تک محدود نہیں رہا، انہوں نے طویل المدتی حکمت عملی اپناتے ہوئے ملت اسلامیہ پر رہتی دنیا تک حد درجے گہرے اثرات مرتب کیے، لیکن اس بات پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے کہ ہم برصغیر کے باہر ان کے علوم کو عام نہیں کر سکے، یہاں تک کہ اب تک عربی زبان میں کوئی ایک کتاب بھی نہیں تھی جس میں ان کی حیات طیبہ، عملی جدوجہد اور گرانقدر تالیفات کا تذکرہ ہوتا۔

لیکن میں انتہائی مسرت وفرحت محسوس کر رہا ہوں کہ محترم مولانا شیخ محمد اویس صدیقی نانوتوی حفظہ اللہ نے اس خلا کو پُر کیا اور حضرت امام نانوتوی رحمہ اللہ کی حیات مبارکہ پر کتاب تالیف کی اور یہ قابل قدر کام انہی کے مناسب بھی تھا کیوں کہ وہ انہی کے خانوادہ کے چشم وچراغ اور ان کے علوم کے وارث ہیں۔ انہوں نے طباعت سے قبل ہی اس کام کا مسودہ ارسال فرما کر شرف بخشا، سرسری نظر سے میں نے یہ مشاہدہ کیا کہ مؤلف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اس تالیف پر کام کے حوالے سے اس طرح موفق ہوئے ہیں کہ اولا انہوں نے ہندوستان کے اس وقت کے عمومی احوال کا تذکرہ کیا ہے، جب کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی پیدائش ہوئی پھر ان کی زندگی کے اہم اہم واقعات سے بحث کی ہے، اور ان کی علمی وعملی فتوحات پر بسط و تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، پھر ان کے مشائخ وتلامذہ کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی گرانمایہ تالیفات کا اس عمدہ انداز میں تعارف کیا ہے، جس سے ان کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے، اور کتاب میں دی گئی تمام تر معلومات نہایت سلیس اسلوب اور علمی انداز میں معتمد مصادر و مراجع سے پیش کی ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، اجر جزیل عطا فرمائے اور اس کا نفع ہر خطہ اور ہر بندہ کے لیے عام وتام فرمائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

محمد تقی عثمانی

۳ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ترکی کے ہر دلعزیز صدر جناب رجب طیب اردگان کے نام

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم

کا تہنیتی مراسلہ

۱۱شوال المکرم ۱۴۳۷ھ بمطابق ۱۵ جنوری ۲۰۱۶ء کی شب ترکی فوج کے کچھ باغی دستوں کی سرپرستی میں فوج کے ایک چھوٹے دستے نے مملکت ترکی کے ہر دل عزیز صدر جناب رجب طیب اردوغان کی حکومت کا تختہ پلٹ کر اقتدار پر قبضہ کرنے کی ناکام جسارت کی، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے جناب صدر کی اپنی شایان شان مددو نصرت فرمائی، اور وہاں کی غیور عوام نے اپنی مدد آپ کے تحت ایمانی غیرت کا ثبوت دیا، اور اپنی جانوں پر کھیل کر اسلام پسند حکمران کی پشت پناہی کرکے ریاستی سطح پر دینی تشخص کی فضا ہموار کی۔

ملت اسلامیہ کی عظیم القدر بین الاقوامی شخصیت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم نے بالخصوص پاکستان بھر کے علماء اور بالعموم یہاں کی عوام الناس کی طرف سے عالم اسلام کے ان مقتدر رہنما جناب رجب طیب اردگان کو اس عظیم الشان فتح ونصرت پر ایک عربی تہنیتی مراسلہ ارسال کیا، راقم السطور نے بتوفیق خداوندی اس کا اردو ترجمہ کرکے حضرت زید مجدہم کے ای میل ایڈریس پر ارسال کیا، بحمد اللہ تعالیٰ بہت معمولی دورانیہ میں یہ ترجمہ حضرت والا و مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی زید مجدہما کے دستخط کے ساتھ پاکستان بھر میں نشر ہوا، اللہ تعالیٰ شرف قبول عطا فرمائے۔

یوسف حسین

toobaa-elibrary.blogspot.com

MUFTI MUHAMMAD TAQI USMANI
Chairman Shariah Council, AAOIFI, Bahrain
Member International Islamic Fiqh Academy, Jeddah
Vice President Jamia Darul-Uloom Karachi - Pakistan

المفتي محمد تقي العثماني
رئيس المجلس الشرعي البحرين
وعضو مجمع الفقه الإسلامي الدولي
ونائب رئيس جامعة دار العلوم كراتشي، باكستان

۱۲شوال ۱۴۳۷ھ\۱۶جولائی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله الكريم وعلى آله واصحابه اجمعين
وعلى كل من تبعهم باحسان الى يوم الدين

امابعد!

گرامی قدر صدر رجب طیب اردگان، صدر جمہوریہ ترکی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہم آپ کی خدمت میں انتہائی مبارک باد اور شرف واعزاز کا ہدیہ پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے باغیوں اور سرکشوں کو ذلیل ورسوا فرما کر آپ کو فتح ونصرت سے سرفراز کیا، اور آپ کی قابل قدر قیادت اور ترکی کی ہر دل عزیز عوام کی بیدار مغزی کے نتیجے میں ان کے فتنہ کو خاک میں ملادیا، اور ترکی کی غیور عوام ان شرپسند باغیوں کے مدمقابل بغیر کسی پس وپیش کے جس طرح اٹھ کھڑی ہوئی اور ان کے حملہ آور ٹینکوں، جنگی جہازوں اور گولہ بارود کے آگے جس حوصلہ کے ساتھ سیسہ پلائی دیوار بن گئی، اس کی نظیر دیگر اقوام وملل کی تاریخ میں بہت خال خال نظر آتی ہے، حالاں کہ ان کے پاس اسلحہ وغیرہ کچھ بھی نہیں تھا، جو کچھ تھا وہ صرف فضا میں تکبیروں کی گونج، اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ ویقین، قابل تقلید جرأت وبہادری، بلند تر عزم حوصلہ اور عالم اسلام کے اس خطے کے لئے ہر ممکن قربانی پیش کرنے کے ابھرتے ہوئے وہ جذبات، جن کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے اور بلاشبہ اس پر شرق وغرب کی پوری ملت اسلامیہ فخر اور رشک کرتی ہے۔

اور بالخصوص پاکستان کے علماء کی جانب سے آپ عالی قدر صدر کی جناب میں محبت واخوت کے جذبات، اللہ تعالیٰ کے حضور دعاؤں اور اپنی عجز وناتوانی کی آہ وفغاں کے گلدستے اس دعا کے ساتھ پیش خدمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ دشمنوں کی سازشوں سے آپ کی اور مملکت ترکی کی حفاظت فرمائے، اور سازشی عناصر کے مکروفریب کو انہی کے ملیامیٹ کرنے میں صرف فرمادے، اور آپ کی جہد مسلسل اور سعی پیہم کو کامیابی وکامرانی اور اپنی توفیق کامل سے بہرہ مند فرمائے۔ خاص طور پر اسلام اور مسلمانوں کے لئے اہمیت کے حامل ہر ہر معاملہ میں آپ کے جرأتمندانہ اور دانشمندانہ اقدامات کو سراہتے ہوئے آپ اور آپ کے وطن کی حفاظت وسالمیت کے لئے امت اسلامیہ کے ہاتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں بلند ہیں، اور ہم دعا گو ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو اس طرح حکمت آمیز انقلابی تحریک کی توفیق عطا فرمائے جس سے ترکی کی موجودہ عظمت وسربلندی ہمیشہ برقرار رہے، کیوں کہ یہ وہ اسلامی سلطنت ہے جس سے دنیا بھر کے مسلمانوں کی تمنائیں اور امیدیں وابستہ ہیں، اور اس مبارک مقصد کے حصول کے لئے آپ کے تمام تر اہداف واقدامات کی تکمیل میں ہم آپ کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں، اور اپنے ترک بھائیوں کی ہر اس آواز پر لبیک کہنے اور ہر وہ حتی الوسع خدمت پیش کے لئے اپنے تئیں ہر دم تیار ہیں جو آپ کے ذکر کردہ عظیم الشان اہداف کے تعاقب کے لئے جاری اس تحریک کو آسان کرنے میں معاون ہو۔

محمد تقی عثمانی

(عالی مقام شیخ) مفتی محمد رفیع عثمانی
رئیس جامعہ دارالعلوم کراچی ومفتی بہا

Jamia Darul-Uloom Karachi
Korangi Industrial Area,
Karachi - Pakistan, Post Code : 75180
Phone: (92) (21) 35123100, Fax : (92) (21) 35123233

جامعة دار العلوم كراتشي
کورنجی انڈسٹریل ایریا الرمز البریدی ۷۵۱۸۰
كراتشي - باكستان
هاتف: ۳۵۱۲۳۱۰۰ (۲۱) (۹۲) فاكس: ۳۵۱۲۳۲۳۳ (۲۱) (۹۲)

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۔ www.ilmedeen.com (علم دین ڈاٹ کام) کا جامع تعارف، جس کے ذریعے دنیا بھر میں کسی بھی جگہ اکابر علماء حق کی چار ہزار سے زائد اردو و عربی کتب سے مروجہ جدید انداز میں استفادہ کا طریقہ

۲۔ Book Author ڈیجیٹل کتاب کی تیاری کے جملہ مراحل کا تعارف

۳۔ مکتبہ جبریل/ المکتبۃ الشاملۃ (ونڈوز/ انڈرائڈ): کمپیوٹر اور موبائل پر انسٹالیشن، کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، اپ ڈیٹ، متن وفہرست میں تلاش، لغات، کتب و مواد کو درآمد و برآمد کرنا اور ڈیجیٹل تحقیقات (research)، مقالہ (thesis) نگاری، کتب کی تبویب، تخریج، ترتیب سمیت تمام آپشنز کا طریقہ استعمال

۴۔ مکتبۃ المکنون المفہرس المحاضرات (آڈیو کیٹولوگر): بیانات، مواعظ، خطبات، تقاریر، لیکچرز، دروس کو عنوانات کے تحت ترتیب دینے، شارٹ کلپز بنانے، مطلوبہ بات تک تلاش کے ذریعہ رسائی کا طریقہ

۵۔ گولڈن ڈکشنری: جملہ اردو عربی انگلش کثیر الاستعمال لغات واکابر علماء حق کے اردو فتاوی میں تلاش واستفادہ کا جامع طریقہ

۶۔ برنامج حساب المواریث والزکوٰۃ: تمام نصابوں میں سیکنڈوں میں زکوٰۃ نکالنے اور میراث و معلوم کرنے کا عام فہم طریقہ

اس کے علاوہ ٹیم ویور، ڈراپ بوکس، اردو OCR، زکوۃ و قربانی سوفٹ ویئر، درہم و دینار شرعی مقادیر، تخریج اوقات قبلہ، عربی سے انگریزی وبرعکس تاریخ کنورٹر، تخریج اوقات صلوۃ، Purpose Built Device (زیر تعمیر مطالعتی ڈیوائس برائے طلبہ وعلماء) کے تعارف سمیت متعلقہ فقہی مباحث کا مجموعہ

مکتبہ دائرۃ المعارف کراچی

toobaa-elibrary.blogspot.com

بڑا ہے

ترکِ منشیات کے تیر بہدف نسخے

انگریزی تحریر

حضرت مولانا یونس پٹیل صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

(ساؤتھ افریقا)

اردو ترجمہ

یوسف حسین گجراتی

متخرج جامعہ دارالعلوم کراچی

نوجوانوں میں روز افزوں بڑھتا ہوا منشیات کا رجحان اور اس سے پھیلنے والی معاشرتی خرابیاں اور بیماریاں اہل فکرودانش کے لئے ایک چیلنج بن چکا ہے۔

حضرت مولانا یونس پٹیل صاحب رحمہ اللہ جو نہ صرف یہ کہ ایک جید عالم دین اور قدآور بزرگ شخصیت تھے، بلکہ ہر طرف پھیلی ہوئی معاشرتی برائیوں اور ان کی اصلاح کے ایک مقتدر نبض شناس بھی تھے، خاص طور پر نوجوان نسل کے لئے آپ کی علمی، اصلاحی وفکری خدمات ساؤتھ افریقا کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے،

آپ رحمہ اللہ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کی جو آگ بھردی تھی، آپ کی تحریر وتقریر میں دو آتشہ کا کام دیتی ہے، انداز بیاں انتہائی شستہ، پر اثر اور پر مغز ہے کہ قاری کے دل میں بات اترتی چلی جاتی ہے، رذائل زائل ہوتے اور فضائل کی طرف رغبت ہوتی ہے۔

آپ نے کتاب ہٰذا میں منشیات کی جملہ اقسام کے مہلکات اور اس کے ترک کرنے کے اس قدر آسان اور تیر بہدف نسخے ذکر کیے ہیں، جنہیں پڑھ کر انفرادی واجتماعی حیثیت سے بہت معمولی جدوجہد کے نتیجے میں ہر قسم کی منشیات سے نہ صرف یہ کہ چھٹکارا پایا جاسکتا ہے بلکہ معاشرے کو اس جان لیوا وبا سے بآسانی پاک کیا جاسکتا ہے۔

مکتبہ دائرۃ المعارف کراچی

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین متین کی آفاقیت وعالمگیریت دیگر مذاہبِ عالم کے مقابلے میں اظہر من الشمس ہے، چنانچہ اسے اس خصوصیت کے ساتھ تاقیامت باقی رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بنص حدیث صد سالہ بنیادوں پر ایسے مجددین کا انتخاب فرمایا، جنھوں نے اپنے اپنے عہد میں مسلم امۃ کی اجتماعی نوعیت کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کلیدی کردار ادا کیا۔

اسی قافلہ مجددین میں سے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم، عہد حاضر میں ملکی وبین الاقوامی سطح پر متنوع دینی خدمات کی بدرجہ اتم انجام دہی کے حوالے سے محتاج تعارف نہیں، آپ زید مجدہم کو دین متین کا درد منتقل کرنے اور اصلاح وتزکیہ نفوس کے لئے دنیا بھر کے ہر ہر خطہ سے مدعو کیا گیا، آپ نے جہاں اپنے الہامی بیانات ومواعظ کے ذریعہ پژمردہ قلوب کو حب الٰہی وعشق نبوی سے معمور کر دیا، وہیں بین الاقوامی کانفرنسوں میں اپنے گرانقدر مقالات پیش کر کے جس حکمت وبصیرت سے بالعموم عالم اسلام اور بالخصوص عرب دنیا کے خوابیدہ دلوں کو جھنجھوڑا، وہ بلاشبہ مفکر اسلام علامہ ندویؒ کے بعد حضرت والا ہی کا خاصہ ہے۔ فجزاهم الله تعالىٰ عن سائر المسلمين ومتعنا الله بطول حياتهم

زیر نظر کتاب انہی مقالات کا مجموعہ ہے، جو آپ زید مجدہم نے عالم اسلام کے علمی، فقہی، تحقیقی ورفاہی نوعیت کے پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے بین الاقوامی کانفرنسوں میں بڑی ہی دلسوزی کے ساتھ پیش فرمائے، جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تلقی بالقبول عطا فرمائی، اور ان کے اثرات بین الاقوامی طور پر محسوس کئے گئے، ان کے مطالعہ سے جہاں انفرادی حیثیت سے دین پر عمل پیرا ہونے کی فکر پیدا ہوتی ہے، وہیں المسلمون کرجل واحد۔۔۔ کی رو سے عالم اسلام کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اجتماعی وبین الاقوامی طور پر اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہونے کی فکر اجاگر ہوتی ہے، نیز یہ مجموعہ مقالہ نگاری کی دنیا میں فنّی حیثیت سے اپنی مثال آپ ہے، جس کا مطالعہ تحریر کا کمال درجہ پیدا کرنے کے لئے بے حد مفید ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com